جلد اوّل

وفاقی نصاب برائے بنات کے مطابق مکمل شرح

خَیرُالصَّالِحِینْ

اُردو شرح

رِیَاضُ الصَّالِحِینْ

اُستاذُالعلماء حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ

ودیگر اکابر کے افادات سے مزین مستند شرح

مرتبین

مفتی سعود احمد
(فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد)

مولانا حبیب الرحمٰن
(فاضل جامعہ خیرالمدارس ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240)

خَیْرُالصَّالِحِیْنْ

تاریخ اشاعت.......... شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ
ناشر.......... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.......... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
مکتبہ الفاروق. مصریال روڈ چوہڑ ہڑپال.. راولپنڈی
ادارہ اسلامیات.......... انارکلی.......... لاہور
دارالاشاعت.......... اُردو بازار.......... کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.......... اردو بازار.......... لاہور
مکتبۃ القرآن.......... نیوٹاؤن.......... کراچی
مکتبہ رحمانیہ.......... اُردو بازار .... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار...... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

حامداً و مصلیاً :. اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ادارہ کو کتب دینیہ کی اشاعت کا شرف حاصل رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہے جس پر جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ این سعادت بزور بازو نیست

زیر نظر کتاب "خیر الصالحین" اردو شرح ریاض الصالحین ہے جو کہ وفاقی نصاب برائے بنات کے مقررہ حصص کی تشریح ہے۔ اس شرح کا اکثر حصہ وہ ہے۔ جو معروف عالم بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کا لکھا ہوا ہے۔ حضرت کی تحریر فرمودہ پر علمی واصلاحی جامع شرح عرصہ دراز سے نایاب تھی۔ اللہ کے فضل سے ادارہ نے علماء سے از سر نو اس کی ترتیب و تکمیل کرائی اور مذکورہ شرح کے علاوہ خیر المفاتیح شرف الباری، طریق السالکین اور روضۃ الصالحین وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے تا کہ حضرت میرٹھی رحمہ اللہ کی یہ شرح وفاقی نصاب کے مطابق ہو جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ کی تالیف ریاض الصالحین آج بھی نہ صرف اہل علم بلکہ عوام الناس میں بھی ذخیرہ احادیث کا وہ مقبول عام مجموعہ ہے جس کی افادیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کی عام مطبوعہ اردو شروحات جدید ہیں جبکہ زیر نظر شرح کا انداز طباعت تو جدید ہے لیکن قدیم شارحین حدیث کے علمی جواہر کی امین ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے حدیث کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین۔

محمد اسحٰق غفرلہ

عشرہ اول شوال المکرم ۱۴۳۰ھ

بمطابق اکتوبر ۲۰۰۹ء

ابتدائیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

امابعد! احادیث مبارکہ پر مشتمل جدید وقدیم مبسوط ومختصر کتب میں ریاض الصالحین انفرادی خصوصیت کی حامل کتاب ہے جسے چھٹی صدی کے جلیل القدر محدث امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ نے مرتب فرمایا۔ اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر اور وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں میں نے صحیح احادیث کے ایک مختصر مجموعہ ریاض الصالحین کے انتخاب کا قصد کیا جو ہر پڑھنے اور عمل کرنے والے کیلئے اخروی زندگی کا مکمل طریق کار ہو۔ آخرت کے ظاہری و باطنی آداب واطوار کے حصول کا ذریعہ ہو۔ جس میں امور خیر کی ترغیب بھی ہو اور تباہ کن امور سے ڈرایا بھی گیا ہو اور اللہ کے راستے پر چلنے والے سالکین کے طور طریقے بھی ہوں۔ یعنی دنیا کی بے ثباتی اور بے مائگی کو ظاہر کرنے والی احادیث بھی ہوں اور نفس انسانی کی اصلاح اور اخلاق کی شائستگی سے متعلق بھی احادیث ہوں۔ دلوں کو رذائل اور دیگر امراض قلبیہ سے پاک و صاف کرنے والی احادیث بھی ہوں اور جسمانی اعضاء آنکھ کان، زبان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کی کجراہی سے حفاظت اور ان کی بے راہ روی کا ازالہ کرنے والی احادیث بھی ہوں۔ علاوہ ازیں عارفین اور اولیاء اللہ کے مقاصد و مقامات کے متعلق بھی احادیث ہوں۔

امام نووی رحمہ اللہ کا زمانہ حیات چونکہ چھ صدی ہجری پر محیط ہے اس لئے اس دور کے مسلمانوں کو جس دوا کی ضرورت تھی وقت کے اس عظیم مسیحا نے ذخیرہ احادیث سے منتخب وہ مجموعہ امت کو پیش کیا جس کی اس دور میں بالخصوص اور امت کیلئے ہر دور میں بالعموم ضرورت تھی۔ چھٹی صدی کا زمانہ اگرچہ مجموعہ اعتبار سے اسلامی تھا اور اسلامی تہذیب و ثقافت نہ صرف مسلمانوں میں رائج تھی بلکہ غیر مسلموں تک میں اثر پذیر تھی۔ اسلامی ممالک کا نظام کافی حد تک اسلامی تھا۔ معیشت و تجارت اسلامی فقہ کے مطابق تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود امت مسلمہ میں وہ مرض پیدا ہو چکا تھا جس طرف مخبر صادق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں پیشین گوئی فرمائی تھی۔

لکل امة فتنة و فتنة امتی المال ہر امت کیلئے ایک فتنہ ہوا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی)

ملک میں مال کی کثرت تھی جس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے راحت پسندی عیش کوشی اور خواہشات نفس کا

تسلط جیسے خدا و آخرت کو بھلا دینے والے نفسانی امراض کی کثرت تھی چونکہ حکومت اور تمام نظام کار مسلمانوں کے ہاتھ تھا۔ اس لئے رفاہیت و خوشحالی اور دولت و ثروت ان کے قدم چوم رہی تھی۔ دولت کی اس فراوانی کے نتیجہ میں امت میں دین کا سب سے بڑا دشمن مرض حب دنیا اور حب جاہ عام تھا۔

اس حب دنیا و حب جاہ کے سم قاتل کا تریاق اور مہلک زہر کا توڑ صرف زہد و تقویٰ فقر و فاقہ 'صبر و قناعت کی ترغیب اور ان کے ثمرات و برکات کی تعلیم اور دنیا اور اس کے مضر اثرات سے امت کو آگاہ کرنے پر منحصر تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ایسی شخصیت سے لیا جو علوم ظاہریہ و باطنیہ کے پاک باطن فقر پیشہ جلیل القدر امام تھے جن کی زندگی عملی اعتبار سے بھی عبادت و ریاضت صبر و قناعت اور زہد و تقویٰ کا مثالی نمونہ تھی۔ آپ کے کمال اخلاص کی واضح علامت کیلئے ریاض الصالحین ہی کافی ہے کہ یوم تالیف سے تاہنوز اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ مبارک کتاب جہاں اہل علم کے نصاب کا حصہ ہے وہاں عوام الناس بھی اس کے مطالعہ کے خواہاں رہتے ہیں اور حدیث کے ان مقدس جواہر کو حرز جان بنانا اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں اس لحاظ سے جو علمی و عوامی خصوصیت ریاض الصالحین کو حاصل ہے۔ شاید ہی کسی دوسری کتاب کو حاصل ہو۔

مرور زمانہ کے ساتھ اصحاب علم و فضل نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کتاب کی تخریج، تحقیق، تشریح جیسے عنوانات پر کام کیا اور مختلف زمانوں میں اس کے تراجم موجود ہیں۔ ماضی قریب میں ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ نے بھی بتوفیق خداوندی اردو میں اس کے بعض اجزا کی دلنشین تشریح لکھی جو زمانہ موجودہ میں بھی امت کیلئے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ حضرت کی یہ تشریح عرصہ دراز سے نایاب تھی۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے مالک حضرت قاری محمد اسحٰق صاحب ملتانی مدظلہم کی تحریک پر مفتی محمد سعود کشمیر اور راقم الحروف مولوی حبیب الرحمٰن (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان) نے مولانا میرٹھی رحمہ اللہ کی شرح کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مقرر کردہ نصاب برائے بنات کے مطابق ترتیب دیا اور مطبوعہ دیگر شروحات سے بھی بقدر ضرورت استفادہ کیا گیا تاکہ یہ مجموعہ معلمات و بنات کیلئے کافی وافی ہو سکے۔

عرصہ دراز کی محنت کے بعد یہ مجموعہ دو جلدوں میں مرتب ہو کر آپ کے سامنے ہے۔ اہل علم سے استدعا ہے کہ خیر الصالحین کی ترتیب میں بقدر ہمت کوتاہی نہیں کی گئی۔ تاہم اس علمی کام کیلئے جس قابلیت کی ضرورت ہے۔ بندگان مرتبین اس سے تہی دست ہیں۔ اس لئے دوران مطالعہ جس ظاہری و معنوی سقم میں مطلع ہوں براہ کرم ناشر کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی ہو سکے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

والسلام مع الاکرام مرتبین ومصححین خیر الصالحین

مختصر حالات صاحب شرح

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخلصانہ دینی جذبے' بے پناہ قوت عمل' دین کیلئے انتھک جدوجہد اور گوناگوں دینی و علمی خدمات کے لحاظ سے ان شخصیات میں سے تھے۔ جو کسی بھی قوم کیلئے باعث فخر ہو سکتی ہے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں مشاہیر علماء دیوبند سے تعلیم حاصل کی۔ علوم مروجہ میں پختہ استعداد کے حامل تھے لیکن ابتداء میں انہوں نے کسی دینی مدرسہ کو اپنا مرکز فیض قرار دینے کے بجائے السنہ شرقیہ کے سرکاری امتحانات کی تیاری کیلئے ایک ادارہ قائم کیا جو ادارہ شرقیہ کے نام سے مدتوں خدمات انجام دیتا رہا اور غالباً السنہ شرقیہ کی تدریس کا ممتاز ادارہ تھا۔ جس سے شاید ہزارہا لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور عربی' اردو' فارسی کی معیاری تعلیم حاصل کی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولانا کے جذبہ فیض رسانی کو یہ ذریعہ ناکافی معلوم ہوا اور مولانا اس نتیجے پر پہنچے کہ دین کی ٹھوس خدمت کیلئے کسی دینی مدرسہ ہی میں رہ کر روایتی طریق سے علوم اسلامیہ کی درس و تدریس ضروری ہے۔ چنانچہ مولانا نے بڑی جانی اور مالی قربانیوں کے ساتھ رفتہ رفتہ ادارہ شرقیہ کے کاموں کو سمیٹ کر ہمارے دارالعلوم میں تدریس کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے۔

یہ وہ وقت تھا' جب ۱۳۷۷ھ (۱۹۵۷ء) میں دارالعلوم نانک واڑہ کی قدیم عمارت سے حالیہ جدید عمارت میں منتقل ہوا تھا۔ اس وقت دارالعلوم کے آس پاس نہ کورنگی کی آبادی تھی نہ اس کا کوئی تصور دارالعلوم کی زمین جنگلی جھاڑیوں اور ریتلے ٹیلوں کے درمیان دو پختہ اور ایک زیر تعمیر عمارت پر مشتمل تھی۔ قریب میں ایک قدیم شرافی گوٹھ کے سوا کوئی آبادی نہ تھی۔ نہ بجلی تھی' نہ پانی تھا' نہ ٹیلیفون اور شہر سے رابطہ کیلئے بس بھی ایک میل کے فاصلے سے ملتی تھی اور یہ پورا فاصلہ لق ودق صحرا پر مشتمل تھا۔ مولانا کیلئے ادارہ شرقیہ کی ذمہ داریوں کو یک لخت چھوڑنا ممکن نہیں تھا اور اس لئے وہ دارالعلوم میں مستقل قیام بھی نہیں فرما سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دارالعلوم میں تدریس کیلئے روزانہ آمدورفت کا سلسلہ شروع کیا۔ شہر سے روزانہ دو بسیں بدل کر لانڈھی پہنچنا اور وہاں سے ایک ڈیڑھ میل کا فاصلہ اس طرح پیدل طے کرنا کہ ساتھ کتابیں بھی ہوتیں اور چونکہ مولانا چائے اور پان کے نہ صرف عادی بلکہ بلانوش تھے۔ اس لئے ساتھ چائے کا تھرماس بھی ہوتا اور پان کا سامان بھی اور پھر کئی گھنٹے جم کر درس دینا اور بعد میں اسی طرح شہر واپس جانا اور وہاں جا کر ادارہ شرقیہ کی ذمہ داریاں نبھانا روز مرہ کا معمول تھا۔ جسے دیکھ کر ہم نوجوانوں کو بھی پسینہ آتا تھا اور یہ معمول ایک دو دن یا چند ماہ نہیں۔ مسلسل چار سال تک جاری رہا اور اس ساری مشقت کے صلے میں مولانا نے کوئی مالی معاوضہ لینا گوارہ نہیں فرمایا۔

برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اور احقر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسی زمانہ میں ہم نے دیوان حماسہ حضرت مولانا سے پڑھا۔ مولانا بڑے لطیف ادبی مذاق کے حامل تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے دیوان حماسہ کے درس کی حلاوت ۳۳ سال گزر جانے کے بعد بھی قلب و ذہن میں اسی طرح تازہ ہے اور دیوان حماسہ کے اشعار ان کے مخصوص انداز و آہنگ اور آواز کی اسی گھن گرج کے ساتھ آج بھی کانوں میں گونجتے ہیں اور بہت سے اشعار کی تشریحات اور اس کے ذیل

میں بتائے ہوئے افادات اس طرح یاد ہیں۔ جیسے کل ہی ان سے یہ درس لیا ہو۔ درس کی یہ تاثیر بہت کم اساتذہ کے حصے میں آتی ہے۔ کہ طالب علم کو سالہا سال گزرنے پر بھی اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہی نہیں' استاد کا لب ولہجہ بھی مستحضر رہ جائے۔

دارالعلوم کے اس دور افتادہ مقام کا اور اس بے سرو سامانی کے دور میں روزانہ شہر سے آکر کئی گھنٹے پڑھانا یقیناً مولانا کیلئے ایک شدید مجاہدہ سے کم نہ تھا۔ لیکن مولانا نے یہ مجاہدہ کئی سال سے جاری رکھا۔ پھر بالآخر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں جو اب جامعۃ العلوم الاسلامیہ' بنوری ٹاؤن کے نام سے معروف ہے۔ تدریس شروع فرمادی' وہاں پہنچ کر مولانا نے رفتہ رفتہ ادارہ شرقیہ کے مشغلہ کو بالکل ختم ہی کردیا اور ہمہ تن مدرسے کے ہو کر رہ گئے۔ تدریس کے علاوہ مولانا انتظامی امور میں بھی حضرت مولانا بنوری صاحب قدس اللہ سرہ کے دست و بازو بنے رہے اور جب حضرت مولانا نے مدرسہ سے ماہنامہ بینات جاری کیا تو اس کے مدیر اور طابع و ناشر کی حیثیت سے مولانا ہی کو منتخب فرمایا۔

وفاق المدارس العربیہ کا قیام عمل میں آیا تو اگرچہ اس تنظیم کے رسمی مناصب پر تو اس وقت کے مشاہیر علماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات فائز رہے لیکن اس بات کا اعتراف ان سب حضرات نے بارہا کیا کہ عملی طور پر وفاق کے کرتا دھرتا در حقیقت حضرت مولانا ادریس صاحبؒ ہی تھے۔ ہر تنظیم کی طرح وفاق بھی اپنی ابتداء میں وسائل کی قلت کا شکار تھا اور مولانا محرری سے لیکر ڈاک کی ترسیل تک کے تمام کام تن تنہا انجام دیتے تھے اور راتوں کو جاگ جاگ کر یہ کام نمٹاتے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد باتفاق آپ ہی کو وفاق المدارس کا صدر منتخب کیا گیا اور اس عہدہ پر آپ آخر وقت تک فائز رہے۔ (نقوش رفتگاں)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ آپ کے آخری لمحات کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں تفسیر جلالین شریف کا بھی سبق پڑھایا کرتے تھے اور ظہر کے بعد اس کا وقت تھا' لیکن وفات کے دن صبح گیارہ بجے درس گاہ میں تشریف لائے۔ یہ گھنٹہ دوسرے استاد کا تھا اور وہ اپنا سبق پڑھا رہے تھے۔ ان استاد کو یہ کہہ کر اٹھادیا کہ اٹھو! مجھے سبق پڑھانا ہے۔ مدرسہ کے اکثر اساتذہ چونکہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد تھے۔ یوں بھی آپ مدرسہ میں سب سے معمر بزرگ تھے۔ اس لئے سبق پڑھانے والے استاذ' حضرت مولانا کا حکم سن کر فوراً اپنا سبق چھوڑ کر اٹھ گئے۔ حضرت سبق پڑھانے لگے۔ سورۃ المطففین چل رہی تھی اور (اس دن) کا سبق یہ تھا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ

یہاں تک سبق پڑھایا' پڑھا کے اوپر چلے گئے' بستر پر لیٹے اور انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت ہمارے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ان کے پاس بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے انتقال ہوا۔ وفات کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی۔ ظہر کے بعد دارالحدیث میں انکی میت زیارت کیلئے رکھی گئی۔ اتنا سفید چہرہ تھا کہ سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا تھا۔ حالانکہ حضرت کا رنگ ذرا سانولا تھا۔ لیکن وفات کے بعد چہرہ اتنا سفید اور ایسا نورانی تھا کہ واقعتاً پاؤڈر لگانے کا شبہ ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے کہا کہ بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگادیا؟ چہرے کا اتنا سفید ہونا انکی کرامت تھی۔ (واقعات و مشاہدات لدھیانوی)

فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة الكتاب للعلامة النووى رحمه الله

الحَمْدُ للهِ الواحدِ القَهَّارِ ، العَزيزِ الغَفَّارِ ، مُكَوِّرِ((١)) اللَّيْلِ على النَّهارِ ، تَذْكِرَةً لأُولي القُلُوبِ والأَبصَارِ ، وتَبْصرةً لِذَوي الأَلبَابِ والاعتِبَارِ ، الَّذي أيقَظَ مِنْ خَلْقهِ مَنِ اصطَفاهُ فَزَهَّدَهُمْ في هذهِ الدَّارِ ، وشَغَلهُمْ بمُراقبَتِهِ وَإدَامَةِ الأفكارِ ، ومُلازَمَةِ الاتِّعَاظِ والادِّكَارِ ، ووَفَّقَهُمْ للدَّأْبِ في طاعَتِهِ ، والتّأَهُّبِ لِدَارِ القَرارِ ، والْحَذَرِ مِمّا يُسْخِطُهُ ويُوجِبُ دَارَ البَوارِ ، والمُحافَظَةِ على ذلِكَ مَعَ تَغايُرِ الأَحْوَالِ والأَطْوَارِ.

أَحْمَدُهُ أَبلَغَ حَمْدٍ وأزكَاهُ ، وَأَشْمَلَهُ وأَنْمَاهُ ، وأَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلا اللهُ البَرُّ الكَريمُ ، الرؤُوفُ الرَّحِيمُ ، وأشهَدُ أَنَّ سَيِّدَنا مُحمّداً عَبدُهُ ورَسُولُهُ ، وحبِيبُهُ وخلِيلُهُ ، الهَادِي إلى صِرَاطٍ مُسْتَقيمٍ ، والدَّاعِي إِلَى دِينٍ قَويمٍ ، صَلَوَاتُ اللهِ وسَلامُهُ عَليهِ ، وَعَلَى سَائِرِ النَّبِيِّينَ ، وَآلِ كُلٍّ ، وسَائِرِ الصَّالِحينَ .

أما بعد ، فقد قال اللهُ تعالى : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ﴾ [الذاريات : ٥٦ - ٥٧]

وَهَذَا تَصْرِيحٌ بِأَنَّهُمْ خُلِقوا لِلعِبَادَةِ ، فَحَقَّ عَلَيْهِمُ الاعْتِنَاءُ بِمَا خُلِقُوا لَهُ وَالإِعْرَاضُ عَنْ حُظُوظِ الدُّنْيَا بالزَّهَادَةِ ، فَإِنَّهَا دَارُ نَفَادٍ لاَ مَحَلُّ إِخْلاَدٍ ، وَمَرْكَبُ عُبُورٍ لاَ مَنْزِلُ حُبُورٍ ، ومَشْرَعُ انْفصَامٍ لاَ مَوْطِنُ دَوَامٍ ، فلِهذا كَانَ الأَيْقَاظُ مِنْ أَهْلِهَا هُمُ الْعُبَّادُ ، وَأَعْقَلُ النَّاسِ فيهَا هُمُ الزُّهّادُ .

قالَ اللهُ تعالى : ﴿ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ

قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلاً أَوْ نَهَاراً فَجَعَلْنَاهَا حَصِيداً كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [يونس: ٢٤].

والآيات في هذا المعنى كثيرةٌ . ولقد أَحْسَنَ القَائِلُ((١)) :

إِنَّ للهِ عِبَاداً فُطَنَا طَلَّقُوا الدُّنْيَا وخَافُوا الفِتَنَا
نَظَروا فيهَا فَلَمَّا عَلِمُوا أَنَّهَا لَيسَتْ لِحَيٍّ وَطَنَا
جَعَلُوها لُجَّةً واتَّخَذُوا صَالِحَ الأعمالِ فيها سُفُنَا

فإذا كَانَ حالُها ما وصَفْتُهُ ، وحالُنَا وَمَا خُلِقْنَا لَهُ مَا قَدَّمْتُهُ ؛ فَحَقٌّ عَلَى الْمُكَلَّفِ أَنْ يَذْهَبَ بنفسِهِ مَذْهَبَ الأَخْيارِ ، وَيَسلُكَ مَسْلَكَ أُولِي النُّهَى وَالأَبْصَارِ ، وَيَتَأَهَّبَ لِمَا أَشَرْتُ إليهِ ، وَيَهْتَمَّ بِمَا نَبَّهتُ عليهِ . وأَصْوَبُ طريقٍ لهُ في ذَلِكَ ، وَأَرْشَدُ مَا يَسْلُكُهُ مِنَ المسَالِكِ ، التَّأَدُّبُ بِمَا صَحَّ عَنْ نَبِيِّنَا سَيِّدِ الأَوَّلِينَ والآخرينَ ، وَأَكْرَمِ السَّابقينَ واللَّاحِقِينَ ، صَلَواتُ اللهِ وسَلامُهُ عَلَيهِ وَعَلى سَائِرِ النَّبِيِّينَ .

وَقَدْ قالَ اللهُ تعالى : ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ [المائدة :٢]

وقد صَحَّ عَنْ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قالَ : "واللهُ في عَوْنِ العَبْدِ مَا كَانَ العَبْدُ في عَوْنِ أَخِيهِ" وَأَنَّهُ قَالَ : مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ۔ وأَنَّهُ قالَ : مَنْ دَعَا إِلى هُدىً كَانَ لَهُ مِنَ الأجرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يَنْقُصُ ذلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيئاً وأَنَّهُ قالَ لِعَلِيٍّ رضي الله عنه فَوَاللهِ لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِداً خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ ۔

فَرَأَيتُ أَنْ أَجْمَعَ مُخْتَصَراً مِنَ الأَحاديثِ الصَّحِيحَةِ، مشْتَمِلاً عَلَى مَا يكُونُ طَرِيقاً لِصَاحِبِهِ إلى الآخِرَةِ ، ومُحَصِّلاً لآدَابِهِ البَاطِنَةِ وَالظَاهِرَةِ . جَامِعاً للترغيب والترهيب وسائر أنواع آداب السالكين : من أحاديث الزهد ورياضات النُّفُوس ، وتَهْذِيبِ الأَخْلاقِ، وطَهَارَاتِ القُلوبِ وَعِلاجِهَا ، وصِيانَةِ الجَوَارِحِ وَإِزَالَةِ اعْوِجَاجِها ، وغَيرِ ذلِكَ مِنْ مَقَاصِدِ الْعارِفِينَ .

وَأَلتَزِمُ فيهِ أَنْ لا أَذْكُرَ إِلاَّ حَدِيثاً صَحِيحاً مِنَ الْوَاضِحَاتِ ، مُضَافاً إِلى الْكُتُبِ الصَّحِيحَةِ الْمَشْهُوراتِ . وأُصَدِّرُ الأَبْوَابَ مِنَ الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ بِآياتٍ كَرِيماتٍ ، وَأُوشِّحُ مَا يَحْتَاجُ إِلى ضَبْطٍ أَوْ شَرْحِ مَعْنىً خَفِيٍّ بِنَفَائِسَ مِنَ التَّنْبِيهاتِ . وإذا قُلْتُ في آخِرِ حَدِيث : مُتَّفَقٌ عَلَيهِ فمعناه : رواه البخاريُّ ومسلمٌ .

وَأرجُو إنْ تَمَّ هذَا الْكِتَابُ أنْ يَكُونَ سَائِقاً للمُعْتَنِي بِهِ إلى الْخَيْرَاتِ حَاجِزاً لَهُ عَنْ أنْواعِ الْقَبَائِحِ والْمُهْلِكَاتِ. وأنَا سَائِلٌ أخاً انْتَفعَ بِشيءٍ مِنْهُ أنْ يَدْعُوَ لِي ((١))، وَلِوَالِدَيَّ، وَمَشَايِخي، وَسَائِرِ أحْبَابِنَا، وَالْمُسْلِمِينَ أجْمَعِينَ. وعَلَى اللهِ الكَرِيمِ اعْتِمادي، وَإلَيْهِ تَفْوِيضي وَاسْتِنَادي، وَحَسبِيَ اللهُ وَنِعمَ الوَكِيلُ، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إلاَّ بِاللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ.

ترجمہ۔ تمام تعریفیں اللہ واحد قہار کیلئے ہیں جو غالب ' بخشنے والا ہے۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے والا ہے (جس سے گرمیوں میں راتیں چھوٹی اور دن بڑے اور سردیوں میں راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ یا رات کو دن پر لپیٹنے والا ہے ' یعنی دن ختم ہوتا ہے تو رات آجاتی ہے اور رات ختم ہوتی ہے تو دن آجاتا ہے)۔ یہ گردش لیل و نہار اسی (اللہ کا کام ہے) اس میں دل بینا اور نظر بصیرت رکھنے والوں کیلئے یاد دہانی اور اہل دانش اور غور و فکر کرنے والوں کیلئے نصیحت و عبرت ہے۔ جس کو اس نے مخلوق میں سے اپنے دین کیلئے چن لیا ' اس کو اس نے بیدار (دنیا کی حقیقت سے آگاہ) اور اس دنیا میں اس کو زہد و تقویٰ سے سرفراز کر دیا۔ وہ اللہ کی یاد میں اور ہمیشہ اس کی سوچ بچار میں مصروف رہتے ہیں کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت کی نشانیوں سے نصیحت پکڑتے اور رب کو یاد کرتے ہیں۔ ان کو وہ اللہ توفیق دیتا ہے جس سے وہ اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ آخرت کے دائمی گھر کیلئے تیاری کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بچتے ہیں جو ان کے رب کو ان سے ناراض کر دیں اور انہیں جہنم کا مستحق بنا دیں۔ ان پر کیسے بھی حالات آجائیں زمانہ کوئی سی بھی کروٹ لے ' وہ احوال و اطوار کے تغایر کے باوجود اپنی اس روش (اطاعت الٰہی اور اجتناب معاصی) پر قائم رہتے ہیں۔

میں اللہ کی حمد کرتا ہوں ' بلیغ ترین اور پاکیزہ ترین حمد ' جو اس کی تمام اقسام کو شامل اور زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ' وہ نیکوکار ' کریم اور رؤف رحیم ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا و سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے حبیب اور خلیل ہیں ' سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والے اور مضبوط دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کا سلام ان پر ہو اور تمام انبیاء کی آل پر اور تمام صالحین پر۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں نے تمام انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے ' میں ان سے کسی قسم کا رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں " یہ اس بات کی صراحت ہے کہ انس و جن صرف عبادت الٰہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصد تخلیق پر توجہ دیں اور زہد و تقویٰ اختیار کر کے دنیا کے اسباب

عیش و راحت سے گریز کریں، اس لئے کہ دنیا دار فانی ہے، یہ ہیشگی کا مقام نہیں ہے۔ عارضی سواری ہے۔ فرحت و سرور کی منزل نہیں۔ ایک منقطع ہو جانے والا گھاٹ ہے، دائمی قرار گاہ نہیں۔ اس لئے اہل دنیا میں سب سے زیادہ سمجھ دار وہ ہیں جو عبادت گزار بندے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ عقلمند وہ ہیں جو دنیا کے عیش و آرام سے بے رغبت رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "دنیا کی زندگی کی مثال، آسمان سے نازل کردہ پانی کی سی ہے، پس اس کے ساتھ سبزہ، جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں، مل کر نکلا، یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوش نما اور آراستہ ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اس کو کاٹ کر ایسا کر دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور و فکر کرنے والے ہیں ان کیلئے ہم اپنی نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں"۔

قرآن کریم میں اس مفہوم کی آیات بکثرت ہیں۔ شاعر نے خوب کہا ہے۔

اللہ کے سمجھدار بندے ہیں، انہوں نے دنیا کو طلاق دے دی اور دنیا کی آزمائشوں سے لرزاں و ترساں رہے۔

انہوں نے اس دنیا کو دیکھا، پس جب وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے کہ یہ کسی زندہ آدمی کیلئے وطن نہیں ہے۔

تو انہوں نے اس دنیا کو ایک گہرا سمندر قرار دے دیا (جسے کشتی کے بغیر عبور نہیں کیا جا سکتا) اور نیک اعمال کو انہوں نے اس میں کشتیاں بنا لیا"۔

پس جب دنیا کا یہ حال ہے، جسے میں نے بیان کیا اور ہمارا حال اور ہمارا مقصد تخلیق وہ ہے، جسے میں نے پیش کیا ہے، تو ہر مکلّف (بالغ عاقل) کیلئے ضروری ہے کہ وہ نیک لوگوں کا مذہب اختیار کرے، اہل دانش و بصیرت کے راستے پر چلے اور جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس کی تیاری کرے اور جس سے میں نے خبردار کیا ہے، اس کی فکر کرے اور اس کیلئے سب سے درست راستہ اور منزل مقصود کی طرف سب سے زیادہ رہنمائی کرنے والی شاہراہ، ان احادیث کا اخذ و اختیار کرنا ہے جو ہمارے پیغمبر سے صحیح سند سے ثابت ہیں، جو اولین و آخرین کے سردار اور تمام اگلے پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کا سلام نازل ہو ان پر اور تمام انبیاء پر۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو"۔ (المائدہ)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد فرماتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے" مزید فرمایا "جو کسی ہدایت (نیکی) کی طرف بلائے گا تو اس کیلئے ان لوگوں کی مثل اجر ہو گا جو اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا، یہ چیز ان میں سے کسی کے اجر کو کم نہیں کرے گی" اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا "اللہ کی قسم، تیرے ذریعے سے کسی ایک شخص کو اللہ ہدایت یاب کر دے تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔ (رقم الحدیث ۱۷۵، باب ۲۰)

پس ان احادیث کے پیش نظر میں نے دیکھا کہ میں احادیث صحیحہ کا ایک مختصر مجموعہ مرتب کروں جو ایسی باتوں پر مشتمل ہو جو اس کے پڑھنے والے کیلئے آخرت کا توشہ بن جائے اور جس سے اسے ظاہری و باطنی آداب حاصل ہو جائیں اور ترغیب و ترہیب اور آداب سالکین کی تمام قسموں کا جامع ہو۔ ان احادیث میں زہد کا سبق بھی ہو اور نفسوں کی ریاضتوں کا سامان بھی۔ اخلاق و کردار کے گیسو بھی جن سے سنوریں اور وہ دلوں کی طہارت کا ذریعہ اور ان کی بیماریوں کا علاج بھی ہو۔ انسانی اعضاء کی سلامتی اور ان کی کجی کا ازالہ بھی ہو اور ان کے علاوہ اللہ کی معرفت رکھنے والوں کے مقاصد اس کتاب کی احادیث سے پورے ہوں۔

میں نے التزام کیا ہے کہ میں اس میں صرف صحیح اور واضح روایات ذکر کروں گا جو مشہور صحیح کتابوں کی طرف منسوب ہوں گی اور ابواب کا آغاز میں قرآن عزیز کی آیات کریمہ سے کروں گا اور جو لفظ ضبط (اعراب کی وضاحت) کا یا پوشیدہ معنی کی شرح کا محتاج ہوگا۔ وہاں میں انہیں نفیس تنبیہات سے مزین کروں گا اور جب میں کسی حدیث کے آخر میں کہوں "متفق علیہ) تو اس کا مطلب ہو گا کہ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ اگر یہ کتاب مکمل ہو گئی تو توجہ سے پڑھنے والے کیلئے یہ نیکیوں کی طرف رہنمائی کریگی اور اس کو مختلف برائیوں اور تباہ کن گناہوں سے روکے گی اور میں اپنے اس بھائی سے' جو اس سے کچھ بھی فائدہ اٹھائے' یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے' میرے والدین کیلئے اور میرے مشائخ (اساتذہ) تمام احباب اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا کرے اور اللہ کریم پر ہی میرا اعتماد ہے اور اسی کی طرف میرے کاموں کی سپردگی اور استناد (بھروسہ) ہے اور مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ گناہوں سے بچنا بھی اس کی توفیق سے ہے اور نیکی کا اختیار کرنا بھی اس کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی اللہ غالب اور حکیم ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

باب الإخلاص وإحضار النية

في جميع الأعمال والأقوال والأحوال البارزة والخفية

اخلاص اور نیت کے بیان میں

تمام نیک کاموں اور قولی و فعلی عبادتوں اور طاعتوں میں' اور تمام ظاہری
اور باطنی حالتوں میں اخلاص اور نیت کا موجود ہونا از بس ضروری ہے

اخلاص اور نیت کی اہمیت اور اس باب سے کتاب کو شروع کرنے کی وجہ

تشریح: خدا پرستی اور عبادت و طاعت کی قبولیت کا تمام تر مدار صرف اخلاص اور نیت کی موجودگی پر ہے چنانچہ ریا اور سمعہ (دکھلاوے اور شہرت کی غرض سے) یا کسی بھی اور دنیوی غرض سے کسی بھی نیک کام کرنے کو، محققین نے "شرک خفی" (چھپا ہوا شرک) قرار دیا ہے حتیٰ کہ ایمان اور اسلام بھی اگر محض ریاکاری، شہرت طلبی یا اور کسی بھی دنیوی غرض کے لئے ہو تو معتبر نہیں اور اس کو شریعت میں نفاق کہا جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر عمل خیر اور عبادت و طاعت حتیٰ کہ ایمان بھی اسی وقت معتبر اور مقبول ہوتا ہے جبکہ وہ محض اللہ کے لئے ہو اور یہی اخلاص خدا پرستی اور عبادت و طاعت خداوندی کی روح اور سب سے مقدم شرط ہے۔

اخلاص کی پہچان

محققین نے قرآن وحدیث کی تعلیمات کے تحت عبادت و طاعت کو ریاکاری اور نفسانی خواہشات سے محفوظ ہونے کی علامت اخفا کو قرار دیا ہے یعنی شرعی ضرورت کے بغیر اپنی عبادت و طاعت کو لوگوں سے چھپانا اور ظاہر نہ کرنا یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ واقعتاً صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کام کرتے ہیں۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنی عبادت و طاعت کا حتی الامکان کسی کو پتہ نہ چلنے دیں، اگر کسی طریق پر لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے تو ان کو اس پر افسوس ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات شرعی حدود میں رہ کر وہ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں کہ لوگوں کے دل سے وہ خیال نکل جائے مثلاً اگر کسی اللہ کے مخلص بندے کے متعلق لوگوں میں مشہور ہو جائے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا اور تہجد کی نماز پڑھتا ہے تو وہ چند روز کے لئے اس نفل عبادت کو یا ترک کر دیتا ہے یا کسی اور وقت میں ادا کر لیتا ہے۔

یہی حال نیت کا ہے کہ اگر نیت اور قصد و ارادہ کے بغیر حسب عادت یا اتفاقاً کوئی بھی "عمل خیر" انسان کر لے

تو اجر و ثواب سے محروم رہے گا اس کے برعکس اگر حسب عادت کئے جانے والے اچھے کام بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نیت سے کرے گا تو وہ بھی عبادت بن جائیں گے مثلاً انسان بھوک لگنے پر سنت کے مطابق کھانا کھائے اس نیت سے کہ اللہ کا حکم ہے کلوا واشربوا ولاتسرفوا (کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو) اسی لئے میں یہ کھانا کھاتا ہوں تو وہ کھانا بھی عبادت بن جائے گا اور اگر بغیر نیت اور قصد و ارادہ کے حسب عادت وضو کر کے بے خیالی میں نماز بھی پڑھ لے گا اور دھیان کسی اور طرف لگا رہے گا تو اس وضو اور نماز پر بھی کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا غرض عادت اور عبادت میں فرق اور حد فاصل نیت ہے نیت اگر ہو تو عادت بھی عبادت بن جاتی ہے اور اگر نیت نہ ہو تو عبادت بھی عادت بن جاتی ہے اور انسان اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے۔

اس زمانہ میں روزہ نماز میں وہ اثر کیوں نہیں رہا جو قرآن و حدیث میں مذکور ہے

فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ صوم وصلوٰۃ (روزہ نماز) کے پابند لوگوں کے اندر بھی روزہ نماز کے وہ اثرات و برکات نظر نہیں آتے جو قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے ہیں مثلاً نماز کا خاصہ (مخصوص اثر) قرآن کریم میں یہ بیان فرمایا ہے کہ بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور فحش اور برے کام بھی کرتے ہیں' جھوٹ بولتے ہیں خیانتیں کرتے ہیں' دھوکے دیتے ہیں' بے محابا ظلم اور حق تلفیاں کرتے ہیں اور ان کے علاوہ طرح طرح کے حرام اور ممنوع کام کرتے ہیں اور نمازی کے نمازی ہیں تو اللہ کا کلام تو جھوٹا نہیں ہو سکتا پھر کیا بات ہے کہ نماز کا وہ اثر مرتب نہیں ہوتا جس کی خبر قرآن نے دی ہے بات یہ ہے کہ در حقیقت ہماری یہ نماز وہ نماز ہے ہی نہیں جس کا ذکر قرآن حکیم میں فرمایا ہے اس لئے کہ اول تو ہماری ان نمازوں میں وہ خلوص ہی نہیں ہوتا جو بندگی کا تقاضہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و مطلوب ہے جس کا بیان باب مراقبہ کی پہلی حدیث (حدیث جبرائیل علیہ السلام کے ذیل میں آتا ہے دوسرے یہ کہ ہماری توجہ نماز اور عبادت کی طرف عموماً نہیں ہوتی اور ہم یہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور اس سے مناجات کر رہے ہیں ہمارا دھیان اور خیال خدا اور نماز (بندگی) کے بجائے نہ معلوم کہاں کہاں بھٹکتا پھرتا ہے حتیٰ کہ اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد ہم سے دریافت کیا جائے کہ امام نے یا خود ہم نے کون کون سی سورتیں پڑھی تھیں تو یا تو ہم بتلا ہی نہ سکیں گے یا بہت کچھ سوچ بچار کے بعد بتلا سکیں گے حالانکہ حدیث شریف میں صاف اور صریح لفظوں میں فرمایا ہے کہ "اللہ غافل اور بے خبر دل والے کی نماز قبول نہیں کرتا" نیز قرآن کریم کی سورۃ ماعون کے اندر ارشاد ہے۔

فویل للمصلین الذین ہم عن صلوتہم ساہون الذین ہم یرآء ون ویمنعون الماعون (ماعون: ۴'۵)

ہلاکت ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل اور بے پرواہ ہیں جو محض دکھلاوا کرتے ہیں اور عام ضرورت کی چیزوں کو بھی منع کر دیتے ہیں (اور نہیں دیتے)

یہی حال ہماری اور تمام عبادتوں کا ہے کہ ہمیں ان کی عادت پڑچکی ہے جیسے اور بہت سے کام حسب عادت کر لیتے ہیں ایسے ہی نماز بھی حسب عادت پڑھ لیتے ہیں روزہ بھی حسب عادت رکھ لیتے ہیں اسی لئے ہمارے نماز روزہ میں وہ اثر نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے ذرا سوچیئے! ہم کتنے بڑے خسارے میں جارہے ہیں اس لئے سب سے مقدم اور ضروری چیز جس سے ہم محروم ہیں اور ہمیں پہلی فرصت میں جسے حاصل کرنا چاہیئے وہ یہی حقیقی اخلاص اور پوری توجہ کے ساتھ نیت اور عبادت کا قصد وارادہ ہے جس سے متعلق آیات اور احادیث اس باب میں بیان کی گئی ہیں اسی لئے اس باب کو سب سے پہلے رکھا ہے۔

یہ کتاب کس نیت سے پڑھنی چاہیئے

منجملہ اور عبادتوں اور طاعتوں کے چونکہ اس کتاب میں "آیات واحادیث" کا پڑھنا بھی ایک عبادت اور کار خیر ہے اس لئے ہر پڑھنے والے کا فرض ہے کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کو پڑھے اور اس نیت سے پڑھے کہ میں حتی الامکان اور بقدر طاقت ان آیات اور احادیث پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور شافع محشر محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل کروں گا۔ آمین۔

قرآنی آیات

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴾ [البينة : ٥] ،

اور ان اہل کتاب کو یہی تو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اسی کیلئے عبادت کو خالص کر کے سب سے منہ موڑ کر اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کیا کریں اور یہی ہے پختہ دین (اور صراط مستقیم)

تفسیر: تشریح۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن احکام کا حکم دیا گیا ہے وہ اس لئے تھے کہ خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ اپنے اعتقاد کو شرک سے پاک رکھیں۔ (مظہری ۱۲/ ۴۹۴)

احکام القرآن تھانوی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات میں نیت ضروری ہے کیونکہ اخلاص اس نیت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ (احکام القرآن للتھانوی ۵/۱۱۰)

ابوبکر رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اخلاص کا حکم ہے کہ عبادات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ (تفسیر کبیر)

حنفاء: تمام باطل مذاہب سے ہٹ کر اللہ کی طرف یکسو ہو جاؤ۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حنیف:

کہتے ہیں کہ تمام عقائد رذیلہ سے مائل ہو کر اسلام کی طرف آجانا۔ مرد حنفاء سے مذہب ابراہیم علیہ السلام ہے کہ جس طرح انہوں نے تمام مذاہب سے برأت کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اسی طرح یہاں حکم دیا جارہا ہے تم بھی ایسا کرو۔ (روح المعانی ۵/۲۳۶)

وَذَالِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَة: یہی سچا دین ہے۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی جو حکم دیا گیا یہی انبیائے کرام علیہم السلام اور گزشتہ صلحاء کی جماعت کا دین تھا۔

نصیر بن شمیل رحمہ اللہ نے جب خلیل بن احمد رحمہ اللہ سے دین القیمۃ کا معنی پوچھا تو خلیل رحمہ اللہ نے جواب دیا قیمۃ اور قیم قائم تینوں کا ایک ہی معنی یہی دین ہے ان لوگوں کا جو توحید پر قائم تھے۔

بعض لوگوں نے فرمایا کتب قیمۃ سے مراد توریت وانجیل وغیرہ کتب ساوی ہے یعنی ان کی صحیح کتابوں میں یہی دین تھا۔ (تفسیر مظہری ۲/۴۵۹)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن مجید مضبوط اور سچا دین ہے اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۵۷۴)

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ ﴾ [الحج : ۳۷]

نہ اللہ کے پاس (قربانی کے جانوروں کا) گوشت پہنچتا ہے نہ خون لیکن تمہاری پرہیز گاری اس کے پاس پہنچتی ہے۔

تفسیر: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قربانی کرنے کے بعد مشرکین قربانی کا خون کعبہ میں چھڑکتے اور گوشت کے ٹکڑے وہاں بکھیرتے تھے مسلمانوں نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ قربانی ایک عظیم عبادت ہے مگر یہ قربانی مقصود نہیں کیونکہ اللہ جل شانہ کے پاس نہ اس قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ ہی خون۔ قربانی اور تمام عبادات کا مقصود یہ ہے کہ اس عبادت کے ضمن میں حکم ربانی کی بجا آوری اور ساتھ میں اخلاص ہے اگر عبادات میں اخلاص نہیں تو یہ عبادات کا صرف صورت اور ڈھانچہ ہوگا۔ اس کی روح غائب ہو گی۔

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عمل کے قبول ہونے کے لئے تقوی واخلاص کی ضرورت ہے۔ اگر یہ چیز موجود نہیں ہے تو وہ عمل اللہ کے دربار میں قبول نہیں ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ﴾ [آل عمران : ۲۹]

(اے نبی) کہہ دو: جو تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اسے چھپاؤ چاہے ظاہر کرو اللہ اس کو (ہر حال) جانتا ہے۔

تفسیر: اس آیت کریمہ میں خبر دی جارہی ہے کہ اللہ جل شانہ کی قدرت وعلم کی کوئی انتہا نہیں ہے اگر کوئی

اپنے دل میں کوئی بات چھپائے دنیا میں کسی کو بھی اس کی اطلاع نہ کرے مگر وہ بات اللہ جل شانہ کے علم میں آتی ہے اور جو بات لوگوں کے سامنے ظاہر کی جائے تو بدرجہ اولیٰ اللہ جل شانہ کے علم اور قدرت میں ہو گی۔(دلیل الفالحین)

اسی طرح قرآن میں متعدد آیات میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے مثلاً:

قال اللہ تعالیٰ: وان تجھر بالقول فانه یعلم السیر واخفی (طٰہٰ آیت ۷)

اور اگر تو بات کہے پکار کر تو وہ جانتا ہے چھپی ہوئی بات کو بھی اور جو اس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی ہو۔ یعنی جو ابھی تک دل میں بھی نہیں آئی اللہ اس کو بھی جانتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: واسروا قولکم او جھروا به انه علیم بذات الصدور (ملک آیت ۱۳)

ترجمہ۔"تم اپنی بات زور سے کرو یا آہستہ اللہ دلوں میں جو کچھ ہے اس کو بھی جاننے والا ہے"۔

قال اللہ تعالیٰ: ربنا انك تعلم ما نخفی وما نعلن وما یخفی علی اللہ من شیء فی الارض ولا فی السماء (ابراھیم آیت ۳۸)

ترجمہ: اے رب ہمارے تو ہی جانتا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کچھ کرتے ہیں دکھا کر اور مخفی نہیں اللہ پر کوئی چیز زمین اور آسمان میں۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ جب اللہ ایسی قدرت والا ہے تو آدمی اعمال اسی کیلئے اخلاص کے ساتھ کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔(دلیل الفالحین ۱۔۳۹)

عمل کا مدار نیت پر ہے

عن أمير المؤمِنِين أبي حَفْصٍ عمرَ بنِ الخطابِ بنِ نُفَيْلِ بنِ عبدِ العُزّى بن رياحِ بنِ عبدِ اللهِ بن قُرْطِ بن رَزاحِ بنِ عدِي بنِ كعب بنِ لُؤَيٍّ بنِ غالبٍ القُرشِيِّ العَدويِّ رضي الله عنه ، قالَ : سَمِعتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقُولُ : إنّمَا الأَعْمَالُ بالنِّيّاتِ ، وَإنَّمَا لِكُلِّ امرِىءٍ مَا نَوَى ، فَمَنْ كَانَتْ هجرته إلى الله ورسوله ، فهجرته إلى الله ورسوله ، ومن كانت هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصيبُهَا ، أَوْ امْرَأَةٍ يَنْكَحُهَا ، فَهجْرَتُهُ إلى مَا هَاجَرَ إلَيْه . مُتَّفَقٌ عَلَى صِحَّتِهِ . رَوَاهُ إمَامَا الْمُحَدِّثِينَ ، أَبُو عَبْدِ الله مُحَمَّدُ بْنُ إسْمَاعيلَ بْن إبراهِيمَ بْن الْمغيرَةِ بن بَرْدِزْبَهْ الجُعْفِيُّ البُخَارِيُّ ، وَأَبُو الحُسَيْنِ مُسْلمُ بْنُ الحَجَّاجِ بْنِ مُسْلمٍ الْقُشَيْرِيُّ النَّيْسَابُورِيُّ رضي اللهُ عنهما فِي صحيحيهما اللَّذَيْنِ هما أَصَحُّ الكُتُبِ المصنفةِ .

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ اس کے سوا نہیں کہ عمل کا مدار تو صرف نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے

گا جو اس نے نیت کی ہو گی چنانچہ (مثلاً) جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی ہو گی (گھر بار چھوڑا ہو گا) اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گی (دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا پھل ملے گا) اور جس شخص نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے بیاہ کرنے کے لئے ہجرت کی ہو گی (اور اس کے لئے وطن چھوڑا ہو گا) اس کی ہجرت اسی چیز (دنیا یا عورت) کی طرف ہو گی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے (ملے یا نہ ملے یہ اس کی قسمت ہے باقی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ ملے گا)

الامر الاول...... بیان شان ورود حدیث

بعض روایتوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت رہتی تھی جو مشہور ام قیس سے تھی۔ اس کو ایک آدمی نے پیغام نکاح بھیجا تو ام قیس نے ایک شرط لگائی کہ تم مدینہ میں ہجرت کر کے آجاؤ تو پھر میں نکاح کروں گی۔ اس شخص نے محض نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو چونکہ اس کی نیت فاسدہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اور پوری امت کی اصلاح کیلئے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ حدیث ارشاد فرمائی "انما الاعمال بالنیات الخ" ہجرت ایک عظیم ترین عبادت ہے جو محض رضائے الٰہی کیلئے ہونی چاہئے تھی مگر اس نے نیت فاسدہ سے ہجرت کی تھی۔ چنانچہ بعد میں اس کا نام مہاجر ام قیس ہو گیا۔

سوال: یہ کام صحابی رضی اللہ عنہ سے کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ محض نکاح کی غرض ہجرت کرے؟

جواب: یہ کوئی مستبعد نہیں صحابہ کے اندر کمالات بتدریج پیدا ہوئے۔

الامر الثانی...... اس حدیث کو پہلے ذکر کرنیکی وجوہات

اس حدیث کو کتاب کے شروع میں سب سے پہلے کیوں لائے؟ سر فہرست کیوں ذکر کیا؟

جواب کئی وجوہ ہیں (۱) صاحب مشکوۃ کا اس حدیث کو اپنے پیش رو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ اور صاحب مصابیح کی اتباع کرتے ہوئے سر فہرست ذکر کیا۔ (۲) اس حدیث اور مبداء کو کتب الحدیث ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ کتب کی ابتداء خصوصاً کتب حدیث کی ابتداء اس حدیث سے ہونی چاہئے۔ اکثر محدثین خصوصاً عبد الرحمٰن بن مھدی رحمہ اللہ کا قول ہے جو بھی کوئی کتاب لکھے خصوصاً علم حدیث میں تو وہ اس کو ابتداء میں ذکر کرے۔ (۳) اس حدیث کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے سر فہرست ذکر کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ عظیم الشان کیسے ہے؟ وہ اس طرح کہ بعض علماء محدثین کا قول ہے کہ یہ نصف العلم ہے۔ بایں طور کہ اعمال دو قسم پر ہیں۔ (۱) اعمال ظاہرہ (۲) اعمال باطنہ۔

اور نیت باطنی میں سے اہم شے ہے گویا باطنی کے ذکر سے نصف العلم کو بیان کیا گیا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثلث العلم ہے۔ بایں طور کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں۔(۱)اعمال لسانیہ (۲)اعمال جوارحہ (۳)اعمال قلبیہ۔ اور نیت اعمال قلبیہ کے ساتھ متعلق ہے تو اس لحاظ سے یہ ثلث العلم ہے۔ اور بعض نے کہا یہ حدیث ۷۰ فقہی ابواب پر مشتمل ہے تو ان ائمہ کے اقوال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس حدیث کو اہمیت حاصل ہے اس لئے اس حدیث کو سر فہرست ذکر کیا۔ (۴) تصحیح النیۃ پر تنبیہ کرنے کیلئے اس حدیث کو مقدم کیا کہ معلم اور متعلم کو چاہئے کہ پڑھنے پڑھانے سے پہلے اپنی نیت کا جائزہ لے اچھی نیت ہونی چاہئے اپنی نیت کو درست کرلیں کم از کم نیت فاسدہ نہیں ہونی چاہئے۔ (۵) اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے طالب حدیث کیلئے نوع من الہجرۃ کا ہونا بھی ضروری ہے کچھ نہ کچھ مشقت برداشت کرنا بھی ضروری ہے تو اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ کمرہ سے اٹھ کر درس گاہ میں آجائے ہجرۃ باطنہ تو ہر حال میں ضروری ہے تو گویا اس سے تحصیل علم کے آداب کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث کی تشریح: نیت کے معنی اگرچہ قصد وارادہ کے ہیں مگر نیت دراصل اس غرض وغایت کا نام ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے انسان کوئی کام بالقصد والارادہ کرتا ہے خواہ وہ غرض وغایت اچھی ہو خواہ بری جیسا کہ حدیث میں اچھی اور بری دونوں قسم کی نیتوں کا ذکر ہے یہی معنی حدیث میں مراد ہیں چونکہ انسان بعض اوقات بے خیالی میں بغیر کسی خاص نیت و قصد وارادہ کے بھی کوئی نیک کام یا عبادت کرلیتا ہے اور اللہ کے ہاں ایسا نیک کام یا عبادت مقبول نہیں اور نہ اس پر کوئی اجر وثواب ملتا ہے اللہ کے ہاں تو وہی عبادت مقبول ومطلوب ہے جو دل کی پوری توجہ کے ساتھ ہو اور صرف اللہ کے لئے ہو اور کسی دوسری غرض کے لئے نہ ہو اس لئے ہر عمل خیر اور عبادت وطاعت کے وقت دل کا پوری طرح اللہ اور اس کی عبادت وطاعت کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے یہی معنی احضار نیت (نیت موجود ہونے) کے ہیں اور اسی معنی میں نیت کا لفظ عموماً استعمال ہوتا ہے۔

زبان سے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں

۲- نیت کا زبان سے کہنا ضروری نہیں بلکہ دل کا اللہ اور اس کی عبادت کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا ضروری ہے اگر زبان سے بھی کہہ لے تو کچھ حرج نہیں خواہ عربی میں کہے خواہ اردو میں یا کسی دوسری زبان میں۔

اس حدیث کا ماخذ

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی یعنی حدیث انما الاعمال بالنیات' اللہ تعالیٰ کے فرمان ولکن ینالہ التقویٰ منکم سے ماخوذ اور اسی کا اقتباس ہے آیت کریمہ میں اسی اصول کو قربانی کی مثال میں بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں ہجرت کی مثال میں سمجھایا گیا ہے اصول عام ہے کوئی بھی عمل خیر اور عبادت وطاعت ہو اس کا مدار نیت پر ہے جیسی نیت ویسا پھل۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث کی فضیلت

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ثلث علم والی حدیث فرمایا ہے۔ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے فرمایا علماء نے اس حدیث کو ثلث الاسلام کا لقب دیا۔ اسی طرح امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نصف فقہ کا نام دیا ہے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بھی ارادہ کرے تصنیف کا اس کو چاہئے کہ وہ اسی حدیث سے شروع کرے۔

شان ورود حدیث

بعض روایات میں اس حدیث کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے ام قیس رضی اللہ عنہا نامی عورت کو پیغام نکاح دیا اس عورت نے شرط لگائی کہ جب تک تم ہجرت نہیں کرو گے میں تم سے نکاح نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس آدمی نے اس عورت کی اس شرط کو قبول کر کے ہجرت کر لی پھر دونوں کا باہم نکاح ہو گیا۔ مگر اس شخص کا نام مہاجر ام قیس مشہور ہو گیا۔اس عورت کا نام تو قیل رضی اللہ عنہا اور اس کی کنیت ام قیس رضی اللہ عنہا تھی۔ اکثر محدثین اس کا نام بھول گئے ہیں۔

سوال۔ اسی طرح جب ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہا تھا تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام کی شرط لگائی تھی جب وہ مسلمان ہوئے پھر نکاح ہوا۔ان پر تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی؟

جواب۔ علماء نے فرمایا ہے یہاں ابو طلحہ کا پہلے سے مسلمان ہونے کا ارادہ تھا اور پہلے واقعہ میں ان صحابی کا پہلے ہجرت کا ارادہ نہیں تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہلے پر نکیر فرمائی اور دوسرے پر نکیر نہیں فرمائی۔

نیت کی تین قسمیں ہیں

نیات یہ نیت کی جمع ہے۔ نیت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ **تمییز عبادة عن العادة.** یعنی نیت کے ذریعہ عبادت کو عادت سے جدا کرنا مثلاً ایک آدمی نماز کی حالت میں کھڑا ہے اگر اس نے نیت کی ہے تو نماز کی تو وہ نماز ہو گی ورنہ سمجھا جائے گا کہ ویسے ہی کھڑا ہے۔

۲۔ **تمییز عبادة عن العبادة.** یعنی نیت کے ذریعہ سے ایک عبادت کو دوسری عبادت سے جدا کرنا مثلاً نیت کے ذریعہ سے ظہر اور عصر کی نماز میں فرق کرنا۔

۳۔ **تمییز معبود عن المعبود.** یعنی نیت کے ذریعہ ایک معبود کی عبادت سے دوسرے معبود کی عبادت کو جدا کرنا مثلاً کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہے اب اس کی نیت سے معلوم ہو گا کہ اللہ کیلئے پڑھ رہا ہے یا کسی اور معبود کیلئے۔

اللہ کے یہاں وہی عمل قابل قبول ہو گا جو صحیح نیت کے ساتھ کیا جائے۔

سوال: "**انما الاعمال بالنیات**" انما حصر کیلئے آتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوئے "**لاعمل الا بالنية**" یعنی نیت

کے بغیر عمل وجود میں ہی نہیں آسکتا حالانکہ آدمی نیت کے بغیر بھی عمل کر لیتا ہے۔

جواب: عمل کا وجود نہ ہونا نیت کے بغیر اس سے مراد وجود شرعی ہے نہ کہ حسی دیکھنے میں تو وہ عمل نظر آئے گا مگر شریعت کی نگاہ میں عمل اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ اس میں اللہ کیلئے نیت موجود ہو۔

"انما الاعمال بالنیات" کے بعد "لکل امری ء مانوی" کو ذکر کیا گیا ہے۔

"وانما لکل امری ء مانوی" ہر ایک کو اعمال کا بدلہ نیت کے اعتبار سے ملے گا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نیت کا معاملہ بہت عظیم الشان اور اہم ہے اس لئے دوبارہ "انما الاعمال بالنیات" کی تاکید اس جملہ کے ساتھ کی گئی ہے۔

دنیا کے تذکرہ کے بعد عورت کا تذکرہ کیوں کیا گیا؟

"اوالی امرأة ینکحھا" یا عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے۔

سوال: پہلے "الی الدنیا" میں عورت بھی داخل تھی پھر اس کو مستقل کیوں بیان کیا گیا؟

جواب: زیادہ اہتمام کی وجہ۔

جواب: یا یہ کہ انصار مدینہ ہجرت کرنے والوں پر سب سے زیادہ ایثار کرتے تھے مال اور عورت دونوں چیزوں کی، اس وجہ سے فرمایا کوئی ہجرت نہ کرے نہ دنیا کی وجہ نہ عورت کے حصول کیلئے۔

جواب: یا شان نزول کی وجہ سے عورت کا تذکرہ آگیا۔

جواب: یا عورت کا فتنہ اہم ہے اس لئے اس کو دوبارہ ذکر کر دیا گیا۔

الامر الثالث عشر۔ جملتین کے مفردات کا بیان

فمن کانت هجرته الی الله و رسوله فجهرته الی الله و رسوله و من کانت هجرته الخ۔ ان جملوں میں ہجرۃ کا لفظ آیا ہے۔

ہجرۃ کی تحقیق

ہجرۃ کا لغوی معنی۔ **انتقال من مکان الیٰ مکان**۔ اصطلاحی معنی۔ **انتقال من مکان الی مکان لمرضاء الله تعالیٰ.**

پھر ہجرۃ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ہجرۃ ظاہرہ (۲) ہجرۃ باطنہ۔ ہجرۃ ظاہرہ پھر دو قسم پر ہے۔

۱- **انتقال من دار الفساد الی دار الامن کهجرة الصحابه من المکة الی الحبشه۔**

۲- **انتقال من دارالکفر الی دارالاسلام کهجرة الصحابه من مکه مکرمة الی المدینة المنوره قبل فتح المکه۔**

کیونکہ فتح مکہ کے بعد تو خود مکہ مکرمہ دارالاسلام بن گیا تھا۔ ہجرۃ کی یہ دونوں قسمیں تا قیام قیامت باقی رہیں گی۔
ہجرۃ باطنہ: ما نھی اللہ عنہ کو چھوڑ دینا۔ معاصی وذنوب کو چھوڑ دینا یہ ہجرۃ ہر وقت ہر مسلمان کی طرف متوجہ ہے۔
والمہاجر مہاجر حقیقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منہیات کو چھوڑ دے۔ ثانی مفردات واضح ہیں۔
الامر الرابع عشر۔ جملتین کا جملہ ثانیہ کے ساتھ ارتباط
جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں جملہ سابقہ انما لامرئ مانوی کے اجمال کی تفصیل کا بیان ہے کہ ہر شخص کو مانویٰ کے مطابق جزا ملے گی۔ ان کا ن حسن فحسن وان شرفشر ان کان قبیح فقبیح۔ اس قاعدہ کلیہ کی توضیح ایک مثال جزئی کے ذریعہ کی اور وہ مثال جزئیہ ہجرۃ والا عمل ہے کہ اگر یہ ہجرۃ والا عمل بنیت صحیحہ ہو تو ہجرۃ مقبولہ اور اگر بنیت فاسدہ ہو تو ہجرۃ مردودہ وغیر مقبولہ ہو گی۔

الامر الخامس عشر۔ چند سوالوں کے جوابات

سوال: مثال کے اندر ہجرۃ والا عمل کیوں پیش کیا۔ جواب: (۱) شان ورود کی وجہ سے۔ (۲) تاکہ ہجرۃ کے ماسوا کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہو جائے وہ کیسے؟ اس طرح کہ ہجرۃ والا عمل عظیم ترین عمل ہے عزیز و اقارب اور اولاد کو چھوڑنے کی وجہ سے قربانیوں صعوبتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے۔ اتنا بڑا عمل جب بنیت فاسدہ ہو تو باطل ہو جاتا ہے تو دوسرے اعمال تو بطریق اولیٰ بنیت فاسدہ باطل ہو جائیں گے۔
سوال: ایک لفظی اشکال دونوں جملوں میں شرط و جزا کے لحاظ سے تغایر نہیں بلکہ تغایر کا ہونا ضروری ہے۔
جواب: (۱) شرط کی جانب نیت و قصد مقدر اور جزا کی جانب اجر و ثواب مقدر ہے۔ (۲) شرط کی جانب دنیا کا لفظ اور جزا کی جانب فی العقبیٰ کا لفظ مقدر ہے۔ (۳) جزا محذوف ہے اور مذکور اس کی علت ہے ای فہجرۃ مقبولہ علت کو جزا کے قائم مقا بنادیا۔
(۴) **فھجرتہ** الی اللہ ورسولہ کنایہ ہے مقبولۃ سے اور مضمون کے اعتبار سے تغایر کا پایا جانا کافی ہے۔ الفاظ میں تغایر ضروری نہیں۔
سوال: لفظوں میں اتحاد کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: کلام عرب میں بسا اوقات تکرار سے عظمت شان بتلانا مقصود ہوتی ہے۔ یہ ہجرۃ کا عمل عظیم ہے۔ تبرک اور التذاذ کے لئے اللہ اور رسول کے تذکرے میں تکرار ہے۔
سوال: امرأۃ دنیا میں داخل ہے عطف الخاص علی العام میں نکتہ کیا ہے؟ جواب: تاکہ شان ورود کی طرف ذہن منتقل ہو جائے یا تاکہ فتنہ نساء کے اخر الفتن ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے فتن دنیا میں سے اشد ضرراً و نقصاناً۔ سوال دوسرے جملے میں دوبارہ دنیا اور عورت کا ذکر کیوں کیا نہیں؟ جواب کہ حقارت بتلانے کے لئے دوبارہ ذکر نہیں کیا۔ الامر السادس عشر۔ متفق علیہ

یہ ایک اصطلاح ہے وہ حدیث جس پر شیخین ایک راوی سے تخریج کرنے پر اتفاق کیا ہو اگرچہ دوسرے علماء کا بھی اس پر اتفاق ہوتا ہے لیکن متفق علیہ سب علماء کے متفق ہونے کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ وجہ وہی ہے جو پہلے ذکر کی ہے۔ز الله اعلم بالصواب. تم حديث النية بعون الله خالصةً۔

حشر کے دن لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھیں گے

وعن أمِّ المؤمنينَ أمِّ عبدِ اللهِ عائشةَ رضي الله عنها ، قالت : قالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يغزُو جَيْشُ الْكَعْبَةَ فإذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الأَرضِ يُخْسَفُ بأوَّلِهِمْ وآخِرِهِمْ . قَالَتْ : قلتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ،كَيْفَ يُخْسَفُ بأوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَفِيهِمْ أَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيسَ مِنْهُمْ ؟! قَالَ : يُخْسَفُ بِأوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيّاتِهِمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . هذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ .

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے قریب) ایک لشکر اللہ کے گھر (کعبہ) پر چڑھائی کرنے کے لئے نکلے گا جب وہ زمین کے کھلے میدان میں پہنچے گا تو اس لشکر کے اگلے پچھلے سب لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا (اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا) حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگلے پچھلے سب لوگوں کو کیسے (اور کیوں) دھنسا دیا جائے گا؟ ان میں (سب ہی لڑنے والے تو نہ ہوں گے، سودا سلف بیچنے والے) دکاندار بھی ہونگے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ان حملہ آوروں میں سے نہ ہوں گے (نوکری چاکری کے لئے چلے آئے ہوں گے ایسے لوگ بلا قصور کیسے اور کیونکر ہلاک کر دیئے جائیں گے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس وقت تو) اگلے پچھلے سب ہی لوگ (ان مجرموں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے) دھنسا دیئے جائیں گے پھر (حشر کے دن) اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے (جو کعبہ پر چڑھائی کرنے آئے تھے وہ تو مجرموں کے زمرہ میں الگ اور جو اس نیت سے نہیں آئے تھے وہ الگ کھڑے کئے جائیں گے) (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مجرموں، بدکاروں اور گنہگاروں کے محض ساتھ رہنا بھی عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں گرفتار ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے اگرچہ حشر کے دن آخرت کے عذاب سے کوئی اپنی نیک نیتی کی وجہ سے بچ بھی جائے اس لئے ایسے مجرموں، بدکاروں اور گنہگاروں سے زیادہ سے زیادہ علیحدہ اور دور ہی دور رہنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ اور اسی کا اقتباس ہے۔

واتقوا فتنة لاتصيبن الذين ظلموا منكم خاصة ج (انفال: ۲۵)

اور تم اس فتنہ (عذاب) سے ڈرتے اور بچتے رہو جو خاص ظلم کرنیوالے لوگوں (مجرموں) پر ہی نہیں آئیگا بلکہ سب پر عام ہوگا)

یغزو جیش الکعبۃ. یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئیاں امور غیب میں سے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں کون سا لشکر ہے اور کب ایسا ہو یا ہو گا اس بارے میں اسکا صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔(دلیل الطالبین)

"فاذا کانو ببیداء" البیداء بید کی جمع ہے۔ یہ کہاں ہے؟ اس بارے میں بھی اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ہے اور بعض کی مکہ معظمہ میں اور بعض کی رائے اس کے علاوہ کی بھی ہے۔(فتح الباری)

کیسے دھنسایا جائے گا ان کے اگلے اور پچھلے لوگوں کو جبکہ ان میں بازار والے لوگ بھی ہوں گے؟ ایک دوسری روایت میں آتا ہے **"اذا انزل اللہ بقوم عذابا اصاب العذاب من کان فیھم ثم بعثوا علی نیاتھم"** (بخاری و مسلم)

کہ جب اللہ کا عذاب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو وہ سب پر ہی عذاب ہوتا ہے پھر قیامت کے دن اپنی اپنی نیتوں کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا۔

اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے اک بار خطا ہو جاتی ہے سو بار ندامت ہوتی ہے

اور نیتوں کے اعتبار سے ہی معاملہ کیا جائے گا مگر دنیا کے عذاب میں تو سب ہی شریک ہوئے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی غلط لوگوں کی صحبت سے اپنے آپ کو بچا کے رکھے بوجہ یہ کہ اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب آیا تو یہ اس کے ساتھ رہنے والا بھی نہ بچ سکے گا۔(نزھۃ المتقین)

بعض لوگوں نے فرمایا یہ حدیث در حقیقت قرآن کی اس آیت کی تشریح ہے۔

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة (انفال رکوع ۳)

ترجمہ۔ اور تم اس آزمائش (عذاب) سے ڈرتے اور بچتے رہو جو خاص ظلم کرنے والوں پر ہی نہیں آئے گا (بلکہ وہ سب کیلئے عام ہوگا)

جہاد اور نیت

وعن عائِشةَ رضيَ اللهُ عنها، قَالَتْ: قَالَ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لا هِجْرَةَ بَعْدَ الفَتْحِ، وَلَكِنْ جِهادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فانفِرُوا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَمَعناهُ: لا هِجْرَةَ مِنْ مَكَّةَ لأَنَّهاصارَتْ دارَ إسلام.

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ارشاد فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت تو (باقی) نہیں رہی (اس لئے کہ مکہ اب دار الاسلام ' اسلامی شہر بن گیا) لیکن جہاد اور نیت (اب بھی) باقی ہیں (اور قیامت تک باقی رہیں گے لہٰذا) جب بھی تم کو جہاد کے لئے روانہ ہونے کی دعوت دی جائے تو فوراً روانہ ہو جاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات

نام۔ عائشہ' صدیقہ' حمیرا لقب' ام عبداللہ کنیت۔ والد کا نام ابو بکر صدیق والدہ کا نام زینب تھا۔ ان کی کنیت ام رومان تھی۔ بعثت کے چار برس کے بعد پیدا ہوئیں۔ مکہ معظمہ میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نکاح ہوا' ۹ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں رخصتی ہوئی۔ غزوات میں سے غزوہ احد میں شریک تھیں۔ (بخاری)

اسی طرح غزوہ بنی مصطلق میں بھی شرکت کا معلوم ہوتا ہے جس میں آپ کا ہار گم ہوا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری عورتوں پر عموماً جبکہ باقی امہات المومنین پر خصوصاً کئی وجوہات سے فوقیت حاصل تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو اس کا علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پاتے تھے۔ (ترمذی)

آپ میں سخاوت' عبادت' تواضع حد درجہ کی تھی۔ اکثر روزہ رکھتیں' ہر سال حج فرماتیں اور غلاموں کو آزاد کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکثرین صحابہ میں داخل ہیں۔ یعنی جن سے روایات زیادہ منقول ہیں۔ ان کی تعداد ۲۲۱۰ احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں جن میں ۱۷۴ پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے۔ امام بخاری نے منفرداً ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (عمدۃ القاری)

وفات: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں رمضان ۵۸ھ میں انتقال ہوا اس وقت عمر تریسٹھ سال تھی۔ جنت البقیع میں رات کے وقت ان کی وصیت کے مطابق دفن کی گئیں۔ (دلیل الطالبین' روضۃ المتقین)

حدیث کی تشریح: مکہ معظمہ کے فتح ہونے سے پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا اس قدر اہم اور ضروری فرض تھا کہ اگر مکہ کا رہنے والا قدرت کے باوجود مکہ سے مدینہ ہجرت نہیں کرتا تھا تو اس کا ایمان و اسلام بھی معتبر نہ ہوتا تھا جب تک کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہ آئے لیکن مکہ کے فتح ہو جانے اور دار الاسلام' اسلامی ملک' بن جانے کے بعد یہ خاص ہجرت یا ہجرت کی یہ اہمیت باقی نہیں رہی۔

موجودہ زمانہ میں ہجرت کا حکم

چنانچہ اب اگر کافروں کے ملک میں کوئی شخص مسلمان ہو اور وہ کفار اس کو اسلامی عبادات واحکام پر عمل کرنے سے نہ روکیں تو اس مسلمان پر اس دار الکفر سے ہجرت کر کے کسی اسلامی ملک میں جا کر آباد ہونا فرض نہیں ہے اسی طرح مسلمان اگر کسی کافروں کے ملک میں آباد ہوں اور وہ کفار ان کو مذہبی آزادی دینے کے لئے تیار ہوں تو وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کر سکتے ہیں اگرچہ بہتر اور افضل اب بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی کفار کے ملک میں اسلام لائے وہ اس دار الکفر کو چھوڑ کر کسی اسلامی ملک میں جا کر آباد ہو جائے اسی طرح عام حالات میں مسلمانوں کو کفار کے ملک میں مستقل طور پر وہاں کا شہری بن کر نہ رہنا چاہئے یہی دینی اور دنیوی مصلحتوں کا تقاضہ ہے تجربہ بھی اس کا

شاہد ہے تاہم اب یہ ترک وطن (ہجرت) فرض بہر حال نہیں ہے یہی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی" (ہجرت کے تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے)

جہاد

لیکن اسلام اور کفر کا مقابلہ اور مسلمانوں کی کافروں سے لڑائی اور اس کی تیاریاں رہتی دنیا تک باقی رہیں گی حدیث شریف میں آیا ہے "جہاد قیامت تک جاری رہے گا" اس لئے جہاد اور اس میں نیک نیتی کا اعتبار اور اسی پر اجر و ثواب کا دارومدار ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا اسی لئے جب بھی کوئی اسلامی ملک کا مسلمان فرمان روا اللہ کی راہ میں کافروں سے جنگ کرنے کے لئے میدان جنگ میں جانے (فوج میں بھرتی ہونے) اور لڑنے کی دعوت دے تو حسب استطاعت ہر مسلمان کا' خواہ وہ اس ملک کا باشندہ ہو خواہ کسی دوسرے اسلامی ملک کا' فرض ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے کفار سے جنگ کرے' بجز ان معذور لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی رحمت سے مجبور و معذور قرار دے دیا ہے (جہاد کے فرض ہونے کے شرائط اور تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے)

فتح مکہ سے پہلے ہجرت اور جہاد اور اس کے بعد صرف جہاد اسلام کی سب سے زیادہ اہم اور موجب اجر و ثواب عبادتیں ہیں مگر ان دونوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور اجر و ثواب ملنے کا مدار صرف اخلاص اور نیت پر ہے اگر رضائے الٰہی کے علاوہ کسی بھی اور نیت سے کرے گا تو یہ عبادتیں بھی مردود ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے لئے کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں اجر عظیم پائے گا یہی اس حدیث کی اصل روح ہے۔

یہ حدیث شریف بھی قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت سے مقتبس اور ماخوذ ہے۔

يجاهدون في سبيل الله ولايخافون لومة لائم (مائده: ٥٤)

جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہونگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اخلاص کے ساتھ کسی نیک کام کی صرف نیت کرنے پر بھی عمل کا ثواب ملتا ہے

وعن أبي عبدِ اللهِ جابر بن عبدِ اللهِ الأنصاريِّ رَضي اللهُ عنهما ، قَالَ : كُنَّا مَعَ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في غَزَاةٍ ، فَقالَ : " إنَّ بالمدِينَةِ لَرِجَالاً ما سِرْتُمْ مَسِيراً ، وَلاَ قَطَعْتُمْ وَادِياً ، إلاَّ كَانُوا مَعَكمْ حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ " . وَفي روَايَة : " إلاَّ شَرَكُوكُمْ في الأجْرِ " رواهُ مسلمٌ .

ورواهُ البخاريُّ عن أنسٍ رضي اللهُ عنه ، قَالَ: رَجَعْنَا مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ مَعَ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقالَ: " إنَّ أقْوَاماً خَلْفَنَا بالْمَدِينَةِ مَا سَلَكْنَا شِعْباً وَلاَ وَادياً ، إلاَّ وَهُمْ مَعَنَا ؛ حَبَسَهُمُ العُذْرُ ".

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ (جنگ) میں گئے ہوئے تھے (راستہ میں ایک دن) آپ نے صحابہ کرام سے خطاب کر کے فرمایا:

مدینہ میں کچھ ایسے لوگ رہ گئے ہیں) کہ (جو اگرچہ اس وقت تمہارے ساتھ نہیں ہیں مگر) تم نے جو بھی مسافت طے کی ہے اور جس وادی (کھلے میدان) سے تم گزرے ہو وہ تمہارے ساتھ (اور شریک سفر) رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو صرف دکھ بیماری نے (اس سفر جہاد سے) روک دیا ہے (ورنہ ان کے دل جہاد میں شرکت کے لئے تڑپ رہے ہیں) ایک روایت میں "تمہارے ساتھ ہیں" کے بجائے "وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں" آیا ہے یہ تو صحیح مسلم کی روایت ہے۔

صحیح بخاری میں یہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک (تبوک کی لڑائی) سے واپس آرہے تھے کہ آپ نے فرمایا بے شک بہت سے وہ لوگ جن کو ہم مدینہ میں چھوڑ آئے ہیں جس گھاٹی سے ہم گزرے ہیں اور جس وادی کو ہم نے طے کیا ہے وہ لوگ اس میں ہمارے ساتھ رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو مجبوری و معذوری نے بے بس کر دیا ہے۔

حدیث کی تشریح

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو مجبور و معذور لوگ کسی کار خیر مثلاً حج جہاد' صدقات و خیرات وغیرہ کا جذبہ صادق اور پختہ ارادہ و نیت دل میں رکھتے ہیں مگر مجبوری و معذوری کی وجہ سے اس کار خیر کو کر نہیں سکتے ان کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس نیک نیتی اور اخلاص کی بناء پر اس کار خیر کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں سبحان اللہ کتنی مفید چیز ہے خلوص اور نیک نیتی! چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دل سے کسی نیک کام کی نیت کرتا ہے تو ایک نیکی کا ثواب تو اسی وقت اس کے لئے لکھ دیا جاتا ہے اور جب اس پر عمل کر لیتا ہے تو دس نیکیوں کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے در حقیقت نیک نیتی خود ایک مستقل عبادت' عبدیت (بندگی) کا تقاضا اور تعلق مع اللہ (اللہ سے تعلق) کی دلیل ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ "آدمی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے" لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ نیک کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا' خوشنودی اور قرب کا موجب ہیں اگرچہ ظاہری اسباب و وسائل کی بناء پر اس کی قدرت سے باہر بھی ہوں تب بھی ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت' جذبہ صادق اور شوق کامل اپنے دل میں ضرور رکھے تاکہ ان کاموں پر عمل کرنے کی سعادت اگر میسر نہ بھی آئے تو کسی نہ کسی درجہ میں ان کے اجر و ثواب سے تو محروم نہ رہے خصوصاً جہاد کہ اس کے متعلق تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مسلمان کے دل نے کبھی اس کو جہاد کے لئے کہا بھی نہیں (یعنی کبھی اس کے دل میں خیال بھی نہیں آیا) اور اسی حالت میں وہ مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا (العیاذ باللہ) اور ظاہر ہے کہ اس نیت' جذبہ و رشوق سے تو بجز بدبختی اور شومی قسمت کے اور کوئی چیز مانع ہو ہی نہیں سکتی مفت کا اجر و ثواب ہاتھ آتا ہے۔

ہماری حالت

مگر وائے محرومی وشومی کہ ہمارے دلوں کو دنیوی اغراض وخواہشات نے ایسا مردہ بنا دیا ہے کہ بقول شاعر "کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا" یہ سب کچھ ایمان یعنی تعلق مع اللہ کے ضعف کا نتیجہ ہے ہمارا ایمان واسلام تواب برائے نام رہ گیا ہے اس لئے ہمیں جلد از جلد اور پہلی فرصت میں اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ از سر نو جوڑنا چاہئے اور اس کو زیادہ سے زیادہ پختہ کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس نیک نیتی اور نیک عملی کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائیں۔ آمین۔

اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ مرتے وقت آدمی اپنے مال میں سے ایک تہائی سے زائد کی وصیت نہیں کر سکتا۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگر وہ مریض سارے مال کی وصیت کرنے والا اسی مرض میں وفات پا جائے تو اس صورت میں ورثاء کی حق تلفی ہوگی اور اگر یہ زندہ رہا تو اب یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا اور قرآن مجید میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ تم اپنا ہاتھ بالکل ہی نہ کھول دو کہ تمہیں قابل ملامت اور بے دست وپا ہو کر بیٹھنا پڑے۔ (۲)

بیوی کے منہ میں نوالہ دینے کا ثواب اور اس کی مصلحت

حتی ما تجعل فی فی امرأتک حتی کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو۔

اس حدیث میں امور خیر کے ذیل میں مثال دی جا رہی ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔ ایک ایسے ہی موقع پر جب ایک صحابی نے تعجب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ حرام طریقہ سے کرے تو گناہ ہے تو جب اس نے جائز طریقہ سے کیا تو اس پر ضرور ثواب ملنا چاہئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی دن رات میں جب بھی اپنے طبعی تقاضوں اور خواہشوں کو پورا کرے تو اس وقت دل میں یہ نیت اور ارادہ رکھے کہ ہم یہ تمام کام صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اس کو ہمارے لئے حلال اور جائز کیا ہے تو اس نیت کرنے سے آدمی کے تمام کام عبادت بن جائیں گے۔

ولعلک ان تخلف حتی ینتفع بک اقوام ویضر بک آخرون۔ تمہیں مزید زندگی ملے گی کچھ لوگ تم سے نفع اٹھائیں گے اور کچھ لوگوں کو تم سے تکلیف اٹھانی پڑے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ عراق کی فتح تک زندہ رہے اور وہاں کے امیر بھی بنے جس سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اور کفار کو تکلیف اٹھانی پڑی۔

اللھم امض لا صحابی ھجرتھم اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری (پورا) فرمادے۔ (۳)

ابتدائے اسلام میں مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی بہت اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی۔ اس وجہ سے بعد میں بھی

صحابہ مدینہ سے مکہ نہیں گئے کہیں ہجرت میں نقصان واقع نہ ہو جائے۔حج اور عمرہ کے وقت بھی صحابہ ڈرتے تھے کہ مکہ میں کہیں موت آگئی تو ہجرت میں کمی نہ آجائے۔(۴)

لکن البائس سعد بن خولة۔یہاں سے راوی کا جملہ ہے'آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات اس سے پہلے ختم ہوگئی۔راوی سے مراد علامہ زہری رحمہ اللہ ہیں یا بعض کے نزدیک حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ہے۔(۵)

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال کب ہوا

ان مات بمکة حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بعض کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں فرمائی تھی۔بعض کی رائے یہ ہے غزوہ بدر کے بعد وہ مکہ واپس تشریف لے گئے تھے بعض کے نزدیک حجۃ الوداع پر تشریف لے گئے وہاں ہی ان کا انتقال ہو گیا اسی طرح اور بھی کئی اقوال ہیں۔بہر حال سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مکہ میں ہوا اور اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی تھی۔

راوی حدیث حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مختصر حالات

سعد نام۔ابو اسحاق کنیت۔والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت'والدہ کا نام حمنہ تھا۔رشتہ میں آپ کے ماموں تھے۔(اسد الغابہ ۲۹۱/۲)

انیس سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے گھر پر قیام فرمایا۔(طبقات بن سعد جز ثالث ۹۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے اور خوب جوہر دکھائے ان لوگوں میں تھے جن کو عشرہ مبشرہ کہا گیا۔یہ دس صحابہ تھے جس کو عراقی نے اس قطعہ میں جمع کر دیا ہے۔

وافضل اصحاب النبی مکانہ ومنزلة من بشر واعنان
سعیدؓ زبیرؓ سعدؓ عثمانؓ عامرؓ علیؓ ابن عوفؓ طلحہؓ الحران

غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:ارم یا سعد فداک ابی وامی"اے سعد تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں(بخاری کتاب المغازی غزوہ احد) یہ جملہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کیلئے بہت ہی فضیلت رکھتا ہے۔یہی جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک موقع پر طلحہؓ اور دوسرے موقع پر زبیرؓ کیلئے فرمایا تھا۔(فتح الباری کتاب المناقب سعد بن وقاصؓ)

حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا والی بنایا تھا مگر بعد میں معزول کر دیا۔حضرت عثمانؓ نے دوبارہ انکو بحال کر دیا۔

وفات۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ آخری وقت میں مقام عقیق چلے گئے جو مدینہ منورہ سے دس میل پر تھا وہاں ہی ۵۵ھ میں انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے کچھ زائد تھی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مرویات۔بقول ابن جوزی رحمہ اللہ کے ان سے روایات کی تعداد ۲۷۱ ہے۔۲۵ بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔

باپ کا صدقہ بیٹے کو مل جائے تب بھی باپ کو اس کی نیت کا ثواب ضرور ملتا ہے

وعن أبي يَزيدَ مَعْنِ بن يَزيدَ بنِ الأخنس رضي الله عنهم ، وهو وأبوه وَجَدُّه صحابيُّون ، قَالَ : كَانَ أبي يَزيدُ أَخْرَجَ دَنَانِيرَ يَتصَدَّقُ بهَا ، فَوَضعَهَا عِنْدَ رَجُلٍ في الْمَسْجِدِ ، فَجِئتُ فأَخذْتُها فَأَتَيْتُهُ بهَا . فقالَ : واللهِ ، مَا إيَّاكَ أَرَدْتُ ، فَخَاصَمْتُهُ إلى رسولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقَالَ : " لكَ مَا نَوَيْتَ يَا يزيدُ ، ولَكَ ما أخَذْتَ يَا مَعْنُ " رواهُ البخاريُّ .

ترجمہ: حضرت ابویزید معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:(ایک مرتبہ) میرے والد یزید نے صدقہ کرنے کے لئے کچھ دینار (اشرفیاں) نکالے اور مسجد میں ایک آدمی کے پاس رکھ دیئے (کہ جو ضرورت مند آئے اس کو دے دینا) (اتفاق سے میں مسجد میں آیا تو اس آدمی نے مجھے ضرورت مند دیکھ کر وہ دینار دے دیئے) میں نے لے لئے اور ان کو لے کر (گھر) آیا اور والد صاحب کو بتلایا تو انہوں نے فرمایا: بخدا میں نے تجھے دینے کی نیت تو نہیں کی تھی (میں نے تو اور محتاجوں مسکینوں کو دینے کے لئے رکھے تھے) تو میرے اور ان کے درمیان بحث ہونے لگی (میں کہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج ہوں پہلے میرا حق ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے تو صدقہ کی نیت سے یہ دینار نکالے ہیں تو تو میری اولاد ہے تیری کفالت تو میرا فرض ہے اولاد کو صدقہ نہیں پہنچتا آخر کار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے (ہم دونوں کے بیان سن کر) فرمایا اے یزید تم نے جو صدقہ کی نیت سے یہ دینار نکالے ہیں اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا اور (مجھ سے) فرمایا: اے معن! تم نے جو لیا وہ تمہارے لئے (حلال) ہے (جاؤ اپنی ضرورتوں میں خرچ کرو)

حدیث کی تشریح: (۱) زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثلاً صدقہ فطر' صدقہ نذر وغیرہ تو اولاد کو دینے سے نہیں ادا ہوتے ہاں نفل صدقات اگر صدقہ کی نیت سے ضرورت مند اور محتاج اولاد کو دیئے جائیں تو ادا ہو جاتے ہیں بلکہ اس میں دوگونہ ثواب ملتا ہے صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی' حضرت یزیدؓ کو غالباً یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لئے وہ یہ سمجھ کر معترض ہوئے کہ میں صدقہ کے ثواب سے محروم ہو گیا حالانکہ میری نیت یہی تھی حضرت معنؓ کا کہنا یہ تھا کہ میں ضرورت مند بھی ہوں اور آپ کی اولاد بھی اس لئے میں بنسبت اور فقراء و مساکین کے آپ کی اعانت اور صلہ کا زیادہ مستحق ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتلا کر حضرت یزیدؓ کو مطمئن کر دیا کہ تمہاری صدقہ کی نیت کا ثواب تمہیں ضرور ملے گا۔

نیت کا پھل اور اللہ تعالیٰ کی شان کرم

دیکھئے اللہ تعالیٰ کی شان کریمی! بظاہر حضرت یزید کے وہ دینار گھر کے گھر ہی میں رہے مگر اللہ تعالیٰ نے

محض ان کی نیت کی بنا پر ان کو صدقہ کے اجر و ثواب سے سرفراز فرمادیا۔ سبحان اللہ! سچ فرمایا ہے: دین میں ذرہ برابر تنگی نہیں کوئی عمل کر کے تو دیکھے۔

ہر مسلمان کو نفل صدقات ' صدقہ ہی کی نیت سے ' سب سے پہلے اپنے محتاج اور ضرورت مند متعلقین اور قرابتداروں کو دینے چاہئیں تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب ملے اور دو عبادتیں ادا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنا دوسرے صلہ رحمی کرنا۔

(۲) یہ حدیث مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ و مقتبس ہے۔

واتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامیٰ والمساکین الآیة البقرة :۱۷۷

اور مال کی محبت کے باوجود اس کو قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کو دے دیا۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں قرابت داروں کا حق سب سے پہلے رکھا ہے۔

اللہ کی خوشنودی کی نیت سے تو انسان جو کچھ بھی خرچ کرے سب عبادت ہے حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں نوالہ بھی اس نیت سے دے تو وہ بھی عبادت اور اجر و ثواب کا موجب ہے'

وعن أبي إسحاقَ سَعدِ بن أبي وَقَّاصٍ مالكِ بنِ أُهَيْب بنِ عبدِ منافِ بنِ زُهرَةَ بنِ كلابِ بنِ مُرَّةَ بنِ كعبِ بنِ لُؤيٍّ القُرشيِّ الزُّهريِّ رضي الله عنه ، أَحَدِ العَشرَةِ المشهودِ لهم بالجنةِ رضي الله عنهم ، قَالَ : جاءَنِي رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي عَامَ حَجَّةِ الوَدَاعِ مِنْ وَجعٍ اشْتَدَّ بي ، فقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، إنِّي قَدْ بَلَغَ بي مِنَ الوَجَعِ مَا تَرى ، وَأَنَا ذُو مال وَلا يَرِثُني إلا ابْنَةٌ لِي ، أفأتَصدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي ؟ قَالَ : " لا " ، قُلْتُ : فالشَّطْرُ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ فقَالَ : " لا " ، قُلْتُ : فالثُّلُثُ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ : " الثُّلُثُ والثُّلُثُ كثيرٌ أَوْ كبيرٌ إنَّكَ إنْ تَذَرْ وَرَثَتَكَ أغنِيَاءَ خيرٌ مِنْ أنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يتكفَّفُونَ النَّاسَ ، وَإنَّكَ لَنْ تُنفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغي بِهَا وَجهَ اللهِ إلاَّ أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِيِّ امْرَأَتِكَ " ، قَالَ : فَقُلتُ : يَا رسولَ اللهِ ، أُخلَّفُ بعدَ أَصْحَابي ؟ قَالَ : " إنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعمل عَمَلاً تبتغي بِهِ وَجْهَ اللهِ إلاَّ ازْدَدتَ بِهِ دَرَجةً ورفعَةً ، وَلَعلَّكَ أنْ تُخَلَّفَ حَتّى يَنتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخرونَ . اللَّهُمَّ أَمْضِ لأَصْحَابي هِجْرَتَهُمْ وَلاَ تَرُدَّهُمْ عَلَى أعقَابهمْ ، لكنِ البَائِسُ سَعدُ بْنُ خَوْلَةَ " يَرْثي لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَاتَ بمَكَّةَ . مُتَّفَقٌ عليهِ .

ترجمه: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ' جو ان دس صحابیوں میں سے ایک ہیں جن کو جیتے جی دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت دے دی گئی ہے سے روایت ہے کہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے آخری حج) کے سال (میں مکہ میں جاکر شدید مرض میں مبتلا ہو گیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فداہ ابی وامی" (آپ پر میرے ماں باپ قربان) میری عیادت (مزاج پرسی) کیلئے میرے پاس تشریف لائے۔ میری بیماری انتہائی شدت اختیار کر چکی تھی (اور حالت نازک ہو گئی تھی) تو میں نے (یہ سمجھ کر یہ میرا آخری وقت ہے) عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ میری بیماری خطرناک حد کو پہنچ گئی ہے اور میں کافی مالدار ہوں اور (میری صلبی وارث) صرف میری ایک لڑکی ہے (اس کے لئے تہائی مال بہت ہے) تو کیا میں دو تہائی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ (فقراء ومساکین کے لئے وصیت) نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: "نہیں" میں نے عرض کیا (اچھا) آدھا مال یارسول اللہ آپ نے فرمایا "نہیں" تو میں نے عرض کیا: (اچھا) ایک تہائی مال آپ نے فرمایا "نہیں" "تہائی مال (میں حرج نہیں) اور تہائی بھی بہت ہے "یا (فرمایا)" بڑا حصہ ہے" (اس کے بعد آپ نے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کا صدقہ کرنے اور باقی کو محفوظ رکھنے کی حکمت بیان کی) اور فرمایا: یاد رکھو! (اگر تم اس بیماری میں وفات پا جاتے ہو تو) بے شک تم اپنے وارثوں کو (اپنے مرنے کے بعد) غنی اور مالدار چھوڑو' یہ اس سے (بدرجہا) بہتر ہے کہ تم ان کو (مال میراث سے محروم کر کے) محتاج ومفلس چھوڑو کہ وہ ایک ایک کے سامنے ہاتھ پھیلاتے (اور بھیک مانگتے) پھریں (اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ تہائی مال کی وصیت کرو باقی ورثاء کے لئے رہنے دو) اور (اگر تم زندہ رہتے ہو تو) بیشک تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے جو مال بھی خرچ کرو گے تمہیں ضرور اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے) اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی دو (تو وہ بھی عبادت ہے اور اس کا بھی تم کو اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ انفاق (خرچ کرنا) اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہارے پاس مال ہو اس لئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو اور باقی مال رہنے دو) اس پر سعد بن وقاص نے عرض کیا: تو کیا یارسول اللہ! میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ (اور آپ کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس نہ جاسکوں گا؟) آپ نے فرمایا: تم پیچھے رہ بھی گئے تو جو بھی نیک کام تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرو گے یقیناً اس کی وجہ سے تمہارا درجہ زیادہ (سے زیادہ) اور بلند (سے بلند تر) ہو گا اور غالب تو یہی ہے کہ تم (اس بیماری کے) پیچھے (زندہ) رہو گے اور تمہاری ذات سے بہت سے لوگوں (مسلمانوں) کو نفع پہنچے گا اور بہت سے لوگوں (کفار) کو ضرر پہنچے گا (مسلمان تمہاری زیر قیادت اموال غنیمت اور اجر وثواب جہاد سے مالامال ہوں گے اور کفار کو تمہاری جنگ اور تاخت وتاراج سے بے پایاں جانی مالی اور ملکی نقصان اٹھانا پڑے گا چنانچہ عراق کی لڑائیوں میں ایسا ہی ہوا اس کے بعد حضرت سعد نے جس خطرہ کا اظہار کیا تھا کہ کیا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس نہ جاسکوں گا اس کے لئے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں) اے اللہ تو میرے صحابہؓ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کو برقرار رکھیو اور ان کو پچھلی حالت پر نہ لوٹائیو (یعنی پھر مکہ کی سکونت پر انہیں مجبور نہ کیجیو) لیکن قابل رحم تو ہے بیچارہ سعد بن خولہ (کہ حج کے لئے مکہ آیا اور وہیں اس کی وفات ہو گئی) راوی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس کلمہ سے سعد بن خولہ کی حالت پر تاسف و ترحم کا اظہار ہے کہ ان کی وفات (آپ کی اس دعا سے پہلے ہی) مکہ میں ہو گئی اور وہ آپ کی دعا سے فائدہ نہ اٹھا سکے)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

نام۔ سعد۔ کنیت' ابو اسحاق۔ والد کا نام مالک کنیت ابو وقاص۔ والدہ کا نام حمنہ تھا۔ رشتہ میں آپکے ماموں تھے۔ (اسد الغابہ)

انیس سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے گھر پر قیام فرمایا۔ (طبقات بن سعد جز ثالث)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے اور خوب جوہر دکھائے ان لوگوں میں تھے جن کو عشرہ مبشرہ کہا گیا۔ یہ دس صحابہؓ تھے جس کو عراقی نے اس قطعہ میں جمع کر دیا ہے۔

وافضل اصحاب النبی مکانہ ومنزلۃ من بشر واعنان

سعیدؓ زبیرؓ سعدؓ عثمانؓ عامرؓ علیؓ ابن عوفؓ طلحۃؓ الحران

غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ارم یا سعد فداك امی وابی" اے سعد تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ احد) یہ جملہ حضرت سعدؓ کیلئے بہت ہی فضیلت رکھتا ہے یہی جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر طلحہؓ اور دوسرے موقع پر زبیر رضی اللہ عنہ کیلئے فرمایا تھا۔ (فتح الباری کتاب المناقب سعد بن وقاصؓ)

حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا والی بنایا تھا مگر بعد میں معزول کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے دوبارہ ان کو بحال کر دیا۔

وفات۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آخری وقت میں مقام عقیق چلے گئے جو مدینہ منورہ سے دس میل پر تھا وہاں ہی ۵۵ھ میں انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے کچھ زائد تھی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مرویات۔ بقول ابن جوزی رحمہ اللہ کے ان سے روایات کی تعداد ۲۷۱ ہے۔ ۲۵ بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔ (ابو داؤد بحوالہ مشکوۃ ص ۱۳۵)

حدیث کی تشریح: تمام تر مالی عبادات اور حقوق العباد ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ "مال" ہے اور اسی لحاظ سے مال اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس لئے کہ انسان نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ مالی عبادتوں میں اور اللہ کے مقرر کردہ بندوں کے حقوق ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال خرچ کر کے ہی اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتا ہے اور یہی خرچ کرنا اس نعمت کا شکریہ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے بموجب دنیا میں مال کی زیادتی'

فراوانی اور برکت کا موجب اور آخرت میں درجات کی بلندی کا باعث ہے ایک مفلس اور تہی دست آدمی محض مال نہ ہونے کی وجہ سے ان تمام سعادتوں سے محروم رہتا ہے اسی لئے حدیث میں "مال کو بہترین مددگار بتلایا ہے)۔

مال دیکھ بھال کر خرچ کرنا چاہئے

لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اسے سارا کا سارا مال ایک ہی دفعہ' صدقہ خیرات ہی میں کیوں نہ ہو' خرچ نہ کر دینا چاہئے بلکہ تھوڑا تھوڑا اور بقدر ضرورت اپنی' اپنے اہل و عیال کی' قرابتداروں کی' پڑوسیوں کی ان کے علاوہ اور حاجتمندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور حقوق العباد ادا کرنے میں صرف کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہی اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے حتیٰ کہ اگر بیمار ہو جائے اور زندگی کی کچھ زیادہ توقع نہ رہے تب بھی سارا کا سارا مال فقراء اور مساکین کو صدقہ نہ کر دینا چاہئے کہ اس میں وفات پا جانے کی صورت میں ورثاء کی حق تلفی ہوگی اور زندہ رہنے کی صورت میں خود خالی ہاتھ رہ جائے گا نہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکے گا نہ دوسروں کی اور اس حق تلفی یا حاجت روائی سے محرومی کا سبب یہی بے اعتدالی ہوگی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ارشاد ہے۔

ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوراً بنی اسرائیل: ۲۹ تم اپنا ہاتھ بالکل ہی نہ کھول دو (سارا کا سارا مال ایک دفعہ ہی نہ خرچ کر دو) کہ تمہیں قابل ملامت اور بے دست و پا ہو کر بیٹھنا پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں سعد بن ابی وقاصؓ کو اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کو سارا کا سارا مال ایک دفعہ ہی صدقہ کر دینے سے منع کرنے کی یہی مصلحت سمجھائی ہے اسی پر ہر مسلمان کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے نوازا اور مالدار بنایا ہو عمل کرنا چاہئے۔

بیوی کے منہ میں نوالہ دینے کو کار ثواب بتلانے کی مصلحت

اس حدیث میں کار خیر کے ذیل میں بیوی کے منہ میں نوالہ دینے کا ذکر مثال کے طور پر آیا ہے اس لئے کہ انسان اپنی نادانی کی وجہ سے بیوی بچوں کی دلجوئی کو اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کو ایک "طبعی" بلکہ "نفسانی" تقاضہ سمجھ کر پورا کرتا ہے اور اجر عظیم سے محروم رہتا ہے جیسے اس سے پہلی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت مند اولاد کی حاجت روائی پر صدقہ کے ثواب کا اعلان فرما کر اس کے عبادت اور موجب ثواب ہونے سے آگاہ فرمایا ہے ایسے ہی اس حدیث میں بیوی کی دلجوئی اور اس کے حقوق کی ادائیگی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ اور اجر و ثواب کا موجب قرار دے کر اس کے عبادت و طاعت ہونے سے آگاہ فرمایا ہے ایک ایسے ہی موقع پر ایک صحابی نے از راہ تعجب عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص اپنی بیوی کا بوسہ لیتا ہے یہ بھی صدقہ ہے؟ (یہ تو سراسر نفسانی خواہش کا تقاضہ ہے) رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: اگر یہی بوسہ وہ کسی اجنبی

عورت کا لے تو اس پر گناہ ہو گا یا نہیں؟ صحابی نے عرض کیا "ضرور گناہ ہو گا" اس پر آپ نے فرمایا "(تو جب اس نے جائز محل میں، اور حلال طریق پر، اپنی خواہش کو پورا کیا ہے) تو اس پر ضرور ثواب ملنا چاہئے"۔

بہر صورت یہ ہماری بڑی محرومی اور قابل صد افسوس نادانی اور غفلت ہے کہ ہم رات دن تمام جائز طبعی تقاضوں اور خواہشوں کو پورا کرتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی کے حصول کا قطعاً خیال اور نیت نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ "یہ تو دنیوی کام ہے انہیں دین سے کیا تعلق اور ان میں عبادت وطاعت کا کیا دخل" اور غلط فہمی بلکہ کج فہمی کی وجہ سے گوناگوں اجر وثواب سے محروم رہتے ہیں یہی نہیں بلکہ یہ طبعی تقاضے اور عادت کے تحت کئے جانے والے تمام جائز کام اور ان میں مشغولیت وانہماک اس کج بینی اور کج فہمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل اور دور سے دور تر ہونے کا سبب بنتے ہیں اس کی وجہ صرف ہماری جہالت یا بے توجہی ہے۔

ہماری ساری زندگی عبادت بن سکتی ہے

کمی اور قصور صرف نیت اور ارادہ کا ہے اگر ہم اپنے ان تمام تر طبعی تقاضوں، خواہشوں اور عادی امور کو پورا کرنے کے وقت دل میں یہ نیت اور ارادہ رکھیں کہ "ہم یہ تمام کام صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو ہمارے لئے حلال اور جائز کیا ہے تو ہماری ساری زندگی عبادت اور ہر عادت وطاعت اور تمام دنیا دین بن جائے اور ہماری زندگی کے تمام لیل ونہار اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت میں گزریں۔

سبحان اللہ کتنا آسان ہے اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنا اور کتنا سہل ہے دین پر عمل کرنا مگر وائے محرومی! کہ ہم اپنی بے حسی اور بے توجہی کی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث قدسیہ اور کلمات طیبہ کے پڑھنے سے ہمارے دلوں سے غفلت اور بے حسی کے پردے ہٹا دے اور ہمیں نیک نیتی اور نیک عملی کی توفیق عطا فرمادے۔

حضرت سعد بن خولہؓ کی وفات پر افسوس اور مہاجرین کے لئے دعا فرمانے کی وجہ

اسلام کے ابتدائی عہد میں یعنی فتح مکہ سے پہلے تک مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا سب سے بڑی عبادت اور سب سے بڑی فضیلت اور عند اللہ قبولیت کا موجب تھا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے تمام مہاجرین صحابہؓ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ہجرت کو کسی بھی صورت میں فسخ کرنے یعنی فتح مکہ کے بعد مکہ میں جا کر آباد ہونے کو گوارا نہیں کرتے تھے نہ ہی ان کے لئے جان بوجھ کر ایسا کرنا جائز تھا ان کو ڈر صرف اس امر کا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مکہ جائیں حج یا عمرہ کی نیت سے اور کسی ناگہانی بیماری یا آفت سے وہیں وفات پا جائیں اور انجام

کار ہم اس ہجرت کی فضیلت سے محروم ہو جائیں جیسا کہ سعد بن خولہ کے ساتھ پیش آیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اظہار افسوس فرمایا ہے۔ یہی ڈر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو تھا جس کا اظہار انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا چونکہ موت زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بھی مہاجرین کی ہجرت کو آخر وقت تک باقی رکھنے کی دعا فرمائی تب حضرت سعدؓ کو اطمینان ہوا۔

شرعاً مرتے وقت کا صدقہ وصیت ہوتا ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرتے وقت کا صدقہ وصیت ہوتا ہے اور وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال میں ہو سکتی ہے اگر مرنے والا اس سے زیادہ کی وصیت کرے تو اس کا اعتبار نہیں اور ادائے قرض کے بعد' اگر قرض ہو' بقیہ مال کا دو تہائی بہر صورت وارثوں کو ملے گا۔

مذکورہ بالا حدیث کے احکام مندرجہ ذیل آیتوں سے ماخوذ و مقتبس ہیں۔

بیوی کی دلجوئی اور اس کے ساتھ اچھا سلوک آیت کریمہ **وعاشروھن بالمعروف** سے ثابت ہے اور بیوی کی ضروریات کی کفالت! آیت کریمہ **الرجال قوامون علی النسآء بمافضل اللہ بعضھم علی بعض وبمآانفقوا** سے ثابت ہے اور اولاد کی ضروریات کی کفالت! **وعلی المولودلہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف** سے ثابت ہے۔

عیادت کے فضائل

"**جاء نی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعودنی**" آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کیلئے تشریف لائے عیادت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت عمل میں سے ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا اور ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو وہ ساٹھ سال کی مسافت جہنم سے دور کر دیا جاتا ہے"۔

مرنے سے پہلے میت صرف تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہے

"**فالثلث یا رسول اللہ قال الثلث**" ایک تہائی مال کی وصیت کروں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا ہاں! تہائی مال۔ اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ مرتے وقت آدمی اپنے مال میں سے ایک تہائی سے زائد کی وصیت نہیں کر سکتا۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگر وہ مریض سارے مال کی وصیت کرنے والا اسی مرض میں وفات پا جائے تو اس صورت میں ورثاء کی حق تلفی ہو گی اور اگر یہ زندہ رہا تو اب یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا اور قرآن مجید میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

"**ولاتبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا**" ترجمہ۔ تم اپنا ہاتھ بالکل ہی نہ کھول دو کہ تمہیں قابل ملامت اور بے دست وپا ہو کر بیٹھنا پڑے"۔

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا انتقال کب ہوا

"ان مات بمکۃ" حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف سے ہجرت نہیں فرمائی تھی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ غزوہ بدر کے بعد وہ مکہ واپس تشریف لے گئے تھے۔ بعض کے نزدیک حجۃ الوداع پر تشریف لے گئے وہاں ہی ان کا انتقال ہو گیا اسی طرح اور بھی کئی اقوال ہیں۔ بہر حال سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا انتقال مکہ میں ہوا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی تھی۔

اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتے ہیں

وعنْ أبي هريرةَ عبدِ الرحمان بنِ صخرٍ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إنَّ الله لا يَنْظُرُ إِلَى أجْسَامِكُمْ ، ولا إِلَى صُوَرِكُمْ ، وَلَكن يَنْظُرُ إلى قُلُوبِكُمْ وأعمالكم " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتے ہیں نہ تمہاری صورتوں کو، لیکن وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں (یعنی صرف ظاہری شکل وصورت اور محض ظاہری دینداری کو دیکھنے کے بجائے تمہارے دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں کو دیکھتے ہیں) (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: (۱) اس حدیث شریف کا مطلب بھی وہی نکلتا ہے جو سب سے پہلی حدیث کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام عبادات وطاعات کی قبولیت کا مدار نیتوں پر ہے، صرف اعمال پر نہیں، حدیث کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ مسلمانوں اور دینداروں کی سی شکل وصورت اور ظاہری احکام واعمال کی پابندی اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب نہیں ہے جیسا کہ بعض بے دین لوگ اپنی کافروں کی سی شکل وصورت، وضع قطع، تہذیب ومعاشرت اور بے دینی کا جواز ثابت کرنے اور ظاہری احکام کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں: میاں! اللہ تعالیٰ شکل وصورت اور ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتے وہ تو دلوں کو دیکھتے ہیں ہمارے دل ایمان کے نور اور خدا پرستی کی روشنی سے معمور ہیں؟ یہ کھلا ہوا شیطانی دھوکا اور فریب ہے قصداً عبادات واحکام الٰہیہ کو ترک کرنے والے اور غیر مسلموں کی شکل وصورت رکھنے والے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وہ تو کھلے ہوئے نافرمان اور بے دین ہیں اگر توبہ نہ کریں گے تو اپنے کئے کی سزا ضرور بھگتیں گے مسلمانوں اور دینداروں کی سی شکل وصورت، وضع قطع اور اسلامی معاشرت اختیار کرنا کافروں اور بے دینوں کی مشابہت اور نقال سے احتراز کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں وہ قطعاً نافرمان اور گنہگار ہیں حدیث کا مطلب قطعاً یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی

پابندی اور عبادت گزاری اسی وقت کار آمد اور موجب نجات ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ اخلاص اور نیک نیتی بھی ہو ورنہ دکھلاوے یا شہرت یا کسی بھی اور غرض کے لئے کی ہوئی عبادت وطاعت مردود ہے۔

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث آیت کریمہ لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوىٰ منكم سے ماخوذ اور مقتبس ہے۔

کون سا جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے

وعن أبي موسى عبدِ اللهِ بنِ قيسٍ الأشعريِّ رضي الله عنه ، قَالَ : سُئِلَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شَجَاعَةً ، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً ، وَيُقَاتِلُ رِيَاءً ، أَيُّ ذَلِكَ فِي سبيلِ الله؟ فقالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ قَاتَلَ لِتَكونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ العُلْيَا ، فَهوَ فِي سبيلِ اللهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ بعض لوگ بہادری (دکھانے) کیلئے جنگ کرتے ہیں بعض لوگ قومی حمیت وغیرت (کے جذبہ) کی وجہ سے اور بعض لوگ محض دکھلاوے کے لئے جہاد کرتے ہیں ان میں سے کون سا جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ اس لئے جنگ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات اونچی رہے وہ جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے (ان تینوں جنگوں میں سے ایک بھی جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

نام۔ عبد اللہ، کنیت، ابو موسیٰ والد کا نام قیس، والدہ کا نام طیبہ تھا۔ یہ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا اسی وجہ سے وہ اشعری مشہور ہوئے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے خاندان واپس گئے اپنی قوم کے ذی اثر سردار تھے ان کی دعوت سے ان کے خاندان کے تقریباً پچاس آدمی مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو لے کر مدینہ منورہ اس وقت پہنچے جب کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی پہنچے ہوئے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر سے واپس تشریف لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو مال غنیمت دینے کے ساتھ ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور انکی جماعت کو بھی دیا۔ (بخاری) پھر بعد کے غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو بصرہ کا والی بھی بنایا ہوا تھا پھر ۲۴ھ میں کوفہ کے امیر بنے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان سات خوش نصیبوں میں سے تھے جنکو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

آپ کے خصوصی وصف اتباع سنت' تقویٰ' خدمت رسول' شرم وحیاء' سادگی اور امت مسلمہ کی خیر خواہی تھی۔ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کے ساتھ بھی خصوصی شغف تھا قرآن کریم نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ان کا قرآن سن کر فرمایا کہ ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

ایک مرتبہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے ازواج مطہرات اپنے حجروں کے پاس کھڑی ہو کر ان کا قرآن سننے لگیں۔ صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا کہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا تو ان کو اور مشتاق بنا دیتا۔ (طبقات ابن سعد)

قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث سے بھی خصوصی شغف رکھتے تھے ان کی مرویات کی تعداد ۳۶۰ ہے ان میں سے ۵۰ بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔ ۴ میں بخاری اور ۴۵ میں مسلم منفرد ہیں۔ صحیح قول کے مطابق مکہ میں ۴۲ھ ۴۴ھ ۵۲ھ میں بیمار پڑ گئے۔ وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔ (دلیل الفالحین' نزھۃ المتقین' روضۃ المتقین)

حدیث کی تشریح: شجاعت اور بہادری' قومی غیرت وحمیت پسندیدہ جذبات ہیں بشرطیکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو سر بلند کرنے یا سر بلند رکھنے کے لئے کار فرما ہوں محض بہادری دکھانے یا ملک و قوم میں نکّو بننے سے بچنے کیلئے' لڑنے کو یقیناً اللہ تعالیٰ کے لئے لڑنا نہیں کہا جاتا اور نہ ہی وہ عند اللہ پسندیدہ اخلاق وفضائل میں شمار ہوتا ہے اسی طرح وطن ملک اور قوم کی حفاظت اور ان سے دفاع فرض ہے مگر اسی وقت جبکہ اس کا اصل مقصود ومطلوب "اللہ تعالیٰ کے دین" کو سر بلند رکھنا ہو یہی وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس میں آخرت کے اجر وثواب کے ساتھ ساتھ تمام مادی اور دنیوی منافع بھی ضرور حاصل ہوں گے مگر یہ مادی اور دنیوی منافع مسلمانوں اور خدا پرستوں کے اصلی مقاصد اور اغراض نہ ہونے چاہئیں جان تو جان دینے والے ہی کی راہ میں دی جاسکتی ہے اور اسی کے حکم پر قربان کی جاسکتی ہے اور اسی صورت میں شہادت کی زندگی جاوید حاصل ہو سکتی ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی جو جنگ محض وطن قوم اور حکومت یا کسی بھی اور دنیوی غرض کے لئے ہو وہ جنگ ہے جہاد نہیں اس لئے کہ ان اغراض ومقاصد کے لئے تو کفار بھی جنگ کیا کرتے ہیں پھر کافروں اور خدا پرستوں کی لڑائی میں فرق کیا رہا دیکھئے کتنی بد قسمتی ہے ان مسلمانوں کی جو اللہ تعالیٰ کے دین کو سر بلند کرنے یا رکھنے کی نیت اور قصد کے بجائے محض ملک' قوم' وطن یا صرف اپنی آزادی اور حکمرانی کو برقرار رکھنے کی خاطر جنگ کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جنگ کریں تو ملک وقوم ووطن کی آزادی سر بلندی اور تمام دنیوی مفادات آپ سے آپ حاصل ہو جائیں اور دین ودنیا دونوں کی کامرانیاں اور سر خروئی نصیب ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دین کی سر بلندی کے لئے جہاد کرنے والے

کو "مجاہدین اسلام" کے بجائے "مجاہدین قوم" یا "مجاہدین وطن" کہنا بھی کھلی ہوئی جہالت اور ان مجاہدین کی سخت توہین ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہالت سے بچائے۔

اعمال کی قبولیت کیلئے اللہ کی رضا شرط ہے

"من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا"

اللہ کے ہاں ہر عمل کا اعتبار چونکہ صحیح نیت پر ہے تو جہاد جیسے عمل میں تو بدرجہ اولیٰ یہ ضروری ہوگا۔ اسی وجہ سے فرمایا مجاہد تو وہی ہوگا جو اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے لڑے گا۔

مگر اللہ نے انسانوں کو ظاہر کا مکلف بنایا ہے اس لئے میدان جہاد میں ہر مسلمان مقتول کے ساتھ شہید والا معاملہ کیا جائے گا اور نیت اور ارادے کا مسئلہ اللہ کے سپرد ہوگا کیونکہ دلوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ (نزھۃ المتقین)

اس حدیث کو بھی علماء جوامع کلم میں شمار کرتے ہیں۔ (روضۃ المتقین ۱/۴۱)

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث آیت کریمہ **وكلمة الله هي العليا** (توبہ) سے ماخذ مقتبس ہے۔

کسی جرم اور گناہ کے درپے ہونے کی سزا

وعن أبي بَكرَةَ نُفَيع بنِ الحارثِ الثقفيِّ رضي الله عنه: أَنَّ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا التقَى المُسلِمَان بسَيْفَيهِمَا فالقَاتِلُ وَالمَقْتُولُ في النّار" قُلتُ: يا رَسُولَ اللهِ، هذا القَاتِلُ فَمَا بَالُ المقْتُول؟ قَالَ: "إِنَّهُ كَانَ حَرِيصاً عَلَى قتل صَاحِبِهِ" مُتَّفَقٌ عليهِ.

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب دو مسلمان تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر آجائیں (اور لڑنے لگیں) تو (اس لڑائی میں) قتل کرنے والا (قاتل) اور قتل ہونے والا (مقتول) دونوں جہنمی ہیں" صحابہؓ نے عرض کیا: قاتل بیشک جہنمی ہے (کہ اس نے ایک کلمہ گو مومن کو قتل کیا) مگر مقتول کا کیا قصور ہے (وہ جہنمی کیوں ہے وہ تو شہید ہونا چاہئے)؟ آپ نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے مدمقابل (مسلمان) کو قتل کرنے کے درپے تھا (اتفاق ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور کارگر نہ ہوا اور خود قتل ہو گیا) (بخاری ومسلم)

حضرت نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

نام۔ نفیع، کنیت ابو بکرہ، طائف کے قبیلہ ثقیف کے رہنے والے تھے۔ دادا کا نام کلدۃ تھا۔ ابو بکرہ ان کی کنیت تھی کنیت کی وجہ یہ ہے بکرہ کے معنی لکڑی کی چرخی کے ہیں جس پر ڈول کی رسی چلتی ہے۔ جب

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو یہ بھی اس چرخی کے سہارے لٹک کر کود ے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انکو ابو بکرہ کہہ کر مخاطب فرمایا اور ان کو آزاد بھی فرمادیا لیکن وہ اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا غلام ہی کہتے رہے۔(طبقات ابن سعد)

بصرہ آباد ہونے کے بعد بصرہ میں آگئے اور شروع میں مدینہ منورہ میں بھی رہے۔(اسد الغابۃ)

فتنہ سے بہت دور رہتے تھے یہاں تک کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی انہوں نے شرکت نہیں کی ان کا خصوصی شغف عبادت تھا۔ آخری وقت تک خوب عبادت کرتے رہے۔

صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں "**کان ابو بکرة کثیر العبادة حتی مات**"(اسد الغابہ)

وفات۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بصرہ میں ہی انتقال ہوا۔(تہذیب الکمال)

مرویات۔ان سے مرویات کی تعداد ۱۳۲ ہیں ان میں سے آٹھ بخاری اور مسلم دونوں میں ہے اور پانچ میں بخاری منفرد ہیں۔ان کی روایات زیادہ تر ان کے صاحبزادگان سے مروی ہے۔(نزہتہ المتقین)

اعمال وافعال میں نیت کا دخل

حدیث کی تشریح: انسان کی نیت اس کے اعمال وافعال میں کس قدر موثر اور کار فرما ہے کہ "مقتول مسلمان" نے حالانکہ مسلمان کو قتل نہیں کیا مگر پھر بھی جہنمی ہوا صرف اس لئے کہ وہ ایک مسلمان کے قتل کرنے کے درپے تھا اگر اس کا وار خالی نہ جاتا تو وہ یقیناً اس کو قتل کر دیتا اسی بناء پر جہنمی ہوا۔

مقتول قاتل کی طرح جہنمی تو ضرور ہوگا مگر دونوں کے جرم اور سزا میں فرق ہے قاتل ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کا مرتکب ہوا ہے اس کی سزا ہے مخلد فی النار ہونا (زمانہ دراز تک جہنم میں جلنا) ہے مقتول کا جرم ہے ایک مسلمان کو قتل کرنے کے درپے ہونا جو مستقل گناہ ہے خواہ قتل کر پائے یا نہ کر پائے اس کی سزا بھی جہنم ہے مگر مخلد نہ ہوگا۔

"**فالقاتل والمقتول فی النار**"

اس حدیث سے محدثین رحمہم اللہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کوئی گناہ کا پختہ عزم کرلے اور اس کیلئے وہ اسباب ووسائل کو بھی اختیار کرلیتا ہے اور پھر وہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے اپنے اس عزم کو تکمیل تک نہ پہنچا سکے تو اس صورت میں اس کو وہ گناہ ملے گا جو کرنے پر ملتا ہے۔(نزھۃ المتقین ۱،۲۶)

محدثین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں لڑائی سے مراد وہ لڑائی ہے جو دنیاوی حمیت وعصبیت کی وجہ سے کی جارہی ہو کوئی شرعی معاملہ ان کے باہمی قتال کی بنیاد نہ ہو۔

اور اگر کوئی شرعی معاملہ ان کے درمیان لڑائی کا ذریعہ بن رہا ہو اور دونوں اپنے اپنے اجتہاد کی وجہ سے اپنے کو حق سمجھ کر دوسرے سے لڑائی کر رہا ہو تو اس صورت میں وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔ (نزھۃ المتقین ۱،۲۶)

"حریصا علی صاحبہ" مسلم شریف میں "انه قد اراد قتل صاحبه" کے الفاظ آئے ہیں کہ دوسرے نے بھی اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث مذکورہ ذیل آیات سے ماخوذ ہے۔

(۱) ومن یکتمها فانه اثم قلبه (بقرہ:۲۸۳) (۲) ان السمع والبصر والفوء ادكل اولئك كان عنه مسئولاً (بنی اسرائیل:۳۶) قل ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم به الله (بقرہ:۲۸۴)

نیک نیتی کے ثمرات و برکات

وعن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، قَالَ : قالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :" صَلاةُ الرَّجلِ في جمَاعَةٍ تَزيدُ عَلَى صَلاتهِ في سُوقِهِ وبيتهِ بضْعاً وعِشرِينَ دَرَجَةً ، وَذَلِكَ أنَّ أَحدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الوُضوءَ ، ثُمَّ أَتَى المَسْجدَ لا يُريدُ إلاَّ الصَّلاةَ ، لاَ يَنْهَزُهُ إلاَّ الصَلاةُ : لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إلاَّ رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرجَةٌ ، وَحُطَّ عَنْهُ بها خَطِيئَةٌ حَتَّى يَدْخُلَ المَسْجدَ ، فإذا دَخَلَ المَسْجدَ كَانَ في الصَّلاةِ مَا كَانَتِ الصَّلاةُ هِيَ تَحْبِسُهُ ، وَالمَلائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ ، يَقُولُونَ : اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ، اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيهِ ، مَا لَم يُؤْذِ فيه ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ " . مُتَّفَقٌ عليه ، وهذا لفظ مسلم . وقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يَنْهَزُهُ " هُوَ بِفَتْحِ اليَاء والْهَاء وبالزَّاي : أَيْ يُخْرِجُهُ ويُنْهضُهُ .

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت کے ساتھ (مسجد میں) انسان کی نماز، گھر یا بازار میں نماز (پڑھنے) کے مقابلہ پر چند اور بیس (پچیس یا ستائیس) درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب ایک شخص (مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کی نیت سے) وضو کرتا ہے پھر مسجد آتا ہے اس طرح کہ بجز نماز ادا کرنے کے اور کوئی غرض اس کے اٹھنے اور چلنے کا سبب نہیں ہوتی تو (اس اخلاص اور نیت کے ساتھ) جو بھی قدم وہ زمین پر رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور ایک خطا معاف فرما دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو جب سے وہ مسجد میں داخل ہوا اسی وقت سے نماز میں (شمار) ہوتا ہے جب تک کہ نماز کی وجہ

سے مسجد میں ٹھہر تا ہے اور (یاد رکھو) جب تک تم میں سے کوئی شخص مسجد میں نماز کی جگہ بیٹھا (اللہ اللہ ' ذکر اللہ یا اور کوئی عبادت کر تا رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں "الٰہی! تو اس (نمازی) پر رحمت فرما الٰہی! تو اس کی بخشش کر دے' الٰہی تو اس کی توبہ قبول فرما" جب تک کہ وہ (اہل مسجد کو) ایذا نہ پہنچائے یعنی وضو نہ توڑے۔ (بخاری و مسلم)

یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ رسول اللہ کا قول "ینھزہ" یا اور ہاء کے فتح اور زاء کے ساتھ ہے یعنی نکالتی ہے اور کھڑا کرتی ہے۔

حدیث کی تشریح۔ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب پچیس یا ستائیس درجہ ہوتا ہے۔

"تزید علی صلوته فی سوقه وبیته بضعا وعشرین درجة" مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب پچیس درجہ زائد ہوتا ہے گھر پر یا بازار میں نماز پڑھنے سے"۔

سوال: دوسری روایت میں ستائیس درجہ زائد بتایا گیا ہے۔

جواب: پہلے وحی سے پچیس درجہ زائد کو بتایا گیا پھر دوسری مرتبہ ستائیس درجہ کی بشارت دی گئی۔

یا نمازوں کے احوال کے اعتبار سے یہ ثواب ہو گا کہ بعض کی نماز کا ثواب پچیس اور بعض کی نماز کا ستائیس ہو گا۔ یا جہری نماز میں ستائیس اور سری نمازوں میں پچیس درجہ کا ثواب ہو گا۔

یا جو زیادہ مشقت برداشت کر کے جماعت سے نماز ادا کرے تو اس کیلئے ستائیس ہو گا ورنہ پچیس کا ثواب ہو گا۔

بعض محدثین نے یہ ثواب مسجد میں جماعت کے ساتھ مختص کیا ہے مگر اکثر محدثین رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ثواب مسجد کے ساتھ مختص نہیں بلکہ جہاں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے خواہ وہ مسجد ہو یا غیر مسجد ہر حال میں ستائیس درجہ ثواب ملے گا۔ (فتح الباری)

"والملائکة یصلون" فرشتے نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرتے رہتے ہیں"۔

جب تک آدمی باوضو اس جگہ پر بیٹھا رہے۔ نماز سب سے زیادہ اہم عبادت ہے اس لئے فرشتے نمازیوں کے حق میں دعا خیر کرتے رہتے ہیں۔ (نزہۃ المتقین ۱' ۲۷)

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بازاروں اور گھروں میں اکیلے نماز پڑھنا جائز تو ہے مگر فضیلت سے خالی ہے اور بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (دلیل الفالحین ۱' ۶۶)

یہ حدیث پاک نیت کے عظیم ترین ثمرات و برکات کو ثابت کرتی ہے ظاہر ہے کہ اگر بغیر نیت اور قصد ثواب کے کوئی شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں آجائے تو یہ خطاؤں کا کفارہ نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر کسی بھی دوسری غرض سے گھنٹوں مسجد میں رہے مگر قصد اجر و ثواب نہ ہو تو وہ فرشتوں کی مفید ترین اور معصوم دعاؤں کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث حسب ذیل آیات سے ماخوذ ہے۔

(۱)ان الحسنات یذھبن السیأت (ھود: ۱۱۴)

(۲)ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنه نکفر عنکم سیأتکم (النساء: ۳۱)

(۳) ویستغفرون للذین امنوا (المومن: ۷)

نیت نیک اور نیت بد کا فرق

وعن أبي العبَّاس عبدِ اللهِ بن عباسِ بن عبد المطلب رضِيَ اللهُ عنهما، عن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فيما يروي عن ربهِ، تبارك وتعالى، قالَ: " إنَّ اللهَ كَتَبَ الحَسَنَاتِ والسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَها اللهُ تَبَارَكَ وتَعَالى عِنْدَهُ حَسَنَةً كامِلَةً، وإنْ هَمَّ بها فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إلى سَبْعمئةِ ضِعْفٍ إلى أضعَافٍ كَثيرةٍ، وإنْ هَمَّ بسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ تَعَالَى عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وإنْ هَمَّ بها فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً" مُتَّفَقٌ عليهِ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے روایت کرتے ہیں کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیاں (نیک کام) اور تمام بدیاں (برے کام) سب لکھ دیئے (اور مقرر فرمادیئے) ہیں پھر ان کو (نبیوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ) بیان بھی فرمادیا ہے (کہ یہ نیکیاں ہیں اور یہ بدیاں ہیں) اب جو شخص کسی نیکی (نیک کام کرنے) کا ارادہ کرتا ہے مگر (اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے) اس پر عمل نہیں کرپاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے (اس کے نامۂ اعمال میں) کامل ایک نیکی (ثواب پھر بھی) لکھ دیتے ہیں اور اگر ارادہ بھی کیا اور اس پر عمل بھی کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے (کم از کم) دس گنا نیکیوں کا (اور زیادہ سے زیادہ) سات سو گنا نیکیوں تک کا اور اس سے بھی زیادہ چند در چند (یعنی بے شمار نیکیوں کا ثواب) لکھ دیتے ہیں اور اگر کسی بدی (برے کام) کا ارادہ کرتا ہے مگر (خدا کے خوف سے) اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں (اس برے کام کے نہ کرنے پر) ایک نیکی (کا ثواب) اس کیلئے لکھ دیتے ہیں اور اگر بدی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کے نامۂ اعمال میں ایک ہی بدی لکھتے ہیں (زیادہ نہیں لکھتے) (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح

حدیث قدسی اور قرآن مجید میں فرق

"فیما یروی عن ربه تبارك وتعالیٰ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

اس کو محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں حدیث قدسی کہتے ہیں۔
سوال۔ حدیث قدسی بھی اللہ کا کلام ہے قرآن مجید بھی اللہ کا کلام ہے تو ان دونوں میں فرق کیا ہے؟
جواب ا۔ قرآن مجید کی تلاوت نماز میں ہوتی ہے بخلاف حدیث قدسی کے کہ اگر کسی نے اس کو نماز میں پڑھ لیا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔
جواب ۲۔ قرآن مجید میں الفاظ اور معنی دونوں اللہ جل شانہ کی طرف سے ہوتے ہیں بخلاف حدیث قدسی کے کہ اس میں الفاظ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مفہوم اللہ جل شانہ کا ہوتا ہے۔
جواب ۳۔ قرآن مجید کا بدل نہیں بن سکتا جس کا چیلنج دیا گیا بخلاف حدیث قدسی کے کہ اسکا چیلنج نہیں دیا گیا۔
جواب ۴۔ قرآن مجید کا انکار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے بخلاف حدیث قدسی کہ اس کا انکار کفر نہیں ہے۔
جواب ۵۔ قرآن مجید کو بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا جائز نہیں بخلاف حدیث قدسی کے کہ اس کو بغیر طہارت کے ہاتھ لگایا جاسکتا ہے۔

نیکی کا ارادہ موجب اجر و ثواب ہے

اجر و ثواب کی نیت سے کسی نیک کام کا قصد و ارادہ بھی قلب کا ایک فعل ہے اور ہر فعل و عمل خیر اللہ کے وعدہ کے بموجب اجر و ثواب کا باعث ہے اس لئے ہاتھ پاؤں سے عمل نہ کرنے کے باوجود بھی اس فعل قلب پر ثواب ملتا ہے اور اگر اس پر عمل بھی کر لیا جائے تو چونکہ اسی عمل میں بدن کے اور اعضا و جوارح بھی شریک ہوتے ہیں اس لئے وہ ایک عمل ان کی نسبت سے متعدد اعمال خیر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کی تفصیل اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے ہر نیکی کے عمل کا ثواب کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ بے حد و حساب کس مصلحت سے رکھا ہے۔ علماء محققین کی رائے ہے کہ تکثیر و تضعیف اجر ثواب (ثواب کے چند در چند اور زیادہ کرنے) کا مدار خلوص اور توجہ الی اللہ کے مراتب و درجات پر ہے جس قدر بلند درجہ کا خلوص ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا لہٰذا استحضار نیت اور اخلاص کے درجات کی بلندی ہی برکات و ثمرات کا باعث ہوئی اسی لئے امام نووی اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں اسی طرح کسی برے کام کا قصد و ارادہ کرنے کے باوجود محض خدا کے خوف سے اس کام کو نہ کرنا بھی قلب کا فعل ہے اس لئے اس پر بھی ایک نیکی کا ثواب ملنا چاہئے۔

برا کام کرنے کی صورت میں صرف ایک ہی برا کام لکھنے کی وجہ

یہ محض اللہ پاک کی کریمی ہے کہ ایک آدمی کے ایک برے کام کو ایک ہی لکھتے ہیں حالانکہ اسکے قلب اور تمام اعضا کا بھی اسمیں دخل ہے۔

اس حدیث کا ماخذ

مذکورہ ذیل آیت کریمہ اس حدیث کا ماخذ ہیں۔

ولاتقف مالیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك کان عنه مسؤلاً (بنی اسرائیل)

اخلاص اور نیک نیّتی کے کرشمے اور اعمال صالحہ کے فائدے

وعن أبي عبد الرحمان عبدِ الله بن عمرَ بن الخطابِ رضيَ اللهُ عنهما ، قَالَ: سمعتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " انطَلَقَ ثَلاثَةُ نَفرٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتَّى آوَاهُمُ المَبيتُ إلى غَارٍ فَدَخلُوهُ،فانْحَدرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ الجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ،فَقالُوا:إنَّهُ لاَ يُنْجيكُمْ مِنْ هذِهِ الصَّخْرَةِ إلاَّ أنْ تَدْعُوا اللهَ بصَالِحِ أعْمَالِكُمْ . قَالَ رجلٌ مِنْهُمْ : اللَّهُمَّ كَانَ لِي أَبَوانِ شَيْخَانِ كبيرانِ ، وكُنْتُ لا أغْبِقُ قَبْلَهُمَا أهْلاً ولاَ مالاً ، فَنَأَى بي طَلَب الشَّجَرِ يَوْماً فلم أُرِحْ عَلَيْهما حَتَّى نَامَا ، فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوقَهُمَا فَوَجَدْتُهُما نَائِمَين ، فكَرِهْتُ أنْ أُوقِظَهُمَا وَأَنْ أغْبِقَ قَبْلَهُما أهْلاً أو مالاً . فَلَبِثْتُ والْقَدَحُ عَلَى يَدِي أنتَظِرُ اسْتِيقَاظَهُمَا حَتَّى بَرِقَ الفَجْرُ والصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَميَّ ، فاسْتَيْقَظَا فَشَرِبا غَبُوقَهُما . اللَّهُمَّ إنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذلِكَ ابتِغَاء وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنّا مَا نَحْنُ فِيهِ مِنْ هذِهِ الصَّخْرَةِ ، فانفَرَجَتْ شَيْئاً لا يَسْتَطيعُونَ الخُروجَ مِنْهُ . قَالَ الآخر : اللَّهُمَّ إنَّهُ كانَتْ لِيَ ابْنَةُ عَمّ ، كَانَتْ أَحَبَّ النَّاسِ إليَّ– وفي رواية : كُنْتُ أُحِبُّها كأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النساءَ– فَأَرَدْتُهَا عَلَى نَفْسِهَا فَامْتَنَعَتْ مِنِّي حَتَّى أَلَمَّتْ بها سَنَةٌ مِنَ السِّنِينَ فَجَاءتْنِي فَأَعْطَيْتُهَا عِشْرِينَ وَمئَةَ دِينَارٍ عَلَى أنْ تُخَلِّيَ بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِهَا فَفعَلَتْ ، حَتَّى إذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا– وفي رواية : فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا ، قالتْ : اتَّقِ اللهَ وَلاَ تَفُضَّ الخَاتَمَ إلاَّ بحَقِّهِ، فَانصَرَفْتُ عَنْها وَهِيَ أَحَبُّ النَّاسِ إليَّ وَتَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِي أعْطَيتُها . اللَّهُمَّ إنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذلِكَ ابْتِغاءَ وَجْهِكَ فافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فيهِ ، فانفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ ، غَيْرَ أنَّهُمْ لا يَسْتَطِيعُونَ الخُرُوجَ مِنْهَا . وَقَالَ الثَّالِثُ : اللَّهُمَّ اسْتَأْجَرْتُ أُجَرَاءَ وَأَعْطَيْتُهُمْ أجْرَهُمْ غيرَ رَجُلٍ واحدٍ تَرَكَ الَّذِي لَهُ وَذَهبَ، فَثمَّرْتُ أجْرَهُ حَتَّى كَثُرَتْ مِنْهُ الأمْوَالُ، فَجَاءنِي بَعدَ حِينٍ ، فَقالَ : يَا عبدَ اللهِ ، أَدِّ إلَيَّ أجْرِي ، فَقُلْتُ : كُلُّ مَا تَرَى مِنْ أجْرِكَ : مِنَ الإبلِ وَالبَقَرِ والْغَنَمِ والرَّقيقِ ، فقالَ : يَا عَبدَ اللهِ ، لاَ تَسْتَهْزِئْ بي ! فَقُلْتُ : لاَ أسْتَهْزِئ بكَ ، فَأَخَذَهُ كُلَّهُ فاسْتَاقَهُ فَلَمْ يتْرُكْ مِنهُ شَيئاً . اللَّهُمَّ إنْ كُنتُ فَعَلْتُ ذلِكَ ابتِغَاءَ وَجْهِكَ فافْرُجْ عَنَّا مَا نَحنُ فِيهِ ، فانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوا يَمْشُونَ (مُتَّفَقٌ عليهِ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: میں نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ فرمارہے تھے: تم سے پہلے کسی اُمت کے تین آدمی سفر کو روانہ

ہوئے (راستہ میں) رات گزارنے کے لئے ان کو ایک غار ملا وہ اسی کے اندر داخل ہو (کر سو) گئے تو (اتفاق سے) پہاڑ کی ایک چٹان پھسلی اور غار (کے منہ پر آگئی اور باہر نکلنے کا راستہ بالکل) بند کر دیا (صبح کو بیدار ہو کر جب انہوں نے اس خوفناک مصیبت کو دیکھا) تو انہوں نے (آپس میں) کہا: اس چٹان (کی آفت) سے تم کو بجز اس کے اور کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی کہ تم (سب اپنی اپنی زندگی کے سب سے زیادہ اچھے اور) نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو (وہی اس کو ہٹا سکتا ہے) تو ان میں سے ایک (مسافر) نے کہا: اے اللہ (تو جانتا ہے کہ) میرے بہت بوڑھے عمر رسیدہ ماں باپ تھے اور میں (روزانہ) ان سے پہلے اپنے کسی بھی بیوی بچے لونڈی غلام کو شام کا دودھ پینے کے لئے نہیں دیا کرتا تھا (پہلے ان کو پلاتا پھر اوروں کو) اتفاق سے ایک دن میں چارہ کی تلاش میں (ریوڑ کو ساتھ لئے) بہت دور نکل گیا اور اتنی رات گئے (گھر) واپس آیا کہ وہ (انتظار دیکھتے دیکھتے بھوکے) سو گئے میں (حسب عادت فوراً) ان کے لئے (بکریوں) کا دودھ نکال کر لایا تو ان کو (گہری نیند میں) سوتا ہوا پایا تو میں نے (ان کے آرام کے خیال سے) نہ ان کو جگانا پسند کیا اور نہ ان سے پہلے بیوی بچوں وغیرہ کو دودھ پلانا گوارا کیا اور رات بھر ان کے سرہانے دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لئے کھڑا رہا اور ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور بچے رات بھر میرے قدموں میں پڑے بھوک سے بلکتے رہے بہر حال جب وہ بیدار ہو گئے اور انہوں نے اپنے حصہ کا دودھ پی لیا (تب ہم سب نے پیا) اے اللہ اگر میں نے ماں باپ کا یہ احترام اور خدمت تیری رضا کے لئے کی ہے تو (میرے اس عمل خیر کے طفیل) تو ہم سب سے اس چٹان کی مصیبت کو جس میں ہم گرفتار ہیں دور کر دے تو (اس دعا کے بعد) وہ چٹان تھوڑی سی ہٹ گئی مگر اس سے وہ نکل نہ سکتے تھے دوسرے (مسافر) نے کہا: اے اللہ (تو جانتا ہے کہ) میرے چچا کی ایک لڑکی تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی 'دوسری روایت میں ہے' مجھے اس لڑکی سے اس سے بھی زیادہ شدید محبت تھی جتنی کسی بھی مرد کو کسی عورت سے ہوتی ہے چنانچہ میں نے (اس کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کے لئے) اس پر کافی ڈورے ڈالے مگر اس نے صاف انکار کر دیا یہاں تک کہ (اتفاق سے) وہ (مع اپنے خاندان کے) شدید ترین قحط میں مبتلا ہو گئی تو (فقر و افلاس سے مجبور ہو کر) وہ میرے پاس (مدد مانگنے) آئی تو میں نے اس کو ایک سو بیس دینار (سونے کے سکے) اس شرط پر دینا کئے کہ وہ مجھے (تنہائی میں) اپنے نفس پر قدرت دے دے وہ (مجبوراً اس پر) آمادہ ہو گئی یہاں تک کہ جب میں نے اس پر پورا قابو پا لیا 'دوسری روایت میں ہے' جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے (بڑی عاجزی سے) کہا اے خدا کے بندے! اللہ سے ڈر بغیر "حق" کے مہر کو مت توڑ (اس امانت کو ہاتھ مت لگا) (الٰہی! صرف تیرا واسطہ دینے اور خوف کی وجہ سے) میں فوراً ہٹ گیا حالانکہ مجھے اس سے بے انتہا محبت تھی (اور وہ اپنے نفس کو میرے حوالہ کر چکی تھی اور میں جو چاہتا اس کے ساتھ کر سکتا تھا) اور وہ سونے کے سکے بھی جو میں نے اس کو دیئے تھے اسی کے پاس چھوڑ دیئے خدایا اگر میں نے یہ نیک کام صرف تیری رضا کے لئے کیا ہو تو اس مصیبت کو جس میں ہم سب گرفتار ہیں دور کر دے

تو(اس دعا کے بعد)چٹان اور تھوڑی سی ہٹ گئی مگر پھر بھی وہ غار میں سے نہیں نکل سکتے تھے تو تیسرے (مسافر) نے کہا:اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ) چند مزدوروں سے اجرت پر کام کرلیا تھا اور(کام ختم ہو جانے کے بعد)میں نے ان سب کی مزدوری بھی دے دی تھی بجز ایک مزدور کے کہ اس نے (کسی وجہ سے) اپنی مزدوری نہ لی اور چلا گیا تو میں نے اس کی مزدوری کی رقم کو کاروبار میں لگادیا یہاں تک کہ وہ رقم (بڑھتے بڑھتے) بہت زیادہ مال بن گئی تب (ایک دن) وہ مزدور آیا اور اس نے کہا:اے اللہ کے بندے!میری مزدوری تو دے دے میں نے کہا: یہ اونٹ گائیں بکریاں اور لونڈی غلام سب تیری مزدوری (کی پیداوار) ہیں (آؤ اور شوق سے لے جاؤ) تو اس مزدور نے کہا:اللہ کے بندے میرے ساتھ دل لگی نہ کر (مجھے بیوقوف مت بنا) میں نے کہا: میں تمہارے ساتھ مطلق دل لگی نہیں کر رہا(درحقیقت یہ تمام مویشی اور لونڈی غلام تمہاری مزدوری کی پیداوار ہیں اور تمہارے ہیں تم شوق سے لے جاؤ) تو اس نے وہ سب مویشی اور لونڈی غلام مجھ سے لے لئے اور سب کو ہنکا کرلے گیا اور کچھ نہیں چھوڑا اے اللہ اگر یہ کار خیر میں نے صرف تیرے لئے کیا ہے تو(اس کے طفیل) تو اس مصیبت کو جس میں ہم گرفتار ہیں ہم سے دور کردے چنانچہ چٹان غار کے منہ سے بالکل ہٹ گئی اور وہ(اطمینان سے) چل کر باہر نکل آئے۔(بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

نام۔ عبداللہ کنیت ابو عبدالرحمٰن' والد کا نام عمر بن خطابؓ' والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔

اپنے والد کے ساتھ مسلمان ہوئے' والد کے ساتھ ہی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ بدر اور احد میں شرکت کی اجازت نہیں ملی بچے ہونے کی وجہ سے۔(طبقات ابن سعد)

خندق' خیبر' بیعت رضوان' فتح مکہ' غزوہ حنین' محاصرہ طائف' حجۃ الوداع' غزوہ تبوک ان سب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ فتنہ سے بہت دور رہتے تھے۔ یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور فرمایا اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا۔(طبقات ابن سعد)

حضرت ابن عمرؓ کو لوگ علم و عمل کا مجمع البحرین سمجھتے تھے۔(تذکرۃ الحفاظ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکو قضا کا عہدہ پیش کرنا چاہا تو انہوں نے معذرت کرلی۔

ملکی انتظام میں بالکل شرکت نہ کرتے۔

ان کی زندگی میں چند نمایاں عادات تھیں۔

(۱)پابندی سنت۔(۲) خشیت الٰہی۔(۳) عبادت وریاضت۔(۴) مشتبہات سے اجتناب۔(۵) زہد و تقویٰ۔
(۶) مسکینوں سے ہمدردی۔(۷) سخاوت۔(۸) مساوات۔(۹) اختلاف امت سے بچنا۔

قرآن کیساتھ خصوصی شغف تھا' قرآن پر بہت زیادہ غور کرتے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف سورۃ بقرہ پر ۱۴ سال صرف کئے۔ (موطا امام مالک)

قرآن کے بعد حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا درجہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو حدیث نبوی کا بہت زیادہ شوق تھا۔ غیر حاضری میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جو اقوال وافعال جو اور لوگوں کے سامنے ہوتے یہ ان سے پوچھ لیا کرتے اور پھر اس کو بھی یاد رکھتے تھے۔ (اصابہ)

وفات۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں وفات کی بہت تمنا تھی فرماتے تھے کہ جس زمین سے میں نے ہجرت کرلی اس زمین میں مرنا نہیں چاہتا۔ (طبقات ابن سعد)

انہوں نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ اگر میں مکہ میں مروں تو مجھے حرم سے باہر دفن کرنا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال مکہ میں ہوا اور قبرستان میں دفن کئے گئے۔ حجاج بن یوسف نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (طبقات ابن سعد)

مرویات۔ ان سے مرویات کی تعداد ۱۶۳۰ ہے ۱۷۰ متفق علیہ ہیں۔ ۸۰ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال) (مرقاۃ شرح مشکوۃ' مظاہر حق)

اعمال صالحہ کا وسیلہ

حدیث کی تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور نیک نیتی سے کئے ہوئے اعمال صالحہ انسان کو کیسی کیسی آفتوں اور مصیبتوں سے بچاتے اور نجات دلاتے ہیں نیز یہ کہ ایسے اعمال صالحہ کے "وسیلہ" سے مانگی ہوئی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں علماء نے اسی حدیث کی بناء پر ایسے اعمال صالحہ کو دعا کا "وسیلہ" بنانے کو آداب دعا میں شمار کیا ہے۔

اس قصہ میں تین اعمال صالحہ کا ذکر آیا ہے (۱) پہلے مسافر کے واقعہ میں "خدمت والدین" کا اعلیٰ ترین معیار پیش کیا گیا ہے کہ ایسی ہونی چاہئے ماں باپ کی خدمت کسی نہ کسی درجہ میں سب ہی کرتے ہیں مگر اس درجہ کی ماں باپ کی خدمت واقعی مشکل کام ہے اور پھر ہو بھی محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے "حقوق العباد" بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم اور اہم حق ماں باپ کا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرا فرض بر والدین (ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک) قرار دیا ہے یہاں تک کہ ماں باپ کو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے کہ وہ اولاد سے دریافت کئے بغیر اپنی ضروریات اس کے مال میں سے پوری کر سکتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اولاد کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: تم اور تمہارا اموال تمہارے باپ کا ہے" اور ماں باپ کی جھجک کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہے "تمہاری اولاد بھی تو تمہاری کمائی ہے" (۲) دوسرے مسافر کے واقعہ میں "عفت" اور پاک دامنی کا بلند ترین معیار پیش کیا گیا ہے در حقیقت صحیح معنی میں "عفت" وہی ہے جہاں گناہ کے تمام ذرائع اور وسائل موجود ہوں اور کوئی مانع' بلکہ ذرا سی بھی

رکاوٹ نہ ہو اس کے باوجود اتق اللہ (اللہ سے ڈر) سنتے ہی اور خدا کے خوف کا نام آتے ہی عین موقع پر گناہ سے باز آجائے' پاک دامن لوگ بکثرت ہوتے ہیں مگر عموماً ان کی پاکدامنی کا باعث مواقع کا میسر نہ آنا یا نتائج بد کا خوف ہوتا ہے حقیقی پاکدامنی وہی ہے جس میں مواقع بھی میسر ہوں اور نتائج بد کا اندیشہ بھی نہ ہو اور پھر انسان محض خدا کے خوف کی وجہ سے عین گناہ کے موقع سے ہٹ جائے بڑی بہادری کا کام ہے اور کردار کی بہت بڑی بلندی کا ثبوت ہے۔

(۲) تیسرے مسافر کے واقعہ میں انسانی "ہمدردی" وخیر خواہی اور "امانت ودیانت" کی بلند ترین مثال پیش کی گئی ہے یہ شخص بلا تکلف اس مزدور کی طے شدہ مزدوری دے کر تمام مال بچا سکتا تھا اس لئے کہ شرعاً اور قانوناً وہ اسی مزدوری کا حقدار تھا جو طے ہوئی تھی اور یہی اس کا مطالبہ بھی تھا مگر اس شخص نے اس کی مزدوری کی رقم کاروبار میں لگا کر اصل رقم اور اس کا پورا پورا تجارتی منافع اس کو دے کر امانت ودیانت کا بھی اعلیٰ ترین ثبوت دیا اور ہمدردی وخیر خواہی کی بھی قابل تقلید مثال قائم کی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی دوسری غرض مطلق نہیں بڑا مشکل کام ہے۔

"فثمرت اجره حتی کثرت من الاموال" اسکی مزدوری کی رقم کو کاروبار میں لگایا حتی کہ اس سے بہت سامال بن گیا۔

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ وہ مال جو دوسرے کا ہو اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ بعد میں اس کی اجازت لے لی جائے۔ یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کہ فضولی کا تصرف مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر مالک اجازت دے دے تو تصرف نافذ العمل ہو جاتا ہے ورنہ ختم ہو جائے گا۔ (مرقات شرح مشکوۃ)

"فانفرجت الصخرة" پس وہ چٹان بالکل سرک گئی۔

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی خرق عادت کے طور سے مدد فرماتے ہیں اس کو کرامت کہا جاتا ہے جسے انبیاء علیہم السلام کی مدد معجزات کے ذریعہ سے اللہ فرماتے ہیں۔ معجزہ اور کرامت دونوں حق ہیں۔ یہی مسلک ہے اہلسنت والجماعت کا۔ (مرقات' مظاہر حق ۴'۵۲۸)

اس واقعہ کے بیان فرمانے کا مقصد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی اس قصہ کو سنانے سے اپنی امت کو بطور مثال "اعمال صالحہ" کے بلند ترین معیار اور اعلیٰ ترین مثال سے آگاہ فرمانا اور ایسے ہی اعلیٰ اعمال صالحہ اور بلند ترین کردار کی ترغیب دینا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے اعمال واخلاق کا جائزہ لے اور محاسبہ کرے اور تمام خامیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرے وباللہ التوفیق۔

باب ۲

باب التوبة....توبہ کا بیان

گناہ اور توبہ کی قسمیں اور شرطیں

قَالَ العلماءُ : التَّوْبَةُ وَاجبَةٌ مِنْ كُلِّ ذَنْب ، فإنْ كَانت المَعْصِيَةُ بَيْنَ العَبْدِ وبَيْنَ اللهِ تَعَالَى لاَ تَتعلَّقُ بحقّ آدَمِي فَلَهَا ثَلاثَةُ شُرُوط :أحَدُها : أنْ يُقلِعَ عَنِ المَعصِيَةِ .والثَّانِي : أنْ يَنْدَمَ عَلَى فِعْلِهَا .والثَّالثُ : أنْ يَعْزِمَ أنْ لا يعُودَ إلَيْهَا أَبَداً . فَإنْ فُقِدَ أَحَدُ الثَّلاثَةِ لَمْ تَصِحَّ تَوبَتُهُ.

وإنْ كَانَتِ المَعْصِيةُ تَتعَلَقُ بآدَمِي فَشُرُوطُهَا أرْبَعَةٌ : هذِهِ الثَّلاثَةُ ، وأنْ يَبْرأَ مِنْ حَقِّ صَاحِبِها ، فَإنْ كَانَتْ مالاً أَوْ نَحْوَهُ رَدَّهُ إلَيْه ، وإنْ كَانَت حَدَّ قَذْفٍ ونَحْوَهُ مَكَّنَهُ مِنْهُ أَوْ طَلَبَ عَفْوَهُ ، وإنْ كَانْت غِيبَةً استَحَلَّهُ مِنْهَا . ويجبُ أنْ يَتُوبَ مِنْ جميعِ الذُّنُوبِ ، فَإنْ تَابَ مِنْ بَعْضِها صَحَّتْ تَوْبَتُهُ عِنْدَ أهْلِ الحَقِّ مِنْ ذلِكَ الذَّنْبِ وبَقِيَ عَلَيهِ البَاقي . وَقَدْ تَظَاهَرَتْ دَلائِلُ الكتَابِ والسُّنَّةِ ، وإجْمَاعِ الأُمَّةِ عَلَى وُجوبِ التَّوبَةِ .

علماء دین نے فرمایاہے: ہر گناہ سے توبہ فرض ہے گناہ کی دو قسمیں ہیں اسی لحاظ سے توبہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اگر وہ گناہ جس سے توبہ کرتا ہے کوئی ایسی نافرمانی (معصیت) ہے جس کا تعلق کسی بندہ کے حق سے بالکل نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کا تعلق ہو تو اس گناہ سے توبہ کے صحیح اور معتبر ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) اول یہ کہ اس گناہ اور نافرمانی سے کلی طور پر باز آجائے یعنی بالکل چھوڑ دے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس گناہ پر دل سے نادم اور شرمندہ ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ دوبارہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ اور عزم ہو۔

ان تینوں شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی نہ پائی جائے گی تو توبہ صحیح نہ ہو گی۔

ترجمہ۔ علما فرماتے ہیں ہر گناہ سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اگر گناہ کا اللہ اور بندے کے ساتھ تعلق ہے کسی دوسرے بندے کے ساتھ تعلق نہیں تو اس کیلئے تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ گناہ سے باز آجائے۔ دوسری یہ کہ وہ گناہ پر نادم ہو تیسری یہ کہ وہ عزم کرے کہ پھر کبھی اس گناہ میں مبتلا نہ ہو گا۔ اگر ان تین میں سے ایک کا بھی فقدان ہو گا تو توبہ صحیح متصور نہیں ہو گی۔

اور اگر گناہ کا تعلق کسی آدمی کے ساتھ ہے تو اس کیلئے چار شرطیں ہیں، پہلی تین شرطوں کے ساتھ چوتھی شرط یہ ہے

کہ متعلقہ آدمی کے حق سے برأت کا اظہار کرے۔ اگر کسی سے مال وغیرہ لیا ہے تو اس کو واپس کرے۔ اگر تہمت کا معاملہ ہے تو اس کو حد لگانے کی گنجائش عطا کرے یا اس سے معاف کروائے اور اگر غیبت ہے تو اس سے معافی طلب کرے۔

نیز تمام گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اگر بعض گناہوں سے توبہ کرے تو اہل حق کے نزدیک ان بعض گناہوں سے توبہ صحیح ہے اور باقی سے توبہ کرنا اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے دلائل توبہ کے فرض ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔

حدیث کی تشریح

توبہ کے لفظی اور شرعی معنی

توبہ کے لفظی معنی ہیں "لوٹنا" اسی اعتبار سے شریعت کی اصطلاح میں توبہ کرنے کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (معصیت) سے فرمانبرداری (طاعت) کی طرف لوٹنا اسی لئے توبہ کی شرط یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانیاں کر رہا ہو انہیں فوراً اور قطعاً چھوڑ دے اور دوبارہ ان کے نہ کرنے کا عزم اور عہد کرلے اس لئے کہ اگر اس گناہ کو نہیں چھوڑتا تو گناہ اور نافرمانی سے لوٹنا نہ پایا جائے گا اور اگر اس گناہ کو آئندہ نہ کرنے کا عزم اور عہد نہیں کرتا تو فرمانبرداری (طاعت) کی طرف لوٹنا نہ پایا جائے گا اور دونوں صورتوں میں توبہ در حقیقت توبہ نہ ہوگی۔

حقوق العباد' بندوں کے حقوق سے متعلق گناہ

ہر گناہ کرنا اللہ کی نافرمانی اور معصیت ہے اگر اس کے ساتھ ہی اس میں کسی انسان کی حق تلفی بھی ہو تو وہ گناہ حقوق العباد سے متعلق ہوگا اور بندوں کے ہاں تلف شدہ حق کو ادا کرنا یا ان سے معاف کرانا بھی توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہوگا مثلاً اگر نماز نہیں پڑھی تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کا گناہ ہے مذکورہ بالا تینوں شرطوں کے ساتھ توبہ کرلینا اس گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی ہے اور اگر کسی کا مال دھوکا دے کر لے لیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور بندوں کی حق تلفی بھی' اس لئے صرف اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلینا اس گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ اس شخص کا حق ادا کرنا یا اس سے معاف کرانا بھی ضروری ہوگا لہٰذا ایسے گناہوں سے توبہ کرنا جو حقوق العباد سے متعلق ہوں بہت زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور عفو و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ بغیر توبہ کے بھی اپنے حق سے متعلق گناہ بخش دیں مگر کسی بندہ کا حق اگر ادا نہ کیا یا اس سے دنیا میں معاف نہ کرایا تو آخرت میں اس کے معاف ہونے کا کوئی امکان نہیں اس لئے کہ لینا دینا معاف کرنا کرانا اسی دنیا میں ہو سکتا ہے کہ یہ دار عمل ہے اور آخرت تو دار جزا ہے نہ وہاں کوئی کسی کو کچھ دے لے سکتا ہے اور نہ معاف ہی کر کرا سکتا ہے علاوہ ازیں اگر اللہ تعالیٰ از خود ایسے گناہ معاف فرمادیں تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی

جن کے حقوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ناانصافی ہرگز نہیں کر سکتے رہے خود وہ لوگ تو دنیا میں تو وہ ضرورت مند ہونے کے باوجود معاف بھی کر سکتے تھے اس لئے کہ دنیا دار عمل ہے لیکن آخرت تو دار جزا ہے وہاں تو ہر انسان محتاج ہی محتاج ہو گا اس لئے وہ اپنے حقوق کے عوض میں حق تلفی کرنے والے کی نیکیاں ہرگز نہ چھوڑے گا یا ان کے عوض میں اپنی بدکرداریوں کا بوجھ حق تلفی کرنے والے پر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔

اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو خبردار فرمایا ہے

جس شخص کے ذمہ اپنے مسلمان بھائی کا مال یا آبرو سے متعلق کوئی حق ہو اسے آج ہی سبکدوشی حاصل کر لینی چاہئے (ادا کر کے یا معاف کرا کے) اس سے پہلے کہ وہ وقت (حساب آخرت اور جزا و سزا کا) آئے جبکہ اس کے پاس نہ دینار (سونے کا سکہ) ہو گا نہ درہم (چاندی کا سکہ) تو اگر اس کے پاس نیک عمل ہونگے تو (مظلوم کی) حق تلفی کے بقدر اس (ظالم) سے لے لئے جائیں گے (اور مظلوم کو دے دیئے جائیں گے) اور اگر ان نیکیوں سے (مظلوم) کا حق پورا نہ ہوا تو مظلوم کی برائیاں اس (حق تلفی کرنے والے ظالم) پر ڈال دی جائیں گی۔

اعاذنا اللہ منہ خدا ہمیں بچائے اس حق تلفی سے۔

اس لئے حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے توبہ کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا یا معاف کرانا از بس ضروری اور لابدی ہے۔ وباللہ التوفیق

دوسری قسم:...... اور اگر وہ گناہ جس سے توبہ کرتا ہے کوئی ایسی نافرمانی ہو جس کا تعلق کسی انسان کی حق تلفی سے بھی ہو تو اس گناہ سے توبہ کے صحیح ہونے کی چار شرطیں ہیں تین تو وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اس شخص کے حق سے سبکدوشی ضرور حاصل کرلے اور اگر وہ حق مال وغیرہ کی قسم سے ہو یعنی کسی کا مال مار لیا ہو تو اس کو واپس کرے یعنی ادا کر دے اور اگر "حد قذف" (ہتک عزت کی شرعی سزا) وغیرہ کی قسم سے ہو تو (اس جرم کا اقرار کر کے اپنے آپ کو سزا کیلئے (عدالت میں پیش کر دے یا اس شخص سے مل کر معاف کرا لے اور اگر غیبت (پس پشت بدگوئی وغیرہ کی قسم سے ہو تو اس سے صفائی کرلے یعنی اس پر ظاہر کر کے معافی چاہ لے۔

توبہ کا حکم:...... تمام گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرنا واجب ہے (خواہ کسی بھی قسم کے گناہ ہوں) اگر کسی خاص گناہ سے توبہ کرلے (باقی اور گناہوں سے توبہ نہ کرے) تو اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ تب بھی اس گناہ سے توبہ صحیح ہو جائے گی اور باقی گناہ اس کے ذمہ رہیں گے۔

توبہ کے واجب ہونے کے دلائل

قرآن و حدیث اور اجماع امت تینوں کی دلیلیں اس پر متفق ہیں کہ ہر انسان پر "توبہ فرض" ہے۔

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [النور : ۳۱]
اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف لوٹو (توبہ کرو یعنی احکام الٰہیہ کی پابندی میں کوتاہی نہ ہو) تاکہ تم فلاح پاؤ
نیز ارشاد ہے: وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ﴾ [هود : ۳]
(اے لوگو!) تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو پھر اسکی طرف رجوع بھی کرو۔
نیز ارشاد ہے: وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحا ﴾ [التحريم : ۸]
اے ایمان لانے والو! تم اللہ کے سامنے توبہ کرو سچی توبہ۔

توبہ ٗمغفرۃ اور عفو کے شرعی معنی اور ان میں فرق

تفسیر۔ جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ توبہ کے لغوی اور لفظی معنی ہیں "لوٹنا" اس لفظ کا استعمال قرآن وحدیث میں دو طرح ہوا ہے (۱) ایک یہ کہ اس توبہ 'لوٹنے' کی نسبت بندہ کی طرف ہو یعنی لوٹنے والا بندہ ہو اس صورت میں بندہ کے توبہ کرنے کے معنی ہیں "خدا کی نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف لوٹنا" اسی کو اردو محاورہ میں "توبہ کرنا" کہتے ہیں عربی میں اس کے لئے فعل استعمال ہوتا ہے تاب الیہ' اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا' یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کی (۲) دوسرا استعمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں کی نافرمانی سے ناراض ہو جاتے ہیں یعنی اپنی رحمت خاصہ سے ان کو محروم کر دیتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف جب توبہ کی نسبت کی جائے یعنی لوٹنے والے اللہ ہوں تو توبہ 'لوٹنے' کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناراضگی سے رضامندی کی طرف لوٹے "یعنی" مہربان ہو گئے" چونکہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہو کر پھر رضامند ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عظمیٰ کار فرما ہوتی ہے جس کے متعلق "حدیث قدسی" میں ارشاد ہے سبقت رحمتي علي غضبي میرے غصہ پر میری رحمت غالب ہے۔ اس لئے اس توبہ 'لوٹنے میں رحمت کے معنی شامل ہوتے ہیں اس لئے عربی میں اس دوسرے استعمال کے تحت فعل اس طرح استعمال ہوتا ہے تاب اللہ علیہ اس کا اردو میں ترجمہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گیا یا اس نے معاف کر دیا چونکہ بندہ کو توبہ کرنے کی توفیق دینا بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضہ ہے اس لئے تاب اللہ علیہ کا حاصل ترجمہ "اللہ تعالیٰ نے بندے کو توبہ کی توفیق دے دی" یہی صحیح ہے اور چونکہ بندے کی توبہ یعنی آئندہ نافرمانی کی طرف نہ لوٹنے کا عہد 'قبول کر لینا بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضہ ہے اس لئے تاب الله عليه کا یہ ترجمہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کی توبہ قبول کر لی یا معاف کر دیا مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے (۱) کہ جب توبہ کی نسبت حضرت حق تعالیٰ کی طرف ہو گی تو تاب الله عليه کے معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ بندے پر مہربان ہو گیا یا معاف کر دیا اگر گناہ سے توبہ کرنے کے بعد کی حالت ہو تو معنی ہوں گے "اللہ تعالیٰ نے بندے کی توبہ قبول کر لی" اور اگر گناہ سے توبہ کرنے سے پہلے کی حالت ہو تو معنی ہونگے "اللہ تعالیٰ نے بندے کو توبہ کی توفیق دے دی" پہلا ترجمہ "مہربان ہو گیا" یا "معاف کر دیا" دونوں حالتوں میں صحیح ہے (۲) اور جب توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہو گی تو تاب الی الله

کے بامحاورہ معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کی یعنی گذشتہ گناہ ترک کر کے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کیا اس باب میں، قرآن عظیم کی آیات اور احادیث کے ترجمہ میں یہ فرق پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس فرق کو مزید ذہن نشین کرنے کی غرض سے "غزوہ تبوک" سے متعلق سورۃ برأت کی دو آیتیں نقل کی جاتی ہیں ارشاد ہے۔

(۱)لقدتاب الله علی النبی والمهاجرین والانصارالذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعدماکادیزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم انه بهم رؤف رحیم

(۱) بیشک اللہ تعالیٰ مہربان ہوا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مہاجرین وانصار پر جنہوں نے تنگدستی کے (کٹھن) وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (شرکت جہاد میں) پیروی کی اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بھٹک جائیں (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نہ جائیں) پھر اللہ تعالیٰ ان پر (بھی) مہربان ہو گیا (اور ان کی توبہ قبول کر لی) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان رحم کرنے والا ہے ان پر۔

(۲)ثم تاب علیهم لیتوبوا

پھر ان (تینوں شرکت جہاد سے گریز کرنے والوں) پر مہربان ہو گیا (توبہ کی توفیق دے دی) تاکہ وہ توبہ کر لیں۔

دیکھئے ان دونوں آیتوں میں تاب اللہ کا لفظ تین قسم کے لوگوں کیلئے دوسرے استعمال کے تحت (جب اللہ کی طرف نسبت ہو) آیا ہے۔ (۱) **تاب الله علی النبی** الآیہ اس کے معنی محض "مہربان ہونا" ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مہاجرین وانصار سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا (۲) **ثم تاب علیهم** اس کے معنی ہیں توبہ قبول کر لی اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلو تہی کا ارادہ کیا تھا مگر اس ارادہ سے باز آگئے یعنی توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی (۳) دوسری آیت میں ثم تاب علیہم کے معنی ہیں توبہ کرنے کی توفیق دے دی اس لئے کہ یہ وہ تین آدمی ہیں جو اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو سچ بولنے کی وجہ سے توبہ کی توفیق دے دی اسی طرح اسی آیت میں پہلے استعمال کے تحت **لیتوبوا** آیا ہے جس کے معنی ہیں وہ (گریز کرنے والے) توبہ کر لیں دیکھئے ان دو آیتوں میں ہر دو استعمال کے تحت توبہ کے تمام مذکورہ بالا معنی آگئے۔

مغفرة کا لفظ غفر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "ڈھانپ لینا" اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی مغفرت فرمانے کے معنی ہیں "ان کے گناہوں کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لینا" چھپا دینا" یعنی بخش دینا خواہ ان سے توبہ کرنے کے بعد خواہ بغیر توبہ کئے محض اپنی شان کریمی اور بے نیازی کی بناء پر۔

عفو کے لفظی معنی ہیں مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے عفو کے معنی ہیں اپنے بندوں کے گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف کر دینا ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دینا خواہ توبہ واستغفار کے بعد خواہ اس کے بغیر ہی محض اپنی صفت ربوبیت اور رحمت کی بنا پر۔

ان تینوں لفظوں میں فرق

بندوں کا اپنے رب رؤف رحیم کے سامنے توبہ کرنا یعنی پچھلے گناہوں کی معافی چاہنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا' پہلا مرحلہ ہے اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کا پردہ ان کے گذشتہ گناہوں پر ڈال دینا اور آئندہ کے لئے عہد کو قبول کر لینا یعنی بخش دینا یہ مغفرت ہے اور دوسرا مرحلہ ہے اللہ تعالیٰ کا مزید رحم و کرم کی بنا پر ان گناہوں کو بالکل معاف کر دینا اور نامہ اعمال میں سے مٹا دینا یہ عفو ہے اور تیسرا مرحلہ ہے اصل معنی کے لحاظ سے ترتیب یہی ہے باقی یہ تینوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں اس لئے ان تینوں کا سرچشمہ رحمت الٰہیہ ہے اتنا فرق ضرور ہے کہ توبہ صرف گذشتہ گناہوں سے ہوتی ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہوتا ہے مغفرت اگلے اور پچھلے گذشتہ اور آئندہ تمام گناہوں اور خطاؤں کی ہو سکتی ہے نیز مغفرت کے لئے توبہ کرنا بھی ضروری نہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دیتے ہیں۔

لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر (الفتح آیت ۲)

(یہ فتح مبین اس لئے عطا کی ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے پہلے کئے ہوئے اور پچھلے کئے ہوئے گناہ معاف کر دے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ادعیہ مسنونہ میں اپنی امت کو دعاء مغفرت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اللھم اغفرلی ذنوبی جمیعاً ماقدمت ومآاخرت ومآاعلنت ومآ اسررت ومآ اسرفت ومآانت اعلم بہ منی انک انت الغفور الرحیم

اے اللہ تو معاف کر دے میرے سب گناہ جو میں نے پہلے کئے اور جو پیچھے کئے اور جو علانیہ کئے اور جو چھپا کر کئے اور جو میں نے بے اعتدالی کی اور جن گناہوں کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بیشک تو بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

آپ بھی ہر وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہی مسنون دعاء مغفرت مانگا کیجئے بہت جامع دعاء مغفرت ہے۔

اس آیت کریمہ اور حدیث کی دعا سے معلوم ہوا کہ مغفرت عام ہے اگلے پچھلے سب گناہوں سے ہو سکتی ہے اور توبہ بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔

عفو معاف کر دینے کے لئے توبہ کی طرح گناہوں یا خطاؤں کا وجود ضروری ہے لیکن توبہ کرنا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وماًاصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر (شوری آیت: ۳۰)

اور جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور بہت سی بداعمالیوں کو تو وہ (خود ہی) معاف کر دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عفو' معاف کرنے کے لئے توبہ ضروری نہیں ہے۔ یہی فرق ان تینوں لفظوں میں آپ مذکورہ بالا آیات اور آنے والی احادیث میں پائیں گے اسی لئے یہ طویل تشریح ضروری سمجھی گئی نیز اس سے توبہ کا مرتبہ اور اہمیت بھی واضح ہوگئی۔

توبہ اور استغفار کی کثرت

وعن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، قَالَ : سمعْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : "والله إنِّي لأَسْتَغْفِرُ الله وأَتُوبُ إلَيْه في اليَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً" رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

وعن الأَغَرِّ بن يسار المزنِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، تُوبُوا إلَى اللهِ واسْتَغْفِرُوهُ ، فإنِّي أتُوبُ في اليَومِ مئةَ مَرَّةٍ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت اغر بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کیا کرو اور مغفرت چاہا کرو (دیکھو) میں (بھی) دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

احادیث کی تشریح: پہلی حدیث میں ستر اور دوسری حدیث میں سو سے تعداد کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ توبہ واستغفار کی کثرت کا بیان کرنا مقصود ہے عربی زبان کے محاورات میں سو اور ستر کا لفظ کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے توبہ واستغفار کے ذکر کرنے کا مقصد

دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی توبہ واستغفار کا تذکرہ لوگوں کو اس فرض' توبہ واستغفار کو ادا کرنے کی ترغیب دلانے کیلئے کیا ہے کہ جب میں خود اتنی کثرت سے توبہ واستغفار کرتا ہوں حالانکہ میں نبی معصوم ہوں مجھ سے جان بوجھ کر کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے قرآن کریم میں میری تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کردینے کا اعلان بھی کردیا ہے۔ تو تمہیں تو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیئے۔

کثرت سے توبہ واستغفار کی ضرورت

اس لئے کہ انسان اس گناہ آلود دنیوی زندگی میں چاروں طرف سے گناہ اور معصیت کی طرف بلانے اور کھینچنے والی خواہشات میں اور گناہ پر آمادہ کرنے والے اندرونی اور بیرونی محرکات میں گھرا ہوا ہے' اندرونی دشمن تو خود اپنا نفس امارہ

ہے جو پہلو میں چھپا ہوا ہر وقت گناہ اور معصیت پر اکساتا رہتا ہے اور بیرونی دشمن وہ شیاطین جن وانس ہیں جو ہر وقت انسان کو گمراہ کرنے اور اس سے گناہ کرانے کی گھات میں لگتے رہتے ہیں اس لئے انسان انتہائی پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے باوجود بھی دن بھر میں دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ معلوم کتنے گناہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی بھی انسان خواہ بڑے سے بڑا "ولی اللہ" ہی کیوں نہ ہو گناہوں سے معصوم نہیں ہو سکتا اس لئے ہمارے لئے ان گناہوں اور نافرمانیوں کے وبال اور عذاب سے بچنے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں کہ ہم اپنے دانستہ یا نادانستہ سرزد ہونے والے گناہوں پر زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتے رہا کریں تاکہ جو گناہ سرزد ہوتے رہیں وہ اس توبہ واستغفار سے معاف بھی ہوتے رہیں علاوہ ازیں اس زندگی میں اس قدر گوناگوں اور قسم قسم کے گناہ ہیں کہ ہر وقت ان کو پیش نظر رکھنا اور ان سے بچتے رہنا اس مصروف زندگی میں بیحد دشوار ہے اس لئے بھی عافیت اور سلامتی اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ نہ سہی تو کم از کم سو مرتبہ روزانہ ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں، توبہ اور استغفار ضرور کر لیا کریں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ثواب بھی میسر آجائے اور گناہ بھی معاف ہو جائیں۔

نبی کی توبہ واستغفار پر اشکال اور اس کا جواب

اشکال۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے بالکل معصوم اور محفوظ ہیں تو آپ سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتے پھر توبہ واستغفار کا کیا مطلب؟ اور اللہ تعالیٰ کے آپ کے گناہوں کو معاف کر دینے کا اعلان کرنے کے کیا معنیٰ؟

پہلا جواب۔ بے شک گناہ اور معصیت تو آپ سے سرزد نہیں ہو سکتے لیکن بتقاضاء بشریت منشاء الٰہی کو اعلیٰ مرتبہ پر پورا کرنے میں غفلت یا کوتاہی یا خلاف اولیٰ مگر جائز امور کا ارتکاب ہو سکتا ہے جس پر عام انسانوں سے تو باز پرس نہیں ہوتی مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جلالت شان اور تعلق مع اللہ، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی بنا پر ان سے ان غفلتوں کوتاہیوں اور اجتہادی غلطیوں پر بھی باز پرس ہوتی ہے اس لئے ان گناہوں سے یہی غفلتیں کوتاہیاں، خلاف اولیٰ امور، اجتہادی غلطیاں مراد ہیں۔

دوسرا جواب

علاوہ ازیں خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا گیا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے تو آپ اتنی کثرت سے توبہ واستغفار کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنی شان کریمی سے میری تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں اور دانستہ یا نادانستہ خطاؤں کو معاف فرما دینا بہت بڑا انعام واحسان ہے اس کا شکر نعمت اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ میں اس معاف کر دینے کے باوجود کثرت سے توبہ واستغفار کرتا ہوں یہی میری "عبدیت" بندگی کا تقاضا ہے۔ سبحان اللہ۔

تیسرا جواب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو پسند تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ہوتے تو اس وقت کو ایک قسم کا گناہ سمجھتے اور بے چین ہوتے پھر اس پر استغفار کرتے۔

عبدیت کا تقاضا

انسان کی بندگی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ بہر حال خود کو خطاکار اور قصور وار سمجھتا اور توبہ واستغفار کرتا رہے اسی میں اسی کی نجات اور فلاح مضمر ہے جیسا کہ قرآن کریم کی پہلی آیت کریمہ کے آخری جملہ **لعلکم تفلحون** (تا کہ تم فلاح پاجاؤ) سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے کتنا خوش ہوتے ہیں

وعن أبي حمزةَ أنسِ بنِ مالكٍ الأنصاريِّ خادمِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "للهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلَى بَعِيرِهِ وقد أضلَّهُ في أرضِ فَلاةٍ" مُتَّفَقٌ عليه .وفي رواية لِمُسْلِمٍ: "للهُ أَشَدُّ فَرَحاً بتوبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يتوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بأرضِ فَلاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَأَيسَ مِنْهَا، فَأَتى شَجَرَةً فاضطَجَعَ في ظِلِّهَا وقد أيسَ مِنْ رَاحلَتِهِ، فَبَيْنَما هُوَ كَذلِكَ إِذْ هُوَ بها قائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بخِطامِهَا"، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الفَرَحِ: اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبدِي وأنا رَبُّكَ! أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الفَرَحِ".

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے (جبکہ وہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے) اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنی خوشی تم میں سے کسی مسافر کو اپنے اس (سواری کے) اونٹ کے مل جانے سے ہوتی ہے جس پر وہ چٹیل بیابان میں سفر کر رہا ہو اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان بندھا ہو اور (اتفاق سے) وہ اونٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ جائے اور وہ (اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے) مایوس ہو جائے اور اسی مایوسی کے عالم میں (تھکا ہارا بھوکا پیاسا) کسی درخت کے سایہ کے نیچے لیٹ جائے اور اسی حالت میں (اس کی آنکھ لگ جائے اور جب آنکھ کھلے تو) اچانک اس اونٹ کو اپنے پاس کھڑا ہوا پائے اور (جلدی سے) اس کی مہار پکڑ لے اور پھر خوشی کے جوش میں (زبان اس کے قابو میں نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے) کہنے لگے: اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں (اور خوشی کے مارے اسے پتہ بھی نہ چلے کہ میں کیا کہہ گیا)

اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ سے خوشی کی وجہ

حدیث کی تشریح۔ بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ بے انتہا خوشی بھی اس کی شان ربوبیت اور رافت ورحمت کا تقاضا ہے کہ اس کا ایک بھٹکا ہوا بندہ، جس کو اس نے نہ صرف پیدا کیا تھا بلکہ پیدائش کے وقت سے ہوش سنبھالنے تک اس کی پوری پرورش ہی اس نے کی تھی اپنی نادانی سے ازلی دشمن، نفس امارہ اور شیطان کے فریب میں آکر اس کی عبادت وطاعت کی راہ سے بھٹک گیا تھا راہ راست پر آگیا ورنہ تو (العیاذ باللہ) بندہ کی توبہ واستغفار سے اس کی معبودیت کو چار چاند نہیں لگ جاتے اس لئے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، زندہ اور مرے ہوئے، بُرے اور بھلے تمام انسان بھی میرے سب سے بڑے متقی اور پرہیز گار بندے کے سے دل کے مالک بن جائیں (اور سب مل کر شب وروز میری عبادت کریں) تو اس عبادت سے ایک مچھر کے پر کی برابر بھی میری خدائی میں اضافہ نہ ہوگا اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، زندہ اور مرے ہوئے، برے اور بھلے تمام انسان میرے ایک نافرمان ترین سرکش بندے کے سے دل کے مالک بن جائیں (اور سب مل کر شب وروز میری نافرمانی کرنے لگیں) تو اس سے ایک مچھر کے پر کی برابر بھی میری خدائی میں کمی نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی شان

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان "اُلوہیت" و "معبودیت" تمام اولاد آدم کی عبادت وطاعت سے بے نیاز اور بالاتر ہے اسی طرح ان کی نافرمانی وسرکشی سے بھی بے نیاز اور برتر ہے بندوں کی عبادت وطاعت، توبہ واستغفار کا نفع بھی انہی کو پہنچتا ہے اور سرکشی ونافرمانی اور کفر وانکار کی مضرت ونقصان بھی انہی کو پہنچتا ہے خدا سب سے بے نیاز اور غنی مطلق ہے۔

توبہ کا دروازہ کب بند ہوگا

وعن أبي موسَى عبدِ اللهِ بنِ قَيسٍ الأشْعريِّ رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إنَّ اللهَ تَعَالَى يَبْسُطُ يَدَهُ بالليلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهارِ ، ويَبْسُطُ يَدَهُ بالنَّهارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيلِ ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبها " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ رات میں اپنی رحمت کا ہاتھ دراز فرماتے ہیں تاکہ دن میں گناہ کرنے والا گنہگار بندہ رات کو اس پر توبہ کرلے۔ اسی طرح دن میں اپنی شفقت کا ہاتھ دراز فرماتے ہیں تاکہ رات میں گناہ کرنے والا گنہگار بندہ دن میں اس پر توبہ کرلے (یہ بندہ نوازی کا سلسلہ قیامت آنے تک جاری رہے گا اور یہ رحمت کا دروازہ کھلا رہے گا) یہاں تک کہ سورج (مشرق کے بجائے) مغرب سے نکلے (اور قیامت آجائے)۔

توبہ قبول ہونے کی آخری حد

حدیث کی تشریح: علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قبول توبہ کی حد بیان کی گئی ہے کہ لوگوں کی توبہ اس وقت تک قبول ہوتی رہے گی جب تک قیامت کے نزدیک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔

اس کے بعد جو پیدا ہوں گے یا اس وقت وہ بالغ مکلّف نہیں تھے کیا ان کی بھی توبہ قبول نہیں ہو گی؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں وہ فرماتے ہیں طلوع الشمس میں مغربہا کے بعد قیامت تک توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور دوسرے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس واقعہ کے وقت جو بالغ ہوں گے ان کا ایمان قبول نہیں ہو گا بعد والوں کی توبہ قبول اور ایمان معتبر ہو گا۔

بعض لوگوں نے فرمایا جو حضرات اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے اور ان کو تواتر کے ساتھ اس واقعہ کی خبر ہوئی اور اس کا یقینی علم ہو گیا تو ایسے لوگوں کی بھی توبہ قبول نہیں ہو گی اگر یقینی علم نہیں ہوا تھا تو اس وقت ان کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ (روضۃ المتقین ۱/۵۱)

حضرت حکیم الامتؒ نے روح المعانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب لوگ اس واقعہ کو بھول جائیں گے اور اس کی ہولناکی ذہنوں سے نکل جائے گی تو توبہ دوبارہ قبول ہونا شروع ہو جائے گی۔ (بیان القرآن)

یہ کب ہو گا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں آنے کے کافی عرصہ کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے علامہ بلقینی رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ایمان اور توبہ قبول نہ ہونے کا یہ حکم جو آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے وقت ہو گا آخر زمانہ تک باقی نہ رہے بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم بدل جائے اور پھر ایمان اور توبہ قبول ہونے لگے۔ (روح المعانی)

وعن أبي هُريرةَ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :" مَنْ تَابَ قَبْلَ أنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبها تَابَ اللهُ عَلَيهِ" رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے سورج کے (مشرق کے بجائے) مغرب سے نکلنے سے پہلے توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔

آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت ایمان اور توبہ و استغفار معتبر نہ ہونے کی وجہ

حدیث کی تشریح: (یہ مسلم و مشاہد ہے کہ دنیا کا موجودہ نظام شمسی کے ساتھ وابستہ اور قائم ہے' آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے سے مراد اس نظام شمسی اور اس کے ساتھ وابستہ نظام عالم اور تمام

کائنات کا درہم برہم اور تباہ و برباد ہو جانا اسی کا نام قرآن وحدیث کی اصطلاح میں "قیامت آنا" ہے۔ قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو اس کے ماننے میں ذرا برابر تردد نہ ہونا چاہیئے۔ مترجم)

یعنی نظام عالم درہم برہم ہوتا ہوا دیکھ لینے کے بعد اس آباد دنیا کے فنا ہونے اور قیامت آجانے کا یقین اور اقرار کرنے پر ہر متنفس غیر اختیاری طور پر مجبور ہو جائے گا مگر اس وقت قیامت کے برحق ہونے کا یہ یقین اور اقرار کچھ مفید نہ ہو گا اس لئے کہ انسان کے ایمان واقرار اور اعمال وافعال پر جزا اور سزا اسی وقت مرتب ہوتی ہے جبکہ اس کو ایمان لانے نہ لانے' ماننے نہ ماننے دونوں پر اختیار اور قدرت حاصل ہو اس لئے سورج کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت کا نہ ایمان معتبر ہے نہ توبہ واستغفار یا کوئی اور نیک کام' لہٰذا توبہ کا دروازہ جو آغاز آفرینش سے کھلا ہوا تھا اس وقت بند ہو جائے گا اور عمل کے بجائے "مکافات عمل" کا وقت آجائے گا۔

دونوں احادیث کا ماخذ

یہ حدیث آیت کریمہ ذیل کی تفسیر ہے۔

یوم یاتي بعض آیات ربك لاینفع نفساً ایمانهالم تکن امنت من قبل اوکسبت في ایمانها خیراً

جس دن تیرے رب کی (قدرت کی) کوئی نشانی (قیامت آنے کی) آجائیگی اس دن جو نفس اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اس کا ایمان لانا مفید نہ ہو گا یا (جس نے کوئی نیک کام' توبہ واستغفار' نہیں کیا تھا) اس کا ایمان لانے (اور مومن ہونے کی صورت) میں کوئی نیک کام کرنا مفید نہ ہو گا۔

کوئی گنہگار کب تک اپنے گناہ سے توبہ کر سکتا ہے

وعن أبي عبد الرحمان عبد الله بن عمرَ بن الخطابِ رضيَ اللهُ عنهما، عن النَّبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إنَّ الله عز وجل يَقْبَلُ تَوبَةَ العَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ" رواه الترمذي، وَقَالَ: "حديث حسن".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: حبیب رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بیشک اللہ بزرگ وبرتر اپنے بندہ کی توبہ اس وقت تک بھی قبول فرما لیتے ہیں جب تک کہ وہ نزع کی حالت کو نہ پہنچا ہو۔

نزع کے وقت کی توبہ معتبر نہ ہونے کی وجہ

حدیث کی تشریح:۔ جس طرح "عالم کبیر" (تمام دنیا) کی حالت نزع یعنی آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت کا ایمان اور کوئی بھی عمل خیر' مثلاً توبہ واستغفار معتبر نہیں اسی طرح ہر انسان' جو ایک "عالم صغیر" ہے کی حالت نزع کا ایمان عمل خیر' توبہ واستغفار بھی معتبر نہیں اس لئے کہ نزع کے وقت ہر مرنے والے کا ایمان واقرار قطعاً غیر اختیاری ہوتا ہے اس کا بھی عمل کا وقت ختم اور مکافات عمل کا وقت شروع ہو جاتا ہے لہٰذا اس حالت کی توبہ بے سود ہے۔

توبہ کے متعلق قرآن وحدیث کے بیان میں تطبیق

اگرچہ قرآن کریم کی آیت کریمہ: **انماالتوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم (النساء آیت ۱۷)**

اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذمہ (وعدہ) توبہ (قبول) کرنے کا انہی لوگوں کیلئے ہے جو نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں پس وہی لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ سے تو متبادر یہ ہے کہ توبہ نادانی سے کئے ہوئے گناہ پر ہونی چاہئے اور گناہ کر لینے کے فوراً بعد توبہ کر لینی چاہئے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ دانستہ کئے ہوئے گناہ کی توبہ بھی قبول فرما لیتے ہیں نیز مرنے سے پہلے تک بھی اگر کوئی گنہگار بقائمی ہوش وحواس وقدرت واختیار توبہ کر لے تو اپنی شان کریمی سے اس کی توبہ بھی قبول فرما لیتے ہیں اس لئے کسی بھی گنہگار کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے اور جب بھی گناہ آلود زندگی سے ہوش میں آئے فوراً توبہ کر لینی چاہئے توبہ میں تاخیر بہر حال نہ کرنی چاہئے کیا پتہ ہے کب اور کس حالت میں موت آجائے؟ توبہ کی مہلت ملے یا نہ ملے؟ اس کے علاوہ بھی توبہ میں تاخیر کرنا قہر وغضب الٰہی سے بے پروائی کی دلیل ہے جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے بہر حال بندہ کی "عبدیت" کا تقاضا یہ ہے کہ اول تو جان بوجھ کر اپنے معبود کی نافرمانی اور گناہ ہر گز نہ کرے اور اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو خدا کے قہر وغضب سے ڈرے اور فوراً توبہ کر لے۔

توبہ کا اعلیٰ مرتبہ اور ادنیٰ مرتبہ

بالفاظ دیگر آیت کریمہ میں توبہ کے اعلیٰ مرتبہ کا بیان ہے اور حدیث شریف میں توبہ کے ادنیٰ درجہ کا بیان ہے مذکورہ بالا حدیث کا مطلب توبہ میں ڈھیل دینا ہر گز نہیں ہے بلکہ ساری زندگی گناہوں میں بسر کرنے والے گنہگاروں کو بھی خدا کی رحمت اور قبول توبہ کی بشارت دینا ہے۔

حدیث کا ماخذ

حدیث کی تشریح: یہ حدیث آیت کریمہ ذیل کی تفسیر ہے۔

وليست التوبة للذين يعملون السيأت حتى اذاحضراحدهم الموت قال انى تبت الان ولاالذين يموتون وهم كفار اولئك اعتدنالهم عذاباً اليماً (النساء آیت ۱۸)

اور ان لوگوں کی توبہ معتبر نہیں ہے جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب موت ان کے سامنے آجاتی ہے (اور مرنے لگتے ہیں) تو کہتے ہیں اب میں توبہ کرتا ہوں۔

اور نہ ان لوگوں کی (توبہ معتبر ہے) جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں ان لوگوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

توبہ کے دروازے کی وسعت

وعن زرِّ بن حُبَيْشٍ ، قَالَ : أَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ رضي الله عنه أسْأَلُهُ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الخُفَّيْنِ ، فَقَالَ : ما جاءَ بكَ يَا زرُّ ؟ فقُلْتُ : ابتِغَاء العِلْمِ ، فقالَ : إنَّ المَلائكَةَ تَضَعُ أجْنِحَتَهَا لطَالب العِلْمِ رضىً بمَا يطْلُبُ . فقلتُ : إنَّهُ قَدْ حَكَّ في صَدْري المَسْحُ عَلَى الخُفَّيْنِ بَعْدَ الغَائِطِ والبَول . وكُنْتَ امْرَءاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئتُ أسْأَلُكَ هَلْ سَمِعْتَهُ يَذكرُ في ذلِكَ شيئاً ؟ قَالَ : نعَمْ ، كَانَ يَأمُرُنا إذا كُنَّا سَفراً أوْ مُسَافِرِينَ أنْ لا نَنْزعَ خِفَافَنَا ثَلاثَةَ أيَّامٍ ولَيالِيهنَّ إلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ ، لكنْ مِنْ غَائطٍ وبَولٍ ونَوْمٍ . فقُلْتُ : هَلْ سَمِعْتَهُ يَذْكرُ في الهَوَى شيئاً ؟ قَالَ : نعَمْ ، كُنَّا مَعَ رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في سَفَر ، فبَيْنَا نحْنُ عِندَهُ إذْ نَادَاه أعرابيٌّ بصَوْتٍ لَهُ جَهْوريّ : يَا مُحَمَّدُ ، فأجابَهُ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْواً مِنْ صَوْتِه : " هَاؤُمْ " فقُلْتُ لَهُ : وَيْحَكَ "٣" ! اغْضُضْ مِنْ صَوتِكَ فَإنَّكَ عِنْدَ النَّبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَدْ نُهيتَ عَنْ هذا ! فقالَ : والله لاَ أغْضُضُ . قَالَ الأعرابيُّ : المَرْءُ يُحبُّ القَوْمَ ولَمَّا يلْحَقْ بهمْ ؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " المَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ يومَ القِيَامَةِ " . فَمَا زَالَ يُحَدِّثُنا حَتَّى ذَكَرَ بَاباً مِنَ المَغْربِ مَسيرَةُ عَرْضِهِ أَوْ يَسِيرُ الرَّاكبُ في عَرْضِهِ أرْبَعينَ أَوْ سَبعينَ عاماً قَالَ سُفْيانُ أحدُ الرُّواةِ : قِبَلَ الشَّامِ خَلَقَهُ الله تَعَالَى يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاواتِ والأَرْضَ مَفْتوحاً للتَّوْبَةِ لا يُغْلَقُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْهُ.

رواه الترمذي وغيره، وقَالَ: "حديث حسن صحيح".

ترجمہ: حضرت زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مسح علی الخفین (چرمی موزوں پر مسح) کے متعلق مسئلہ دریافت کرنے کے لئے گیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: میاں زرا کہو کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا "آپ سے علم حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوں" تو فرمانے لگے: علم حاصل کرنے والے کے قدموں کے نیچے تو فرشتے بھی اس کے طالب علم کے جذبہ سے خوش ہو کر اپنے پر بچھاتے ہیں (چہ جائیکہ انسان' کہو کیا دریافت کرنا چاہتے ہو) میں نے عرض کیا: پاخانے پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد' وضو میں چرمی موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں ایک عرصہ سے خلجان ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اس لئے میں آپ کے پاس یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ آپ نے اس مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ فرمایا: ہاں ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سفر کی حالت میں تین رات دن تک پیشاب پاخانے یا سو جانے کی وجہ سے وضو میں چرمی موزے نہ اتارنے (اور انہی پر مسح

کرنے) کا حکم دیا کرتے تھے بجز جنابت (غسل ناپاکی) کے (کہ ناپاکی کے غسل میں موزے اتارنے ضروری ہیں، مسح کافی نہیں ہے) اس کے بعد میں نے (ایک اور بات پوچھی اور) عرض کیا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کسی گروہ سے) محبت کرنے کے بارے میں بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا ہاں ایک مرتبہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہے تھے اثناء سفر میں ہم ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک اعرابی (دیہاتی) نے اپنی کرخت آواز میں آپ کا نام لے کر آپ کو پکارا: او محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ نے بھی اسی کے سے کرخت لہجہ میں جواب دیا: ہاں او دیہاتی کیا ہے؟ اس پر میں نے اس دیہاتی سے کہا: تیرا بھلا ہو، ذرا تو اپنی آواز کو پست کر (اور نرم لب ولہجہ میں بات کر) اس لئے کہ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہے اور تمہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح بے ادبانہ خطاب کرنے سے منع کیا گیا ہے'' تو وہ دیہاتی کہنے لگا بخدا میں تو اپنی آواز پست (اور لہجہ کو نرم) نہیں کروں گا (بہر حال) اس دیہاتی نے دریافت کیا ایک آدمی ایک گروہ سے محبت کرتا ہے مگر (عمل کے اعتبار سے) وہ ان سے میل نہیں کھاتا (اور ان جیسا نہیں ہے اس کا خدا کے ہاں کچھ درجہ ہے یا نہیں؟) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جن لوگوں سے محبت کرتا ہے قیامت کے دن انہی کے ساتھ ہوگا'' اس کے بعد آپ ہم سے (اس سلسلہ میں) گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ نے مغرب کی جانب ایک ایسے (عریض وطویل، چوڑے چکلے) دروازہ کا ذکر فرمایا جس کے عرض میں چالیس سال تک ایک سوار برابر چلتا رہے یا فرمایا ستر سال تک چلتا رہے (تب بھی وہ مسافت طے نہ ہو اور جب عرض، چوڑائی کا یہ حال ہے تو لمبائی کا حال تو خدا ہی جانتا ہے) اس حدیث کے ایک راوی سفیان نے اپنی روایت میں (مغرب کی جانب کے بجائے) شام کی جانب کا ذکر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمان وزمین پیدا فرمائے ہیں اسی دن سے اس دروازہ کو توبہ کے لئے کھلا پیدا فرمایا ہے یہ بند نہ ہوگا یہاں تک کہ (قیامت آنے کے وقت مشرق کے بجائے) اسی دروازے سے سورج نکلے گا (تب بند ہو جائے گا اور قیامت آجائے گی)۔

امام ترمذی نے اس طرح نقل کی ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث شریف میں اس زندگی کے متعلق اہم ترین کار آمد تین تعلیمات

حدیث کی تشریح: اس حدیث شریف کے تین حصے ہیں (۱) ایک مسح علی الخفین (چرمی موزوں پر مسح) کا مسئلہ ہے زر بن حبیش کے دل میں بول و براز جیسی غلیظ نجاستوں کے خارج ہونے کے بعد وضو میں موزے اتار کر پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کرنے میں تردد تھا صفوان بن عسالؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

سن کر وہ خلجان دور ہو گیا اور سمجھ میں آ گیا کہ وضو کو واجب کرنے والی تمام چیزوں کا حکم ایک ہے اور موزے اتار کر پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کر لینا کافی ہے ہاں غسل کو واجب کرنے والی چیزوں میں مسح کافی نہیں ہے موزے اتار کر پاؤں دھونے ضروری ہیں گویا پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر ہی مسح کر لینا شریعت کی جانب سے ایک تخفیف اور سہولت ہے جو وضو کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ وضو بار بار کرنا پڑتا ہے ہر مرتبہ چرمی موزے اتارنا دشواری کا موجب ہے اس لئے اس میں تخفیف اور سہولت کی ضرورت ہے اس کے برعکس غسل کی ضرورت بہت کم اور شاذ و نادر پیش آتی ہے اس میں تخفیف کی چنداں ضرورت نہیں' علاوہ ازیں جنابت (موجب غسل ناپاکی) نجاست غلیظہ ہے اس میں تمام جسم کا دھونا اور غسل کرنا ضروری ہے حدیث شریف میں آتا ہے تحت کل شعرۃ جنابۃ (ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے) اسی لئے غسل جنابت (ناپاکی کے غسل) میں بالوں کی جڑوں تک میں 'پانی پہنچانا ضروری ہے۔

سبق آموز بات

اس حدیث میں دیکھنے اور سبق لینے کی بات یہ ہے کہ قرون اولیٰ (پہلی صدیوں) کے مسلمانوں کے ایمان خدا اور اس کے رسول کی تعلیمات پر اتنے قوی ہوتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا سن لینا ان کے ہر طرح کے خلجان اور تردد کو دور کرنے کیلئے کافی ہوتا تھا اس کے برعکس ہم آج قرآن وحدیث میں منصوص اور صریح احکام سنتے ہیں مگر ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے طرح طرح کے شکوک و شبہات اور احتمالات و تاویلات ہمارے ذہنوں پر مسلط رہتے ہیں اور اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا یہ ہمارے ضعف ایمان کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں کامل اور پختہ ایمان نصیب فرمائیں۔ آمین

حقیقی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کرشمہ

(۲) حدیث کا دوسرا حصہ کسی جماعت یا گروہ سے محبت کرنے سے متعلق ہے اول تو زر بن حبیش کا سوال ہی ان کی تمنا اور آرزو کی غمازی کر رہا ہے کہ ان کا منتہائے آرزو یہ ہے کہ کسی طرح آخرت میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رفاقت نصیب ہو جائے مگر اعمال کے اعتبار سے اپنی پستی اور کمتری کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں پھر محبت کا جذبہ سر ابھارتا ہے پھر اپنی کمتری کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں اسی کشمکش سے نجات پانے کے لئے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے سوال کرتے ہیں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبت نواز جواب بلکہ خوشخبری سن کر مطمئن ہو جاتے ہیں یہ سب کچھ اس حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کرشمہ ہے جس کے متعلق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

تم میں سے کوئی کامل مومن نہ ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے لئے اس کے ماں باپ سے اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

یعنی جب تک محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مسلمان کیلئے احب خلق الله (خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب) نہ بن جائے اس وقت تک اس کا ایمان ہی کامل نہیں ہوتا۔

کسی سے محبت کا تقاضا

یاد رکھئے! کسی قوم یا گروہ یا فرد سے واقعی محبت کا فطری تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے بقدر اعمال واخلاق میں گفتار و کردار میں صورت و سیرت میں معیشت و معاشرت میں غرض ہر چیز میں اپنی ہستی کو محبوب کی سیرت کے سانچہ میں ڈھال لیتا ہے اور اس کے ہر قول و فعل پر عمل کرنے میں غایت درجہ لطف ولذت اور سرور وانبساط محسوس کرتا ہے اسی لئے یہ محبت محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل (مکمل پیروی) کا وسیلہ بن جاتی ہے جس پر خالق کائنات کی محبت ومغفرت کا مدار ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ارشاد فرماتے ہیں:

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفرلكم ذنوبكم (ال عمران آيت. ۳۱)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

لہٰذا اس مبنی بر محبت اتباع کے بعد آخرت میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر آنے میں کوئی تردد ہو ہی نہیں سکتا اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا ہے: المرء مع من احب يوم القيامة (آدمی جس سے محبت کرے گا قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کرنے والوں کو اس "رفاقت" کی خوشخبری اس آیت کریمہ میں سنائی ہے۔

ومن يطع الله ورسوله فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهدآء والصالحين وحسن اولئك رفيقاً (النساء آيت ٦٩)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہی لوگ ان کے ہمراہ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے انبیاء کے اولیاء کے شہداء کے اور نیکوکاروں کے اور یہی (چاروں گروہ سب سے) اچھے رفیق ہیں (دنیا اور آخرت کی زندگی کے ساتھی ہو سکتے ہیں)۔

کس کا حشر کس کے ساتھ ہوگا؟ اس کی کسوٹی اور اس کی وجہ

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے نکلے ہوئے اس چند کلمات پر مشتمل چھوٹے سے فقرہ میں صرف عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رفاقت محبوب کی خوشخبری ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فطری اور طبعی معیار اور کسوٹی بھی ہے جس پر پرکھ کر ہر فرد اور قوم کے متعلق بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ قیامت کے

دن اس کا حشر کن لوگوں کے ساتھ ہوگا؟ اس لئے کہ انسان فطری طور پر اعمال و اخلاق گفتار و کردار، صورت و سیرت، لباس و ہیئت، معیشت و معاشرت غرض اپنی پوری زندگی میں غیر شعوری یا شعوری طور پر انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنے بلکہ ہو بہو ان کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے جن کو دل سے اچھا سمجھتا ہے اس محبت و پسندیدگی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز میں انہی کا اتباع اور پیروی کرتا ہے اور پھر مرنے کے بعد انہی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے یہی مطلب ہے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا۔

من تشبه بقوم فهو منهم جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہوتا ہے اور اس خطرہ کے پیش نظر سر تاپا رافت و رحمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو متنبہ فرماتے ہیں۔

المرء علي دين خليله فلينظر احدكم من يخالل آدمی اپنے جگری دوست کے دین پر ہوا کرتا ہے اس لئے تم میں سے ہر شخص کو خوب اچھی طرح دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس (فرد یا قوم) سے دلی محبت کرتا ہے۔

اس معیار کی روشنی میں جب ہم اپنی زندگی اور معیشت و معاشرت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی اور انبیاء و اولیاء صحابہ و تابعین اور صلحاوا تقیاء اُمت کی پیروی کرنے کے بجائے شعوری یا غیر شعوری طور پر فرنگیوں کے نقش قدم پر چلنے بلکہ گفتار و کردار اور معیشت و معاشرت میں ان کی مکمل نقل اتارنے میں سرگرداں ہیں خاص کر ہماری نئی اور تعلیم یافتہ نسل تو اسلام کو بھی "ماڈرن" بنانے میں مصروف ہے اس کا نتیجہ خاکم بدہن اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارا حشر قیامت کے دن فرنگیوں اور یورپین اقوام کے ساتھ ہوگا۔ العیاذ باللہ

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عبرت آموز فرمان **المرء مع من احب يوم القيامة** سے سبق حاصل کر کے جلد از جلد اپنی معیشت و معاشرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے اور صلحاوا تقیاء اُمت کی زندگی کے سانچہ میں ڈھال لیں اور اپنے اسلاف کی اسلامی معاشرت کو اختیار کریں اور غیر مسلموں، خصوصاً فرنگیوں کی تمام خصوصیات اور غیر اسلامی شعار یکسر ترک کر دیں۔

یاد رکھئے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ اب سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی زندگی کو اختیار کریں اور موجودہ زمانے کی ترقیات، ایجادات اور مصنوعات سے فائدہ نہ اٹھائیں آپ ہر چیز کو استعمال کیجئے اس سے فائدہ اٹھائیے وہ اللہ کی نعمت ہے مگر اپنی معاشرت میں غیر مسلموں کی خصوصیات اور غیر اسلامی شعار (امتیازات) کو یک قلم ترک کر دیجئے کسی بھی قوم کی نقالی اور ریس نہ کیجئے یہی آپ کی قومی خودداری کا تقاضا بھی ہے۔

سورج کے مغرب سے نکلنے اور توبہ کے دروازے بند ہونے کا باہمی ربط

حدیث کا تیسرا حصہ توبہ کے دروازہ کی انسانی تصور سے بالاتر وسعت و فراخی کے بیان سے متعلق ہے اسی کے ساتھ آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے اور توبہ کا دروازہ بند ہونے کے باہمی ربط و تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ گناہ

اور توبہ انسانی خلقت کے لوازمات میں سے ہیں جب تک یہ عالم اور اس میں انسان رہیں گے گناہ اور توبہ کا سلسلہ بھی باقی رہے گا اور جب یہ عالم اور اس میں آباد انسان فنا ہو جائیں گے یعنی قیامت آجائے گی تو نہ گناہ کا وجود ہوگا نہ توبہ کا۔

زیادہ سے زیادہ اور بڑے سے بڑے گناہ بھی صدق دل سے کی ہوئی توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں (ایک عجیب واقعہ)

وعن أبي سَعيد سَعْدِ بنِ مالكِ بنِ سِنَان الخدريِّ رضي الله عنه : أنّ نَبيَّ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وتِسْعينَ نَفْساً ، فَسَأَلَ عَنْ أعْلَمِ أَهْلِ الأرض ، فَدُلَّ عَلَى رَاهِبٍ ، فَأَتَاهُ . فقال : إنَّهُ قَتَلَ تِسعَةً وتِسْعِينَ نَفْساً فَهلْ لَهُ مِنْ تَوبَةٍ ؟ فقالَ : لا ، فَقَتَلهُ فَكَمَّلَ بهِ مئَةً ، ثُمَّ سَأَلَ عَنْ أعْلَمِ أَهْلِ الأَرض ، فَدُلَّ عَلَى رَجُلٍ عَالِمٍ . فقالَ : إنَّهُ قَتلَ مِئَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ ؟ فقالَ : نَعَمْ ، ومَنْ يَحُولُ بَيْنَهُ وبَيْنَ التَّوْبَةِ ؟ انْطَلِقْ إلى أَرضِ كَذَا وكَذَا فإنَّ بِهَا أُناساً يَعْبُدُونَ الله تَعَالَى فاعْبُدِ الله مَعَهُمْ ، ولاَ تَرْجِعْ إلى أَرْضِكَ فَإنَّهَا أرضُ سُوءٍ ، فانْطَلَقَ حَتَّى إذَا نَصفَ الطَّرِيقَ أَتَاهُ الْمَوْتُ ، فاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلائِكَةُ الرَّحْمَةِ وملائِكَةُ العَذَابِ . فَقَالتْ مَلائِكَةُ الرَّحْمَةِ : جَاءَ تَائِباً ، مُقْبلاً بقَلبِهِ إلى اللهِ تَعالَى ، وقالتْ مَلائِكَةُ العَذَابِ : إنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خيراً قَطُّ ، فَأَتَاهُمْ مَلَكٌ في صورَةِ آدَمِيٍّ فَجَعَلُوهُ بَيْنَهُمْ أيْ حكَماً فقالَ : قِيسُوا ما بينَ الأرضَيْنِ فَإلَى أيّتِهما كَانَ أدنَى فَهُوَ لَهُ . فَقَاسُوا فَوَجَدُوهُ أدْنى إلى الأرْضِ التي أرَادَ ، فَقَبَضَتْهُ مَلائِكَةُ الرَّحمةِ " مُتَّفَقٌ عليه . وفي رواية في الصحيح : " فَكَانَ إلى القَرْيَةِ الصَّالِحَةِ أقْرَبَ بِشِبْرٍ فَجُعِلَ مِنْ أهلِهَا " . وفي رواية في الصحيح : " فَأَوحَى الله تَعَالَى إلى هذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي ، وإِلَى هذِهِ أَنْ تَقَرَّبي ، وقَالَ : قِيسُوا مَا بيْنَهُما ، فَوَجَدُوهُ إلى هذِهِ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهُ " . وفي روايةٍ : " فَنَأَى بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا " .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی ایک اُمت میں ایک آدمی تھا جو ۹۹ آدمیوں کو قتل کر چکا تب اس نے (لوگوں سے) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ دریافت کیا تو (لوگوں نے) اس کو ایک (عیسائی) "راہب" کا پتہ بتلایا یہ شخص اس راہب کے پاس آیا اور کہا: میں ننانوے آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں کیا اب بھی میرے لئے توبہ (کا امکان) ہے؟ راہب نے کہا: نہیں تو اس نے راہب کو بھی قتل کر ڈالا اور اس طرح سو قتل پورے کر دیئے اور پھر (لوگوں سے) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ دریافت کیا تو (لوگوں نے) اس کو ایک اور عالم کا پتہ بتلایا یہ (ایک سو بندگان خدا کا قاتل) اس کے پاس گیا اور کہا میں سو آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں کیا اب بھی میرے لئے توبہ (کا امکان) ہے؟ اس نے کہا "ہاں ضرور ہے اور بھلا

اللہ کے بندے اور توبہ کے درمیان کوئی امر حائل (اور مانع) ہو سکتا ہے؟ تم فلاں فلاں بستی میں جاؤ' وہاں اللہ کے کچھ عبادت گزار و مقبول بندے شب وروز اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہیں تم ان کے ساتھ رہ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ اور وہاں دیکھنا! اپنی اس گناہ کی سرزمین (بستی) کی طرف پھر واپس آنے کا نام تک نہ لینا یہ بہت بری سرزمین ہے" وہ شخص اس بستی کی جانب چل دیا آدھا راستہ طے کیا تھا کہ موت آ گئی تو اس کی روح کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہونے لگا رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص (اپنے گناہوں سے) تائب ہو کر دل سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف متوجہ ہو چکا (لہٰذا اس کی روح کو ہم علیین میں لے جائیں گے) عذاب کے فرشتوں نے کہا (یہ تو صحیح ہے لیکن) اس نے کوئی نیک کام مطلق نہیں کیا (پھر یہ رحمت کا مستحق کیسے ہو گیا) تو (اللہ کے حکم سے) ایک فرشتہ انسانی صورت میں ان کے سامنے آیا دونوں فریق نے اس کو اپنا (جھگڑا طے کرنے کے لئے) حکم (ثالث) بنا لیا تو اس (انسان نما فرشتہ) نے کہا" بھئی (جھگڑا کیوں کرتے ہو) دونوں سرزمینوں (گناہ کی بستی اور عبادت وطاعت کی بستی) کی پیمائش کر لو جس علاقہ سے یہ قریب تر ہو اسی علاقہ کے لوگوں میں شامل کر دو" چنانچہ انہوں نے پیمائش کی اس علاقہ سے قریب تر پایا جس میں عبادت الٰہی کے ارادے سے وہ جا رہا تھا صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تو اس روایت کے الفاظ یہی ہیں لیکن ایک اور صحیح روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ نیکوکاری کے علاقہ کی جانب' صرف ایک بالشت مسافت زیادہ تھی اسی لئے اس بستی والوں میں شمار کیا گیا ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بدکاری کی سرزمین کو حکم دیا کہ: تو دور ہو جا" اور نیکوکاری کی سرزمین کو حکم دیا کہ تو قریب ہو جا" اور (اس کے بعد) اس فرشتہ نے کہا: اب دونوں علاقوں کی مسافت ناپ لو" تو نیکی کی سرزمین سے ایک بالشت قریب تر نکلا اور اس کی مغفرت کر دی گئی ایک اور روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ (مرتے وقت) اس نے اپنا سینہ (رخ) نیکوکاری کی سرزمین کی طرف کیا ہوا تھا۔

راوی حدیث حضرت سعد بن مالک بن سنان ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

نام۔ سعد رضی اللہ عنہ' کنیت ابو سعید' والد کا نام مالک رضی اللہ عنہ' دادا کا نام سنان' والدہ کا نام انیسہ رضی اللہ عنہ بنت ابی حارثہ تھا۔

ان کے والد اور والدہ بیعت عقبہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اس لئے ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی سے مسلمان والدین کے دامن میں تربیت پائی۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں انہوں نے حصہ لیا۔ (مسند احمد)

غزوہ احد کے بعد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہے' بخاری کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ۱۲ غزوات میں انہوں نے شرکت فرمائی۔

مدینہ میں ہی مقیم رہے عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں فتویٰ دیا کرتے تھے ان کے پاس کافی وسیع حلقہ ہوتا جب کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتا تو کافی دیر کے بعد اس کا نمبر آتا۔ (مسند احمد)

اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (اصابہ)

ان کے خصوصی نمایاں اوصاف میں سے حق گوئی' امر بالمعروف نہی عن المنکر' اتباع سنت' بردباری و تحمل' سادگی' بے تکلفی اور یتیموں کی پرورش تھی۔

وفات۔ مدینہ منورہ میں ۷۴ھ میں جمعہ کے دن ہوئی بقیع میں مدفون ہوئے اس وقت ان کی عمر ۷۴ سال تھی مگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا کہ ۸۶ سال تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ) اور اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔

مرویات۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۵ ہے' ان میں ۴۶ میں بخاری اور مسلم دونوں متفق ہیں ۱۶ میں بخاری اور ۲۵ میں مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال) (مرقاۃ)

سو آدمیوں کے قاتل کا واقعہ

حدیث کی تشریح۔ "فاختصمت فیه ملائکة الرحمة وملائکة العذاب"

اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان جھگڑا ہوا رحمت کے فرشتوں کا یہ کہنا تھا کہ چونکہ یہ شخص توبہ کیلئے اس بستی کی طرف جا رہا تھا اور تائب تھا اس لئے ہم اس کی روح لے کر جائیں گے' عذاب کے فرشتوں کا کہنا یہ تھا کہ اس شخص نے سو آدمیوں کو ناحق قتل کیا ہے ابھی تک اس نے توبہ نہیں کی تھی اس لئے ہم اس کی روح کو لے کر جائیں گے۔ عذاب کے فرشتوں کا کہنا یہ تھا کہ اس شخص نے سو آدمیوں کو ناحق قتل کیا ہے ابھی تک اس نے توبہ نہیں کی تھی اس لئے ہم اس کی روح کو لے کر جائیں گے۔ پھر اللہ نے فیصلہ فرمادیا کہ زمین کو ناپو جس جگہ کی مسافت کم ہوگی اس کا استحقاق اسی بنیاد پر ہوگا۔ (مرقاۃ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جتنا بڑا گناہ گار بن جائے گا مگر اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

اف کتنا ہے تاریک گنہ گار کا عالم　　　انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ سچے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ اس کے دشمنوں کو بھی راضی کر لیتے ہیں۔ (مرقاۃ)

حدیث کی آیت قرآنیہ سے بھی تائید

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے کسی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا یہ اگرچہ کبیرہ گناہ ہے مگر اس کی بھی توبہ قبول ہو جائے گی۔ جیسے کہ قرآن مجید کی اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا فاولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات

ترجمہ۔ "مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اللہ ان کی بد کرداریوں کو نیک کاریوں سے بدل دے گا"۔

اس واقعہ کے مضمون کی تائید قرآن وحدیث سے

یہ واقعہ اگرچہ کسی پہلی امت کا ہے مگر صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس کو امت کے سامنے بیان کرنا اس کے سچے اور صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ قرآن وحدیث کی تصریحات کی رو سے بھی کتنے ہی شدید اور کثیر گناہوں کا کوئی شخص مرتکب کیوں نہ ہو چکا ہو توبہ کا دروازہ پھر بھی اس کے لئے کھلا ہے صدق دل سے کی ہوئی توبہ زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت گناہوں کی مغفرت کیلئے بھی کافی ہے ارحم الراحمین کا ارشاد ہے۔

یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله' ان الله یغفر الذنوب جمیعاً (الزمر آیت ۵۳)

اے میرے وہ بندو جو' اپنی جانوں پر حد سے زیادہ ظلم کر چکے ہو (ساری عمر بڑے بڑے گناہوں میں گزاری ہے) تم (اب بھی) اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو بیشک اللہ سارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بعض کفار ومشرکین نے عرض کیا آپ کا دین بہت اچھا ہے اور ہم اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں اپنے کثرت سے کئے ہوئے سابقہ گناہوں کفر وشرک' قتل وزنا وغیرہ کے کفارہ کا یقین اور ان کے معاف ہونے کا اطمینان ہو جائے" تو اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ اور آیت کریمہ ذیل نازل ہوئی۔

والذين لايدعون مع الله (الی) الامن تاب وامن وعمل عملاً صالحاً فاولئك يبدل الله سيأتهم حسنات' وكان الله غفوراً رحيماً (سورۃ فرقان آیت ۷۰)

اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے (ترجمہ والے قرآن سے پوری آیت پڑھئے اور سمجھئے) بجز ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اور نیک کام کئے تو اللہ ان کی بد کرداریوں کو نیکو کاریوں سے بدل دے گا (ایمان کے بعد نیکو کاریوں کو ایمان سے پہلے کی بدکاریوں کا کفارہ بنا دے گا) اور اللہ تو بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

نیز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الاسلام يهدم ما كان قبله "اسلام مٹاڈالتا ہے اسلام سے پہلے کے جو بھی گناہ ہوتے ہیں ان کو"۔

مگر شرط یہی ہے کہ صدق دل سے کی ہوئی توبہ ہو اور توبۃً نصوحا (گناہوں سے باز رکھنے والی سچے دل سے توبہ) کا مصداق ہو دعیہ ماثورہ میں آتا ہے۔

واسئلك توبة نصوحاً "اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (گناہوں سے) باز رکھنے والی توبہ کا"

حضرت کعب بن مالک کی عظیم توبہ کا واقعہ اور سچ بولنے کے برکات

وعن عبدِ الله بن كعبِ بن مالكٍ ، وكان قائِدَ كعبٍ رضي الله عنه مِنْ بَنِيهِ حِينَ عمِيَ ، قَالَ : سَمِعتُ كَعْبَ بنَ مالكٍ رضي الله عنه يُحدِّثُ بحديثِهِ حينَ تَخلَّفَ عن رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في غَزْوَةِ تَبوكَ . قَالَ كعبٌ : لَمْ أَتَخلَّفْ عَنْ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في غَزْوَةٍ غزاها قط إلا في غزوة تَبُوكَ ، غَيْرَ أنّي قَدْ تَخلَّفْتُ في غَزْوَةِ بَدْر ، ولَمْ يُعَاتَبْ أحدٌ تخلَّفَ عَنْهُ ؛ إنَّمَا خَرَجَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والمُسْلِمُونَ يُرِيدُونَ عِيرَ قُرَيْش حَتَّى جَمعَ الله تَعَالَى بَيْنَهُمْ وبَيْنَ عَدُوِّهِمْ عَلَى غَيْر ميعادٍ . ولَقَدْ شَهِدْتُ مَعَ رسول اَللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيلَةَ العَقَبَةِ حينَ تَوَاثَقْنَا عَلَى الإسْلام ، وما أُحِبُّ أنَّ لي بهَا مَشْهَدَ بَدْر ، وإنْ كَانَتْ بدرٌ أذْكَرَ في النَّاسِ مِنْهَا . وكانَ مِنْ خَبَرِي حينَ تَخَلَّفْتُ عَنْ رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في غَزْوَةِ تَبُوكَ أنِّي لم أكُنْ قَطُّ أقْوى ولا أيْسَرَ مِنِّي حِينَ تَخَلَّفْتُ عنهُ في تِلكَ الغَزْوَةِ ، وَاللهِ ما جَمعْتُ قَبْلَهَا رَاحِلَتَيْن قَطُّ حَتَّى جَمعْتُهُمَا في تِلْكَ الغَزْوَةِ وَلَمْ يَكُنْ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُريدُ غَزْوَةً إلاَّ ورَّى"٣" بغَيرِها حَتَّى كَانَتْ تلْكَ الغَزْوَةُ ، فَغَزَاها رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في حَرٍّ شَديدٍ ، واسْتَقْبَلَ سَفَراً بَعيداً وَمَفَازاً ، واستقْبَلَ عَدَداً كثِيراً ، فَجَلَّى للْمُسْلمينَ أمْرَهُمْ ليتأهَّبُوا أُهْبَةَ غَزْوهِمْ فَأخْبَرَهُمْ بوَجْهِهِمُ الَّذِي يُرِيدُ ، والمُسلِمونَ مَعَ رسول الله كثيرٌ وَلاَ يَجْمَعُهُمْ كِتَابٌ حَافِظٌ (يُريدُ بذلِكَ الدِّيوَانَ) قَالَ كَعْبٌ : فَقلَّ رَجُلٌ يُريدُ أنْ يَتغَيَّبَ إلاَّ ظَنَّ أنَّ ذلِكَ سيخْفَى بهِ ما لَمْ يَنزلْ فِيهِ وَحْيٌ مِنَ الله ، وَغزا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الغزوةَ حِينَ طَابَت الثِّمَارُ وَالظِّلالُ ، فَأنَا إلَيْهَا أصْعَرُ . فَتَجهَّزَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالمُسْلِمُونَ معَهُ وطَفِقْتُ أغْدُو لكَيْ أتجهَّزَ مَعَهُ ، فأرْجِعُ وَلَمْ أقْضِ شَيْئاً ، وأقُولُ في نفسي : أنَا قَادرٌ عَلَى ذلِكَ إذَا أرَدْتُ ، فَلَمْ يَزَلْ يَتمادى بي حَتَّى اسْتَمَرَّ بالنَّاسِ الْجِدُّ ، فأصْبَحَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَادياً والمُسْلِمُونَ مَعَهُ وَلَمْ أقْضِ مِنْ جِهَازِي شَيْئاً ، ثُمَّ غَدَوْتُ فَرَجَعْتُ وَلَمْ أقْضِ شيئاً ، فَلَمْ يَزَلْ يَتَمَادَى بي حَتَّى أسْرَعُوا وتَفَارَطَ الغَزْوُ ، فَهَمَمْتُ أنْ أرْتَحِلَ فَأُدْرِكَهُمْ ، فَيَا لَيْتَنِي فَعَلْتُ ، ثُمَّ لم يُقَدَّرْ ذلِكَ لِي ، فَطَفِقْتُ إذَا خَرَجْتُ فِي النَّاسِ بَعْدَ خُرُوجِ رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْزُنُنِي أنِّي لا أرَى لِي أُسْوَةً ، إلاَّ رَجُلاً مَغْمُوصاً"٣" عَلَيْهِ فِي النِّفَاق ، أوْ رَجُلاً مِمَّنْ عَذَرَ اللهُ تَعَالَى مِنَ الضُّعَفَاء ، وَلَمْ يَذْكُرْنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَلَغَ تَبُوكَ ، فَقَالَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي القَوْمِ بتَبُوكَ : " ما فَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ ؟ " فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ : يا رَسُولَ اللهِ ، حَبَسَهُ بُرْدَاهُ والنَّظَرُ في عِطْفَيْهِ . فَقَالَ لَهُ مُعَاذُ بْنُ جَبَل رضي الله عنه : بِئْسَ مَا قُلْتَ ! واللهِ يا رَسُولَ اللهِ ما عَلِمْنَا عَلَيْهِ إلاَّ خَيْراً ، فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ . فَبَيْنَا هُوَ عَلى ذَلِكَ رَأى رَجُلاً مُبيضاً يَزُولُ بِهِ السَّرَابُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ " ، فَإِذَا هُوَ أَبُو خَيْثَمَةَ الأنْصَارِيُّ وَهُوَ الَّذِي تَصدَّقَ بِصَاعِ التَّمْرِ حِيْنَ لَمَزَهُ الْمُنَافِقُونَ .قَالَ كَعْبٌ : فَلَمَّا بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَوجَّهَ قَافِلاً مِنْ تَبُوكَ حَضَرَنِي بَثِّي . فَطَفِقْتُ أَتَذَكَّرُ الكَذِبَ وأقُولُ : بِمَ أَخْرُجُ مِنْ سَخَطِهِ غَداً ؟ وأَسْتَعِيْنُ عَلى ذَلِكَ بِكُلِّ ذِي رأْيٍ مِنْ أَهْلِي . فَلَمَّا قِيْلَ : إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَظَلَّ قَادِماً ، زَاحَ عَنِّي البَاطِلُ حَتَّى عَرَفْتُ أَنِّي لَنْ أَنْجُوَ مِنْهُ بِشَيءٍ أَبَداً ، فَأَجْمَعْتُ صِدْقَهُ وأَصْبَحَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَادِماً ، وَكَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَرَكَعَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ لِلنَّاسِ ، فَلَمَّا فَعَلَ ذَلِكَ جَاءَهُ الْمُخَلَّفُونَ يَعْتَذِرُونَ إِلَيْهِ وَيَحْلِفُونَ لَهُ ، وَكَانُوا بِضْعاً وَثَمانِينَ رَجُلاً ، فَقَبِلَ مِنْهُمْ عَلانِيَتَهُمْ وَبَايَعَهُمْ واسْتَغْفَرَ لَهُمْ وَوَكَلَ سَرَائِرَهُمْ إِلى الله تَعَالَى ، حَتَّى جِئْتُ، فَلَمَّا سَلَّمْتُ تَبَسَّمَ تَبَسُّمَ الْمُغْضَبِ. ثُمَّ قَالَ : " تَعَالَ " ، فَجِئْتُ أَمْشِي حَتَّى جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، فقَالَ لِي : " مَا خَلَّفَكَ ؟ أَلَمْ تَكُنْ قَدِ ابْتَعْتَ ظَهْرَكَ ؟ " قَالَ : قُلْتُ : يَا رسولَ الله ، إِنِّي واللهِ لَوْ جَلَسْتُ عِنْدَ غَيْرِكَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا لَرَأَيْتُ أَنِّي سَأَخْرُجُ مِنْ سَخَطِهِ بِعُذْرٍ ؛ لَقَدْ أُعْطِيتُ جَدَلاً ، ولَكِنِّي واللهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَئِنْ حَدَّثْتُكَ اليوم حَدِيثَ كَذِبٍ تَرْضَى بِهِ عَنِّي لَيُوشِكَنَّ اللهُ أن يُسْخِطَكَ عَلَيَّ ، وإِنْ حَدَّثْتُكَ حَدِيثَ صِدْقٍ تَجِدُ عَلَيَّ فِيهِ إِنِّي لأَرْجُو فِيهِ عُقْبَى الله عز وجل ، والله ما كَانَ لِي مِنْ عُذْرٍ ، واللهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَقْوَى وَلاَ أَيْسَرَ مِنِّي حِينَ تَخَلَّفْتُ عَنْكَ . قَالَ : فقَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَمَّا هَذَا فَقَدْ صَدَقَ ، فَقُمْ حَتَّى يَقْضِيَ اللهُ فِيكَ " .

وَسَارَ رِجَالٌ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ فَاتَّبَعُونِي فَقَالُوا لِي : واللهِ مَا عَلِمْنَاكَ أَذْنَبْتَ ذَنْباً قَبْلَ هَذَا لَقَدْ عَجَزْتَ فِي أَنْ لا تَكُونَ اعْتَذَرْتَ إِلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا اعْتَذَرَ إليهِ الْمُخَلَّفُونَ ، فَقَدْ كَانَ كَافِيكَ ذَنْبَكَ اسْتِغْفَارُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ . قَالَ : فَوَاللهِ مَا زَالُوا يُؤَنِّبُونَنِي حَتَّى أَرَدْتُ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُكَذِّبَ نَفْسِي ، ثُمَّ قُلْتُ لَهُمْ : هَلْ لَقِيَ هَذَا مَعِيَ مِنْ أَحَدٍ ؟ قَالُوا : نَعَمْ ، لَقِيَهُ مَعَكَ رَجُلاَنِ قَالاَ مِثْلَ مَا قُلْتَ ، وَقِيلَ لَهُمَا مِثْلَ مَا قِيلَ لَكَ ، قَالَ : قُلْتُ : مَنْ هُمَا ؟ قَالُوا : مُرَارَةُ بْنُ الرَّبِيعِ الْعَمْرِيُّ ، وهِلاَلُ ابنُ أُمَيَّةَ الوَاقِفِيُّ ؟ قَالَ : فَذَكَرُوا لِي رَجُلَيْنِ صَالِحَيْنِ قَدْ شَهِدَا بَدْراً فِيهِمَا أُسْوَةٌ ، قَالَ : فَمَضَيْتُ حِينَ ذَكَرُوهُمَا لِي . وَنَهَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَلامِنَا أَيُّهَا الثَّلاثَةُ مِنْ بَيْنِ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهُ ، فَاجْتَنَبَنَا النَّاسُ أَوْ قَالَ : تَغَيَّرُوا لَنَا حَتَّى تَنَكَّرَتْ لِي فِي نَفْسِي الأَرْضُ ، فَمَا هِيَ بِالأَرْضِ الَّتِي أَعْرِفُ ، فَلَبِثْنَا عَلَى ذَلِكَ خَمْسِينَ لَيْلَةً . فَأَمَّا صَاحِبَايَ فَاسْتَكَانَا وَقَعَدَا فِي بُيُوتِهِمَا يَبْكِيَانِ . وَأَمَّا أَنَا فَكُنْتُ

أشَبَّ الْقَومِ وأجْلَدَهُمْ فَكُنْتُ أخرُجُ فَأشْهَدُ الصَّلاةَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ ، وأطُوفُ في الأسْوَاق وَلا يُكَلِّمُني أحَدٌ ، وَآتِي رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فأُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ في مَجْلِسِهِ بَعْدَ الصَّلاةِ ،فَأقُولُ في نَفسِي : هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْه بردِّ السَّلام أمْ لا ؟ ثُمَّ أُصَلِّي قَريباً مِنْهُ وَأُسَارِقُهُ النَّظَرَ ، فَإِذَا أقْبَلْتُ عَلَى صَلاتِي نَظَرَ إلَيَّ وَإِذَا الْتَفَتُّ نَحْوَهُ أعْرَضَ عَنِّي ، حَتَّى إذَا طَالَ ذٰلِكَ عَلَيَّ مِنْ جَفْوَةِ الْمُسْلِمينَ مَشَيْتُ حَتَّى تَسَوَّرْتُ جِدارَ حائِط أبي قَتَادَةَ وَهُوَ ابْنُ عَمِّي وأحَبُّ النَّاس إلَيَّ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيهِ فَوَاللهِ مَا رَدَّ عَليَّ السَّلامَ ، فَقُلْتُ لَهُ : يَا أبَا قَتَادَةَ ، أنْشُدُكَ بالله هَلْ تَعْلَمُنِي أحِبُّ الله وَرَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ فَسَكَتَ . فَعُدْتُ فَنَاشَدْتُهُ فَسَكَتَ ، فَعُدْتُ فَنَاشَدْتُهُ، فَقَالَ : اللهُ وَرَسُولُهُ أعْلَمُ. فَفَاضَتْ عَيْنَايَ ، وَتَوَلَّيْتُ حَتَّى تَسَوَّرْتُ الجِدَارَ ، فَبَيْنَا أنَا أمْشِي فِي سُوق الْمَدِينَة إذَا نَبَطِيٌّ مِنْ نَبَطِ أهْلِ الشَّام مِمَّنْ قَدِمَ بالطَّعَامِ يَبِيعُهُ بالمَدِينَةِ يَقُولُ : مَنْ يَدُلُّ عَلَى كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ ؟ فَطَفِقَ النَّاسُ يُشِيرُونَ لَهُ إلَيَّ حَتَّى جَاءَنِي فَدَفَعَ إلَيَّ كِتَاباً مِنْ مَلِكِ غَسَّانَ ، وَكُنْتُ كَاتِباً . فَقَرَأْتُهُ فَإِذَا فِيهِ : أمَّا بَعْدُ، فَإنَّهُ قَدْ بَلَغَنا أنَّ صَاحِبَكَ قَدْ جَفَاكَ وَلَمْ يَجْعَلْكَ اللهُ بدَار هَوانٍ وَلاَ مَضْيَعَةٍ ، فَالْحَقْ بنَا نُوَاسِكَ ، فَقُلْتُ حِينَ قَرَأْتُهَا : وَهَذِهِ أيضاً مِنَ البَلاءِ ، فَتَيَمَّمْتُ بِهَا التَّنُّورَ فَسَجَرْتُهَا ، حَتَّى إذَا مَضَتْ أرْبَعُونَ مِنَ الْخَمْسِينَ وَاسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ إذَا رسُولُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأتِينِي ، فَقَالَ : إنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأمُرُكَ أنْ تَعْتَزِلَ امْرَأتَكَ ، فَقُلْتُ : أُطَلِّقُهَا أمْ مَاذَا أفْعَلُ ؟ فَقَالَ : لاَ ، بَلِ اعْتَزِلْهَا فَلا تَقْرَبَنَّهَا ، وَأرْسَلَ إلَى صَاحِبَيَّ بِمِثْلِ ذٰلِكَ . فَقُلْتُ لامْرَأتِي : الْحَقِي بِأهْلِكِ فَكُونِي عِنْدَهُمْ حَتَّى يَقْضِيَ اللهُ في هَذَا الأمْرِ . فَجَاءَتِ امْرَأةُ هِلاَل بْن أُمَيَّةَ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَهُ : يَا رَسُولَ الله ، إنَّ هِلاَلَ بْنَ أمَيَّةَ شَيْخٌ ضَائِعٌ لَيْسَ لَهُ خَادِمٌ ، فَهَلْ تَكْرَهُ أنْ أخْدُمَهُ ؟ قَالَ : " لاَ ، وَلَكِنْ لاَ يَقْرَبَنَّكِ " فَقَالَتْ : إنَّهُ واللهِ ما بِهِ مِنْ حَرَكَةٍ إلَى شَيْءٍ ، وَوَاللهِ مَا زَالَ يَبْكِي مُنْذُ كَانَ مِنْ أمْرِهِ مَا كَانَ إلَى يَومِهِ هَذَا . فَقَالَ لِي بَعْضُ أهْلِي : لَو اسْتَأذَنْتَ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في امْرَأتِكَ فَقَدْ أذِنَ لامْرَأةِ هلال بْن أمَيَّةَ أنْ تَخْدُمَهُ ؟ فَقُلْتُ : لاَ أسْتَأذِنُ فيها رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَمَا يُدْرِينِي مَاذَا يقُولُ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذَا اسْتَأذَنْتُهُ ، وَأنَا رَجُلٌ شَابٌ ! فَلَبِثْتُ بِذٰلِكَ عَشْرَ لَيَالٍ فَكَمُلَ لَنا خَمْسُونَ لَيْلَةً مِنْ حِينَ نُهِيَ عَنْ كَلاَمِنا ، ثُمَّ صَلَّيْتُ صَلاَةَ الْفَجْرِ صَبَاحَ خَمْسِينَ لَيْلَةً عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِنَا ، فَبَيْنَا أنَا جَالِسٌ عَلَى الْحَال الَّتي ذَكَرَ اللهُ تَعَالَى

مِنَّا ، قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ نَفْسِي وَضَاقَتْ عَلَيَّ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ، سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِخٍ أوفى عَلَى سَلْعٍ يَقُولُ بأعْلَى صَوتِهِ : يَا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَبْشِرْ ، فَخَرَرْتُ سَاجداً ، وَعَرَفْتُ أَنَّهُ قَدْ جَاءَ فَرَجٌ . فَآذَنَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ بتَوْبَةِ الله عز وجل عَلَيْنَا حِينَ صَلَّى صَلاَةَ الفَجْرِ فذَهَبَ النَّاسُ يُبَشِّرُونَنا ، فَذَهَبَ قِبَلَ صَاحِبَيَّ مُبَشِّرونَ ورَكَضَ رَجُلٌ إِلَيَّ فَرساً وَسَعَى سَاعٍ مِنْ أَسْلَمَ قِبَلِي ، وَأَوفَى عَلَى الْجَبَلِ ، فَكَانَ الصَّوْتُ أَسْرَعَ مِنَ الفَرَسِ ، فَلَمَّا جَاءَنِي الَّذِي سَمِعْتُ صَوْتَهُ يُبَشِّرُنِي نَزَعْتُ لَهُ ثَوْبَيَّ فَكَسَوْتُهُمَا إِيَّاهُ ببشارته، وَاللهِ مَا أَمْلِكُ غَيْرَهُمَا يومَئِذٍ، وَاسْتَعَرْتُ ثَوْبَيْنِ فَلبسْتُهُما ، وَانْطَلَقْتُ أَتَأَمَّمُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَلَقَّانِي النَّاسُ فَوْجاً فَوْجاً يُهَنِّئونَنِي بالتَّوْبَةِ وَيَقُولُونَ لِي : لِتَهْنِكَ تَوْبَةُ الله عَلَيْكَ . حَتَّى دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ حَوْلَه النَّاسُ . فَقَامَ"۳"طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ رضي الله عنه يُهَرْوِلُ حَتَّى صَافَحَنِي وَهَنَّأَنِي ، والله مَا قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرينَ غَيرُهُ فَكَانَ كَعْبٌ لاَ يَنْسَاهَا لِطَلْحَةَ .قَالَ كَعْبٌ : فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُور : " أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَومٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُذْ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ " فَقُلْتُ : أمِنْ عِنْدِكَ يَا رَسُول الله أَمْ مِنْ عِندِ الله ؟ قَالَ : " لاَ ، بَلْ مِنْ عِنْدِ الله عز وجل " ، وَكَانَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَنَّ وَجْهَهُ قِطْعَةُ قَمرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذَلِكَ مِنْهُ ، فَلَمَّا جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ قُلْتُ : يَا رسولَ الله ، إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ. فَقَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ " . فقلتُ : إِنِّي أُمْسِكُ سَهْمِي الَّذِي بخَيبَر . وَقُلْتُ : يَا رسولَ الله ، إِنَّ الله تَعَالَى إِنَّمَا أَنْجَانِي بالصِّدْقِ ، وإِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ لا أُحَدِّثَ إِلاَّ صِدْقاً مَا بَقِيتُ ، فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ أَحَداً مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَبْلاهُ الله تَعَالَى فِي صِدْقِ الحَدِيثِ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذلِكَ لِرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ مِمَّا أبلاني الله تَعَالَى ، واللهِ مَا تَعَمَّدْتُ كِذْبَةً مُنْذُ قُلْتُ ذلِكَ لِرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى يَومِي هَذَا ، وإِنِّي لأَرْجُو أنْ يَحْفَظَنِي الله تَعَالَى فيما بَقِيَ ، قَالَ : فَأَنْزَلَ الله تَعَالَى : ﴿ لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ حَتَّى بَلَغَ : ﴿ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُوفٌ رَحِيم وَعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ﴾ حَتَّى بَلَغَ : ﴿ اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ [التوبة : ۱۱۷۱۱۹] قَالَ كَعْبٌ : واللهِ ما أنْعَمَ الله عَلَيَّ مِنْ نعمةٍ قَطُّ بَعْدَ إِذْ هَدَانِي الله للإِسْلامِ أَعْظَمَ فِي نَفْسِي مِنْ صِدقِي رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لا أكونَ كَذَبْتُهُ .

فَأَهْلِكَ كما هَلَكَ الَّذينَ كَذَبُوا ؛ إنَّ الله تَعالَى قَالَ لِلَّذِينَ كَذَبُوا حِينَ أَنْزَلَ الوَحْيَ شَرَّ مَا قَالَ لأَحَدٍ ، فقال الله تَعالَى : ﴿ سَيَحْلِفُونَ باللهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللهَ لا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴾ [التوبة : ۹۵۹۶] قَالَ كَعْبٌ : كُنَّا خُلِّفْنَا أَيُّهَا الثَّلاثَةُ عَنْ أَمْرِ أُولئِكَ الذينَ قَبِلَ مِنْهُمْ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ حَلَفُوا لَهُ فَبَايَعَهُمْ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ وأَرجأَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَنَا حَتَّى قَضَى الله تَعالَى فِيهِ بِذلِكَ . قَالَ الله تَعالَى : ﴿ وَعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا ﴾ وَلَيْسَ الَّذِي ذَكَرَ مِمَّا خُلِّفْنَا تَخلُّفُنَا عن الغَزْوِ ، وإِنَّمَا هُوَ تَخْلِيفُهُ إِيَّانا وإِرْجَاؤُهُ أَمْرَنَا عَمَّنْ حَلَفَ لَهُ واعْتَذَرَ إِلَيْهِ فقبلَ مِنْهُ. مُتَّفَقٌ عليه .وفي روايةٍ : أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ يومَ الخَمِيسِ وكانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يومَ الخميسِ .وفي رواية : وكانَ لاَ يَقْدمُ مِنْ سَفَرٍ إِلاَّ نَهاراً فِي الضُّحَى ، فإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بالمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ .

ترجمه: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ بن کعب سے' جن کو حضرت کعب بن مالک کے نابینا ہو جانے کے بعد ان کے تمام لڑکوں میں اپنے باپ کے رہبر ہونے کا شرف حاصل ہے روایت ہے' کہتے ہیں: میں نے خود اپنے والد کعب بن مالک کی زبان سے غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں شریک نہ ہونے کا واقعہ سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کفار و مشرکین سے) جتنی لڑائیاں لڑی ہیں ان میں بجز جنگ تبوک کے کبھی کسی لڑائی میں' میں آپ سے پیچھے نہیں رہا (بلکہ ہر لڑائی میں آپ کے ساتھ رہا ہوں) باقی جنگ بدر میں میرا شریک نہ ہونا قابل مواخذہ نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر میں نہ شریک ہونے والے کسی بھی شخص سے آپ نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اس لئے کہ جنگ بدر کے واقعہ میں تو آپ اور آپ کے ہمراہ مسلمان (اپنے خیال میں) قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے یہ مشیت الٰہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ کرائے بغیر قریش کے جنگجو لشکر سے مڈبھیڑ کرادی۔

جیسا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ سے ظاہر ہے **لو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد ولکن لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً** (الانفال آیت ۴۲) اگر تم (اور مشرکین) آپس میں لڑائی کا فیصلہ کرتے (اور اعلان جنگ کرتے) تو تم (دونوں فریق) یقیناً مقررہ وقت پر وعدہ خلافی کرتے (اور میدان جنگ میں نہ آتے) لیکن اللہ تعالیٰ تو شدنی امر (لڑائی اور مشرکین کی شکست) کا فیصلہ کر چکے تھے (اس لئے بغیر اعلان جنگ کے لڑادیا)

فرماتے ہیں: اور میرے لئے تو بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ **لیلۃ العقبہ** کی شرکت بہت کافی ہے۔

لیلۃ العقبہ کابیان : لیلۃ العقبہ (عقبہ کی رات عقبہ منیٰ میں ایک پہاڑ کی گھاٹی ہے جس کے قریب جمرہ عقبہ واقع ہے جس کی رمی (کنکریاں مارنا) مناسک حج میں داخل ہے آج کل عوام اس کو بڑا شیطان کہتے ہیں اس گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' نے ہجرت سے تین سال قبل ایام حج کے اندر خفیہ طور پر تین سال میں تین مرتبہ مدینہ کے عرب قبائل 'اوس وخزرج کے حجاج اور نمائندوں سے اسلام اور مسلمانوں کو مدینہ میں پناہ دینے اور حمایت کرنے کے بارے میں تین تاریخی ملاقاتیں کی ہیں پہلی مرتبہ پہلی لیلۃ العقبہ میں اوس وخزرج کے چھ یا سات آدمیوں سے ملاقات فرمائی اور ان کو اور ان کے ذریعہ ان کے قبائل اوس وخزرج کو صرف اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ان لوگوں نے مدینہ واپس جاکر اپنے قبائل کو وہ دعوت پہنچائی اس پر دوسرے سال دونوں قبائل کے بارہ سرکردہ نمائندوں نے اسی گھاٹی عقبہ میں آپ سے ملاقات کی اور آپ نے ان کو اور ان کے واسطے سے ان کے قبائل کو اسلام اور مسلمانوں کو مدینہ میں پناہ دینے اور حمایت کرنے کی بھی دعوت دی اور اس کی تفصیلات وشرائط بتلائیں یہ دوسری لیلۃ العقبہ ہے تیسرے سال مدینہ کے قبائل اوس وخزرج نے اپنے ستر یا بہتر سرکردہ نمائندے انتخاب کرکے باقاعدہ معاہدہ کرنے کے لئے بھیجے چنانچہ اسی گھاٹی عقبہ میں وہ لوگ آپ سے ملے اور انہوں نے اپنے قبائل کی جانب سے عہد و پیمان کئے اور حلف اٹھائے اس معاہدہ کے بعد آپ نے خفیہ طور پر آہستہ آہستہ مسلمانوں کو مدینہ بھیجنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ماہ ربیع الاول ۱ھ میں خود بھی ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئے یہ تیسری لیلۃ العقبہ ہے اسی لیلۃ العقبہ میں کعب بن مالک نے اپنے قبیلہ کی جانب سے عہد و پیمان کیا تھا اسی کا ذکر کعب بن مالک کر رہے ہیں چونکہ اس معاہدہ کی تکمیل میں کعب بن مالک نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سر توڑ کر کوشش کی تھی اس لئے وہ اس واقعہ اور اس کی شرکت کو اپنے مفاخر میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں بعض مورخین پہلی ملاقات کو ایک عام اور اتفاقی چیز سمجھتے ہیں اس لئے وہ صرف دو لیلۃ العقبہ' ثانیہ وثالثہ کا ذکر کرتے ہیں تفصیلات کتب تاریخ وسیر میں ضرور ملاحظہ فرمایئے یہی وہ تاریخ ہے جس کو پڑھ کر مسلمانوں کا ایمان تازہ ہوتا ہے ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم دنیا بھر کی تاریخ پڑھتے ہیں نہیں پڑھتے تو اسلام کی تاریخ نہیں پڑھتے اور نہ اس کو کچھ اہمیت دیتے ہیں۔ انا للہ۔

جس میں ہم نے اسلام (اور مسلمانوں) کی حمایت کے عہد و پیمان کئے تھے اور میں تو کبھی بھی یہ پسند نہ

کروں گا کہ لیلۃ العقبہ کے بجائے مجھے جنگ بدر کی شرکت نصیب ہوتی اگرچہ لوگوں میں جنگ بدر کی شرکت زیادہ اہم اور قابل ذکر سمجھی جاتی ہے (یعنی در حقیقت بے یار و مددگار اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کرنے اور پناہ دینے کے سلسلہ میں لیلۃ العقبہ کے عہد و پیمان کرنے والے لوگوں' انصار نے جو کردار ادا کیا ہے وہ جنگ بدر میں لڑنے والے غازیوں کے کارنامہ سے بدرجہا اہم اور قابل ذکر ہے بہر صورت جنگ بدر میں میرے شریک نہ ہونے سے میری سرخروئی پر کوئی حرف نہیں آسکتا جبکہ اس سے اہم تر معرکہ لیلۃ العقبہ میں شریک رہ چکا ہوں)۔ بہر حال غزوہ تبوک میں میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک نہ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ: (سچی بات یہ ہے) میں اپنی عمر میں کبھی بھی اس وقت سے زیادہ قوی اور خوشحال نہیں ہوا جتنا میں اس غزوہ میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہونے کے وقت تھا بخدا (اس سے پہلے) بیک وقت دو سواری کے قابل اونٹنیاں میرے پاس کبھی نہیں ہوئیں مگر اس جنگ تبوک کے وقت دو اونٹنیاں (مع ساز و سامان سفر) میرے پاس موجود تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس سمت آپ کو جنگ کرنے کے لئے جانا ہوتا (از راہ احتیاط) کبھی صراحت کے ساتھ اس کا نام نہ لیتے بلکہ اس کے علاوہ کسی اور سمت کا مبہم الفاظ میں ذکر فرماتے (تاکہ دشمنوں کو پہلے سے خبر نہ ہو جائے) مگر خلاف عادت اس جنگ تبوک کا آپ نے صراحت کے ساتھ اعلان فرمایا تھا اس لئے کہ آپ شدید گرمی کے موسم میں پورے ایک ماہ کا دور دراز سفر' بے آب و گیاہ بیابانوں میں طے کر کے دشمنوں کے ایک بڑے بھاری لشکر سے یہ جنگ کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے واضح الفاظ میں صاف صاف بتلا دیا تھا (کہ شام کے سرحدی مقام تبوک میں رومی افواج سے جنگ کرنی ہے) تاکہ لوگ اس دور دراز سفر اور عظیم جنگ کا سامان اور تیاری مکمل طور پر کر لیں (حالات کی اس ناسازگاری کے باوجود) مسلمان مجاہدوں کی تعداد اس مقدس جہاد میں شرکت کرنے کے لئے اتنی زیادہ تھی۔ کہ کسی محاسب کے دفتر اور رجسٹر میں ان کے نام نہیں آسکتے

غزوہ تبوک کی تاریخ اور مجاہدوں کی تعداد

ماہ رجب ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مسرت اور بے سر و سامانی کے عالم میں اسی لئے اس لشکر کو "جیش عسرۃ" اور اس جنگ کو "غزوہ عسرت" بھی کہتے ہیں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور مدینہ کے قریب "ثنیۃ الوداع" میں لشکر گاہ (فوجی کیمپ) قائم کی تھی بروایت محمد بن اسحاق تیس ہزار سے زیادہ سر فروش مجاہد آپ کے ساتھ تھے جن میں دس ہزار سوار تھے اور حاکم نے بروایت ابوزرعہ

اس لشکر کی تعداد ستر ہزار بتلائی ہے دراصل تیس ہزار مسلح اور جنگجو فوج تھی جن میں دس ہزار سوار تھے باقی پیادہ اور نوکر چاکر کمیزے دکان دار وغیرہ سب ملا کر لشکر کی تعداد ستر ہزار تھی۔

کعب کہتے ہیں کہ (اس کثرت تعداد اور انبوہ کثیر کا ہی ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ) جو لوگ اس جنگ سے غائب ہونا چاہتے تھے ان میں سے کم ہی کوئی شخص ہوگا جس کا یہ گمان نہ ہو کہ (اس بیکراں لشکر اور انبوہ کثیر میں سے) ہمارے غائب ہونے کا آپ کو پتہ چل ہی نہیں سکتا جب تک کہ ہمارے متعلق اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل نہ ہو (اور آپ کو اس کی اطلاع نہ دی جائے سو ایسا کہاں ہوتا ہے)

(بڑی صبر آزما بات یہ تھی کہ) آپ نے یہ لڑائی ٹھیٹ گرمی کے موسم میں لڑنے کا قصد فرمایا تھا جبکہ کھجور اور انگور کے باغوں کے پھل پک رہے تھے اور سائے خوشگوار ہو رہے تھے (اور طبعی طور پر ہر شخص سفر و جنگ کے بجائے باغوں میں ڈیرے ڈال کر راحت و آسائش کی داد دینا پسند کرتا تھا جیسا کہ اہل مدینہ کا معمول تھا کہ اس موسم میں باغات کے اندر جا کر رہا کرتے تھے) اور یہی دلکشی اور راحت پسندی میرے لئے اس جنگ میں شرکت کرنے سے جان چرانے کا سبب بن رہی تھی۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ تمام سرفروش غازیوں نے اس دشوار ترین سفر اور عظیم ترین جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں میں بھی روزانہ گھر سے نکل کر جاتا کہ میں بھی سب کے ساتھ مل کر سامان سفر و جنگ کروں لیکن (دل کی چوری اور نفس کی خواہش کی بنا پر) اسی طرح لوٹ آتا اور کچھ نہ کرتا مگر ساتھ ہی دل میں برابر یہ کہتا رہتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو اس سفر و جنگ کا سامان میں بھی کر سکتا ہوں (میرے لئے کوئی امر مانع نہیں ہے)

غرض ادھر میرا یہ پہلو تہی کا سلسلہ بڑھتا رہا ادھر جفاکش اور سرفروش مسلمانوں میں اس سفر و جنگ کے اہتمام کا سلسلہ جاری رہا' یہاں تک کہ ایک دن صبح سویرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام سرفروش مسلمان پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر لشکر گاہ (فوجی کیمپ) میں پہنچ گئے اور میں ابھی تک (گومگو کے عالم میں تھا اور مطلق) کوئی تیاری اور سامان نہ کر پایا تھا حسب معمول اگلے روز بھی میں صبح سویرے گھر سے نکلا اور شام کو اسی طرح واپس آ گیا اور کچھ نہیں کیا اور پہلو تہی کی یہی صورت حال قائم رہی آخر مجاہدین نے پوری سرعت کے ساتھ لشکر گاہ (چھاؤنی) سے روانگی کا اہتمام شروع کر دیا اور سفر جہاد شروع ہو گیا تو میں نے دل میں کہا کہ لشکر روانہ ہو گیا تو کیا ہے میں اگر چاہوں تو اب بھی براہ راست مدینہ سے کوچ کر کے لشکر سے جا ملوں گا۔ کاش کہ میں ایسا کر لیتا مگر جب مقدر میں تھا ہی نہیں تو کیسے کر لیتا (غرض مجاہدین اسلام کا یہ بیکراں لشکر چلچلاتی دھوپ اور تپتی ہوئی ریت میں گامزن تھا اور میں اسیر ہوائے نفس ہرے بھرے پھلدار درختوں کے سایہ میں راحت و آسائش کی داد دے رہا تھا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور مسلمانوں) کے مدینہ طیبہ سے چلے جانے کے بعد جب بھی میں گھر سے باہر نکلتا تو مجھے یہ دیکھ کر غم واندوہ اوریاس وحرمان چاروں طرف سے گھیر لیتا کہ پوری بستی میں مجھے اپنا جیسا کوئی آدمی نظر نہ آتا بلکہ یا اکا دکا کوئی بدنام منافق نظر آتا یا وہ کمزور وناتواں' بوڑھے بیمار اور معذور لوگ نظر آتے جن کی شرکت جنگ سے معذور و مستثنیٰ ہونے کا اعلان اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔

(ادھر) محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (اس پورے ایک ماہ کے سفر میں) کبھی ایک مرتبہ بھی صحابہؓ کے سامنے میرا تذکرہ نہیں فرمایا یہاں تک کہ جب آپ تبوک پہنچ گئے تو ایک دن آپ صحابہؓ کے درمیان تشریف فرما تھے فرمانے لگے: کعب بن مالک کا کیا ہوا؟ قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص بولا: خوشحالی وثروتمندی کی فراوانی اور خود پسندی وجاہ پرستی کی تمکنت اس کے پاؤں کی زنجیر بن گئی'' تو اس پر فوراً معاذ بن جبلؓ بولے: بری بات ہے ایسامت کہو' بخدا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے اس کے اخلاق وکردار میں خیر وصلاح کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا'' یہ سن کر آپ بھی خاموش ہوگئے۔

اس اثنا میں آپ نے دور سے ایک سفید پوش رہرو کے ساتھ سراب کو کھیلتا ہوا (اور اپنی طرف آتا ہوا) دیکھا تو زبان مبارک سے نکلا (خدا کرے) تو ''ابو خیثمہ'' ہو چنانچہ وہ آنے والا (خوش نصیب) ابو خیثمہؓ انصاری ہی نکلا۔

سچی محبت

ابو خیثمہ اپنے تخلف (ساتھ نہ جانے) کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک روانہ ہوئے چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن شدید گرمی پڑ رہی تھی میں دوپہر کو اپنے گھر (باغ) میں گیا تو دیکھا کہ میری دونوں بیویوں نے کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں کے سائبانوں کے نیچے اپنی اپنی جگہ کو پانی چھڑک کر خوب ٹھنڈا کر رکھا ہے ٹھنڈے پانی کی صراحیاں تیار کر رکھی ہیں کھانا تیار ہے ابو خیثمہ نے جونہی عریش (خسخانہ) کے دروازے میں قدم رکھا تو اپنی بیویوں اور اس کھانے پینے کے سامان عیش وعشرت کو دیکھتے ہی بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: سبحان اللہ! اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کی تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں کی مغفرت کی بشارت اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی دے دی ہے اس شدید گرمی' چلچلاتی دھوپ' ریگستانی لوؤں کے تھپیڑوں اور تپتے ہوئے ریت کے ریگستانوں میں جسم مبارک پر ہتھیاروں کا بوجھ اٹھائے' مسلح اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنوں سے لڑنے کے لئے سفر کی مشقتیں برداشت کر رہے ہوں اور ابو خیثمہ سرسبز درختوں کے خنک سایہ میں حسین وجمیل بیویوں کے ساتھ بیٹھ کر لذیذ کھانے کھائے؟ ٹھنڈا پانی پئے اور عیش وعشرت کی داد دے؟ خدا کی قسم یہ ہرگز انصاف نہیں ہے خدا کی قسم میں تم دونوں میں سے کسی کے خسخانہ میں ہرگز قدم نہیں رکھوں گا تم اسی وقت میری سواری اور سامان سفر تیار کردو تاکہ میں پہلی

فرصت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں چنانچہ دونوں فرمانبردار بیویوں نے اسی وقت آپ کشی کے اونٹ پر ان کا سامان سفر باندھا اور یہ اسی وقت سوار ہو کر یہ جادہ جا' تن تنہا تبوک کی راہ لی' یہاں تک کہ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے ایک سفید پوش تن تنہا سوار کو سراب کے تھپیڑوں کے ساتھ دست وگریبان دیکھا تو فوراً زبان مبارک سے نکلا کن ابا خیشمة جس کا ذکر حضرت کنب کی حدیث میں آچکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی سعادت حاصل کرلی اور تخلف کے ننگ وعار اور گناہ عظیم کے ارتکاب سے بال بال بچ گئے۔

یہ وہی مخلص صحابی تھے جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' کی اپیل پر' ایک صاع کھجور لڑائی کے چندے (وار فنڈ) میں دینے پر منافقین نے خوب طعن وتشنیع کی تھی (جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے)۔

کعب بن مالک کہتے ہیں: (ایک ماہ بعد) جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' کے تبوک سے واپس روانہ ہونے کی خبر ملی (تو غم واندوہ اور شرم وندامت کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا) اور طرح طرح کے جھوٹے بہانے مجھے یاد آنے لگے اور ایسے عذر تراشنے لگا جن کے ذریعہ میں کل (آپ کی واپسی پر) آپ کی ناراضگی سے بچ سکوں اسی سلسلہ میں اپنے گھر کے ہر ذی رائے شخص سے مشورے بھی کئے اور مدد بھی لی۔

لیکن جب مجھے بتلایا گیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' مدینہ پہنچنا ہی چاہتے ہیں تو یہ کذب بیانی اور بہانہ تراشی کے شیطانی خیالات میرے دل ودماغ سے محو ہو گئے اور میں نے یقین کرلیا کہ میں ان (منافقانہ) بہانہ تراشیوں اور حیلہ سازیوں کے ذریعہ ہرگز نجات نہیں پاسکتا۔

چنانچہ میں نے آپ کے سامنے بالکل سچ بولنے کا تہیہ (فیصلہ) کرلیا اگلے روز صبح سویرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' مدینہ پہنچ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بھی آپ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے' تو پہلے مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور دو رکعت نماز (تحیۃ القدوم) پڑھتے اس کے بعد لوگوں سے ملاقات کے لئے تشریف رکھتے۔

چنانچہ جب آپ حسب عادت مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو آپ کی خدمت میں وہ تمام لوگ حاضر ہوئے جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور طرح طرح کے جھوٹے عذر پیش کرنے اور ان پر قسمیں کھانے لگے یہ سب کچھ اوپر اسی آدمی تھے آپ نے جو بھی عذر انہوں نے پیش کئے (بلا تحقیق وتنقید) قبول کرلئے اور ان کو دوبارہ بیعت بھی کرلیا اور مغفرت کی دعا بھی فرمادی باقی ان کے دلوں میں چھپے ہوئے امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمادیا۔

رفتہ رفتہ میری بھی باری آگئی اور میں بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو جب میں نے سلام عرض کیا؟

آپ نے ایک ناراض آقا کی طرح (طنزیہ) تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا: آؤ' آگے آؤ' تو میں شرم و ندامت کے بارسے بوجھل قدم اٹھاتا آگے بڑھا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے (دوزانو) بیٹھ گیا تو آپ نے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا: کہو جی! تم کیوں اس جہاد سے پیچھے رہے؟ کیا تم نے اس جہاد کے لئے سواری کی اونٹنی نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم اگر میں آپ کے علاوہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کے سامنے پیش ہوتا تو میں نہایت خوبی کے ساتھ برمحل معذرت کر کے اس کی ناراضگی سے بچنے کی تدبیروں پر غور کرتا بخدا مجھے برجستہ بات بنانے کی بڑی قدرت حاصل ہے لیکن خدائے وحدہ لاشریک کی قسم! مجھے پورا یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کی خدمت میں کوئی ایسا عذر گھڑ کر پیش بھی کر دوں جس کو سن کر آپ میری مجبوری کا یقین فرمالیں اور مجھ سے راضی بھی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ (میری دروغ بیانی کی بنا پر) بہت جلد حقیقت حال سے آگاہ کر کے آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں سچی بات عرض کروں (کہ میرے لئے شرکت جہاد سے کوئی بھی امر مانع نہ تھا) تو آپ کو مجھ پر اور بھی زیادہ غصہ آئے گا لہٰذا میں (اپنی راست گوئی کی بناپر) اللہ تعالیٰ سے ہی حسن انجام کی توقع قائم کرتا ہوں اور سچی بات عرض کرتا ہوں کہ باللہ العظیم میں (اپنی عمر میں) کبھی اتنا قوی اور خوشحال نہیں ہوا جتنا آپ کی رفاقت سے منہ موڑنے کے وقت تھا۔

تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا: لو بھئی اس نے تو بالکل سچی بات کہہ دی اور مجھ سے فرمایا تو اب تم جاؤ تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمادیں گے (کہ تمہیں معاف کیا جائے یا نہیں) میں جب اپنی قسمت کا یہ فیصلہ سن کر وہاں سے چلا تو میرے قبیلہ بنو سلمہ کے متعدد سرکردہ آدمی میرے پیچھے پیچھے آئے اور ملامت و سرزنش کے طور پر کہنے لگے ہم نے اس سے پہلے تو کبھی تم کو (دوسرے منافقوں کی طرح) کسی گناہ کا مرتکب نہیں پایا (یہ تمہارا پہلا منافقانہ قسم کا گناہ ہے) تو کیا تم اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے کہ دوسرے جنگ میں شریک نہ ہونے والے لوگوں کی طرح تم بھی کوئی عذر پیش کر دیتے اس لئے کہ تمہارے اس عذر گناہ کی مغفرت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء مغفرت کافی ہوتی؟

کعب کہتے ہیں: ان لوگوں نے میری اس بظاہر رسوا کن راست گوئی پر اس قدر طعن تشنیع اور سرزنش و ملامت کی کہ میں نے (تنگ آکر) ارادہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جاؤں اور اپنے بیان کی خود تکذیب کروں (کہ میں نے جو کچھ عرض کیا وہ سب جھوٹ تھا واقعہ یہ ہے کہ فلاں فلاں عذر کی وجہ سے میں اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکا۔

پھر میں نے ان سے دریافت کیا جیسا معاملہ میرے ساتھ ہوا ہے ایسا کسی اور کے ساتھ بھی ہوا ہے؟

انہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی بیان دیا ہے جیسا تم نے دیا اور ان کو بھی وہی جواب دیا گیا ہے جو تم کو دیا گیا ہے (کہ تمہاری معافی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے) میں نے کہا: وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ایک مرارۃ بن ربیعہ عامری ہے اور دوسرا ہلال بن اُمیہ واقفی ہے یہ دونوں بڑے صالح اور مخلص مسلمان تھے دونوں جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے دونوں پیروی کے لائق دینداری کے مالک تھے اس لئے ان دونوں کا حال سن کر (میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور) میں (راضی برضا الٰہی) اپنے گھر چلا گیا۔

(چند روز بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو "متخلفین" (غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والوں) میں سے ہم تین سے (جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد تھا) تمام مسلمانوں کو سلام و کلام کرنے سے منع فرما دیا چنانچہ مسلمانوں نے ہم سے کلی طور پر قطع تعلق، مقاطعہ کر لیا اس ممانعت کے بعد نہ صرف تمام مسلمانوں نے ہم سے منہ پھیر لیا بلکہ مجھے تو زمین و آسمان بھی (بدلے ہوئے محسوس ہونے لگے) ایسا لگتا تھا کہ یہ زمین وہ ہے ہی نہیں جسے میں جانتا پہچانتا تھا۔

مختصر یہ کہ میرے دونوں ساتھی تو اس صورت حال کی تاب نہ لا کر اپنے گھروں میں (منہ چھپا کر) بیٹھ گئے (شب و روز گریہ وزاری اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے) میں چونکہ سب سے جواں ہمت اور بیباک تھا اس لئے (مجھ سے گھر میں نہ بیٹھا گیا) میں مسجد نبوی میں جاتا مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتا بازاروں میں چکر لگاتا مگر کوئی متنفس مجھ سے سلام کلام مطلق نہ کرتا۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا اور نماز سے فارغ ہو کر جب آپ صحابہؓ کے مجمع میں اپنی جگہ تشریف فرما ہوتے تو آپ کو سلام کرتا اور بغور دیکھتا کہ لب مبارک جواب سلام کے لئے حرکت میں آئے یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا اور کنکھیوں سے دیکھتا کہ آپ میری طرف دیکھتے ہیں یا نہیں تو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے لیکن جونہی میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔

یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے اس قطع تعلق کا سلسلہ دراز اور میرے لئے بھی ناقابل برداشت ہو گیا تو میں ایک دن اپنے سب سے زیادہ محبوب دوست اور (رشتہ کے) چچازاد بھائی ابو قتادہ کے باغ کی جانب چلا (کہ دیکھوں گھر پر بھی وہ مجھ سے سلام و کلام کرتا ہے یا نہیں؟ دروازہ بند تھا) میں باغ کی دیوار پر چڑھ گیا اور وہیں سے اس کو سلام کیا تو خدا کی قسم اس نے وہاں بھی سلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے (دیوار سے اُتر کر اور قریب جا کر) اس سے کہا: اے ابو قتادہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں تو بتلا تجھے

میرے متعلق یقین ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں یا نہیں؟ وہ کچھ نہیں بولا' تو میں نے پھر قسم دے کر یہی سوال کیا پھر بھی وہ خاموش رہا اور کوئی جواب نہ دیا میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دے کر یہی سوال کیا تو اس کی زبان سے صرف اتنا نکلا **الله ورسوله اعلم** (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں) یہ دیکھ کر بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان اُمڈ پڑا اور میں منہ پھیر کر وہاں سے چل دیا اور دیوار پر چڑھ کر باغ سے نکل آیا۔

ایک دن اسی کرب و بے چینی کے عالم میں مدینہ کے بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک شام کا ایک نبطی تاجر جو خوردنی اشیاء مدینہ کی منڈیوں میں فروخت کرنے آیا تھا چلا چلا کر کہہ رہا تھا "کوئی ہے جو کعب بن مالک کا پتہ بتلائے" لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے (کہ یہ ہے کعب) تو وہ میرے پاس آیا اور غسانی" فرمانرواں' کا ایک (سر بمہر) خط مجھے دیا میں لکھنا پڑھنا جانتا تھا میں نے اسی وقت (اس کو کھول کر) پڑھا تو اس میں لکھا تھا "سلام و دعا کے بعد! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تمہارے نبی نے تمہارے ساتھ انتہائی بدسلوکی اور بے مروتی کا معاملہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو نہ ذلیل و خوار ہونے کے لئے پیدا کیا ہے نہ یوں تباہ و برباد ہونے کے لئے تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہارے ساتھ (شایان شان) سلوک اور ہمدردی کریں گے" یہ خط پڑھتے ہی فوراً میری زبان سے نکلا: یہ ایک اور آزمائش ہے" اور اس خط کو اسی وقت ایک تنور کے حوالہ کیا جو قریب ہی تھا اور جلا کر راکھ کر دیا۔

جب اس ابتلا' یا کہیئے سزا' کے پچاس دنوں میں سے چالیس دن گزر چکے اور اب تک ہماری توبہ کے بارے میں کوئی وحی آسمانی نازل نہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرستادہ (قاصد) آپ کا پیغام لے کر آیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لو" میں نے پوچھا: طلاق دے دوں؟ اس نے کہا: نہیں' طلاق تو مت دو صرف علیحدگی اختیار کر لو (اس کے پاس مت جاؤ) اسی طرح کا حکم میرے دونوں شریک بلا ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا تو میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ اور ہمارے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ فرمانے تک وہیں رہو" مگر ہلال بن اُمیہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن اُمیہ بہت بوڑھا اور معذور آدمی ہے۔ کام کاج کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے کیا آپ اس کی خدمت کرنے سے بھی مجھے منع فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں خدمت کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ تجھے ہاتھ نہ لگائے" تو اس نے عرض کیا: بخدا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کسی چیز کی طرف اس کا رجحان ہے ہی نہیں اسے تو جس دن سے یہ واقعہ پیش

آیا ہے آج تک زار و قطار رونے کے سوا اور کچھ کام ہی نہیں تو اس پر میرے ایک رشتہ دار نے کہا: تم نے اپنی بیوی کے لئے (گھر میں رہنے کی) اجازت کیوں نہیں لے لی دیکھو: آپ نے ہلال بن اُمیہ کی بیوی کو اس کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی" میں نے کہا: میری تو جرأت نہیں کہ میں اپنی بیوی کے لئے (گھر میں رہنے کی) اجازت لوں' پتہ نہیں اگر میں نے اجازت مانگی تو اس پر آپ کیا فرمائیں؟ دراں حالیکہ میں نوجوان آدمی ہوں (اُمیہ تو بڈھا تھا آپ نے اجازت دے دی)

غرض دس دن رات اسی حالت میں بیت گئے اور ہم سے سلام و کلام کی ممانعت کے وقت سے اب تک پورے پچاس دن ہو گئے پچاسویں دن فجر کے وقت میں نے اپنے مکان کی چھت پر صبح کی نماز پڑھی اور میں بالکل اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے "کہ میں اپنی زندگی سے بالکل بیزار ہو چکا تھا' زمین (و آسمان) اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکے تھے" کہ اتنے میں میں نے سلع پہاڑی کے اوپر سے کسی چیخنے والے کی آواز سنی جو بلند آواز سے (خوب زور زور سے چلا چلا کر) کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک خوشخبری ہو' اے کعب بن مالک خوشخبری ہو' اے کعب بن مالک خوشخبری ہو تو میں فوراً سجدہ میں گر گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ کشائش آ گئی۔

ہوا یہ کہ آخر شب میں آپ کے پاس وحی آئی اور آپ نے فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہم تینوں کی توبہ قبول کر لینے سے لوگوں کو آگاہ کیا تو فوراً لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے دوڑ پڑے کچھ لوگ میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری دینے کے لئے گئے اور ایک سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف چلا اسی کے ساتھ قبیلہ اسلم کا ایک شخص پیادہ پا بھی میری طرف دوڑا مگر اس نے ہوشیاری یہ کی کہ وہ میرے گھر کے قریب پہنچ کر پہاڑی پر چڑھ گیا (اور اس نے وہیں سے چلانا شروع کر دیا ابشر یا کعب ابشر یا کعب چنانچہ اس پیادے کی آواز دوسرے سوار کے گھوڑے سے پہلے پہنچ گئی یہی تھا وہ خوشخبری دینے والا جس کی آواز میں نے سنی تھی۔

جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے اپنے دونوں کپڑے (قمیص اور تہبند) اُتار کر اس خوشخبری پہنچانے کے انعام میں اس کو دے دیئے (میری تنگدستی کا ان دونوں یہ عالم تھا کہ) خدا کی قسم ان دنوں ان دو کپڑوں کے علاوہ اور میرے پاس کچھ نہ تھا (ورنہ بہت کچھ انعام دیتا) چنانچہ اس کو اپنے کپڑے دے دینے کے بعد خود میں نے قمیص اور تہبند کسی سے مانگ کر پہنے۔

یہ خوشخبری سن لینے کے بعد میں (گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے) چلا تو راستے میں جوق در جوق لوگ مجھ سے ملتے گئے اور میری توبہ قبول ہونے کی مبارک باد دیتے گئے ان سب کی زبان پر یہی تھا: لو کعب بن مالک اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی' مبارک ہو" یہاں تک کہ جونہی میں نے مسجد نبوی میں قدم رکھا تو دیکھتا کیا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ

ابی وامی تشریف فرما ہیں اور لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے ہیں' مجھے دیکھتے ہی طلحہ بن عبیداللہ اٹھے اور دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی خدا کی قسم طلحہ کے علاوہ مہاجرین میں سے اور کوئی بھی تو نہیں اٹھا کعب زندگی بھر طلحہ کی اس اظہار ہمدردی کو نہیں بھولے۔ کعب کہتے ہیں: جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ کا چہرہ انور خوشی کے مارے دمک رہا تھا آپ نے حسب ذیل الفاظ میں مجھے بشارت دی۔

ابشر بخیر یوم مر علیك منذ ولدتك امك

اے کعب! تمہیں خوشخبری (اور مبارک) ہو ایسا بابرکت دن (آج کا دن) جو جب سے تم اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اس سے بہتر دن (تمہاری زندگی میں) نہیں آیا

میں نے عرض کیا: "یہ خوشخبری آپ کی جانب سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے" آپ نے فرمایا: (میری جانب سے نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب آپ خوش اور مسرور ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اس طرح دمکتا تھا جیسے آپ کا چہرہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے (یہی کیفیت اس وقت چہرۂ انور کی تھی)

جب میں ذرا اطمینان سے خدمت اقدس میں بیٹھا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام اموال واملاک سے دست بردار ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں صدقہ کر دوں (اس لئے کہ یہی مال ومنال سے دلبستگی میرے لئے وبال جان بنی ہے) آپ نے فرمایا: کچھ مال اہل وعیال کے لئے بھی رکھنا چاہئے میں نے عرض کیا: اچھا میں اپنا خیبر کا حصہ اپنی ملک میں رکھتا ہوں (باقی خیرات کرتا ہوں آپ نے قبول فرمایا) پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف "سچ بولنے" کی وجہ سے معاف فرمایا ہے لہٰذا میری توبہ کا ایک تتمہ (اور اس انعام کا شکریہ) یہ بھی ہے کہ میں (آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ) مدت العمر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

کعب بن مالک کہتے ہیں: خدا کی قسم میرے علم میں اور کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کو اللہ نے اس طرح خوبی کے ساتھ آزمائش میں پورا اُترنے کی توفیق دی ہو جس طرح مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کا عہد کرنے کے دن سے آج تک سچ بولنے کی توفیق دی ہے چنانچہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کا عہد کرنے کے دن سے آج تک میں نے جان کر کبھی ایک مرتبہ بھی جھوٹ نہیں بولا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں بھی مرتے دم تک مجھے جھوٹ بولنے سے محفوظ رکھے گا اور اس عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

کعب کہتے ہیں: تو اللہ تعالیٰ نے (اس غزوہ تبوک میں شرکت کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے متعلق حسب ذیل آیتیں نازل فرمائیں۔

لقدتاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعدما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم انہ بھم رؤف رحیم وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا' حتی اذاضاقت علیھم الارض بمارحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوآ ان لاملجامن اللہ الاالیہ' ثم تاب علیھم لیتوبوا' ان اللہ ھوالتواب الرحیم (التوبۃ آیت ۱۱۷و۱۱۸)

بیشک اللہ تعالیٰ مہربان ہو گیا نبی پر اور ان مہاجرین وانصار پر' جنہوں نے آڑے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی' اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے بعض لوگوں کے دل پھر جائیں پھر وہ (ان پر بھی) مہربان ہو گیا (اور ان کی بھی توبہ قبول کر لی) بیشک وہ تو ان سب پر بہت ہی مہربان رحم کرنے والا ہے اور ان تین آدمیوں پر بھی مہربان ہو گیا) جن (کے معاملہ) کو پیچھے رکھا گیا تھا اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا گیا تھا) یہاں تک کہ جب (شدت غم واندوہ سے) زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں (وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو گئے) اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ (کے قہر وغضب) سے بجز اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی تو پھر ان پر بھی مہربان ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی توبہ قبول کرنے کی اجازت دے دی) تاکہ وہ بھی توبہ کر لیں بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

کعب کہتے ہیں خدا کی قسم' اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی ہدایت فرمانے (کے انعام واحسان) کے بعد' میرے نزدیک مجھ پر اس سے بڑھ کر کوئی فضل وانعام نہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کی خدمت میں سچ بولا (اور اپنے قصور کا صاف صاف اقرار کر لیا) اور جھوٹ نہیں بولا ورنہ تو میں بھی ایسے ہی ہلاک ہو جاتا جیسے اور جھوٹ بولنے والے ہلاک (اور رسوا) ہوئے اس لئے کہ اس واقعہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل فرمائی ہیں ان میں ان جھوٹ بولنے والوں کے متعلق وہ کچھ فرمایا ہے کہ اس سے زیادہ برا اور کسی کے متعلق نہ فرمایا ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سیحلفون باللہ لکم اذاانقلبتم الیھم لتعرضوا عنھم فاعرضو اعنھم انھم رجس وماواھم جھنم جزآءً بما کانویکسبون یحلفون لکم لترضواعنھم فان ترضوا عنھم فان اللہ لایرضی عن القوم الفاسقین

وہ قسمیں کھائیں گے اللہ تعالیٰ کی جب کہ تم (سفر سے) واپس ان کے پاس جاؤ گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو (اور جہاد میں شریک نہ ہونے کے جرم پر مواخذہ نہ کرو) سو تم ان سے درگزر ہی کرو اس لئے کہ

وہ لوگ تو (سر تاپا) پلید ہی ہیں اور ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے ان کے کرتوتوں کی سزا' وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے (صرف) اس لئے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر (بالفرض) تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو بیشک اللہ ایسے نافرمان لوگوں سے ہرگز راضی نہیں ہوتا۔

کعب بن مالک (پہلی آیت کریمہ کے کلمۂ خلفوا کے معنی پر روشنی ڈالنے اور غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی غرض سے) کہتے ہیں۔

خلفوا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم جھوٹے منافقوں کی طرح پیچھے رکھے گئے اور خدا کی رحمت سے محروم کر دیئے گئے بلکہ (اس کا مطلب یہ ہے کہ) ہم تین آدمیوں کا معاملہ ان جھوٹے لوگوں کے معاملہ سے پیچھے رکھا گیا تھا (اور ہماری توبہ قبول کرنے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا گیا تھا) جن کے (جھوٹے) عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت قبول کر لئے جب انہوں نے آپ کے سامنے حلف اٹھا لئے اور ان کو (دوبارہ) بیعت بھی کر لیا اور دعائے مغفرت بھی کر دی تھی (مگر بعد کو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں ان کا جھوٹ کھول دیا اور خوب خوب رسوا کیا) اور ہماری توبہ کے معاملہ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ فرمانے تک کیلئے مؤخر کر دیا تھا (چنانچہ آیت کریمہ **واخرون موجون لامر الله امایعذبهم واما یتوب علیهم' والله علیم حکیم** میں اس کی تصریح فرما دی ہے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا: **وعلی الثلاثة الذین خلفوا الآیة** اور ہم کو پیچھے رکھنے سے مراد غزوہ تبوک سے پیچھے رکھنا (اور گریز کرنا) نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہماری توبہ کے معاملہ کو ان لوگوں کے معاملہ سے پیچھے رکھنا (اور نزول وحی تک مؤخر کرنا) ہے جنہوں نے جھوٹے حلف اٹھائے تھے اور بہانے تراشے تھے (اور آپ نے حقیقت حال سے واقف نہ ہونے کی بنا پر) ان کے عذر قبول فرما لئے تھے (اور ان کے حلفوں کی بناء پر ان کو معاف کر دیا تھا)

ایک روایت میں اسکی بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کیلئے جمعرات کے دن روانہ ہوئے تھے اس لئے کہ آپ عموماً جمعرات کے دن جہاد کیلئے روانہ ہونا پسند فرمایا کرتے تھے (تاکہ جمعہ کے دن سفر کرنا نہ پڑے) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ عموماً سفر سے' دن میں چاشت کے وقت آیا کرتے تھے اور جب مدینہ میں داخل ہوتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت (**تحیة القدوم من السفر**) پڑھتے اس کے بعد مسجد میں ہی تشریف رکھتے اور لوگوں سے ملاقات کرتے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

نام۔ کعب رضی اللہ عنہ 'کنیت' ابو عبداللہ۔ والد کا نام' مالک رضی اللہ عنہ' والدہ کا نام لیلیٰ بنت زید بن ثعلبہ تھا

بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کی کنیت ابو بشر تھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بدل کر ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ رکھ دی۔ عقبہ ثانیہ میں ۷۰ آدمیوں میں یہ بھی تھے۔ (بخاری)

بدر میں شرکت نہ کر سکے اُحد کے بعد سے تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ تبوک میں شرکت نہ کر سکے باوجود نیت کے اگرچہ اس غزوہ کیلئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اونٹ بھی تیار کئے لیکن آج کل اور آج کل میں رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واپس تشریف لے آئے، پھر پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں میں دونوں سے الگ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں تین شاعر تھے ان میں ایک کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے کلام میں بڑا اثر تھا صرف دو شعر جب قبیلہ دوس والوں نے سنے تو سب مسلمان ہو گئے وہ شعر یہ ہیں۔

فقضينا من تهامة كل ريب وخيبر ثم اغمدنا السيوفا

ترجمہ: "تہامہ اور خیبر سے ہم نے کینہ کو دور کر دیا۔ تلواریں نیام میں کر لیں"

بخيرها ولو نطقت لقالت قوا طعهن دوسا وثقيفا

ترجمہ: "اب ہم پھر ان کو اٹھاتے ہیں اور اگر بول سکیں تو کہیں کہ اب دوس یا ثقیف کا نمبر ہے"۔

وفات: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۵۰ ھ میں ۷۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

مرویات: ان سے روایات کی تعداد ۸۰ ہے بخاری اور مسلم تین میں متفق ہیں بخاری میں ایک اور مسلم دو میں منفرد ہیں۔ (کتب سیر)

سبق آموز بات جس پر توبہ کے مؤثر ہونے کا مدار ہے

اس واقعہ میں سب سے زیادہ عبرت آموز چیز جس سے ہر مسلمان کو سبق لینا چاہئے وہ حضرت کعب بن مالک اور ان کے شریک گناہ رفقاء رضی اللہ عنہم کی قوت ایمانی اور دلوں میں خوف و خشیت الٰہی کی شدت ہے کہ بتقاضاء بشریت طبعی محرکات اور نفسانی خواہشات کے غلبہ سے جو گناہ ان سے سرزد ہو گیا تھا۔ اس پر وہ کس قدر کرب و بے چینی میں مبتلا، شب و روز گریہ وزاری میں مصروف اور اس قدر اپنی زندگی سے بیزار تھے کہ زمین و آسمان کی وسعتیں ان پر تنگ سے تنگ تر ہوتی جارہی تھیں اور شدت غم و اندوہ سے ان کا برا حال ہو گیا تھا۔ یہی ہے گناہ پر وہ "ندامت" جس پر قبول توبہ کا انحصار ہے اور یہی طبعی خواہشات اور بشری علائق کا غلبہ وہ "نادانی" ہے جس کو آیت کریمہ **يعملون السوء بجهالة** میں "جہالت" سے تعبیر فرمایا ہے اور یہی ارتکاب گناہ کے بعد "فوری احساس گناہ" اور ندامت" ہے جس کو **ثم يتوبون من قريب** سے تعبیر فرمایا ہے (یہ پوری آیت اور اس کا ترجمہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں یاد نہ ہو چند ورق اُلٹ کر دیکھ لیجئے) یہ تمام امور قوت ایمانی کی دلیل ہیں اس کے برعکس عمداً اور جان

بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرنا اور پھر احساس گناہ اور شرم و ندامت کا نہ ہونا یہ بے حیائی اور "بے باکی" ضعف ایمان کی دلیل ہے اور منافقانہ کیفیت ہے اعاذنا الله منه (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے)

محرکات گناہ سے حتی الامکان بچنا بھی توبہ کی قبولیت کیلئے ضروری ہے

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو دنیوی چیزیں ارتکاب گناہ کی محرک بنی ہوں حتی الامکان ان سے قطع تعلق کرنا' اس حد تک کہ حقوق العباد پر اثرانداز نہ ہو' بھی توبہ کی صحت کا عملی ثبوت ہے چنانچہ کعب بن مالک نے اس مال و دولت کو جس کی فراوانی ان کے لئے وبال جان بنی تھی اور مرارہ بن الربیع نے اس پھلوں سے لدے ہوئے ہرے بھرے باغ کو جس کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بنی تھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیا اور ہلال بن اُمیہ نے اپنے برادری کے ان آدمیوں کو جن کے کہنے میں آکر انہوں نے اس مقدس جہاد سے منہ موڑا تھا چھوڑ دیا لہٰذا ہر مسلمان اور مومن گنہگار کو توبہ کرنے کے وقت جائزہ لینا چاہئے اگر گناہ کا محرک مال و دولت کی فراوانی ہو تو اپنی ضروریات سے زائد مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دینا چاہئے اللہ تعالیٰ اور زیادہ دے گا اگر قرابت داروں سے حد سے بڑھی ہوئی محبت اور وابستگی ہو تو ان سے حد سے بڑھے ہوئے روابط قطع کر لینا چاہیں صرف اتنا تعلق رکھنا چاہئے۔ جس سے قطع رحمی نہ ہو اور اگر وہ محرک کوئی خاص ذریعہ معاش ہو تو اس کو فوراً چھوڑ کر دوسرے ایسے ذرائع معاش اختیار کر لینے چاہئیں جو گناہوں اور خدا کی نافرمانی کے محرک نہ بنیں اگر محرک گناہ کوئی خاص ماحول (سوسائٹی) یا کوئی خاص گروہ (پارٹی) یا بستی ہو تو فوراً اس ماحول (سوسائٹی) سے گروہ (پارٹی) سے بستی سے نکل جانا اور دور سے دور تر ہو جانا چاہئے۔ تاکہ آئندہ ارتکاب گناہ کا اندیشہ نہ رہے جیسا کہ مذکورہ سابق کسی پہلی امت کے واقعہ میں عیسائی عالم نے سو بے گناہوں کے قاتل کو توبہ کرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ فوراً اس گناہوں کی بستی کو چھوڑ کر نیکوکاروں کی بستی میں چلا جائے چنانچہ وہ فوراً چل دیا تھا اور صرف اسی لئے قابل مغفرت قرار پایا تھا کہ وہ اس گناہوں کی بستی کی بہ نسبت نیکوکاروں کی بستی سے صرف ایک بالشت قریب تھا اس لئے کہ اس ترک تعلق کے بغیر آئندہ اس گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہنا عادتاً دشوار ہے اور توبہ بیکار آپ اس باب کے شروع میں شرائط صحت توبہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ ترک گناہ کا عزم مصمم اور پختہ ارادہ صحت توبہ کی اولین شرط ہے بلکہ اسی کا نام توبہ ہے محرکات گناہ سے چمٹے رہنے کے باوجود اور ان سے وابستگی ترک کئے بغیر' صرف زبانی توبہ و استغفار محض ڈھونگ ہے اور فریب نفس۔

جھوٹ میں نجات نہیں ہے

"عرفت لم انجح منه بشئی ابدا"

منافقین جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے انکی تعداد اسی ۸۰ سے کچھ زائد تھی ان سب نے جھوٹی قسم کھا کھا کر

اپنے آپ کو وقتی طور سے بچالیا مگر ان تین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سچ بولا' ان پر اللہ نے ان تینوں کی توبہ کو قبول فرما کر قرآن مجید کی آیات کا نزول فرمایا۔

"لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار ...... وکونوا مع الصادقین" حضرت کعب رضی اللہ عنہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں جھوٹ بولتا تو میں بھی تباہ ہو جاتا جیسے کہ وہ تباہ ہوئے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا جن کے بارے میں قرآن مجید نے سخت وعید نازل فرمائی۔

ترجمہ۔" وہ قسمیں کھائیں گے اللہ جل شانہ کی جب تم واپس ان کے پاس جاؤ گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو' تم ان سے اعراض ہی کرو اس لئے کہ وہ لوگ پلید ہی ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے ان کے کرتوتوں کی سزا میں۔ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو بے شک اللہ ایسے نافرمان لوگوں سے ہرگز راضی نہیں ہوتا۔

خوشخبری سنانے والوں کو ہدیہ دینا مستحب ہے

"نزعت له ثوبی"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص خوشخبری سنائے تو اس کو کچھ دینا مستحب ہے۔

اسی طرح جو شخص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر آیا تھا انہوں نے بھی اس کو انعام دیا تھا۔

اہل تاریخ کا خیال ہے کہ بشارت دینے کیلئے دو آنے والے شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن سفر کو پسند فرماتے تھے

"وکان یحب ان یخرج یوم الخمیس"۔ آپ جمعرات کے دن سفر کرنے کو پسند فرماتے تھے"۔

تمام کے تمام ایام مبارک ہیں کوئی دن بھی منحوس نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے منحوس ہونے کا ذکر کیا تو وہ غصہ میں آگئے اور فرمایا"لو کان بیدی سیف لاقتلنك" بہر حال تمام دن ہی مبارک ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعرات کو سفر کیلئے کیوں پسند فرماتے تھے۔

محدثین رحمہ اللہ نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں مثلاً۔

جمعرات کے دن بندوں کے اعمال اللہ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ جمعرات کے دن جب اعمال نامہ اللہ کے دربار میں پہنچے تو اس دن جہاد کا مبارک سفر بھی ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جمعرات کا دن پورے ہفتہ کے اعتبار سے کامل دن ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکو پسند فرماتے تھے۔

ہماری توبہ واستغفار بے اثر کیوں ہیں

یادرکھئے ہماری دعائیں خصوصاً توبہ واستغفار جو آج بے اثر ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم گناہوں اور گناہ آلودزندگی سے اپنے آپ کو پاک اور علیحدہ نہیں کرتے توبہ واستغفار بھی کرتے رہتے ہیں اور گناہ بھی' یا ایک گناہ سے توبہ واستغفار کرتے ہیں اور اس سے بڑے گناہ میں آلودہوتے ہیں۔

قبول توبہ کی علامت

نزول وحی کا سلسلہ تواب بند ہو چکا ہے اس لئے قبول توبہ کا یقینی علم تواب نہیں ہو سکتا تاہم مذکورہ بالا انداز میں' حضرت کعب کی طرح' صدق دل سے مسلسل توبہ کرتے رہنے کے بعد مخلص مسلمان کو فی الجملہ اطمینان قلب نصیب ہو جاتا ہے جو قبول توبہ کی علامت ہے تاہم اس گناہ یا گناہوں کو فراموش کبھی نہ کرنا چاہئے اور بطش الٰہی (خدائی پکڑ) سے غافل ومطمئن کبھی نہ ہونا چاہئے اسی لئے ادعیہ ماثورہ میں آتا ہے۔

اللھم اغفرلی ماقدمت ومآ اخرت ومآ اعلنت ومآاسررت ومآ انت اعلم به منی'

اے اللہ میں نے جتنے گناہ (اب سے پہلے ساری زندگی میں) کئے ہیں اور جو بعد میں کروں اور جو چھپ کر کئے ہیں اور جو علانیہ کئے ہیں اور وہ گناہ جن کو تو ہی جانتا ہے (مجھے ان کا پتہ بھی نہیں) میرے ان سب گناہوں کو بخش دے اور علماء نے لکھا ہے کہ اس دعا کو کرتے وقت اپنے ذہن میں ہر قسم کے بڑے بڑے گناہوں کو سامنے رکھنا چاہئے۔

عظیم توبہ

وَعَنْ أبي نُجَيد بضَمِّ النُّونِ وفتحِ الجيم عِمْرَانَ بن الحُصَيْنِ الخُزَاعِيِّ رضي الله عنهما : أنَّ امْرَأةً مِنْ جُهَيْنَةَ أتَتْ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حُبْلَى مِنَ الزِّنَى ، فقالتْ : يَا رسولَ الله ، أصَبْتُ حَدّاً فَأَقِمْهُ عَلَيَّ ، فَدَعَا نَبيُّ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّها ، فقالَ :"أحْسِنْ إلَيْهَا ، فإذا وَضَعَتْ فَأْتِني " فَفعَلَ فَأَمَرَ بها نبيُّ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَشُدَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا، ثُمَّ أمَرَ بها فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا. فقالَ لَهُ عُمَرُ: تُصَلِّي عَلَيْهَا يَا رَسُولَ الله وَقَدْ زَنَتْ ؟ قالَ: " لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أهْلِ المَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ أَفْضَلَ مِنْ أنْ جَادَتْ بنفْسِها لله عز وجل ؟! " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابونجید عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: قبیلہ جہینہ کی ایک عورت جو ناجائز طور پر (زنا سے) حاملہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میں نے قابل سزا جرم (زنا) کا ارتکاب کیا ہے آپ مجھ پر حد (زنا) جاری کیجئے آپ نے اس کے سرپرست کو بلایا

اور فرمایا: (دیکھو یہ عورت حاملہ ہے اس حالت میں اس پر کوئی حد نہیں لگائی جاسکتی) تم اس کو اچھی طرح اپنے پاس رکھو جب بچہ پیدا ہو جائے (اور ایام زچگی گزر جائیں) تو اس کو میرے پاس لانا' چنانچہ اس سرپرست نے ایسا ہی کیا (اور ایام نفاس (زچگی) گزر جانے کے بعد اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے جسم پر کپڑے اچھی طرح باندھ دو (تاکہ پتھروں کی چوٹ سے کپڑے پھٹ کر جسم سے الگ نہ ہوں) چنانچہ اس کے کپڑے خوب کس کر رسی سے باندھ دیئے گئے اس کے بعد آپ نے اس کو سنگسار کرنے (پتھر مار کر ہلاک کرنے) کا حکم دیا (چنانچہ سینے تک گہرا گڑھا زمین میں کھود کر اس کو گڑھے کے اندر کھڑا کر دیا گیا اور) پتھروں سے مار کر اسے ہلاک کر دیا گیا (اس کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کی گئی اور) آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس عورت نے تو زنا کیا تھا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اے عمر) خدا کی قسم اس عورت نے ایسی (عظیم) توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر گنہگاروں پر بھی تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہے اور کیا تمہارے خیال میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی توبہ ہو سکتی ہے کہ اس عورت نے محض اللہ تعالیٰ کے (قہر و غضب سے بچنے کے) لئے (برضا و رغبت) جان دے دی (اگر وہ نہ بتلاتی یا اقرار نہ کرتی تو اگرچہ دنیا میں تو اس کی جان بچ جاتی مگر خدا کے قہر و غضب اور جہنم کے عذاب سے تو نہ بچتی)۔

تشریح : اس عورت پر بھی خوف و خشیت الٰہی شدت کے ساتھ طاری تھا اور نہ توبہ کا دروازہ اس کے لئے کھلا تھا لیکن اول تو اس توبہ کے قطعی طور پر قابل قبول ہونے کے یقینی علم کی کوئی سبیل نہ تھی علاوہ ازیں حمل اس عورت کی پیشانی پر ایک ایسا کلنک کا ٹیکہ تھا جو کسی طرح مٹ ہی نہ سکتا تھا اس لئے دنیا کی رسوائی سے تو کسی طرح بچ ہی نہ سکتی تھی پھر شادی شدہ عورت ہونے کی وجہ سے زندگی اور بھی اجیرن ہو جاتی اس لئے اس عورت کے واسطے دنیا اور آخرت دونوں کی رسوائی اور خدا کے قہر و غضب اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہ تھی کہ اس نے خود کو خدائی سزا یعنی حد کے لئے پیش کر دیا اور جان دے دی دنیا میں بھی پردہ ڈھک گیا اور آخرت میں مغفرت کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی اس کے علاوہ خدا کے عدل و انصاف سے قطعی بعید ہے کہ وہ ایک جرم کی سزا دنیا میں بھی دے اور آخرت میں بھی اس عورت نے اگرچہ زبان سے توبہ نہیں کی مگر اس کا خود کو گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے پیش کر دینا اور خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی سب سے بڑی توبہ ہے اگر یہ عورت خود کو اس طرح حکم خداوندی کے لئے پیش کرنے کے بجائے خود' خود کشی کر لیتی تو مغفرت تو در کنار دو گناہوں کی مرتکب اور دو جرموں کی مجرم بن جاتی ایک زنا اور ایک خود کشی اور آخرت میں دو گناہوں کے عذاب میں گرفتار ہوتی۔

گناہوں کی جڑ اور اس سے توبہ

وعن ابنِ عباسٍ رضي الله عنهما أنَّ رَسُولَ الله - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ، قَالَ : ((لَوْ أنَّ لابنِ آدَمَ وَادِياً مِنْ ذَهَبٍ أحَبَّ أنْ يكُونَ لَهُ وَادِيانِ ، وَلَنْ يَمْلأَ فَاهُ إلاَّ التُّرَابُ ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ)) مُتَّفَقٌ عليه .

ترجمہ: حضرت ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر ابن آدم (انسان) کے پاس سونے (چاندی) کی ایک وادی بھی ہو (یعنی زر و سیم سے بھری ہوئی ایک وادی بھی ہو) تب بھی چاہے گا کہ اس کے پاس (سونے چاندی کی ایک کے بجائے) دو وادیاں ہوں اس کی ہوس کا منہ تو قبر کی مٹی (موت) کے سوا اور کوئی نہیں بھر سکتا اور اللہ تعالیٰ اسی پر مہربان ہوتا (اور اس ہوس مال وزر سے بچاتا) ہے جو توبہ کرتا ہے۔

تشریح: مال وزر کی ہوس انسان کو اندھا بنا دیتی ہے ساری عمر حرام و حلال کا فرق ناجائز و جائز کی تمیز اور گناہ و ثواب کی پرواہ کئے بغیر ہمہ وقت مال جمع کرنے میں منہمک اور سو کے بعد دو سو ہزار کے بعد دو ہزار لاکھ کے بعد دو لاکھ اور کروڑ کے بعد دو کروڑ کے چکر میں پھنسا رہتا ہے اور جہنم کی طرح **هل من مزيد** کا نعرہ اس کی زبان پر رہتا ہے۔ یہی ہوس زر اندوزی اس سے بے شمار گناہ کراتی ہے اور بے حساب معصیتوں کا مرتکب بناتی ہے اور ساری عمر اسی گناہ آلود زندگی میں گزر جاتی ہے اور اسی حالت پر مر جاتا ہے اور دوزخ کا کندہ بنتا ہے بجز اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ اس ہوس زر سے توبہ کرنے اور حلال مال پر قناعت کرنے کی توفیق عطا فرما دیں وہی اس ہوس کے چکر سے نکل سکتا ہے اور گناہوں سے بچ سکتا ہے اسی لئے ادعیہ ماثورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل دعاؤں کی تعلیم دیتے ہیں۔

(۱) رب قنعني بمارزقتني وبارك لي فيمآ اعطيتني

اے میرے پروردگار! جو روزی تو نے مجھے دی ہے اس پر مجھے قانع بنا دے اور جو (مال و منال) مجھے تو نے عطا فرمایا ہے اس میں برکت عطا فرما (کہ ضروریات پوری ہو جائیں)

(۲) اللهم اكفني بحلالك عن حرامك وبطاعتك عن معصيتك واغنني بفضلك عمن سواك

اے اللہ تو مجھے حلال (روزی) کے ذریعہ حرام (روزی) سے اور اپنی فرمانبرداری کے ذریعہ اپنی نافرمانی سے کفایت دے (بچالے) اور اپنے فضل و احسان کے ذریعہ اپنے ماسوا سے بے نیاز فرما دے۔

توبہ کا کرشمہ حدیث

وعن أبي هريرة رضي الله عنه أنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " يَضْحَكُ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى إلَى رَجُلَيْنِ يقْتلُ أَحَدهُمَا الآخرَ يَدْخُلان الجَنَّةَ ، يُقَاتِلُ هَذَا في سَبيلِ اللهِ فَيُقْتَلُ ، ثُمَّ يتُوبُ اللهُ عَلَى القَاتِلِ فَيُسْلِم فَيُسْتَشْهَدُ " مُتَّفَقٌ عليه .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ (اپنی بے نیازی اور شانِ کریمی پر) ان دو آدمیوں (کے انجام) کے بارے میں تبسم فرماتے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے اور قاتل و مقتول دونوں جنت میں جاتے ہیں اور اس طرح کہ ایک مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا دوسرے کافر کے ہاتھ سے شہید ہوتا ہے (جنت میں جاتا ہے) اس قاتل کو اللہ تعالیٰ کفر و شرک سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے وہ کفر و شرک سے توبہ کرتا ہے مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید ہوتا ہے (اور جنت میں جاتا ہے)

تشریح: قاتل اور مقتول دونوں کے جنت میں جانے کی صورت اور وجہ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ توبہ کا کرشمہ ہے یہ قاتل کفر و شرک سے توبہ کرنے اور پھر بطور کفارہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کافروں سے جنگ کرنے کی بدولت ہی شہید اور جنت کا مستحق ہوتا ہے ورنہ ایک مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جاتا۔

اس لئے توبہ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے توبہ کرنے میں ذرہ برابر تساہل اور تاخیر نہ کرنی چاہئے خواہ کفر و شرک سے ہو، خواہ اور گناہوں سے اسی لئے امام نووی اس حدیث کو توبہ کرنے کے باب میں لائے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صدق دل سے توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرمائیں۔

باب الصبر

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا ﴾ [آل عمران : ٢٠٠].

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم (خود بھی) صبر کرو اور دوسروں کو بھی صبر پر آمادہ کرو۔

وقال تعالى : ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الأَمْوَالِ وَالأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴾ [البقرة : ١٥٥]

اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کسی قدر خوف اور بھوک (پیاس کی تکلیف) سے اور کچھ جان و مال اور پھلوں کے نقصان (کے صدمہ) سے اور خوشخبری دیدو (ان مصیبتوں میں) صبر کرنے والے لوگوں کو۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [الزمر : ١٠]

اس کے سوا نہیں کہ حساب کے بغیر، پورا پورا اجر تو صبر کرنے والوں کو ہی دیا جاتا ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الأُمُورِ ﴾ [الشورى: ٤٣]

اور البتہ جس شخص نے (دوسروں کے جور و ستم پر) صبر کیا اور معاف کر دیا (تو) بے شک یہ (صبر کرنا اور معاف کر دینا) ہی دشوار اور اہم کاموں میں سے ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾ [البقرة : ١٥٣]

اور تم (اپنے کاموں میں) مدد لو ثابت قدمی سے اور نماز سے بے شک اللہ (کی مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ﴾

اور ہم تم کو (غزوات و محاربات میں) ضرور آزمائینگے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنیوالوں کو اور (جنگ کی سختیوں پر) صبر کرنیوالوں کو جان لیں گے۔ ان چھ آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں صبر اور اس کی فضیلت کے بیان میں قرآن عظیم کے اندر موجود ہیں۔

ان چھ آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں صبر اور اس کی فضیلت کے بیان میں قرآن عظیم کے اندر موجود ہیں

تفسیر صبر کے لغوی اور شرعی معنی

عربی زبان میں لفظ صبر تین طریق پر اور تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱-الصبر علی الشیء. کسی چیز کو برداشت کرنا۔

۲-الصبر عن الشیء. کسی چیز سے بچنا اور باز رہنا۔

۳-الصبر فی الشیء. کسی چیز (حالت) میں جزع و فزع (رونا پیٹنا) اور شکوہ و شکایت نہ کرنا۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم ج ۴ میں باب الصبر کے تحت ستر سے زائد آیات بتلائی ہیں اگر قرآن کریم کا اول سے آخر تک تتبع کیا جائے تو اس سے بھی زیادہ آیات میں صبر اور اس کی فضیلت کا بیان ملے گا۔

صبر کی تین قسمیں

اسی طرح شریعت میں بھی صبر کی تین قسمیں ہیں۔

۱-الصبر علی طاعة الله۔ اللہ کی عبادت و طاعت میں نفس پر گراں گزرنے اور ناگوار محسوس ہونے والے تمام امور (اعمال و افعال) کو بخندہ پیشانی برداشت کرنا اور خدا کی عبادت و طاعت میں مصروف رہنا اسی صبر کو اردو زبان میں ثابت قدمی اور استقلال سے اور شریعت میں استقامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲-الصبر عما نهی الله۔ جن امور۔ چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اگرچہ وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب کیوں نہ ہوں اور کتنا ہی ان کے لئے دل کیوں نہ مچلے ان سے کلی طور پر باز رہنا اور بچنا۔

۳-الصبر فیما نزل من المصائب. جو مصیبتیں انسان پر آئیں یا جانی و مالی نقصان اور صدمے اُٹھانے پڑیں خواہ انسانوں کا اس میں دخل ہو یا نہ ہو ان کو منجانب اللہ سمجھ کر برداشت کرنا اور راضی برضائے مولا رہنا۔

مذکورۂ بالا آیات میں:
آیت-۱و۶: صبر کی قسم اول الصبر علی طاعة الله کے تحت داخل ہیں۔
آیت-۲و۴: صبر کی قسم سوم الصبر فیمانزل من المصائب کے تحت داخل ہیں۔
آیت-۳و۵: جملہ اقسام صبر کو شامل ہیں۔
آیات کی مزید تشریح احادیث کی شرح کے ذیل میں آتی ہے۔

صبر ایک عظیم روشنی ہے

وعن أبي مالكٍ الحارث بن عاصم الأشعريِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " الطُّهُورُ شَطْرُ الإيمان ، والحَمدُ لله تَملأُ الميزَانَ ، وَسُبْحَانَ الله والحَمدُ لله تَملآنِ أَوْ تَمْلأُ مَا بَيْنَ السَّماوات وَالأَرْضِ، والصَّلاةُ نُورٌ ، والصَّدقةُ بُرهَانٌ ، والصَّبْرُ ضِياءٌ ، والقُرآنُ حُجَةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ . كُلُّ النَّاس يَغْدُو فَبَائعٌ نَفسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا " رواه مسلم .

ترجمہ: ابومالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (۱) طہور۔ ظاہری اور باطنی طہارت۔ نصف ایمان ہے۔ (۲) الحمد للہ (اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا) اعمال کی ترازو کو بھر دیتی ہے (۳) اور سبحان اللہ والحمد للہ 'اللہ تعالیٰ کی تسبیح (تنزیہ) اور حمد وثنا دونوں تو آسمان وزمین کے درمیان (کی فضا) کو بھر دیتے ہیں (۴) اور نماز ایک (عظیم الشان) نور ہے (۵) اور صدقہ وخیرات (حب مال نہ ہونے کی) ایک قطعی دلیل ہے (۶) اور صبر ایک (عظیم) روشنی ہے۔
(یاد رکھو) ہر شخص جو صبح سویرے نکلتا (اور عملی زندگی میں قدم رکھتا) ہے تو وہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پس (یا) اسکو (خدا کی اطاعت کر کے آخرت کی پکڑ سے) آزاد کرالیتا ہے یا (اسکی نافرمانی کر کے) ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

حدیث کی تشریح

اس مختصر سی حدیث میں جوامع الکلم (ہمہ گیر کلام) کے مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات عظیم حقائق شرعیہ پر ایمان افروز روشنی ڈالی ہے اور آخر میں انسان کی عملی زندگی کا تجزیہ فرمایا ہے ارشاد ہے۔

۱- **الطهور شطر الايمان.** کامل طہارت آدھا ایمان ہے۔ اس لئے کہ ایمان عقائد واعمال کے مجموعہ کا نام ہے اور طہارت پر۔ خواہ جسمانی اور ظاہری نجاستوں اور گندگیوں سے طہارت ہو' خواہ روحانی اور باطنی غلاظتوں یعنی کفر وشرک' اخلاق' رذیلہ' منہیات شرعیہ (شرعاً حرام اور ممنوع کام) اور خواہشات نفس سے طہارت ہو۔ تمام اعمال۔ عبادات وطاعات۔ کی قبولیت کا مدار ہے اور عبادات وطاعات یعنی اعمال نصف ایمان ہیں لہٰذا "طہارت" بھی نصف ایمان "ہوئی۔
یا یوں کہئے کہ ایمان کے معنی ہیں: شرک وکفر اور ریا وسمعہ (دکھلاوا اور شہرت طلبی) وغیرہ عقائد باطلہ اور

رزائل باطنیہ سے قلب وروح کا پاک وصاف ہونا اور طہور کے معنی ہیں جسمانی حسی اور شرعی نجاستوں سے بدن' لباس وغیرہ کا پاک وصاف ہونا اول کا نام "طہارت باطن" یعنی ایمان ہے دوم کا نام "طہارت ظاہر" یعنی طہور ہے اور دین میں دونوں قسم کی طہارتیں مطلوب ہیں اس لحاظ سے طہور ایمان کا نصف ثانی ہے۔

۲- **الحمدلله تملاء المیزان** . "تمام تر تعریف اللہ کی ہے" یہ کہنا عمل کی ترازو کو بھر دیتا ہے۔اس لئے کہ تمام تر کمالات اور تعریفیں خواہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ہوں یا اور اس کی کسی مخلوق کی' کیونکہ مصنوع (بنی ہوئی چیز) کی تعریف دراصل اس کے صانع (بنانے والے) کی تعریف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہونے کا دل سے اقرار کرنا اور زبان سے اس کا اظہار کرنا اگر ریاکاری اور شہرت طلبی کی آلودگی سے پاک ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول' تو بندہ کی عمل کی ترازو' کو بھر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔

۳-**سبحان الله والحمدلله تملان مابین السمآء والارض**. اللہ پاک ومبرا ہے اور تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں دونوں کلمے آسمان وزمین کے درمیان (کی فضا) کو بھر دیتے ہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام عیوب اور کمزوریوں سے مبرا اور پاک ہونے اور تمام تر کمالات کے تنہا مالک ہونے کا خلوص قلب سے اقرار اور زبان سے اعلان' حاصل افرینش ہے اور نہ صرف زمین وآسمان بلکہ خلاصۂ کائنات ہے اور ریاکاری وشہرت طلبی سے پاک دل اور زبان سے ایک مومن بندہ کا یہ اقرار واعلان زمین وآسمان کو اجر وثواب سے بھر دینے کے لئے کافی ووافی ہے۔

۴-**الصلوة نور**. نماز (عظیم الشان) نور ہے۔اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مخلص نماز پڑھنے والا جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات (رازونیاز کی باتیں) کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین (ایمان والوں کی معراج) کہا گیا ہے۔لہٰذا ایسی عاشقانہ اور والہانہ نماز دنیا میں بھی نور علی نور۔نور ہی نور۔ہے جو قلب مومن کی تمام ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے "صیقل" کا کام دیتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ان الصلوة تنهى عن الفحشآء والمنكر** (بے شک نماز فحش اور برے اعمال واخلاق سے روکتی ہے) اور اسی لئے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **قرة عيني في الصلوة** (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) نیز آخرت میں یہی آیت کریمہ **سيماهم في وجوههم من اثر السجود** (ان کی (مخصوص) نشانی ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں) کے تحت نمازیوں کی پیشانیوں کا یہ نور ہی آیت کریمہ **نورهم يسعىٰ بين ايديهم** (ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا) کے مطابق وہ نور ہوگا جو قیامت کے دن جنت کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا بہر صورت حضور قلب کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز دنیا و آخرت دونوں جہان میں نور ہی نور ہے۔

۵-**الصدقة برهان** . صدقہ (کرنا) قطعی دلیل ہے۔اس لئے کہ خدا پرستی اور عبادت وطاعت الٰہی کی راہ میں "سنگ گراں" (بھاری پتھر) حب مال۔مال کی محبت ہے ایک مخلص مومن بطیب خاطر اپنی حلال کمائی میں سے

مرغوب ترین اور بہترین چیز خالصاً لوجہ اللہ جب اپنے محبوب پروردگار کی راہ میں قربان اور صدقہ کرتا ہے تو اس کے قلب کے حب مال سے پاک ہونے کی قطعی اور واضح دلیل ہے۔

۶- **الصبر ضیاء** . صبر ایک عظیم روشنی ہے اس لئے کہ خدا پرستی اور احکام الٰہیہ کی پابندی کی راہ میں جو بھی سختیاں، دشواریاں یا آفات و مصائب پیش آئیں یا جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑیں خواہشات نفس کی مقاومت کرنی پڑے بخندہ پیشانی ان سب کو برداشت کرنا اور صبر کرنا ایک کبھی نہ بجھنے والی عظیم روشنی ہے جو "رضا و تسلیم" کے مقام تک انسان کی رہنمائی کرتی ہے اور آیت کریمہ **ان الله مع الصابرین** (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) کے تحت معیت الٰہیہ کی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

نیز انسان کا سب سے بڑا مار آستین دشمن نفس امارہ اس کے پہلو میں بیٹھا ہر وقت شہوانی جذبات کو مادی لذائذ پر برانگیختہ کرنے میں لگا رہتا ہے اس کی سرکوبی کرنے اور خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھنے اور انوار و تجلیات الٰہیہ سے روح کو روشن کرنے والی "عظیم روشنی" یعنی صبر کا مظہر کامل روزہ ہے چنانچہ بہت سے مفسرین آیت کریمہ: **واستعینوا بالصبر والصلوة** میں صبر کی تفسیر روزہ سے کرتے ہیں بہر صورت صبر ایک آفتاب ہے جس کی ضیاء انسان کے ظاہر و باطن کو سرتاپا روشن رکھتی ہے اسی لئے حدیث میں آیا ہے۔ **الصبر نصف الایمان** (صبر نصف ایمان ہے)

۷- **القرآن حجة لك اوعليك** ۔ قرآن حجت (دلیل) ہے تیرے حق میں یا تیرے خلاف۔ اس لئے کہ قرآن عظیم اللہ کا کلام ہے اس کی تلاوت کرنا اس کی تعلیمات پر بقدر طاقت بشری عمل کرنا، آخرت کی پکڑ سے بچنے کی ایک حجت (دلیل) ہے اور قرآن کو جزدان میں لپیٹ کر طاق نسیاں پر رکھ دینے اور اسکی تعلیمات کو پس پشت ڈال دینے والوں کے خلاف، یہی قرآن مستحق قہر خداوندی ہونے کی ایک حجت (دلیل) ہے چنانچہ قیامت کے دن قرآن دونوں گروہوں کے حق میں موافق اور مخالف گواہی دے گا جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔

كل الناس يغدوا فبائع نفسه فمعتقها او موبقها: ہر آدمی صبح سویرے نکلتا ہے اپنی جان کا سودا کرتا ہے پس یا اس کو آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ ایک انسانی نجات یا ہلاکت کا معاملہ ہے جو شب و روز ہر قدم پر انسان کے سامنے رہتا ہے اسی حقیقت کو اس موجز (مختصر) جملہ میں **افصح العرب والعجم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے ادا فرمایا ہے کہ ہر شخص صبح ہوتے ہی نکلتا، یعنی عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو وہ در حقیقت اپنے نفس (جان) کا سودا کرتا ہے جس شخص نے صبح سے شام تک ہر کام میں اطاعت خداوندی کو سامنے رکھا اس نے اپنے آپ کو آخرت کی پکڑ سے بچا لیا اور عذاب الٰہی سے آزاد کرا لیا اور جس شخص نے نفسانی خواہشات اور دنیاوی اغراض کو سامنے رکھا اور خدا کی اطاعت کو پس پشت ڈال دیا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت۔ عذاب الٰہی۔ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة' (توبه: ۱۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کے جان ومال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے

اللہ تعالیٰ خریدار'' ہیں بندہ ''سوداگر'' ہے اور ''جان ومال'' وہ متاع عزیز ہے جس کو جنت کے عوض بندہ بیچتا اور اللہ تعالیٰ خریدتے ہیں اور دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل کرتا ہے یا اس متاع عزیز کو اغراض دنیوی اور خواہشات نفسانی کے عوض انسان بیچتا اور شیطان خریدتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل وخوار ہوتا ہے اور عذاب الٰہی میں اپنی جان کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔

صبر سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں

وعن أبي سَعيد سعدِ بن مالكِ بنِ سنان الخدري رضي الله عنهما : أَنَّ نَاساً مِنَ الأَنْصَار سَألوا رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ، ثُمَّ سَألوهُ فَأعْطَاهُمْ ، حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ ، فَقَالَ لَهُمْ حِينَ أنْفَقَ كُلَّ شَيءٍ بِيَدِهِ : " مَا يَكُنْ عِنْدي مِنْ خَيْر فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفهُ الله ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ الله ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ الله . وَمَا أُعْطِيَ أحَدٌ عَطَاءً خَيْراً وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْر " مُتَّفقٌ عليه .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انصار میں سے بعض (ضرورت مند) لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (مالی امداد کا) سوال کیا آپ نے (بقدر ضرورت) ان کو دے دیا پھر (کچھ دن بعد) انہوں نے آپ سے (اسی طرح مالی امداد کا) سوال کیا تو آپ نے پھر (جو مناسب سمجھا) ان کو دے دیا یہاں تک کہ جو (بیت المال کا مال) آپ کے پاس تھا سب ختم ہو گیا چنانچہ جب آپ نے جو کچھ (مال و متاع) آپ کے پاس تھا سب (اسی طرح ضرورت مند مسلمانوں پر) خرچ کر ڈالا تو ان سے فرمایا: جو بھی مال و متاع میرے پاس ہو گا میں اس کو تم سے بچا کر ہرگز نہیں رکھوں گا لیکن (تم یاد رکھو کہ یہ مانگنے کی عادت بری ہے) جو شخص مانگنے سے بچنا چاہے گا اللہ تعالیٰ (اس کی ضرورت کو خود پورا فرمادیں گے اور) اس کو مانگنے سے بچادیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا (مخلوق سے بے نیازی) کا سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنے فضل وانعام سے) غنی بنادیں گے اور جو کوئی صبر (وضبط) سے کام لے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر (کی توفیق) عطا فرمادیں گے اور (یاد رکھو) صبر (کی دولت) سے بڑھ کر اور وسیع تر' کوئی خیر و برکت (کسی کو) عطا نہیں کی گئی۔

تشریح: اس حدیث شریف میں صبر سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے دیا اس پر اکتفا کرنا اور زیادہ کی حرص وطمع سے بچنا ہے۔ جس کو علم اخلاق اور شریعت کی اصطلاح میں قناعت کہتے ہیں اور ''ادعیہ ماثورہ'' میں اس کی دعا ذیل کے الفاظ میں مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔

رب قنعني بمارزقتني وبارك لي فيمااعطيتني رب جو تو نے مجھے روزی دی اس پر تو مجھے قناعت دے اور جو تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت دے دے۔

ایک اہم سوال کا جواب

اس دعا میں اس سوال کا جواب بھی آگیا جو اللہ تعالیٰ نے دیا اگر اس میں ضروریات پوری نہ ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا: اللہ سے دعا کرو وہ اسی میں اتنی برکت عطا فرمادیں گے کہ ضروریات پوری ہو جائیں گی" خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر صدق دل سے ایمان رکھنے والے جانتے ہیں کہ "برکت آسمان سے اُترتی ہے" اس کے ہوتے مقدار رزق کو ضروریات کے پیمانے سے ناپنے کا خیال شیطانی وسوسہ اور نفس کا فریب ہے اس سلسلہ میں بکثرت واقعات احادیث میں مذکور ہیں کتب حدیث کی مراجعت کیجئے اور دل سے حرص و طمع کی بیخ کنی کرنے اور جو خدا نے دیا ہے اس پر سچے دل سے قناعت کرنے کے بعد برکت کے کرشمے مشاہدہ کیجئے۔

غنٰی کا بیان

اس حدیث میں غنا کا بھی ذکر آیا ہے حدیث شریف میں آتا ہے۔

خيرالغنى غنى النفس. بہترین غنی نفس کا غنی ہوتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسان کا نفس "ماسوا اللہ" سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو اگرچہ اس کا ہاتھ خالی ہو' اس کا دل غنی ہوتا ہے اور اسے صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی شخص 'یا مال و منال پر بھروسہ کرتا ہی نہیں اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے جو وہ مانگتا ہے حسب ضرورت و مصلحت عطا فرماتے ہیں اسی لئے حضرات صوفیا کا مقولہ ہے الغنى هو الفقير الى الله 'غنی ہے ہی وہ جو صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہو۔

عفت کا بیان

اس حدیث میں عفت کا بھی ذکر آیا ہے اس کے معنی ہیں حتی الامکان اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے مانگنے 'اور غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے' سے بچنا علم اخلاق کی رو سے بھی عفت اخلاق فاضلہ میں سے ہے شرعاً بھی اگرچہ بحالت اضطرار۔ انتہائی مجبوری کی حالت میں۔ کسی سے سوال کرنے اور مانگنے کی اجازت ہے مگر مجبوری کے بغیر سوال کرنے سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے چنانچہ ممانعت سوال سے متعلق احادیث بکثرت کتب حدیث میں مذکور ہیں غنی مطلق اللہ تعالیٰ ثروت مندوں کو ایسے ہی عفت پسند ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب اور اس کی اہمیت و فضلیت سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

يحسبهم الجاهل اغنيآء من التعفف تعرفهم بسيماهم لايسئلون الناس الحافاً

ناواقف آدمی ان (ضرورت مندوں) کو غنی گمان کرتا ہے ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے، حالانکہ تم ان کے چہرہ بشرہ سے ان کو پہچان لوگے (کہ یہ ضرورت مند ہیں) وہ لوگوں سے نہ مانگتے ہیں، نہ پیچھے پڑتے ہیں۔

صبر، غنی اور عفت کی اس تشریح کے بعد آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ سب سے بڑی اور سب سے وسیع (ہمہ گیر) فضیلت صبر ہے اس دولت کے میسر آجانے کے بعد کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کی نوبت ہی نہیں آتی اللہ تعالیٰ بغیر مانگے سب کچھ دے دیتے ہیں اپنی شب و روز کی زندگی میں صدق دل سے اس صبر و قناعت اور غنی و عفت کو اپنا کر دیکھئے پھر حدیث کی حقانیت اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کا پتہ چلے گا۔

یہ صبر، صبر کی تیسری قسم صبر عن الشئی کے تحت داخل ہے۔

صبر و شکر خیر ہی خیر ہیں

وعن أبي يحيى صهيب بن سنان رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :" عَجَباً لأمْرِ المُؤمنِ إنَّ أمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خيرٌ وليسَ ذلِكَ لأَحَدٍ إلاَّ للمُؤْمِنِ : إنْ أصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكانَ خَيراً لَهُ ، وإنْ أصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكانَ خَيْراً لَهُ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی کتنا عجیب ہے؟ بیشک مومن کا معاملہ (ہر حالت اور ہر صورت میں) خیر ہی خیر ہے اور یہ سعادت مومن کے سوا اور کسی کو میسر ہی نہیں (وہ معاملہ یہ ہے کہ) اگر مومن کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو اس پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ خوشحالی اس کے لئے باعث خیر بن جاتی ہے (اس لئے کہ اس کا شکر ادا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خوشحالی اور مال و اولاد اور دوسری نعمتوں میں مزید اضافہ فرماتے ہیں) اور اگر مومن بدحالی (اور تنگدستی) میں گرفتار ہوتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے (اور رضاالٰہی پر راضی رہتا ہے) تو وہ بدحالی اس کے لئے باعث خیر بن جاتی ہے (اور رضا و تسلیم کا بلند ترین مقام میسر آجاتا ہے۔

تشریح: صبر و شکر کے خیر بننے کی وجہ شکر موجب خیر اس لئے بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: **لئن شکرتم لازیدنکم (ابراهیم:۷)**

بخدا اگر تم شکر ادا کروگے تو میں یقیناً تم کو اور زیادہ دوں گا صبر موجب خیر اس لئے بنتا ہے کہ صبر سے رضا و تسلیم کا مرتبہ میسر آتا ہے جو اُولوالعزم انبیاء و رسل کا مقام ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتے ہیں:

فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل (احقاف:۳۵)

پس اے نبی تم صبر و کرو جیسے اولوالعزم انبیاء و رسل نے صبر کیا ہے۔

صبر کی آزمائش کا سب سے سخت مقام

وعن أنسٍ رضي الله عنه ، قَالَ : لَمَّا ثَقُلَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جعلَ يَتَغَشَّاهُ

الكَرْبُ ، فَقَالَتْ فَاطِمَةُ رضي الله عنها : وَاكَرْبَ أَبَتَاهُ . فقَالَ: "لَيْسَ عَلَى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ " فَلَمَّا مَاتَ ، قَالَتْ : يَا أَبَتَاهُ ، أَجَابَ رَبّاً دَعَاهُ ! يَا أَبَتَاهُ ، جَنَّةُ الفِرْدَوسِ مَأْوَاهُ ! يَا أَبَتَاهُ ، إِلَى جِبْرِيلَ نَنْعَاهُ ! فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ الله عنها : أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَحْثُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ ؟! رواه البخاري .

ترجمه: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب (مرض الموت میں) محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ شدت اختیار کر گیا اور (تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد) آپ پر کرب اور بے چینی کے دورے پڑنے لگے تو (آپ کی اس غیر معمولی تکلیف کو دیکھ کر) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلا: "ہائے میرے پیارے باپ کی بے چینی" تو اس پر آپ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ پر (کبھی) کوئی بے چینی نہ ہو گی" (ساری بے چینیاں آج کے بعد ختم ہو جائیں گی) پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو (شدت غم سے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلا: ہائے میرے باپ! ان کے پروردگار نے جب ان کو بلایا تو انہوں نے فوراً اس بلاوے پر "لبیک" کہا (اور اپنے رب سے جا ملے) ہائے میرے باپ! اب جنت الفردوس جن کا مسکن ہے' ہائے میرے باپ! جبریل امین ہی کو ہم ان کی خبر مرگ سناتے ہیں" (اور غم واندوہ کا اظہار کرتے ہیں) پھر جب صحابہ کرامؓ فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر چکے تو حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا: تمہارے دلوں نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر زمین دفن کرنا اور ان پر مٹی ڈالنا گوارا کر لیا؟

تشریح: **سيدة نساء اهل الجنة** (جنتی عورتوں کی سردار) حضرت فاطمۃ الزہراؓ بتقاضائے بشریت اپنے اس عزیز اور محبوب باپ کی جانکنی کی شدت پر۔ جس نے حسبِ ذیل الفاظ میں فاطمہ سے اپنے غیر معمولی تعلق خاطر کا اظہار فرمایا تھا۔

فاطمة بضعة منى من آذاهافقدآ ذانى فاطمہ میرے جگر کا ایک ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ستایا بیشک اس نے مجھے ستایا۔ تلملا اٹھتی ہیں اور بے ساختہ زبان سے واکرب ابتاہ۔ ہائے میرے پیارے باپ کی بے چینی۔ نکلتا ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغرض تسلی ودلاسا فرماتے ہیں: "**ليس على ابيك كرب بعد اليوم**" اسی طرح وفات اور تجہیز و تکفین کے بعد کے بے ساختہ حزنیہ کلمات' یہ سب کمال رافت ورحمت کا تقاضا ہیں اور عنداللہ مطلوب ہیں اگر عزیز ترین ہستی کی وفات پر یہ فطری تاثر اور ان حزنیہ کلمات کا اظہار نہ ہو تو یہ "قسوۃ قلبی" اور سنگدلی کی دلیل ہے جو ہر گز بشریت کا تقاضا نہیں ہو سکتی' اور عنداللہ رحمت الٰہی سے محرومی کا موجب ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے مزید تفصیل اگلی حدیث کی تشریح میں آتی ہے۔

بے ساختہ آنسو اور بغیر آواز کے رونا صبر کے منافی نہیں

وعن أبي زَيدٍ أُسامَةَ بنِ زيدِ بن حارثةَ مَوْلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وحِبِّه وابنِ حبِّه رضي اللهُ عنهما ، قَالَ : أَرْسَلَتْ بنْتُ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إنَّ ابْني قد احْتُضِرَ فَاشْهَدنَا ، فَأَرسَلَ يُقرىءُ السَّلامَ ، ويقولُ : " إنَّ للهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أعطَى وَكُلُّ شَيءٍ عِندَهُ بأَجَلٍ مُسَمًّى فَلتَصبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ " فَأَرسَلَتْ إلَيهِ تُقْسِمُ عَلَيهِ لَيَأْتِيَنَّهَا . فقامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابتٍ ، وَرِجَالٌ رضي الله عنهم ، فَرُفِعَ إِلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبيُّ ، فَأَقْعَدَهُ فِي حِجْرِهِ وَنَفسُهُ تَقَعْقَعُ ، فَفَاضَتْ عَينَاهُ فَقَالَ سَعدٌ : يَا رسولَ الله ، مَا هَذَا ؟ فَقَالَ : " هذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَها اللهُ تَعَالَى فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ " وفي رِوايةٍ : " فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ ، وَإِنَّما يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبادِهِ الرُّحَمَاءَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وَمَعنَى " تَقَعْقَعُ " : تَتَحرَّكُ وتَضْطَرِبُ .

ترجمه: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبیب بن حبیب (محبوب کے محبوب) آزاد کردہ غلام حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بچہ نزع کی حالت میں ہے' ذرا آپ تشریف لے آئیں (ہم لوگوں کو تسلی ہو جائے گی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس اندوہناک منظر اور ان کی تکلیف کو بچشم خود دیکھنے سے بچنے کی غرض سے) پیغام بھیجا: رسول اللہ سلام فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں (دختر عزیز!) بیشک جو اللہ تعالیٰ نے لے لیا وہ بھی اسی کا ہے اور جو دیا تھا وہ بھی اسی کا تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے تم صبر کرو اور اس صبر پر اللہ سے) اجر کی امید رکھو" (مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ) اس پر انہوں نے پھر پیغام بھیجا: اور بقسم درخواست کی کہ آپ اس وقت ہمارے پاس ضرور ضرور تشریف لائیں" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہ' معاذ بن جبل' ابی بن کعب' زید بن ثابت اور چند سر بر آوردہ انصاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اُٹھ کر چلے اور صاحبزادی صاحبہ کے مکان پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچہ کو پیش کیا گیا آپ نے اس کو گود میں لے لیا بچہ کا گھونگرو بول رہا تھا (اور سانس رک رُک کر آ رہا تھا) یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی مقدس آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ پڑے تو اس پر حضرت سعد بولے: یہ کیا یا رسول اللہ (یہ آنسو کیسے)؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ جذبہ ترحم ہے (اے سعد!) جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ودیعت فرمایا ہے" اور ایک روایت میں ہے: "اپنے جن بندوں کے دلوں میں چاہا ودیعت فرما دیا ہے" اور (یاد رکھو) رحم کرنے والوں ہی پر اللہ تعالیٰ بھی رحم فرماتے ہیں۔

تشریح: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء :

رحم کرنے والوں ہی پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تو تم پر آسمان والا بھی رحم کرے گا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنکھوں سے آنسو نکلنے اور بغیر آواز کے رونے' کو بھی صبر کے خلاف خصوصاً آپ کی جلالت شان کے منافی سمجھ کر سوال کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غلط فہمی کو دور فرماتے ہیں کہ رحم اور ترحم تو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی خوش آئند نعمت ہے رحمت اور اسم جلالت الرحمٰن (بہت بڑا رحم کرنے والا) کا مظہر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مظہر کمالات' مقدس ذات گرامی' عالم بشیریت میں اسماء و صفات الٰہیہ کا مظہر اتم (کامل ترین مظہر ہے) اس لئے یہ رنج و غم اور صدمہ اور اس پر بے ساختہ نکلنے والے آنسو' نہ صبر کے منافی ہیں اور نہ آپ کی شان کے' صبر کے منافی چیخنا چلانا' دھاڑیں مار کر رونا' بین کرنا' کپڑے پھاڑنا' بال نوچنا' منہ یا سینہ پیٹنا وغیرہ جاہلانہ رسوم ہیں جو نہ صرف شرعاً ممنوع اور حرام ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ کا موجب بھی ہیں جیسا کہ تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں صبر کی قسم

حدیث نمبر ۴ و نمبر ۵ صبر کی تیسری قسم الصبر عندالمصیبة کے تحت داخل ہیں۔

حدیث الاخدود: خندقوں کا قصہ

خندق والوں کے قصہ کا پس منظر

عیسائی مذہب پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے جس میں اول یہودیوں نے اور ان کے بعد بت پرست قوموں اور ظالم و جابر بادشاہوں نے عیسائیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں اور بت پرستی پر ان کو مجبور کیا ہے اس عہد میں عیسائیوں کے لئے اپنے دین عیسوی کو چھپائے بغیر زندہ رہنا محال تھا عیسائی مذہب کے رہنما اور تارک الدنیا راہب بھی بستیوں سے دور یا خانقاہوں میں یا ویرانوں میں بالکل الگ تھلگ زندگی بسر کرتے تھے اور جو ان کے ہم مذہب لوگ چھپ چھپا کر ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں ان کو چھپے چوری انجیل اور دین عیسوی کی تعلیم دیتے وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی کتاب انجیل اپنی اصلی حالت پر' اور دین عیسوی کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں موجود و برقرار تھیں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور مسخ و تحریف ان میں نہیں ہوئی تھی اس زمانہ میں وہی دین حق تھا اور اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا ہی نجات کا ذریعہ تھا۔

اس زمانہ میں دنیا کے بعض ملکوں۔ عرب' شام' فارس وغیرہ۔ میں انہی بت پرست وخود پرست ظالم وجابر بادشاہوں نے خدا پر ایمان لانے والوں خصوصاً عیسائیوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے جرم میں خوفناک آگ کے الاؤ سے بھری ہوئی خندقوں میں زندہ جلا دیا ہے چنانچہ یمن کے شہر نجران کے اندر یمن کے بت پرست بادشاہ' ذونواس نے بڑی بڑی خندقیں کھدوا کر ایسی خوفناک آگ سے جس کی لپٹیں دور دور تک پہنچتی تھیں اور آسمان سے باتیں کرتی تھیں' بھروا دیا تھا اور ہر اس شخص کو جو دین عیسوی اور خدا پرستی سے منحرف نہ ہو۔ بوڑھا ہو یا جوان یا بچہ مرد ہو یا عورت۔ زندہ آگ میں جلا دینے کا حکم دے رکھا تھا ایسے مواقع پر خود بادشاہ اور اس کے پرستار بھی اس انسانیت سوز تماشے کو دیکھنے کے لئے خندق کے اردگرد کرسیوں پر بیٹھتے اور خدا پرستوں کے جلنے جلانے کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔

آخر قہرالٰہی اور انتقام خداوندی نے اسی آگ کی خوفناک لپٹوں میں اس بادشاہ اور اس کے پرستاروں کو جلا کر راکھ کر دیا اس واقعہ کا اجمالی تذکرہ سورۃ البروج میں آیا ہے حضرت صہیب کی اس حدیث میں بھی اس کی کچھ تفصیل مذکور ہے پورا مفصل بیان کتب تفسیر و تاریخ میں پڑھیے

اس زمانہ کے فرعون و نمرود

اس زمانہ کے فرعون و نمرود۔ امریکہ' روس' برطانیہ وغیرہ قہرمانی طاقتیں بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر کے روئے زمین کو جہنم زار بنانے اور خدا کی مخلوق کو اس میں پھونک ڈالنے کے منصوبے بنانے میں مصروف ہیں قہرالٰہی جب جوش میں آئے گا تو ان شاء اللہ یہ بم خود ان کو ہی پھونکیں گے اور انکے ملکوں کو جہنم بنا دینے کے ہی کام آئیں گے۔

وعن صهيب رضي الله عنه : أنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " كَانَ مَلِكٌ فِيمَنْ كَانَ قَبلكَمْ وَكَانَ لَهُ سَاحِرٌ فَلَمَّا كَبرَ قَالَ للمَلِكِ : إنِّي قَدْ كَبِرْتُ فَابْعَثْ إلَيَّ غُلاماً أُعَلِّمْهُ السِّحْرَ ؛ فَبعثَ إلَيْهِ غُلاماً يُعَلِّمُهُ ، وَكانَ في طَرِيقِهِ إذَا سَلَكَ رَاهِبٌ ، فَقعدَ إلَيْه وسَمِعَ كَلامَهُ فَأعْجَبَهُ ، وَكانَ إذَا أتَى السَّاحِرَ ، مَرَّ بالرَّاهبِ وَقَعدَ إلَيْه ، فَإذَا أتَى السَّاحِرَ ضَرَبَهُ ، فَشكَا ذٰلِكَ إلَى الرَّاهِب ، فَقَالَ : إذَا خَشيتَ السَّاحِرَ ، فَقلْ : حَبَسَنِي أهْلِي ، وَإذَا خَشِيتَ أهلَكَ ، فَقُلْ : حَبَسَنِي السَّاحِرُ .فَبيْنَما هُوَ عَلَى ذٰلِكَ إذْ أتَى عَلَى دَابَّةٍ عَظِيمَةٍ قَدْ حَبَستِ النَّاس ، فَقَالَ : اليَوْمَ أعْلَمُ السَّاحِرُ أفْضَلُ أم الرَّاهبُ أفْضَلُ ؟ فَأخَذَ حَجَراً ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ إنْ كَانَ أمْرُ الرَّاهِبِ أحَبَّ إلَيْكَ مِنْ أمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ هذِهِ الدَّابَّةَ حَتَّى يَمضِيَ النَاسُ ، فرَمَاهَا فَقتَلَها ومَضَى النَّاسُ ، فَأتَى الرَّاهبَ فَأخبَرَهُ . فَقَالَ لَهُ الرَّاهبُ : أيْ بُنَيَّ أنْتَ اليَومَ أفْضَل منِّي قَدْ بَلَغَ مِنْ أمْرِكَ مَا أرَى ، وَإنَّكَ سَتُبْتَلَى ، فَإنِ ابْتُلِيتَ فَلاَ تَدُلَّ عَلَيَّ ؛ وَكَانَ الغُلاَمُ يُبْرِىءُ الأكْمَهَ وَالأَبْرصَ ،

ويداوي النَّاسَ مِنْ سَائِرِ الأَدْوَاء . فَسَمِعَ جَليسٌ لِلملِكِ كَانَ قَدْ عَمِيَ ، فأتاه بِهَدَايا كَثيرَةٍ ، فَقَالَ : مَا هَا هُنَا لَكَ أَجْمَعُ إنْ أَنتَ شَفَيتَنِي ، فَقَالَ : إنّي لا أَشْفِي أحداً إنَّمَا يَشفِي اللهُ تعَالَى ، فَإنْ آمَنْتَ باللهِ تَعَالَى دَعَوتُ اللهَ فَشفَاكَ ، فَآمَنَ باللهِ تَعَالَى فَشفَاهُ اللهُ تَعَالَى ، فَأتى المَلِكَ فَجلسَ إلَيْهِ كَما كَانَ يَجلِسُ ، فَقَالَ لَهُ المَلِكُ : مَنْ رَدّ عَلَيْكَ بَصرَكَ ؟ قَالَ : رَبِّي ، قَالَ : وَلَكَ رَبٌّ غَيرِي ؟ قَالَ : رَبِّي وَرَبُّكَ اللهُ ، فَأَخَذَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهُ حَتَّى دَلَّ عَلَى الغُلام ، فَجِيء بالغُلَامِ ، فَقَالَ لَهُ المَلِكُ : أيْ بُنَيَّ ، قَدْ بَلَغَ مِنْ سِحْرِكَ مَا تُبْرِىء الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ وتَفْعَلُ وتَفْعَلُ ! فَقَالَ : إنِّي لا أَشْفي أحداً ، إنَّمَا يَشفِي اللهُ تَعَالَى . فَأَخَذَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهُ حَتَّى دَلَّ عَلَى الرَّاهِبِ ؛ فَجِيء بالرَّاهبِ فَقيلَ لَهُ : ارجِعْ عَنْ دِينكَ ، فَأبَى ، فَدَعَا بالمِنْشَار فَوُضِعَ المِنْشَارُ في مَفْرِق رَأسِهِ ، فَشَقَّهُ حَتَّى وَقَعَ شِقَّاهُ ، ثُمَّ جِيءَ بِجَليسِ المَلِكِ فقيل لَهُ : ارْجِعْ عَنْ دِينِكَ ، فَأبَى ، فَوضِعَ المِنْشَارُ في مَفْرِق رَأسِهِ ، فَشَقَّهُ بِهِ حَتَّى وَقَعَ شِقَّاهُ ، ثُمَّ جِيءَ بالغُلَامِ فقيلَ لَهُ : ارجِعْ عَنْ دِينكَ ، فَأبَى ، فَدَفَعَهُ إلَى نَفرٍ مِنْ أصْحَابِهِ ، فَقَالَ : اذْهَبُوا بِهِ إلَى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَاصْعَدُوا بِهِ الجَبَل ، فَإذَا بَلَغْتُمْ ذِرْوَتَهُ فَإنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ وَإلاَّ فَاطْرَحُوهُ . فَذَهَبُوا بِهِ فَصعِدُوا بِهِ الجَبَلَ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ أكْفنيهِمْ بِمَا شِئْتَ ، فَرَجَفَ بِهِمُ الجَبلُ فَسَقطُوا ، وَجاءَ يَمشي إلَى المَلِكِ ، فقَالَ لَهُ المَلِكُ : مَا فَعَلَ أصْحَابُكَ ؟ فَقَالَ : كَفَانِيهِمُ اللهُ تَعَالَى ، فَدَفَعَهُ إلَى نَفرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ : اذْهَبُوا بِهِ فاحْمِلُوهُ في قُرْقُور وتَوَسَّطُوا بِهِ البَحْرَ ، فَإنْ رَجعَ عَنْ دِينِهِ وإلاَّ فَاقْذِفُوهُ . فَذَهَبُوا بِهِ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ أكْفِنيهِمْ بِمَا شِئْتَ ، فانْكَفَأَتْ بِهِمُ السَّفِينَةُ فَغَرِقُوا ، وَجاءَ يَمْشي إلَى المَلِكِ . فقَالَ لَهُ المَلِكُ : مَا فعلَ أصْحَابُكَ ؟ فقَالَ : كَفَانِيهِمُ اللهُ تَعَالَى . فَقَالَ لِلمَلِكِ : إنَّكَ لَسْتَ بِقَاتلي حَتَّى تَفْعَلَ مَا آمُرُكَ بِهِ . قَالَ : مَا هُوَ ؟ قَالَ : تَجمَعُ النَّاسَ في صَعيدٍ وَاحدٍ وتَصْلُبُني عَلَى جِذْعٍ ، ثُمَّ خُذْ سَهْماً مِنْ كِنَانَتي ، ثُمَّ ضَعِ السَّهْمَ في كَبِدِ القَوْسِ ثُمَّ قُلْ : بِسْمِ اللهِ رَبِّ الغُلَامِ ، ثُمَّ ارْمِنِي، فَإنَّكَ إذَا فَعَلْتَ ذلِكَ قَتَلتَنِي، فَجَمَعَ النَّاسَ في صَعيد واحدٍ ، وَصَلَبَهُ عَلَى جِذْعٍ ، ثُمَّ أَخَذَ سَهْماً مِنْ كِنَانَتِهِ ، ثُمَّ وَضَعَ السَّهْمَ في كَبِدِ القَوْسِ ، ثُمَّ قَالَ : بِسمِ اللهِ رَبِّ الغُلَامِ ، ثُمَّ رَمَاهُ فَوقَعَ في صُدْغِهِ ، فَوَضَعَ يَدَهُ في صُدْغِهِ فَمَاتَ ، فَقَالَ النَّاسُ : آمَنَّا بِرَبِّ الغُلَامِ ، فَأُتِيَ المَلِكُ فقيلَ لَهُ : أرَأَيْتَ مَا كُنْتَ تَحذَرُ قَدْ واللهِ نَزَلَ بكَ حَذَرُكَ . قَدْ آمَنَ النَّاسُ . فَأَمَرَ بالأُخْدُودِ بِأفْوَاهِ السِّكَكِ فَخُدَّتْ "۳" وأُضرِمَ فيهَا النِّيرانُ وَقَالَ : مَنْ لَمْ يَرْجعْ عَنْ دِينِهِ فَأقْحِمُوهُ فيهَا ، أوْ قيلَ لَهُ: اقتَحِمْ فَفَعَلُوا حَتَّى جَاءَت امْرَأَةٌ وَمَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا ، فَتقَاعَسَتْ أنْ تَقَعَ فيهَا، فَقَالَ لَهَا الغُلَامُ : يَا أُمهْ اصْبِرِي فَإنَّكِ عَلَى الحَقِّ ! " رواه مسلم . " ذِروَةُ الجَبَلِ " : أعْلاهُ ، وَهيَ بكَسْرِ الذَّال المُعْجَمَة وَضَمِّهَا و" القُرْقُورُ " : بِضَمِّ القَافَيْنِ نَوعٌ مِنَ السُّفُنِ وَ" الصَّعِيدُ " هُنَا :

الأَرضُ البَارِزَةُ وَ" الأُخْدُودُ " الشُّقُوقُ في الأَرضِ كَالنَّهْرِ الصَّغِير ، وَ" أُضْرِمَ " : أوْقدَ ،
وَ" انْكَفَأتْ " أي : انْقَلَبَتْ، وَ" تَقَاعَسَتْ " : تَوَقّفت وجبنت .

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر ایک بادشاہ گذرا ہے اس بادشاہ کا (مدار المہام) ایک جادوگر تھا جب وہ

سحر اور کہانت کی ان بت پرستوں میں اہمیت

عام طور پر یہ بت پرست اور خود پرست جابرو قاہر بادشاہ جادو اور کہانت کے زور سے ہی مخلوق سے اپنی خدائی منواتے اور حکومتیں چلاتے رہے ہیں اور ساحر و کاہن (جادوگر اور کاہن 'نجومی) ہی ان کے سب سے بڑے مقرب اور مدار المہام ہوا کرتے ہیں فراعنہ مصر کے عہد میں تو سحر 'شریف ترین علم اور ساحر و کاہن ہی سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے پچھلے دور کے عیسائیوں (رومیوں) کے عہد میں بھی سحر کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔

اس ترقی یافتہ زمانہ کا حال

آج اس ترقی یافتہ دور میں بھی بھارت کے نجومی اور جوتشی حکومت اور عوام دونوں کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں عوام تو اپنے ہر اہم کاروبار اور بیاہ شادی وغیرہ کے لئے نیک ساعت اور اچھا شگون معلوم کئے بغیر کوئی قدم اٹھاتے ہی نہیں حکومت بھی اپنے اہم اقدامات میں نجومیوں کی پیشنگوئیوں کو نظرانداز نہیں کرتی۔

ساحر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں (اب دربار میں حاضری' اور ذمہ داری کے ساتھ فرائض کی بجا آوری' مجھ سے نہیں ہو سکتی) لہٰذا تم کسی (شاہی خاندان کے) نوعمر لڑکے کو میرے پاس بھیج دیا کرو میں اسے جادو سکھا دوں (وہ میری نیابت میں دربار میں کام کرے گا) چنانچہ بادشاہ نے ایک ہونہار نوعمر لڑکے کو مقرر کر دیا اور جادوگر نے اسے جادو سکھانا شروع کر دیا۔

جادو سیکھنے والے لڑکے کا حال: یہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو اس کے راستہ میں ایک راہب (عیسائی عالم) کی خانقاہ پڑتی تھی کبھی کبھی اس کے پاس بھی جا بیٹھتا اور اس کی باتیں کان لگا کر سنتا چنانچہ اب یہ اس لڑکے کا معمول ہو گیا کہ روزانہ جب بھی جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کے پاس ضرور بیٹھتا۔ (اور روزانہ جادوگر کے ہاں پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی) تو جب جادوگر کے پاس دیر سے پہنچتا تو وہ (دیر سے آنے پر) زدوکوب کرتا۔ آخر لڑکے نے اس (روزانہ کی مار پیٹ) کی راہب سے شکایت کی راہب نے (اس سے بچنے کی تدبیر بتلائی اور) کہا: جب تمہیں (دیر ہو جانے کی وجہ سے) جادوگر کی مار پیٹ کا ڈر ہوا

ایک شبہ کا ازالہ

ظالم وجابر لوگوں کے ظلم وجور سے بچنے اور اپنی یا دوسروں کی جان بچانے کی غرض سے خدا پرستوں کے لئے

بحالت مجبوری اس قسم کے جھوٹ اور فریب پر مبنی تدابیر کی گنجائش تھی اور ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایسے ہی مواقع کیلئے فرمایا ہے دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ مصلحت پر مبنی جھوٹ فتنے کھڑے کر دینے والے سچ سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے الحرب خدعۃ۔ لڑائی سر تا سر دھوکہ اور فریب کا نام ہے۔

ہماری شریعت کا حکم

تاہم ہماری شریعت میں صریح جھوٹ بولنے کی مطلق اجازت نہیں' ہو سکتا ہے کہ عیسائی مذہب میں اس کی گنجائش ہو۔

کرے تو اس سے کہہ دیا کرو کہ مجھے گھر والوں نے (کسی کام سے) روک لیا تھا (اس لئے دیر ہو گئی) اور جب گھر والوں سے ڈر ہو تو کہہ دیا کرو کہ مجھے استاد (جادوگر نے) روک لیا تھا (اس لئے دیر ہو گئی) (چنانچہ اس نے یہی تدبیر اختیار کی اور اس تدبیر سے باطمینان تمام علم دین حاصل کرنے کا موقع مل گیا)

اس لڑکے کی کرامت: ایک دن حسب معمول جب وہ جا رہا تھا تو راستہ میں ایک بڑا خوفناک چوپائے جیسا اژدہا اس کو نظر آیا جس نے لوگوں کا راستہ بند کر دیا تھا (ڈر کے مارے کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا) تو اس لڑکے نے دل میں کہا: چلو آج آزمائیں کہ راہب افضل (اور اللہ کا مقبول بندہ) ہے یا جادوگر افضل ہے؟ چنانچہ اس نے ایک پتھر اُٹھایا اور خدا سے دعا کی: اے اللہ اگر تیرے نزدیک راہب کا دین جادوگر سے افضل ہے تو اس پتھر سے اس اژدھے کو ہلاک کر دے تاکہ لوگ راستہ چل سکیں" اور (یہ کہہ کر) پتھر مارا' خدا کی قدرت سے وہ اژدھا ہلاک ہو گیا اور لوگ آنے جانے لگے۔

راہب کی تصدیق اور وصیت: تو اس کے بعد وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور سارا واقعہ اس کو بتلایا تو راہب نے کہا: اے میرے عزیز شاگرد اب (اس کرامت کے بعد) تم (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مجھ سے بھی افضل (اور مقبول بارگاہ الٰہی) ہو گئے ہو' میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق اس عظیم مرتبہ تک پہنچ گیا ہے (کہ ایسی کرامتیں ظاہر ہونے لگیں) مگر (تم یاد رکھو کہ یہ واقعہ چھپا نہیں رہ سکتا بادشاہ کے کانوں تک ضرور پہنچے گا اور وہ دین کا سخت دشمن ہے لہٰذا) تم سخت آزمائش میں پڑ گئے ہو مگر دیکھنا اگر تم مصیبت میں گرفتار ہو تو میرا نام ہرگز نہ لینا (ورنہ میں بھی مارا جاؤں گا)

اس لڑکے کی اور کرامتیں: اس واقعہ کے بعد اس لڑکے کی اور کرامتیں بھی ظاہر ہونے لگیں چنانچہ اب وہ مادرزاد نابیناؤں کو بینا اور جذامیوں کو اچھا کرنے لگا اور پھر تو تمام لاعلاج امراض کا علاج کرنا شروع کر دیا۔

لاعلاج مرضوں کے علاج کی شرط: (مگر علاج اسی مریض کا کرتا جو آرام ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ

پر ایمان لانے کا پختہ عہد کر تا رفتہ رفتہ انہی کرامتوں کے ذریعہ دین الٰہی لوگوں میں پھیلنے لگا) بادشاہ کے ایک مصاحب نے بھی اس طبیب روحانی کا شہرہ سنا اس کی بینائی جاتی رہی تھی اور بالکل اندھا ہو گیا تھا وہ بھی اس نصرانی لڑکے کے پاس بیش بہا تحفے تحائف لے کر آیا اور کہا: اگر تم نے مجھے شفا دے دی (اچھا کر دیا) تو یہ سب تحفے تمہاری نذر ہیں لڑکے نے کہا: میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لہٰذا اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے شفا کی دعا کروں گا اور اللہ تعالیٰ تم کو شفا دے دے گا چنانچہ وہ بادشاہ کا مصاحب اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو شفا دے دی او (اور اس کی بینائی لوٹ آئی)

بادشاہ کو اطلاع اور اس کا رد عمل: اور اس کے بعد وہ مصاحب حسب معمول بادشاہ کے دربار میں آیا اور اپنی جگہ (کرسی پر) بیٹھ گیا بادشاہ نے (حیران ہو کر) کہا: یہ تمہاری بینائی کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا میرے رب نے بادشاہ نے (غصہ میں آگ بگولا ہو کر) کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ مصاحب نے کہا: میرا اور تیرا دونوں کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

مصاحب کو خدا پرستی کی سزا اور اس کی کمزوری: بادشاہ نے اس کو فوراً گرفتار کر لیا اور پوچھا یہ دین تو نے کس کے کہنے سے اختیار کیا ہے؟ جب اس نے نہیں بتلایا تو بادشاہ (کے حکم سے جلادوں) نے سخت ترین ایذائیں اور تکلیفیں پہنچانی شروع کر دیں یہاں تک کہ اس نے عاجز آکر اس عیسائی لڑکے کا حال بتلا دیا۔

صاحب کرامات لڑکے کی گرفتاری اور اس کی وعدہ خلافی: چنانچہ فوراً اس لڑکے کو گرفتار کر کے لایا گیا تو بادشاہ نے غصہ میں آکر اس سے کہا: او لڑکے! تیری جادوگری اب یہاں تک پہنچ گئی کہ تو اندھوں کو سوانکھا کر دیتا ہے جذامیوں کو اچھا کر دیتا ہے اور فلاں فلاں لاعلاج مریضوں کو تندرست کر دیتا ہے (کیا میرے ہوتے خدائی کا دعویٰ کرنے کا ارادہ ہے؟) تو لڑکے نے کہا: میں تو کسی کو بھی شفا نہیں دیتا' شفا تو صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے (جو اس پر ایمان لے آتا ہے وہ اس کو شفا بخش دیتا ہے) تو بادشاہ نے اس لڑکے کو بھی گرفتار کر کے اس پر سخت ترین عذاب توڑنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ لڑکے نے عاجز آکر عیسائی راہب کا حال بتلا دیا۔

راہب کی گرفتاری اور اس کا لرزہ خیز قتل اور شہادت: تو فوراً (بادشاہ کے حکم سے) اس خدا پرست راہب کو گرفتار کر کے لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنا یہ نصرانی مذہب چھوڑ دے اس نے صاف انکار کر دیا تو ایک آدم کش "آرا" لایا گیا اور اس راہب کے بیچ سر پر رکھ کر آرے سے اس طرح اس کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے کہ ایک ٹکڑا ادھر گرا اور دوسرا ادھر۔ اور وہ شہید ہوا۔

مصاحب کا قتل اور شہادت: پھر بادشاہ کے مصاحب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اس دین سے باز آجا اس نے بھی صاف انکار کر دیا تو اس کے بھی بیچ سر پر آرا رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے ایک ادھر گرا دوسرا اُدھر اور وہ بھی شہید کر دیا گیا۔

صاحب کرامت لڑکے کو ہولناک طریقوں سے ہلاک کرنے کی تدبیریں اور ان میں ناکامی: پھر اس لڑکے کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنا یہ دین چھوڑ دے تو اس نے بھی انکار کر دیا تو (اس سے زیادہ ہولناک سزا دینے کی غرض سے) اس کو چند جلادوں کے سپرد کیا اور کہا کہ: اس کافر کو فلاں جگہ لے جاؤ اور پہاڑ کے اُوپر چڑھاؤ جب چوٹی پر پہنچ جاؤ تو (اس سے دریافت کرو) اگر یہ اپنے اس دین سے باز آجائے تو فبہا ورنہ اس کو پہاڑ کی چوٹی سے (غار میں) پھینک دو" چنانچہ وہ لوگ اس کو وہاں لے گئے پہاڑ کے اوپر چڑھایا (اور چوٹی پر پہنچ کر) اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ تعالیٰ تو جس طرح چاہے مجھے ان ظالم مشرکوں کے شر سے بچالے" چنانچہ پہاڑ ایک دم اتنے زور زور سے لرزنے لگا کہ وہ سب جلاد پہاڑ کی چوٹی سے نیچے (غار میں) گر پڑے (اور ہلاک ہو گئے) اور وہ لڑکا (صحیح سلامت) وہاں سے چل کر بادشاہ کے سامنے آموجود ہوا تو اس نے پوچھا: وہ لوگ کیا ہوئے؟ لڑکے نے کہا: اللہ نے مجھے ان سے بچا دیا اور ان کو ہلاک کر دیا تو بادشاہ نے اس لڑکے کو اپنے (مخصوص) مصاحبوں کے سپرد کیا اور کہا کہ: اس کافر لڑکے کو (سمندر پر) لے جاؤ اور ایک ڈونگی (چھوٹی کشتی) میں سوار کرو اور بیچ سمندر میں لے جاؤ (وہاں پہنچ کر اس سے دریافت کرو) اگر یہ اپنے دین (خدا پرستی) سے باز آجائے تو فبہا ورنہ اسے سمندر میں پھینک دو" چنانچہ وہ مصاحب اس کو (ڈونگی میں سوار کرا کے بیچ سمندر میں) لے گئے تو اس خدا پرست لڑکے نے پھر (ہاتھ اٹھا کر) دعا کی: اے اللہ تو جس طرح مناسب سمجھے ان ظالموں کے شر سے مجھے بچالے" چنانچہ دفعتاً (سمندر میں طوفان آیا اور موجوں کے تھپیڑوں سے) کشتی ڈوب گئی اور وہ سب کے سب مصاحب بھی ڈوب گئے اور وہ لڑکا بچ گیا اور سیدھا بادشاہ کے پاس آدر آمد ہوا بادشاہ نے پوچھا: وہ تیرے ساتھ کے آدمی کیا ہوئے؟ اس نے کہا: اللہ نے مجھے ان کے شر سے بچا دیا اور ان کو ڈبو دیا۔

صاحب کرامت خدا پرست لڑکے کا بادشاہ کو خود اپنی ہلاکت کی تدبیر بتلانا اور شہید ہونا: اس کے بعد اس خدا پرست لڑکے نے بادشاہ سے کہا: تم مجھے ہرگز ہلاک نہیں کر سکتے تاوقتیکہ جو تدبیریں

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ایماندار لڑکے نے خود اپنی ہلاکت کی تدبیر بادشاہ کو کیوں بتلائی اور اپنے آپ کو قتل کے لئے کیوں پیش کیا؟

جواب (۱) اس کا جواب واضح ہے کہ اس کو یقین تھا کہ اگرچہ میں تو شہید ہو جاؤں گا مگر اس تدبیر پر عمل کرنے کے بعد تمام شہر کے باشندوں پر اس خدائی کا دعویٰ کرنے والے بادشاہ کی خدائی کی حقیقت کھل جائے گی کہ یہ تو اتنا عاجز اور بے بس انسان ہے کہ بسم اللہ رب الغلام کہے بغیر اپنی خدائی کے منکر دشمن کو بھی ہلاک نہیں کر سکتا لہٰذا پرستش کے لائق رب الغلام ہے نہ کہ یہ عاجز و بے بس انسان چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پورا شہر اسی وقت اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا علاوہ ازیں ایک خدائی کا دعوے کرنے والے فرعون کی زبان سے اپنے رب کی خدائی کا اعتراف کرا دیا مثل مشہور ہے کہ "جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے" یہی جواب اس شبہ کا بھی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کی پہلی دونوں تدبیروں کو ناکام بنا دیا اور اپنے ایک مومن بندے کو ہلاکت سے بچا لیا اور الٹا بادشاہ کے پرستاروں کو انہی تدبیروں سے ہلاک کر دیا اسی طرح اس لڑکے کی بتلائی ہوئی تدبیر کو بھی ناکام بنا دیتے" ظاہر ہے کہ اس صورت میں شہر کے تمام باشندے یکدم ایمان نہ لاتے علاوہ ازیں لڑکے کا بیان جھوٹا ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنے ایک مومن و مقرب بندے کو جھوٹا بنانا گوارا نہیں کر سکتے۔

جواب (۲)

حکم و مصالح سے بحث کرنے والے بعض محققین اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس عیسائی لڑکے سے صاحب کرامات ولی ہونے کے باوجود ایک ایسا گناہ سرزد ہوا تھا جو وعدہ خلافی اور عہد شکنی کے علاوہ راہب کے قتل ناحق کا سبب بھی بنا اور وہ یہ کہ اس نے بادشاہ کی سختیوں سے عاجز آ کر راہب کا نام بتلا دیا حالانکہ راہب اس کو بتلا چکا تھا کہ اگر تم نے میرا نام بتلا دیا تو مفت میں میری جان جائے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مقرب بندے کو آخرت کے دائمی عذاب اور جہنم سے بچانے کے لئے دنیا میں ہی اس کا کفارہ کرا دیا جان کا بدلہ جان ہو گیا اور شہادت کا مرتبہ مزید برآں عطا فرما دیا۔ یہی گناہ اس خدا پرست مصاحب سے سرزد ہوا تھا اس کے قتل کو اس کے گناہ کا کفارہ، کرا دیا اور اس کو بھی شہادت کا مرتبہ مزید برآں عطا فرما دیا۔ خالص شہادت کا مرتبہ راہب کو نصیب ہوا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت ابدی زندگی کا دوسرا نام ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف شہدا کو "اموات" گمان کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ ان کو "اموات" کہنے سے بھی منع فرمایا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے والے "زندہ جاوید" ہو جاتے ہیں وہ کبھی نہیں مر سکتے۔

بتلاؤں اس پر عمل نہ کرو۔ بادشاہ نے کہا: وہ تدبیر کیا ہے؟ لڑکے نے کہا: تم (شہر کے باہر) کھلے میدان میں (شہر کے تمام) لوگوں کو جمع کرو اور سب کے سامنے تم مجھے (خدا پرستی کے جرم میں) سولی پر لٹکاؤ

پھر میرے ترکش میں سے ایک تیر نکالو (ان تیروں پر اللہ کا نام لکھا تھا) اور ان کو کمان کے چلہ پر چڑھاؤ اور بسم اللہ رب الغلام۔ اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے۔ کہہ کر میرے تیر مارو اگر پورے طور پر تم نے اس تدبیر پر عمل کیا تو تم مجھے قتل کر سکو گے (ورنہ نہیں) تو اس ناعاقبت اندیش دشمن حق بادشاہ نے (شہر کے تمام چھوٹے بڑے، عورت، مرد سب) لوگوں کو ایک بہت بڑے اور کھلے میدان میں جمع کیا اور اس خدا پرست لڑکے کو سولی پر لٹکایا۔ پھر اس کے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور کمان کے چلہ پر چڑھایا پھر کہا بسم اللہ رب الغلام اور تیر چلا دیا وہ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا تو لڑکے نے کنپٹی پر ہاتھ رکھ لیا اور مر گیا سب لوگ (اس خدائی کے دعویدار بادشاہ کی عاجزی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر اس خدا پرست لڑکے کو ہلاک نہ کر سکا یک زبان) کہنے لگے امنا برب الغلام (اور سارا شہر خدا پر ایمان لے آیا) تو بادشاہ کے پاس اس کے مصاحب آئے اور اس کو بتلایا کہ جس چیز سے آپ ڈرتے تھے بخدا وہ (خود آپ کے ہاتھوں) وقوع میں آ گئی تمام شہر کے باشندے اس لڑکے کے رب پر ایمان لا چکے ہیں بادشاہ یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے فوراً حکم دیا کہ شہر کے تمام شاہراہوں کے سروں پر بڑی بڑی خندقیں (کھائیاں) کھدوائی جائیں (اور ان کو آگ کی خوفناک الاؤ سے بھر دیا جائے) چنانچہ شاہی حکم کے مطابق (شہر میں آنے کے تمام راستوں پر) بڑی بڑی خندقیں کھود دی گئیں اور ان میں آگ کے الاؤ لگا دیئے گئے اور حکم دیا کہ جو کوئی شہر کا باشندہ اس مذہب کو نہ چھوڑے اسے زندہ آگ میں جلا دیا جائے چنانچہ بادشاہ کے نوکروں نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا لوگ جوق در جوق آتے اور (بخندہ پیشانی) آگ میں کود پڑتے ہیں یہاں تک کہ ایک ایمان دار عورت آئی اس کا شیر خوار بچہ بھی اس کے ساتھ تھا اس معصوم بچہ کی وجہ سے وہ آگ کی خندق میں کودنے سے ہچکچائی تو فوراً شیر خوار بچہ بلند آواز سے بولا: اے میری پیاری ماں صبر کر اور اس آگ میں کود جا بیشک تو حق پر ہے (یہ بھڑکتی ہوئی آگ خندق نہیں بلکہ گلزار ابراہیم ہے)

ذروۃ الجبل: پہاڑ کی چوٹی، یہ لفظ ذال کے زیر اور پیش دونوں سے ہے۔ قرقور: دونوں قاف پر پیش ہے، کشتی کی ایک قسم۔ صعید: کھلا میدان: اُخدود: زمین نہر کی طرح کھائیاں۔ اضرم: آگ جلائی گئی۔ انکفات پلٹ گئی۔ کفا کفاء (باب فتح) پھرنا، شکست کھانا۔ انکفا: (باب انفعال) متفرق ہونا، واپس ہونا، تقاعست: ٹھٹھک گئی، بزدلی پیدا ہو گئی۔ قعس قعسا (باب نصر) سینہ ابھار کر اور پیٹھ دھنسا کر چلنا۔ تقاعس (باب تفاعل) عن الامر: پیچھے ہٹنا۔

حدیث کی تشریح:

اس طویل حدیث اور واقعہ کے چند اہم فوائد

یہ طویل حدیث چند عظیم فوائد اور احکام پر مشتمل ہے

پہلا فائدہ:(۱)اول یہ کہ ہر ایمان لانے والے کے لئے "ابتلا" لابدی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

احسب الناس ان یترکوآ ان یقولوآ امناوھم لایفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین (عنکبوت:۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ آمنا۔ ہم ایمان لے آئے۔ کہنے پر ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو آزمائشوں میں نہیں ڈالا جائے گا اور بیشک ہم نے توان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائشوں میں ڈالا ہے پس اللہ (عملی طور پر) ضرور جان لے گا (آزمائے گا) ان لوگوں کو جنہوں نے سچ کہا (کہ ہم ایمان لے آئے) اور جان لے گا (آزمائے گا) ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔

یہ ابتلا اور آزمائش عام ہے خواہ جان یا مال پر کوئی مصیبت اور آفت آئے' چاہے فقر وافلاس میں مبتلا ہو' چاہے اور کسی بھی قسم کی دشواریاں اور مشکلات پیش آئیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرت' وبشر الصابرین الذین اذآ اصابتھم مصیبۃ قالوآ انااللہ وانا الیہ راجعون: (بقرہ.۱۵۶)

اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کسی قدر (دشمنوں کے) خوف سے اور بھوک (پیاس) سے اور کسی قدر (مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصانات سے اور (اے نبی) تم خوشخبری سنادوان مصیبتوں اور نقصانات پر) صبر کرنے والوں کو' جو جب بھی ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: بیشک ہم اللہ ہی کے لئے (زندہ) ہیں اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جانے والے ہیں"

مومن کیلئے مصیبتیں گھبرانے کی چیز نہیں ہیں بلکہ صبر کرنے کی صورت میں درجات بلند ہونے کا موجب ہیں

اس ابتلا اور آزمائش میں صبر وضبط کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ سے حسن ظن (نیک گمان) رکھنانہ صرف یہ کہ ایمان کی دلیل بلکہ **ھم درجات عند ربھم** ان کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں اللہ کے ہاں۔ کے تحت رفع درجات۔ مرتبوں کی بلندی۔ کا بھی موجب ہے چنانچہ جتنا اچھا اور کامل صبر ہوگا اتنا ہی کامل اور قوی ایمان ہوگا اس لئے ایسے ابتلا اور آزمائشیں ایک مومن کے لئے ہرگز گھبرانے یا مایوس ہونے کی چیز نہیں ہیں اگرچہ انسان کو از خود کوئی مصیبت اپنے سر مول لینا یا ابتلا کے وقت موت کی دعا مانگنا بھی ممنوع ہے بلکہ ادعیہ ماثورہ۔ مسنون دعاؤں۔ میں اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت کی دعا مانگتے رہنے کی تاکید آئی ہے اسی طرح کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت کو رفع کر دینے کی دعا کرنا اور عالم اسباب میں مصیبت سے بچنے یا اس سے نجات پانے کی

تدبیریں اختیار کرنا اور اس کے لئے جد وجہد کرنا بھی صبر کے منافی نہیں ہے بلکہ اس طرح کی کوششیں پسندیدہ ہیں۔

غرض اس طویل حدیث میں اہل ایمان پر محض مسلمان ہونے کی وجہ سے جو آزمائشیں اور مصیبتیں پیش آئیں ان میں صبر وضبط' ثابت قدمی وپامردی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ ان خدا پرست عیسائیوں نے اختیار کر لیا تھا اور اسی غرض سے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ

یاد رکھئے! مسلمان پر مصیبتیں' بلائیں اور آفتیں اس کی بداعمالیوں' احکام الٰہیہ کی نافرمانیوں اور گناہوں کی سزا کے طور پر بھی آتی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر (شوری: ۳۰)

اور جو مصیبت بھی تمہارے اوپر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے کاموں (بداعمالیوں) کا نتیجہ ہوتی ہے اور بہت سے (گناہ اور خطائیں تو اللہ تعالیٰ (ویسے ہی) معاف فرمادیتے ہیں۔

اس لئے ہر مصیبت میں گرفتار مسلمان کو اپنے اگلے پچھلے تمام اعمال کا فوراً جائزہ بھی لینا چاہئے اور اگلے پچھلے' علانیہ' خفیہ کئے ہوئے گناہوں سے صدق دل سے توبہ اور استغفار بھی کرتے رہنا چاہئے اور اس صورت میں بھی ان پر نہ صرف صبر کرنا چاہئے بلکہ شکر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی دے کر آخرت کے عذاب الیم (دردناک عذاب) سے بچا دیا یہ اس کے غایت کرم اور شفقت کی دلیل ہے۔ بہرحال صبر وشکر کے ساتھ ساتھ توبہ واستغفار بھی از بس ضروری ہے۔

دوسرا فائدہ، کرامت کا بیان

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہیں اور اللہ کے رسول کے دنیا میں موجود نہ ہونے کے زمانہ میں یہ کرامتیں مخلوق کے لئے دین وایمان کی رہنمائی کا سبب بھی بنتی ہیں اس خدا پرست عیسائی لڑکے کا ایمان لانے کا وعدہ کرنے والے لاعلاج مریضوں کو محض اللہ سے دعا کے ذریعہ تندرست کر دینا اس کی کرامت تھی مگر اس کی خدا پرستی دیکھئے کہ شفا دینے والا صرف اپنے رب کو بتلاتا ہے اور خود کو محض دعا گو کہتا ہے اولیاء اللہ کی شان یہی ہوتی کہ وہ کرامت کے ذریعے کسی کام کے ہو جانے کو اپنا کارنامہ ہرگز نہیں قرار دیتے اس مقرب بارگاہ الٰہی عیسائی لڑکے کی یہ کرامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھی۔

کرامت اور معجزہ میں فرق

معجزہ اور کرامت میں اہم ترین فرق یہی ہے کہ صاحب کرامت ولی کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا اور اس کو اپنا کوئی کارنامہ بھی نہیں بتلاتا بلکہ اس کے برعکس علانیہ رسول کے اُمتی ہونے کا اعلان کرتا ہے اور اس کرامت کو اللہ

تعالیٰ کا فضل اور رسول کا فیض بتلاتا ہے وہ لوگوں کو اپنی کرامت وولایت کے ماننے کی دعوت دینے کی بجائے ان کو اپنے رب کی عبادت وطاعت کی دعوت دیتا ہے۔

دوسرا فرق

معجزہ اور کرامت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ معجزہ نبی کے مرسل من اللہ (اللہ کا فرستادہ نبی) ہونے کی دلیل ہوتا ہے اس معجزہ کی بنا پر ہی اس نبی پر اور اس کی نبوت پر ایمان لانا لوگوں پر فرض ہوتا ہے اس کے برعکس کرامت نہ ولی کی ولایت کی دلیل ہوتی ہے اور نہ ہی کرامت کی بنا پر کسی ولی کی ولایت کو ماننا ضروری ہوتا ہے اسی معنیٰ کے اعتبار سے کرامات الاولیاء حق امت مسلمہ کے عقائد میں داخل ہے۔

آج کل کے ولیوں کی کرامتیں

آج کل دکاندار قسم کے صاحب کرامت ولیوں کا بہت زور ہے ان سے بچنے کے لئے ہم نے ذرا وضاحت کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے ان کی کرامتیں عموماً مسمریزم' شعبدے' نظر بندی وغیرہ کی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔

سچے ولیوں کی پہچان

اولیاء اللہ کی سب سے بڑی پہچان اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پابندیٔ احکام شرعیہ ہے خصوصاً حقوق العباد کی ادائیگی اس کے بعد ورع و تقویٰ جس کا بیان آپ عنقریب پڑھیں گے) میں جس قدر کوئی شخص بلند درجہ پر ہے اسی قدر وہ اللہ کا مقرب بندہ اور پہنچا ہوا ولی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

الاان اولیآء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون'

یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

الذین امنوا وکانوا یتقون (یونس ٦٢.٦٣)

وہ لوگ جو (ایمان لائے اور اللہ سے) ڈرتے رہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر کوئی اللہ کا ولی ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا جو شخص تقویٰ کے معیار پر پورا نہ ہو وہ کچھ بھی کرشمے دکھلائے سمجھ لو یہ سب "شعبدے" ہیں خدا مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے بچائے آمین۔

صبر کی ایک اہم شرط

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : مَرَّ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بامرأةٍ تَبكي عِنْدَ قَبْر ، فَقَالَ :" اتّقِي الله واصبِري " فَقَالَتْ : إلَيْكَ عَنِّي ؛ فإنَّكَ لم تُصَبْ بمُصِيبَتِي وَلَمْ تعرِفْهُ ، فَقيلَ لَهَا : إنَّه النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأتَتْ بَابَ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمْ

تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِينَ ، فقالتْ : لَمْ أعْرِفكَ ، فَقَالَ : " إنَّمَا الصَبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُولى " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي روايةٍ لمسلم : " تبكي عَلَى صَبيٍّ لَهَا " .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر (جاہلیت کی رسم کے مطابق) رو رہی تھی (اور بین کر رہی تھی) تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نیک بخت عورت!) خدا سے ڈر اور صبر کر" تو اس (نادان) عورت نے کہا: ہٹ پرے، نہ تجھ پر میری جیسی مصیبت پڑی ہے نہ تو اس سے واقف ہے (جب ہی تو مجھے نصیحت کر رہا ہے) اس عورت نے (شدت غم واندوہ میں) آپ کو نہ پہچانا تو لوگوں نے اس سے کہا: (بیوقوف عورت!) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ عورت (سٹپٹا گئی اور) آپ کے دروازہ پر (دوڑی) آئی مگر وہاں اس نے نہ کوئی دربان پایا نہ پاسبان (تو وہ حیران رہ گئی اس نے سمجھا تھا کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح آپ کے دروازے پر جنے کتنے دربان وپاسبان ہوں گے بہر حال) اس عورت نے عرض کیا: حضور! میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا (آپ میری گستاخی معاف کر دیجئے) تو آپ نے فرمایا! صبر تو صرف وہی ہے جو صدمہ پڑتے ہی کیا جائے (اب کیا ہوتا ہے) صحیح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اس عورت کا بچہ مر گیا تھا (اس پر) وہ رو رہی تھی (اور بین کر رہی تھی)

صبر کی اس اہم شرط کی وجہ

تشریح: اس حدیث پاک میں رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی ایک اہم شرط اور انسانی فطرت کی ایک اہم خصوصیت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے ناقابل برداشت صدمہ اور غم کو بھی انسان وقت گزرنے پر بھول جایا کرتا ہے مرور وقت کو صدمہ اور غم کے بہلا دینے یا قابل برداشت بنا دینے میں بڑا دخل ہے صدمہ پڑنے کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے صدمہ اور غم کا ناقابل برداشت بوجھ ہلکا اور قابل برداشت ہوتا جاتا ہے اور پھر یا بالکل بھول جاتا ہے یا معمولی سی بات بن کر رہ جاتا ہے لہٰذا وہ صبر جس پر اللہ تعالیٰ نے بیکراں اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور جو اولوالعزم انبیاء ورسل کا "شعار" ہے وہ صرف وہی ہے جو صدمہ پڑتے ہی کیا جائے اور شدید ترین احساس غم واندوہ کے باوجود محض اللہ' مالک ملک کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے۔

صبر کا ایک اہم مقام اور اس کی جزا

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " يَقُولُ اللهُ تعَالَى : مَا لعَبدِي المُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إلاَّ الجَنَّةَ" رواه البخاري.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے جس مومن بندے کی دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہستی (مثلاً اکلوتے

بیٹے) کو جب اس سے چھین لوں اور وہ اس پر (بنیت اجر وثواب) صبر اختیار کرے تو اس (سراپا تسلیم) مومن بندے کے لئے میرے پاس جنت کے سوا اور کوئی جزائے خیر نہیں ہے۔

تشریح۔ صبر کی حقیقت کا ایک پہلو

حدیث میں لفظ ثم احتسبه آیا ہے‘ عربی میں احتساب کا لفظ ”حسبان“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سمجھنا‘ گمان کرنا‘ لہٰذا کلام نبوت علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیم میں احتساب کے معنی ہیں کسی دشوار اور بامشقت کام کو اجر وثواب کا موجب سمجھ کر اختیار کرنا یہی صبر کی عند اللہ مطلوب حقیقت ہے۔

صبر کا ایک اور اہم مرتبہ اور اس کی جزاء عظیم

وعن عائشةَ رضيَ اللهُ عنها: أنَّها سألَتْ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطّاعُونِ، فَأَخْبَرَها أنَّهُ كَانَ عَذاباً يَبْعَثُهُ اللهُ تَعالَى عَلَى مَنْ يشاءُ، فَجعَلَهُ اللهُ تعالى رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ، فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقعُ فِي الطَّاعُونِ فيمكثُ في بلدِهِ صَابراً مُحْتَسِباً يَعْلَمُ أَنَّهُ لا يصيبُهُ إلاَّ مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إلاَّ كَانَ لَهُ مِثْلُ أجْرِ الشّهيدِ. رواه البخاري.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ”طاعون“ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے بتلایا: یہ (طاعون میری اُمت سے پہلے) اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب تھا جس (سرکش ونافرمان) قوم پر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا اس کو مسلط فرما دیتا تھا۔

لیکن میری اُمت کے اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی طاعون کو ایک رحمت کا ذریعہ بنا دیا چنانچہ جو بھی اللہ تعالیٰ کا مومن بندہ طاعون کی وبا میں گھر جائے اور صبر وضبط کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے) بنیت اجر وثواب اپنی (طاعون زدہ) بستی میں مقیم رہے اس یقین کے ساتھ کہ مجھ پر وہی مصیبت آسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دی ہے (اگر میرا اس مرض میں مبتلا ہونا مقدر نہیں ہے تو میں ہرگز ہرگز بیمار نہ ہوں گا اور اگر مقدر ہے۔ تو ہرگز نہیں بچ سکتا چاہے اس بستی میں رہوں چاہے نہ رہوں پھر یہاں سے بھاگنے سے کیا فائدہ) تو اس (صبر وضبط اور یقین وایمان پر اس) کا اجر وثواب شہید کے اجر کی مانند ہوگا (اور اس طرح یہ طاعون اس کے لئے باعث رحمت بن جائے گا)۔

تشریح۔ اجر عظیم کی وجہ اور شریعت کا حکم

شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ جس بستی میں طاعون پھیلا ہوا ہو کوئی مسلمان طاعون کے ڈر سے اس بستی سے ہرگز نہ بھاگے اگرچہ اسی کیساتھ یہ بھی حکم ہے کہ جس بستی میں طاعون یا اور کوئی وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو بغیر کسی شدید ضرورت یا مجبوری کے وہاں نہ جانا چاہئے اصل یہ ہے کہ نہ صرف دنیا کی ان

قوموں میں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتیں بلکہ ضعیف الایمان مسلمانوں میں بھی بیمار سے چھوت چھات اور ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانے کا عقیدہ راسخ ہو چکا ہے۔

اسلام میں چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں

اسلام نے بڑی شدت کے ساتھ اس بیماری کے لگنے کی تردید کی ہے قرآن عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ:

لن یصیبنآ الاما کتب اللہ لناھو مولنا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون (توبہ: ۵۱)

"ہرگز ہرگز نہیں آئے گی ہم پر کوئی مصیبت بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لاعدوی ولاطیرۃ فی الاسلام : نہ اسلام میں بیماری لگنے کی کوئی حقیقت ہے نہ بدشگونی کی۔

لہٰذا ایک خدا پر پختہ ایمان لانے والے مسلمان سے قطعاً بعید ہے کہ وہ کسی طاعون زدہ بستی سے بھاگے یا طاعون کے مریض کی عیادت کو نہ جائے۔

جس بستی میں وبا پھیلی ہوئی ہو اس میں نہ جانے کے حکم کی وجہ

باقی دوسرے حکم کا مقصد صرف مسلمان کے عقیدہ کو خراب ہونے سے بچانا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی طاعون زدہ بستی میں چلا گیا اور وہاں چلے جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ قضاء الٰہی سے بیمار ہو گیا تو خدانکردہ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس بستی میں آنے کی وجہ سے میں بیمار ہو نہ یہاں آتا نہ بیمار ہوتا حالانکہ جب اس کے مقدر میں تھا کہ وہ اس مرض میں گرفتار ہو گا تو چاہے یہاں آتا یا نہ آتا ضرور بیمار ہوتا جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ظاہر ہے بہرحال طبعی طور پر طاعون زدہ بستی سے نہ بھاگنا بڑے دل جگرے کا کام ہے اور صبر واستقلال اور ایمان کی پختگی کی دلیل ہے اسی لئے اس کا اجر وثواب شہید کے برابر ہے۔

شہید کے برابر ثواب ملنے کی وجہ

اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والا موت کی پرواہ کئے بغیر میدان جنگ یعنی "موت کے منہ" میں چلا جاتا ہے اسی طرح یہ شخص بھی موت کی پرواہ کئے بغیر اس طاعون زدہ بستی میں مقیم رہتا ہے اور بیماروں کی تیمارداری یا عیادت کر کے گوناگوں اجر وثواب سمیٹتا ہے باقی موت تو جب آنی ہو گی، آکر رہے گی، کہیں بھی ہو، وہ کسی طرح نہیں ٹل سکتی پھر اجر وثواب سے خود کو محروم کرنا سراسر حماقت اور ضعف ایمان کا نتیجہ ہے۔

اس زمانہ کی جہالت

اس ترقی یافتہ دور میں خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ میں "بیماری لگنے" یا کہئے "بیماری کے جراثیم" لگ جانے کا ہوا بری

طرح دماغوں پر مسلط ہے بیمار کا تو ذکر ہی کیا تندرست لوگ بھی ایک دوسرے کے گلاس تک میں پانی نہیں پیتے حد یہ ہے کہ بعض خردماغ لوگ تو ہسپتال کے پاس سے گزرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ سانس کے ذریعہ مریضوں کے جراثیم منہ اور ناک میں گھس جائیں گے یہ کیفیت نہ صرف ایمان باللہ کے ضعف کی' بلکہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور جہالت کی دلیل ہے حالانکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے جھوٹے کو "شفا" بتلایا ہے برا ہو جہالت کا۔

صبر کا ایک اور اہم مقام اور اس کا اجر عظیم

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : سمعتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " إنَّ الله عز وجل ، قَالَ : إِذَا ابْتَلَيْتُ عبدي بحَبيبتَيه فَصَبرَ عَوَّضتُهُ مِنهُمَا الجَنَّةَ " يريد عينيه ، رواه البخاري

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جب میں اپنے کسی بندے کی دونوں محبوب ترین چیزیں یعنی آنکھیں (اس کے صبر و ضبط کی آزمائش کیلئے) لے لیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے (اور راضی برضا مولیٰ زندگی بسر کر دیتا ہے) تو میں اس کو ان کے عوض جنت ہی دیتا ہوں۔

تشریح۔ اس اجر عظیم کی وجہ اور ہماری حالت

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک صابر و شاکر نابینا بندے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر و منزلت ہے مگر برا ہو ہماری اس نخوت پرستی کا کہ ہم عام طور پر ایک نابینا مسلمان کو حقیر و خوار انسان سمجھتے ہیں اس کا احترام تو کجا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا شادی بیاہ بھی گوارا نہیں کرتے اگر اس کی کسی طرح کی امداد کرتے ہیں تو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھ کر حالانکہ اس حدیث کی روشنی میں وہ بڑی عزت و احترام کا مستحق ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک مومن نابینا عبداللہ بن اُم مکتومؓ) سے بے اعتنائی" برتنے پر۔ حالانکہ وہ ایک خالص دینی مصلحت کے تحت تھی پھر بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا عتاب فرمایا کہ پوری سورت عبس نازل فرمادی چنانچہ اس کے بعد جب بھی آپ کی خدمت میں وہ آتے تو آپ عاتبني فيه ربي. یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ فرما کر "خوش آمدید" کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

جنتی عورت

وعن عطاء بن أبي رَباحٍ ، قَالَ : قَالَ لي ابنُ عَباسٍ رضي اللهُ عنهما : ألاَ أُرِيكَ امْرَأةً مِنْ أَهْلِ الجَنَّة ؟ فَقُلْتُ: بَلَى، قَالَ : هذِهِ المَرْأَةُ السَّوداءُ أتتِ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَتْ : إنّي أُصْرَعُ ، وإنِّي أتَكَشَّفُ ، فادْعُ الله تَعَالَى لي . قَالَ : " إنْ شئْتِ صَبَرتِ وَلَكِ

الجَنَّةُ ، وَإنْ شئْتِ دَعوتُ الله تَعالَى أنْ يُعَافِيكِ " فَقَالَتْ : أَصْبِرُ ، فَقالَتْ : إنّي أتَكشَّفُ فَادعُ الله أنْ لا أتَكشَّف ، فَدَعَا لَهَا . مُتَّفقٌ عَليَهِ .

ترجمه: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: (ایک دن) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کیا تم جنتی عورت کو دیکھنا پسند نہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ کہنے لگے: دیکھو یہ سیاہ فام عورت جنتی ہے یہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ پر مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور اس دورہ کی حالت میں میرا بدن کھل جاتا ہے (مجھے برہنگی کے گناہ میں پکڑے جانے کا ڈر ہے) آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس موذی مرض سے نجات دے دے آپ نے فرمایا تو چاہے تو اس (لاعلاج) بیماری پر صبر کر' اور اس صبر کے صلہ میں جنت لے لے اور تو چاہے تو میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ تجھے اس مرض سے نجات دے دے" اس عورت نے عرض کیا میں (بخوشی) صبر کرتی ہوں پھر عرض کیا تو اسکے لئے تو دعا فرما دیجئے کہ میرا بدن (دورہ کے وقت) نہ کھلے' تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرما دی۔

صبر کا ایک اور اہم مقام اور ایک سبق آموز واقعہ

تشریح: اس سیاہ فام جنتی عورت کا خوف و خشیت دیکھنے اور سبق لینے کے قابل ہے مرگی جیسے موذی اور روح فرسا مرض کی اذیت اور تکلیف سے بچنے کی غرض سے اچھا ہونے کی دعا نہیں کرانا چاہتی بلکہ برہنگی کے گناہ اور معصیت سے بچنے کی غرض سے تندرست ہونے کی دعا کرانا چاہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اسی جذبہ کو محسوس فرما کر اسے اختیار دیا کہئے صبر کرنے کی تلقین فرمائی چنانچہ اس نے دنیا کی چند روزہ تکلیف برداشت کرنے اور اس کے عوض جنت یعنی ابدی مقام قرب و رضا الٰہی میسر آنے کو تندرست ہونے پر ترجیح دی اور پھر برہنگی کے گناہ اور عار سے بچنے کی غرض سے صرف دورہ کے وقت بدن نہ کھلنے کی دعا کرائی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس خوف کو دور کرنے کے لئے بدن نہ کھلنے کی دعا فرما دی جو یقیناً مقبول ہوئی ہوگی تاکہ وہ مطمئن ہو جائے ورنہ تو ایسی بے ہوشی کی حالت میں بے اختیار بدن کھل جانا نہ گناہ ہے نہ معصیت۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل میں ایسا ہی خوف و خشیت پیدا فرما دیں۔

انبیاء علیہم السلام کے صبر کا امتحان

وعن أبي عبد الرحمان عبدِ الله بن مسعودٍ رضي الله عنه ، قَالَ : كَأنِّي أنْظُرُ إلَى رسول الله صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِي نَبِيّاً مِنَ الأَنبياء ، صَلَواتُ الله وَسَلامُهُ عَلَيْهِم ، ضَرَبه قَوْمُهُ فَأدْمَوه، وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ، يَقُولُ: " اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَومي ، فَإنَّهُمْ لا يَعْلَمونَ " مُتَّفقٌ عليهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ' سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ منظر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک نبی کا واقعہ بیان فرمارہے تھے کہ اس (رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم) نبی کو اس کی قوم نے مارتے مارتے لہولہان کر دیا اور وہ (اولوالعزم) نبی اپنے چہرہ سے خون پونچھتا جارہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے اللہ! تو میری قوم کے اس گناہ کو معاف کردے یہ نادان" ہیں جانتے نہیں (کسی خلاصۂ کائنات ہستی پر دست درازی کر رہے ہیں)

یہ اولوالعزم نبی کون ہیں

تشریح: یہ نبی خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ واقعہ جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل فراخ حوصلگی بلند ہمتی اور صبر کی روشن دلیل ہے طائف میں اس وقت پیش آیا جب آپ مکہ سے اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے تفصیلات "سیرت" کی کتابوں میں ضرور پڑھیئے ایمان تازہ ہو گا۔

معمولی سے معمولی مصیبت یا دکھ تکلیف پر صبر کرنا بھی خطاؤں کا کفارہ بنتا ہے

وعن أبي سعيدٍ وأبي هريرةَ رضيَ الله عنهما ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :"مَا يُصيبُ المُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ ، وَلاَ وَصَبٍ، وَلاَ هَمٍّ ، وَلاَ حزَن ، وَلاَ أذىً ، وَلاَ غَمٍّ ، حَتَّى الشَّوكَةُ يُشَاكُهَا إلاَّ كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .و" الوَصَبُ " : المرض .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ نے فرمایا: مسلمان کسی بھی مشقت وتعب میں 'دکھ بیماری' فکر و پریشانی میں' غم واندوہ میں یا تکلیف واذیت میں گرفتار ہو یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی لگ جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس (تکلیف یا مصیبت) کو اس کی خطاؤں کا کفارہ بنادیتے ہیں۔

معمولی معمولی چیزوں پر صبر کرنے کا فائدہ

تشریح: اس حدیث پاک کے تحت ہر معمولی سے معمولی مصیبت یا تکلیف بھی ثواب کی نیت سے اس پر صبر وضبط اختیار کرنے کی صورت میں مسلمان کے لئے رحمت بن جاتی ہے یعنی خطاؤں کا کفارہ بن جاتی ہے اور صبر کرنے کا مستقل ملکہ اور عادت پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اس حدیث پاک میں اسی بناء پر معمولی سے معمولی دکھ تکلیف یا مصیبت پر صبر کی ترغیب دی گئی ہے اس لئے انسان کا فرض ہے کہ ہر چھوٹی بڑی مصیبت یا تکلیف جونہی پیش آئے قرآن کریم کی تعلیم کے تحت فوراً اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے گناہوں سے توبہ

واستغفار کرے اور صبر وضبط کے ساتھ جائز تدابیر اختیار کرے ان شاء اللہ بہت جلد رستگاری نصیب ہو گی اور گناہوں کے کفارہ میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

صبر کرنے سے خطائیں اور گناہ خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں

وعن ابنِ مسعودٍ رضي الله عنه ، قَالَ : دخلتُ عَلَى النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وهو يُوعَكُ ، فقلت : يَا رسُولَ الله ، إنَّكَ تُوعَكُ وَعْكاً شَدِيداً ، قَالَ : " أَجَلْ ، إنِّي أوعَكُ كما يُوعَكُ رَجُلان مِنكُمْ " قلْتُ: ذلِكَ أنَّ لَكَ أجْرين ؟ قَالَ : " أَجَلْ ، ذلِكَ كَذلِكَ ، مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصيبُهُ أذىً ، شَوْكَةٌ فَما فَوقَهَا إلاَّ كَفَّرَ اللهُ بهَا سَيِّئَاتِهِ ، وَحُطَّتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وَ" الوَعْكُ " : مَغْثُ الحُمَّى ، وَقيلَ : الحُمَّى .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں(ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی مزاج پرسی کیلئے) حجرۂ مبارک میں داخل ہوا آپ کو بڑے زور کا بخار چڑھا ہوا تھا میں نے (جسم مبارک پر ہاتھ لگا کر بخار کی شدت کو محسوس کیا تو) عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو تو بڑی شدت کا بخار چڑھا ہوا ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تو بخار بھی تم میں کے دو آدمیوں کے برابر زور کا چڑھتا ہے" میں نے عرض کیا: جی ہاں اسی لئے تو آپ کا اجر بھی دگنا ہے آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے (اس کے بعد) آپ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی بھی تکلیف میں مبتلا ہو چاہے کانٹا یا اس سے بھی کمتر کوئی چیز چبھ جائے (اور وہ بنیت اجر وثواب اس پر صبر کرے) تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو اس کی خطاؤں کا کفارہ بنا دیتے ہیں اور اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے (موسم خزاں میں) درخت کے پتے گر جایا کرتے ہیں۔

ہر ایک کے صبر کا امتحان اس کے رتبہ کے اعتبار سے لیا جاتا ہے

تشریح: سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض اور دکھ بیماریوں کی یہ دو چند سہ چند شدت آپ کے غایت قرب الٰہی اور عند اللہ بلند ترین مرتبہ پر فائز ہونے پر مبنی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

اشدالناس بلآء الانبیآء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینه فان کان فی دینه صلباً اشتدبلآء ہ و ان کان فی دینه رقیقاً ہون علیه.

سب سے زیادہ سخت آزمائش نبیوں کی ہوتی ہے اس کے بعد جو ان سے ملتے جلتے ہوں پھر جو ان سے ملتے جلتے ہوں آدمی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے پس اگر وہ دین میں پختہ اور محکم ہوتا ہے تو اس کی

آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ دین میں نرم اور کمزور ہوتا ہے تو اس پر آسانی کی جاتی ہے (اس لئے کہ یہ آزمائش اور مصیبتوں میں گرفتاری تو اس کے درجے بلند کرنے کے لئے ہوتی ہے)

موت کی شدت بھی مرنے والے کے صبر کا امتحان اور درجات کی بلندی کا وسیلہ ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کسی کو آسانی سے مرتا دیکھتیں تو اس پر رشک کرتیں موت کی شدت اور سکرات موت کی تکلیفوں کو خدا کا عذاب سمجھتی تھیں اور موت کی سہولت اور آسانی کو اللہ تعالیٰ کی قابل رشک رحمت سمجھتی تھیں مگر جب انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کی شدت کا عالم بچشم خود دیکھا تو ان کو اپنی کوتاہ فہمی کا احساس ہوا اور اس کے بعد فرماتی ہیں۔

مآاغبط احداًبھون موته بعدالذی رایت من شدة موت رسول الله صلی الله علیه وسلم .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت کی کیفیت دیکھ لینے کے بعد اب میں کسی کی موت کی آسانی پر رشک نہیں کرتی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ موت کی سہولت اور آسانی اللہ کی "رحمت" نہیں ہے اس لئے کہ مسنون دعاؤں میں موت کی سختی سے پناہ مانگنے اور موت کی آسانی کی دعا مانگنے کا ذکر آتا ہے یہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کی آخری آزمائش تھی باقی اور انبیاء اکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صبر تو ضرب المثل ہے قرآن کریم میں ان کی بیماریوں مصیبتوں اور ان پر صبر کا حال تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

مصیبتیں مومن کیلئے باعث خیر ہیں

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْراً يُصِبْ مِنْهُ " رواه البخاري .وَضَبَطُوا "يُصِبْ" بفَتْح الصَّاد وكَسْرها[٣] .

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی خیر پہنچانا چاہتے ہیں (یعنی بلند مرتبہ عطا فرمانا چاہتے ہیں) اسے کسی مصیبت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

مصیبتیں کن لوگوں کیلئے درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہیں

تشریح: یہ اللہ کے وہی نیکو کار بندے ہوتے ہیں جن کے مصیبت میں گرفتار ہونے کا بظاہر کوئی سبب گناہ وغیرہ نظر نہیں آتا انتہا درجہ کے نیکوکار اور پرہیزگار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکوکاری سے خوش ہو کر جنت میں جو

اعلیٰ درجات ان کو دینا چاہتے ہیں ان کو حاصل کرنے کیلئے جہاں اور نیک کاموں کی ان کو توفیق دیتے ہیں وہیں مصیبت میں گرفتار کرکے صبر کرنے کی توفیق بھی دے دیتے ہیں تاکہ مرنے سے پہلے وہ ہر اعتبار سے ان درجات کے مستحق ہو جائیں سبحان اللہ کیا شان کریمی ہے رب العالمین کی پڑھیئے سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

کیسی ہی مصیبتیں آئیں موت کی دعا ہرگز نہ مانگنی چاہیئے

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ المَوتَ لِضُرٍّ أَصابَهُ، فَإِنْ كَانَ لاَ بُدَّ فاعلاً ، فَليَقُلْ : اللَّهُمَّ أَحْيِني مَا كَانَتِ الحَيَاةُ خَيراً لِي، وَتَوفَّنِي إِذَا كَانَتِ الوَفَاةُ خَيراً لِي " مُتَّفقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز نہ کرے زیادہ سے زیادہ یہ دعا کیا کرے اے اللہ تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہو اور جب مرجانا میرے لئے بہتر ہو تو اس وقت مجھے دنیا سے اٹھالے۔

موت کی دعا کیوں نہ مانگنی چاہیئے

تشریح: عام طور پر لوگ بیماری کی شدت یا درازی سے گھبرا کر موت کی دعا مانگنے لگتے ہیں یہ بڑی نادانی کی بات ہے اس لئے کہ موت کا تو جو وقت مقرر ہے اسی وقت آئے گی موت کی تمنا یا دعا کرکے بلاوجہ اور بلا فائدہ خود کو اجر و ثواب سے محروم کرلیتے ہیں اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں موت کی تمنا سے سختی سے منع فرمایا ہے اسی کے ساتھ مذکورہ بالا دعا کرنے کی تلقین فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ زندہ رکھیں سمجھنا چاہیئے کہ زندہ رہنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔

پہلی اُمتوں کے اہل ایمان پر کیسی کیسی مصیبتیں آئی ہیں

وعن أبي عبد الله خَبَّاب بن الأَرَتِّ رضي الله عنه ، قَالَ : شَكَوْنَا إِلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ في ظِلِّ الكَعْبَةِ ، فقُلْنَا : أَلاَ تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلاَ تَدْعُو لَنَا ؟ فَقَالَ : " قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ في الأَرضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا ، ثُمَّ يُؤْتَى بِالمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ ، مَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ ، وَاللهِ لَيُتِمَّنَّ اللهُ هَذَا الأَمْر حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوتَ لاَ يَخَافُ إِلاَّ اللهَ والذِّئْب عَلَى غَنَمِهِ ، ولكنكم تَسْتَعجِلُونَ " رواه البخاري .

وفي رواية : " وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً وَقَدْ لَقِينا مِنَ المُشْرِكِينَ شِدَّةً "

ترجمہ: حضرت ابو عبداللہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: (ایک مرتبہ) ہم نے (قریش کے وحشیانہ مظالم سے عاجز آکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب نہیں کرتے؟ (اس ظلم وجور سے رستگاری کی) ہمارے لئے دعا نہیں کرتے؟ آپ اس وقت کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ میں اپنی چادر کا تکیہ لگائے (آرام سے) بیٹھے ہوئے تھے (یہ شکوہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے اور) فرمایا: (تم ابھی سے تلملا اُٹھے؟ ارے) تم سے پہلی امتوں میں تو (خدا پر) ایمان لانے والے شخص کو (ایمان کے جرم میں) گرفتار کیا جاتا پھر اس کے لئے زمین میں قد آدم) گڑھا کھودا جاتا پھر اس مومن کو اس میں کھڑا کیا جاتا تھا (اور مٹی بھر دی جاتی تھی) پھر آرالایا جاتا پھر اس کے بیچ سر پر رکھا جاتا اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور (یا) لوہے کے کنگھیوں سے اس کے بدن کا گوشت ہڈیوں تک کھرچ کر اُتار دیا جاتا اور یہ (وحشیانہ مظالم) بھی اس کو اللہ تعالیٰ کے دین و ایمان سے منحرف نہ کر پاتے۔

خدا کی قسم اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ وہ) اس دین کو ضرور بالضرور تمام و کمال کی حد تک پہنچا کر (اور روئے زمین پر پھیلا کر) رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار (تن تنہا) صنعا (یمن) سے چل کر حضر موت پہنچ جائے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا ڈر اور خوف نہ ہو گا یا (زیادہ سے زیادہ) بکریوں پر بھیڑیئے کا ڈر ہو گا ایک روایت میں حضرت خبابؓ اس شکایت کا عذر پیش کرتے ہیں ہم قریش کے (بیر حمانہ) سختیوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے"۔

اس اُمت کی اور پہلی اُمتوں کی آزمائشوں میں فرق اور اس کی وجہ

تشریح: پہلی امتوں کے مومنین پر مظالم کا کچھ تذکرہ اجمالی طور پر قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے خندقوں والوں کا قصہ آپ اسی باب میں پڑھ چکے ہیں اور تاریخ خصوصاً بنی اسرائیل کی تاریخ کی کتابیں تو ان قصوں سے بھری پڑی ہیں یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سر تاپا رحمت ذات گرامی کا فیض ہے کہ اس امت کے مومنین پر محض ایمان لانے کے جرم میں اس قسم کے لرزہ خیز وحشیانہ مظالم نہیں ہوئے بیشک ابتداء میں قریش نے کچھ وحشیانہ مظالم کئے مگر وہ اس طرح کے لرزہ خیز نہ تھے اور بہت تھوڑی مدت جاری رہے اور وہ بھی چند گنے چنے افراد پر اور ہر مظلوم مسلمان کو جلد ہی کسی نہ کسی طرح نجات مل گئی الاماشاءاللہ اسی لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس شکوہ پر چیں بجبیں ہوئے اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور نصیحت کیساتھ ساتھ صبر کرنے کی تلقین فرمادی بہر صورت مسلمانوں کی مکی زندگی کی تاریخ قریش کے ان مظالم اور مسلمانوں کے ان پر صبر کرنے کی شاہد یہ اس کو ضرور پڑھیئے تاکہ ایمان تازہ ہو۔

عظیم بشارت

حدیث کے آخری حصہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانون کو بشارت دے رہے ہیں کہ عنقریب

جزیرۃ العرب خدا، رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں سے پاک وصاف ہو جائے گا اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے نظام عدل وانصاف اور احکام جرم وسزا کے نفاذ کے بعد امن وامان اس قدر عام ہو جائے گا کہ نہ کفار اور دشمنانِ اسلام کا نام ونشان جزیرۃ العرب میں باقی رہے گا اور نہ کسی جرائم پیشہ چور ڈاکو کی ہمت ہوگی کہ کسی مسلمان کی جان ومال پر دست درازی کر سکے اس لئے کہ اسلام ہر مسلمان یا ذمی۔ غیر مسلم رعایا۔ کی جان ومال کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے ہاں صرف جنگلوں بیابانوں میں درندے تو باقی رہ جائیں گے جن سے مسافروں کو بچنے کی فکر ہوگی انسان کے جان ومال کا دشمن انسان، کوئی باقی نہ رہے گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی جزیرۃ العرب کافر ومشرک کے وجود سے پاک ہو گیا تھا صرف کچھ یہودی اور نصرانی جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلامی حکومت کی رعایا کے طور پر رہ گئے تھے سو آپ نے وفات سے پہلے وصیت فرمادی تھی اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کو ضرور نکال دینا) چنانچہ عہد فاروقی ہی میں یہ وصیت اس طرح پوری کی گئی کہ اس وقت سے اس وقت تک کوئی غیر مسلم جزیرۃ العرب میں مستقل سکونت اختیار نہ کر سکا آج بھی اسلامی حکومت کے اجازت نامے (ویزا) کے بغیر کوئی کافر حجاز میں داخل نہیں ہو سکتا مستقل سکونت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ مندی اور بے مثل صبر وضبط کا ایک واقعہ

وعن ابن مسعودٍ رضي الله عنه ، قَالَ : لَمَّا كَانَ يومُ حُنَيْنٍ آثَرَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاساً في القسْمَةِ ، فَأَعْطَى الأَقْرَعَ بْنَ حَابسٍ مئَةً مِنَ الإبِلِ ، وَأَعطَى عُيَيْنَةَ بْنَ حصن مِثْلَ ذلِكَ ، وَأَعطَى نَاساً مِنْ أَشْرافِ العَرَبِ وآثَرَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي القسْمَةِ . فَقَالَ رَجُلٌ : واللهِ إنَّ هذِهِ قِسْمَةٌ مَا عُدِلَ فِيهَا ، وَمَا أُرِيدَ فيهَا وَجْهُ اللهِ ، فَقُلْتُ : وَاللهِ لأُخْبِرَنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأَتَيْتُهُ فَأخبرتُهُ بمَا قَالَ ، فَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ حَتَّى كَانَ كالصِّرْفِ . ثُمَّ قَالَ : " فَمَنْ يَعْدِلُ إذَا لم يَعْدِلِ اللهُ ورسولُهُ ؟ " ثُمَّ قَالَ : " يَرْحَمُ اللهُ مُوسَى قَدْ أُوذِيَ بأكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصبر " . فَقُلْتُ : لاَ جَرَمَ لاَ أرْفَعُ إلَيْهِ بَعدَهَا حَدِيثاً . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وَقَوْلُهُ : " كالصِّرْفِ " هُوَ بِكَسْرِ الصَّادِ المُهْمَلَةِ : وَهُوَ صِبْغٌ أَحْمَر.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: جب (فتح مکہ کے بعد) جنگ حنین کا واقعہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے وقتی شکست کے بعد شاندار فتح نصیب فرمادی اور بے شمار مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ آیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم میں (شرعی مصلحت کے تحت) بعض لوگوں کو (جو فتح مکہ کے وقت ہی مسلمان ہوئے تھے اور ابھی مسلمان ہوئے ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا، تالیف قلوب کے طور پر) ترجیح دی چنانچہ (ایک نو مسلم قبیلہ کے سردار) اقرع بن حابس کو

سو اونٹ دیئے عیینہ بن حصن کو بھی اتنے ہی (سو اونٹ) دیئے اور ان دونوں (سرداران قبائل) کے علاوہ اور بھی عرب (قریش) سرداروں کو (اسی طرح گرانقدر مال غنیمت) دیا اور ان (نو مسلم سرداران قبائل) کو اس تقسیم پر (پرانے مسلمان انصار و مہاجرین پر) ترجیح دی تو ایک (گستاخ) شخص بولا: خدا کی قسم نہ اس (مال غنیمت کی تقسیم) میں انصاف کیا گیا ہے اور نہ یہ تقسیم اللہ کے لئے کی گئی ہے (بلکہ اپنی قوم قریش کو خوش کرنے کے لئے یہ تقسیم کی گئی ہے) تو۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا: بخدا میں اس (گمراہ کن پروپیگنڈے) کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دوں گا چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو اس شخص نے کہا تھا آپ کو اس کی اطلاع دی (کہ فلاں شخص نے یہ کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک (یہ سن کر ایک دم غصہ کے مارے کندن کی طرح) سرخ ہو گیا پھر (قدرے سکون کے بعد) ارشاد فرمایا تو پھر اور کون انصاف کرے گا جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی انصاف نہ کریں گے (یعنی انصاف اور محل انصاف کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بڑھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا جب اس دریدہ دہن شخص کے بقول اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انصاف نہیں کیا تو اور دنیا میں کون انصاف کر سکتا ہے حقیقت صرف یہ ہے کہ اس شخص کو کچھ نہیں ملا اس لئے یہ بکواس کر رہا ہے اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہزاروں ہزار رحمت فرمائیں بیشک ان کو تو (ان کی اُمت کی جانب سے) اس سے بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی گئی ہیں مگر انہوں نے ہمیشہ صبر و ضبط سے کام لیا (اور کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی اسی طرح ہمیں بھی صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کی اس اذیت کو دیکھ کر اس اطلاع دینے پر' بہت پچھتائے اور انہوں نے (دل میں) کہا کہ آئندہ میں ہر گز ہر گز کوئی تکلیف دہ بات آپ کی خدمت میں پیش نہ کروں گا۔ حدیث میں وارد صرف کا لفظ "صِرف" کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی سرخ رنگ کے ہیں۔

تشریح۔ اس تقسیم کے واقعہ کی تشریح اور آپ کا صبر

حدیث کے ترجمہ میں ہم قوسین (بریکٹ) کے درمیان واضح کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نو مسلم قبائل اور ان کے سرداروں کو مال غنیمت کی تقسیم میں قدیم ترین مہاجر و انصار غازیوں پر فوقیت اور ترجیح محض دینی مصلحت اور شرعی حکم تالیف القلوب (نو مسلموں کی دلجوئی) کے تحت دی تھی چنانچہ قرآن کریم میں مولفۃ القلوب کی ایک مستقل قسم مذکور ہے اس لئے آپ چاہتے تو رسول ثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اس گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والے کو سزا دے سکتے تھے مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم:

واصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (احقاف: ۵)

اور صبر کرو (اے نبی) جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے کے تحت صبر وضبط سے کام لیا اور حضرت موسیٰ کا واقعہ یاد کر کے اپنی اذیت اور غم وغصہ کو تسکین دی۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کی ایذا کا ذکر

اور حضرت موسیٰ کی ایذار سانی خود ان کی زبانی قرآن کریم میں مذکور ہے ارشاد ہے۔

واذقال موسیٰ لقومه یاقوم لم تؤذوننی وقدتعلمون انی رسول الله الیکم (الصف: ۵)

اور جب کہ (حضرت) موسیٰ نے اپنی (موذی) قوم سے کہا: تم یہ جانتے ہوئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا تمہارا رسول ہوں، مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو؟

اس امت کو ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بچنے کی تاکید اور موذی کی سزا

اسی لئے اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔

یایها الذین امنوا لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ (احزاب: ۶۹)

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح (موذی) مت بنو جنھوں نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی

اور ایذاء رسول کی شدید ترین سزا کا بھی اعلان کیا ہے۔

ان الذین یؤذون رسول الله (احزاب: ۵۷)

بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں سزا

مگر اس کے باوجود بعض اشقیاء امت ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب ہو کر ابدی ہلاکت میں گرفتار ہوئے ہیں یہ شقی ازلی وہی منافق ہے جس کی اولاد اور پیرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی پیشنگوئی کے مطابق عالم اسلام کے لئے ایک عظیم اور ہلاکت خیز داخلی فتنہ کے موجب بنے ہیں اور تاریخ میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے ہیں اور تقریباً تین صدی تک اُمت کے لئے جان لیوا مصیبت بنے رہے ہیں بے شمار مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا ہے مسلمانوں کا قتل وغارت ان کا خاص شیوہ رہا ہے خونریز لڑائیوں کے بعد خدا خدا کر کے امت ان کی بیخ کنی کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اس شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفیق جہاد غازیوں نے جنگ نہروان میں اسے قتل کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو ایذاء پہنچانے کا حکم

یاد رکھئے ایذار سول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتکب شخص جیسے آپ کی حیات میں کافر اور واجب القتل تھا ایسے ہی آپ کی وفات کے بعد بھی اُمت قطعی دلائل کی روشنی میں ایسے شخص کے کفر اور قتل پر متفق ہے چنانچہ تقریباً ہر دور میں ایسے موذی اور شاتم رسول پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسلامی حکومتیں یا غیرت ایمانی کے مالک مسلمان ان کو قتل کرتے اور کیفر کردار تک پہنچاتے رہے ہیں اس ترجمہ کے وقت بھی ایک غیور مسلمان نے ایک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے موذی کو حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے مشتعل ہو کر قتل کر دیا ہے اور سندھ میں اس پر مقدمہ چل رہا ہے اور کابل میں امیر کابل کے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کی سزا دینے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔

مومن زیادہ تر مصیبتوں میں کیوں گرفتار رہتے ہیں

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِذَا أَرَادَ الله بعبدِهِ الخَيرَ عَجَّلَ لَهُ العُقُوبَةَ في الدُّنْيا ، وَإِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبدِهِ الشَّرَّ أمْسَكَ عَنْهُ بذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يومَ القِيَامَةِ " .

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان عظم الجزاء مع عظم البلاء وان اللہ تعالیٰ اذا احب قوما ابتلاھم، فمن رضی فلہ الرضا ومن سخط فلہ السخط رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی (نیکوکار) بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو (اسکی کوتاہیوں اور خطاؤں کی) جلدی سے دنیا میں ہی کسی مصیبت میں گرفتار کر کے سزا دے دیتے ہیں (اور آخرت کے دردناک ابدی عذاب سے بچا لیتے ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی (نافرمان و بدکار) بندے کا بُرا چاہتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں نہیں دیتے تاکہ قیامت کے دن (اس کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی) پوری پوری سزا دیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اجر و ثواب کی زیادتی ابتلاء کی زیادتی کے ساتھ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو محبوب جانتا ہے ان کو آزمائشوں میں ڈالتا ہے جو اللہ کی رضا پر راضی رہا۔ اس سے اللہ راضی ہوا اور جو ناراض ہوا اللہ اس سے ناراض ہوا۔ (ترمذی) اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

مصیبتوں یا دکھ بیماریوں میں گرفتار ہونے کے وقت ایک مومن کو کیا کرنا چاہئے

تشریح: یہ حدیث پاک ہر مسلمان کو سبق دیتی ہے کہ جب بھی وہ کسی آفت و مصیبت یا دکھ بیماری میں گرفتار ہو تو فوراً اس کو اپنے شب و روز کے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے اگر کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد ہوئی ہو تو فوراً اس سے

توبہ واستغفار کرنا چاہئے اگر کسی کی حق تلفی ہوئی ہو تو جلد از جلد اس کی تلافی کرنی چاہئے اور اسی کے ساتھ صبر و شکر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کریمی سے دنیا میں ہی سزا دے کر آخرت کے عذاب سے بچالیا اور اگر بظاہر خدا کی ناراضگی کا کوئی سبب نظر نہ آئے تب بھی توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ بہت سے گناہوں کا ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ اور صبر و شکر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے کفارہ سیئات اور رفع درجات کا سامان پیدا کر دیا بہر حال مصائب و آلام اور دکھ بیماری میں گرفتار ہونے کے وقت ایک مومن کا وظیفہ اور شعار بجائے شکوہ وشکایت اور جزع وفزع (رونے دھونے واویلا کرنے) کے توبہ واستغفار اور صبر و شکر ہونا چاہئے۔

ہماری حالت اور اس کی اصلاح کی تدبیر

اس زمانے میں ہماری خدا سے بے تعلقی کا یہ عالم ہے کہ ہم ان مصائب و آلام کو رفع کرنے اور دکھ بیماری کا علاج کرنے کے لئے ہر طرف دوڑتے ہیں دنیاوی تدابیر واسباب میں تو سرگرداں رہتے ہیں مگر خدا کی طرف بھول کر بھی متوجہ نہیں ہوتے خدا کا نام زبان پر آتا بھی ہے تو گستاخانہ شکوہ وشکایت اور اظہار ناراضگی کے لئے۔ اس سے خدا کی ناراضگی اور بھی بڑھتی ہے اور اس کے نتیجے میں مصیبتوں اور دکھ بیماری میں اور اضافہ ہوتا ہے حالانکہ مسبب الاسباب اور کارساز مطلق وہی ہے اس کے حکم کے بغیر نہ کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے نہ دوا علاج' اور نہ کوئی مددگار و ہمدرد ہی کچھ کر سکتا ہے نہ طبیب وڈاکٹر ہی' کس قدر خسارہ اور تباہی کا موجب ہے ہماری یہ غفلت اور بے تعلقی خدا سے 'نسوا اللہ فنسیھم' کے مطابق ہم نے خدا کو بھلا دیا خدا نے ہم کو بھلا دیا: خدا ہماری حالت پر رحم کرے اور ہمیں توبہ واستغفار' صبر وضبط اور شکر کی توفیق عطا کرے آمین۔

مومنوں کیلئے مصیبتیں ایک بشارت ہیں

وَقالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إنَّ عِظَمَ الجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ البَلاَءِ ، وَإنَّ اللهَ تَعالَى إذَا أَحَبَّ قَوْماً ابْتَلاَهُمْ ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا ، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ " رواه الترمذي ، وَقالَ: " حديث حسن ".

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑی جزائے خیر بڑی ہی مصیبت (برداشت کرنے) پر ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے محبت فرماتے ہیں انہیں (مصیبتوں دکھ بیماریوں اور جانی ومالی نقصان میں گرفتار کر کے) آزماتے ہیں پس جو شخص (اللہ کی مرضی پر) راضی رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوتے ہیں اور جو شخص (ان مصیبتوں میں جزع وفزع اور واویلا کرتا ہے اور) اللہ تعالیٰ سے (شاکی اور) ناراض ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

اس بشارت کی شرط صبر ہے

تشریح: اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کے لئے یہ حدیث بہت بڑی بشارت ہے بشرطیکہ وہ صبر وضبط سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی مرضی پر دل سے راضی رہیں اللہ تعالیٰ ہمیں مصائب و آلام پر صبر وضبط کی اور اپنی مرضی پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائیں قرآن کریم بھی اس کی تاکید کرتا ہے رضی الله عنهم ورضوا عنه (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

صبر وضبط کا ایک بے نظیر اور سبق آموز واقعہ

وعن أنسٍ رضي الله عنه، قَالَ: كَانَ ابنٌ لأبي طَلْحَةَ رضي الله عنه يَشتكِي، فَخرَجَ أبُو طَلْحَةَ، فَقُبِضَ الصَّبيُّ، فَلمَّا رَجعَ أبُو طَلْحَةَ، قَالَ: مَا فعلَ ابْنِي؟ قَالَتْ أمُّ سُلَيم وَهيَ أمُّ الصَّبيِّ: هُوَ أَسْكَنُ مَا كَانَ، فَقرَّبَتْ إليه العَشَاءَ فَتعَشَّى، ثُمَّ أصَابَ منْهَا، فَلمَّا فرغَ، قَالَتْ: وَارُوا الصَّبيَّ فَلمَّا أَصْبحَ أبُو طَلْحَةَ أتَى رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأخْبَرَهُ، فَقالَ: " أعرَّسْتُمُ اللَّيلَةَ؟ " قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: " اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا "، فَوَلَدَتْ غُلاماً، فَقَالَ لي أبُو طَلْحَةَ: احْمِلْهُ حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَعثَ مَعَهُ بتَمرَاتٍ، فَقَالَ: " أمَعَهُ شَيءٌ؟ " قَالَ: نعَمْ، تَمرَاتٌ، فَأَخَذَهَا النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَضَغَهَا، ثُمَّ أخَذَهَا مِنْ فِيهِ فَجَعلَهَا في فِيِّ الصَّبيِّ، ثُمَّ حَنَّكَهُ وَسَمَّاهُ عَبدَ الله. مُتَّفقٌ عَلَيهِ. وفي رواية للبُخَاريِّ: قَالَ ابنُ عُيَيْنَةَ: فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصارِ: فَرَأَيْتُ تِسعَةَ أوْلادٍ كُلُّهُم قَدْ قَرَؤُوا القُرْآنَ، يَعْنِي: مِنْ أوْلادِ عَبدِ الله المَولُودِ.

وَفي رواية لمسلم: مَاتَ ابنٌ لأبي طَلْحَةَ مِنْ أمِّ سُلَيم، فَقَالَتْ لأَهْلِهَا: لاَ تُحَدِّثُوا أبَا طَلْحَةَ بِابْنِهِ حَتَّى أكُونَ أنَا أُحَدِّثُهُ، فجَاءَ فَقرَّبَتْ إلَيْه عَشَاءً فَأكلَ وَشَرِبَ، ثُمَّ تَصَنَّعَتْ لَهُ أحْسَنَ مَا كَانَتْ تَصَنَّعُ قَبْلَ ذلِكَ، فَوَقَعَ بهَا. فَلمَّا أنْ رَأَتْ أنَّهُ قَدْ شَبعَ وأصَابَ مِنْهَا، قَالَتْ: يَا أبَا طَلْحَةَ، أرَأَيتَ لو أنَّ قَوماً أعارُوا عَارِيَتَهُمْ أهْلَ بَيتٍ فَطَلَبُوا عَارِيَتَهُم، ألَهُمْ أن يَمنَعُوهُمْ؟ قَالَ: لا، فَقَالَتْ: فَاحْتَسِبْ ابْنَكَ، قَالَ: فَغَضِبَ، ثُمَّ قَالَ: تَركْتِنِي حَتَّى إذَا تَلطَّخْتُ، ثُمَّ أخْبَرتِني بِابْنِي؟! فَانْطَلَقَ حَتَّى أتَى رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأخْبَرَهُ بمَا كَانَ فَقَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " بَارَكَ اللهُ فِي لَيلَتِكُمَا "، قَالَ: فَحَمَلَتْ. قَالَ: وَكَانَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ وَهيَ مَعَهُ، وَكَانَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذَا أتَى المَدِينَةَ مِنْ سَفَرٍ لاَ يَطْرُقُهَا طُرُوقاً فَدَنَوا مِنَ المَدِينَة، فَضَرَبَهَا المَخَاضُ، فَاحْتَبَسَ عَلَيْهَا أبُو طَلْحَةَ، وانْطَلَقَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: يَقُولُ أبُو طَلْحَةَ: إنَّكَ لَتَعْلَمُ يَا رَبِّ أنَّهُ يُعْجِبُنِي أنْ أخْرُجَ مَعَ رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذَا خَرجَ وَأدْخُلَ مَعَهُ إذَا دَخَلَ

وَقَدِ احْتَبَسْتُ بِمَا تَرَى ، تَقُولُ أُمُّ سُلَيْمٍ : يَا أَبَا طَلْحَةَ ، مَا أَجِدُ الَّذِي كُنْتُ أَجِدُ انْطَلِقْ ، فَانْطَلَقْنَا وَضَرَبَهَا الْمَخَاضُ حِينَ قَدِمَا فَوَلَدَتْ غُلاماً. فَقَالَتْ لِي أُمِّي : يَا أَنَسُ ، لا يُرْضِعْهُ أَحَدٌ حَتَّى تَغْدُو بِهِ عَلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمَّا أَصْبَحَ احْتَمَلْتُهُ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ..وَذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيثِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا بیمار تھا وہ (اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر) سفر میں چلے گئے تو (ان کے پیچھے) اس لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ جب ابو طلحہ (سفر سے) واپس آئے تو (آتے ہی) انہوں نے (اپنے بیٹے کا حال) دریافت کیا۔ میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ (ان کی اہلیہ اور بچے کی ماں اُم سلیم نے کہا: اب تو اس کو پہلے کی نسبت بہت زیادہ سکون ہے (وہ یہ سن کر مطمئن ہو گئے) تو اُم سلیم نے شام کا کھانا ان کے سامنے رکھا انہوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا پھر (رات کو) جماع بھی کیا جب وہ (سب کاموں سے) فارغ ہو گئے تو اُم سلیم نے بتلایا کہ (تمہارے بیٹے کا تمہارے سفر میں جانے کے بعد انتقال ہو گیا تھا لوگوں نے اس کو دفن کر دیا ہے (انہیں بیٹے کی وفات کے صدمہ کے علاوہ اپنی بیوی کی یہ حرکت بھی بہت ناگوار گزری تو صبح ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (بطور شکایت) تمام واقعہ بیان کیا تو آپ نے (اُم سلیم کے صبر و ضبط سے خوش ہو کر) فرمایا: تو تم نے شب زفاف بھی منائی؟ ابو طلحہ نے عرض کیا: جی ہاں آپ نے ان دونوں کے لئے (اولاد صالح کی) دعا فرمائی اے اللہ تو ان دونوں کو برکت عطا فرما" چنانچہ اُم سلیم کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو انسؓ کہتے ہیں مجھ سے ابو طلحہؓ نے کہا: اس بچہ کو گود میں اٹھاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ چند کھجوریں بھی ساتھ بھیجیں (جب میں آپ کی خدمت میں بچے کو لیکر حاضر ہوا) تو آپ نے دریافت فرمایا: کچھ اس بچے کے ساتھ لائے بھی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں' یہ چند کھجوریں ہیں آپ نے (ان میں سے) ایک کھجور اُٹھائی اور دہن مبارک میں چبائی اور اپنے دہن سے نکال کر بچہ کے منہ میں رکھ دی اور پھر تحنیک کی (یعنی بچہ کے تالو سے لگا کر چٹا دی) اور اس کا نام عبد اللہ رکھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ مشہور محدث سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں مجھ سے قبیلہ انصار کے ایک آدمی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا برکت کا کرشمہ دیکھا کہ ابو طلحہ کے اس لڑکے کے (جس کا نام آپ نے عبد اللہ رکھا تھا اور برکت کی دعا فرمائی تھی) نو لڑکے ہیں جو سب کے سب قرآن کے قاری (اور حافظ و عالم) ہیں"

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں (یہی واقعہ زیادہ وضاحت کے ساتھ مذکور) ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

ابو طلحہ کے ایک لڑکے کا جو اُم سلیم کے بطن سے تھا (ان کی عدم موجودگی میں) انتقال ہو گیا تو اُم سلیم نے اپنے تمام اقرباء سے کہا: تم میں سے کوئی بھی ابو طلحہ کو (سفر سے واپسی پر) اس کے بیٹے کی وفات کی خبر نہ دے (اور تعزیت نہ کرے) جب تک کہ میں خود ان کو اس کی اطلاع نہ دے دوں چنانچہ ابو طلحہ (سر شام) سفر سے واپس آئے تو اُم سلیم نے (بڑے اطمینان سے) شام کا کھانا ان کے سامنے رکھا ابو طلحہ نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا پھر اس کے بعد اُم سلیم نے (بتکلف) اپنے سابقہ معمول سے بھی بہتر بناؤ سنگھار کیا (اور شب عروسی کے سی تیاری کی) چنانچہ ابو طلحہ نے (پورے نشاط کے ساتھ) جماع کیا جب اُم سلیم کو اطمینان ہو گیا کہ انہوں نے شکم سیر ہو کر کھانا بھی کھا لیا اور اپنی طبعی خواہش بھی پوری کر لی تو اُم سلیم نے کہا: اے ابو طلحہ! ذرا یہ تو بتلائیے کہ اگر کسی نے کسی اہل خانہ کو کوئی چیز بطور عاریت دی ہو اور وہ اس عاریت کو واپس مانگے تو کیا صاحب خانہ کو واپس دینے سے انکار کرنے کا حق ہے؟ ابو طلحہ نے کہا: نہیں (ہر گز نہیں) تو اُم سلیم نے کہا: تو آپ اپنے بیٹے (کی وفات) پر بھی بنیت اجر و ثواب صبر کیجئے" ابو طلحہ یہ سنتے ہی غصہ سے آگ بگولا) ہو گئے اور بولے: اری نیک بخت بیوی! اب جبکہ میں حیوانی خواہش (جماع) سے آلودہ ہو چکا اب تو مجھے میرے بیٹے کی وفات کی خبر دینے چلی ہے" اور (صبح ہوتے ہی) گھر سے چل دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (بڑے غم و غصہ کے ساتھ) پورا واقعہ بیان کیا تو آپ نے (ازراہ تحسین و تسلی) فرمایا: اللہ تعالیٰ تم دونوں میاں بیوی کو تمہاری اس شب (عروسی) میں برکت (یعنی اولاد صالح) عطا فرمائیں (چنانچہ اس دعا کے نتیجہ میں) اُم سلیم کے ہاں (نو ماہ بعد) لڑکا پیدا ہوا اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور اُم سلیم بھی (اپنے شوہر ابو طلحہ کے ساتھ) اس سفر میں آپ کے ہمرکاب تھیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ جب کسی سفر سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لاتے تو رات کے وقت بستی میں داخل نہ ہوتے (اور شہر کے باہر منزل گاہ (پڑاؤ) پر رات گزار کر صبح کو بستی میں داخل ہوتے) چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا (اور رات کو منزل گاہ پر قیام کیا) تو اُم سلیم کو دردزہ شروع ہو گیا (جس کی وجہ سے صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب مدینہ میں داخل ہونا دشوار نظر آنے لگا) چنانچہ ان کی وجہ سے ابو طلحہ کو بھی وہیں رُکنا پڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو راوی کہتا ہے کہ: ابو طلحہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے محرومی پر انتہائی یاس کے عالم میں) کہنے لگے: اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ (کسی بھی سفر میں) جب آپ مدینہ سے روانہ ہوں تب بھی میں آپ کے ہمراہ چلوں اور جب آپ (واپس) مدینہ میں داخل ہوں تب بھی میں آپ کے ہمراہ مدینہ میں

داخل ہوں اور اس وقت تو دیکھتا ہے کہ مجھے اُم سلیم کی وجہ سے یہاں رُکنا پڑ رہا ہے تو اُم سلیم بولیں: اے ابو طلحہ اب تو مجھے دردزہ کی تکلیف ذرا بھی محسوس نہیں ہو رہی (چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ چلیں) چنانچہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل پڑے اور مدینہ پہنچنے کے بعد دردزہ ہوا اور لڑکا پیدا ہوا حضرت انس ؓ کہتے ہیں میری والدہ اُم سلیم نے کہا: اے انس اس بچہ کو اس وقت تک کوئی دودھ نہیں پلائے گا جب تک کہ تم اس کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ لے جاؤ گے چنانچہ جب صبح ہوئی تو میں نے اس بچہ کو گود میں لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا اس کے بعد واقعہ وہی ہے جو اوپر والی روایت میں گزر چکا ہے۔

ایک مسلمان عورت کا عظیم الشان صبر وضبط اور حوصلہ

تشریح: اس حدیث پاک میں حضرت اُم سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا کے صبر و تحمل اور شوہر کے ساتھ وفاشعاری کے جذبہ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے اس لئے کہ اولاد کی فطری محبت خصوصاً نرینہ اولاد کی۔ اور اس حالت میں کہ ایک لڑکا جس کا نام عمیر تھا اس سے قبل فوت ہو چکا تھا۔ ماں کو جس قدر محبت ہوتی ہے باپ کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتی ماں کی گود کا خالی ہو جانا اس کے لئے ایک ہوش ربا سانحہ ہوتا ہے مگر چونکہ اُم سلیم جانتی تھیں کہ ان کے شوہر کو بھی اس بچہ سے بے حد محبت تھی اگر سفر سے واپس آتے ہی ان کو اس سانحہ کی خبر دے دی گئی تو شدت غم واندوہ سے نہ معلوم کتنے دن تک کے لئے کھانے پینے اور آرام وراحت سے محروم ہو جائیں گے اس لئے خود اپنے کلیجہ پر صبر وضبط کا پتھر رکھا اور شوہر کو سفر کی تکان دور کرنے کا موقع دیا نہ صرف یہ بلکہ بتکلف خود کو معمول سے زیادہ آراستہ وپیراستہ کر کے طبعی خواہش (جماع) کی ترغیب کا سامان بھی مہیا کیا اور فراغت کے بعد انتہائی حکیمانہ انداز میں بیٹے کی وفات کی خبر سنائی واقعی بڑے ہی سخت صبر وضبط عقل ہوش اور حوصلہ کا کام ہے اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین ستائش اور دعا برکت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نعم البدل عطا فرمایا ہمارے زمانہ کی خواتین اور ماؤں کے لئے یہ واقعہ انتہائی سبق آموز ہے۔

حضرت اُم سلیمؓ مسلمان خواتین کیلئے قابل تقلید ہستی ہیں

حضرت اُم سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا اپنی خدا پرستی' دینداری اور خوبیوں کے اعتبار سے ایک قابل تقلید مسلمان خاتون ہیں خصوصاً مسلمان عورتوں کے لئے ان کے پہلے شوہر حضرت انس کے والد کا نام مالک تھا جو نہی اسلام مدینہ میں پہنچا یہ فوراً مسلمان ہو گئیں نہ صرف یہ بلکہ اپنے شوہر مالک کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی وہ شقی القلب کافر' اس پر بے حد غضب ناک ہوا اور گھر سے نکل گیا اور ملک شام چلا گیا اور وہیں وفات پا گیا ابو طلحہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے

عدت گزرنے کے بعد انہوں نے اُم سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا اُم سلیم نے اسلام قبول کر لینے کی شرط کے ساتھ اپنی آمادگی ظاہر کی چنانچہ ابو طلحہ مسلمان ہو گئے اور اُم سلیم سے نکاح کر لیا اس لحاظ سے ابو طلحہ حضرت انس کے سوتیلے باپ ہیں۔

اُم سلیمؓ کی خدمت گزاری کا صلہ

اُم سلیم بے حد سمجھدار، مدبر اور منتظم اور خدمت گزار خاتون تھیں اسی لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم امور خانہ داری اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن سے متعلق نسوانی انتظامات انہی کے سپرد فرمایا کرتے تھے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت انسؓ کو دس سال کی عمر میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور خادم پیش کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا تھا اور دس سال تک شب و روز اندرون خانہ اور بیرون خانہ سفر میں ہوں یا حضر میں برابر خدمت میں مصروف رہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُم سلیم نے ایک دن انس کے لئے دعاء برکت کی درخواست کی آپ نے از راہ کمال شفقت انس کے لئے عمر میں درازی اور مال و اولاد میں برکت کی دعا فرمائی چنانچہ انسؓ نے سو سال سے زیادہ لمبی عمر پائی اور ان کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں پوتوں کی تعداد بھی سو سے اوپر پہنچ گئی تھی اور ان کا شمار ہمیشہ دولت مند صحابہؓ میں رہا اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں کہ یہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خدمت اور محبت کی دلیل اور دنیا و آخرت میں کام آنے والا سرمایہ ہے۔

بہادری زور آزمائی کا نام نہیں ہے

وعن أبي هريرةَ رضي الله عنه أنّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لَيْسَ الشَّدِيدُ بالصُّرَعَةِ ، إنَّمَا الشَدِيدُ الَّذِي يَملكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الغَضَبِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

"وَالصُّرَعَةُ " : بضَمِّ الصَّادِ وَفَتْحِ الرَّاءِ وأَصْلُهُ عِنْدَ العَرَبِ مَنْ يَصْرَعُ النَّاسَ كَثيراً .

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑا بہادر وہ نہیں ہے جو (کشتی میں) سب کو پچھاڑ دے شہ زور بہادر تو در حقیقت صرف وہ شخص ہے جو غیض و غضب (کی حالت) میں خود کو اپنے قابو میں رکھے۔

صرعۃ۔ کا لفظ صاد کے پیش اور راء کے زبر سے ہے۔ اس کی اصل اہل عرب میں یہ ہے کہ جو شخص کئی لوگوں کو پچھاڑ دے۔

شجاعت اور بہادری کا معیار

تشریح: حدیث پاک کی تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ جسمانی قوت وطاقت اور اس کے استعمال کرنے کی قدرت پر شجاعت کا مدار نہیں شجاعت کا مدار صرف قوت نفس پر ہے اور اس کا پتہ صرف اس وقت چلتا ہے جبکہ انسان انتہائی غیض وغضب اور اشتعال کی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور وہی کرے جو عقل سلیم، کرم نفس اور قانون عدل وانصاف کا تقاضا ہو اگر عقل اور شریعت جسمانی طاقت سے کام لینے اور سزا دینے کو ضروری قرار دیں تو جسمانی طاقت استعمال کرے اور اسی حد تک جس حد تک ضروری ہو ورنہ نہیں خواہ نفس کتنا ہی طاقت استعمال کرنے اور انتقام لینے کا تقاضا کرے مگر اس کے تقاضہ پر عمل نہ کرے بلکہ صبر اور درگزر سے کام لے۔

امام نوویؒ اس حدیث کو صبر کے باب میں کیوں لائے

اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو شجاعت کے بجائے صبر کے بیان میں نقل کیا ہے اس لئے کہ کامل صبر وضبط کے ملکہ کے بغیر اس حدیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا گویا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں درحقیقت صبر وضبط کی تعلیم دے رہے ہیں چنانچہ خلق عظیم کے مالک افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ اور آپ کے اسوہ حسنہ کے رنگ میں رنگے ہوئے صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت علی مرتضٰی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کی سیرت میں اس شجاعت اور صبر وضبط کی مثالیں آپ کو بکثرت ملیں گی حدیث نمبر ۱۸ میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ کو ناانصافی کا اتہام لگانے والے لوگ گستاخ شخص پر کتنا شدید غصہ آیا تھا آپ چاہتے تو اس کو توہین وایذاء رسول کے جرم میں قتل کر سکتے تھے مگر چونکہ آپ کا ذاتی معاملہ تھا اس لئے آپ نے صبر اور درگزر سے کام لیا یہی قرآن مجید کی تعلیم ہے ارشاد ہے۔

ولئن صبرتم لهو خير للصابرين (النحل آیت: ۱۲۶)

اور بخدا اگر تم درگزر کرو (اور انتقام نہ لو) تو یہ تو صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر ہے

صبر اور درگزر کہاں نہیں کرنا چاہئے

باقی اگر اسی اور پر کوئی ظلم کرتا ہو یا کسی کی آبرو پر حملہ کرتا ہو تو آپ ہرگز درگزر نہیں فرماتے تھے اور قرار واقعی سزا دیتے تھے چنانچہ صلوٰت ماثورہ (مسنون درود) کے کلمات میں آپ کی شان یہ مذکور ہے۔

اللهم صل على سيدنا محمد نِ الذى كان لاتنتهك فى مجالسه الحرم ولايغمص عمن ظلم

اے اللہ تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کی مجلسوں میں کسی کی بے آبروئی نہیں کی جاتی تھی اور جو ظلم کرنے والے سے چشم پوشی (اور درگزر) نہیں فرمایا کرتے تھے۔

پڑھیئے: **اللهم صل وسلم عليه كلماذكره الذاكرون. اللهم صل وسلم عليه كلماغفل عن ذكره الغافلون**

انسان کے صبر وضبط کی آزمائش کا موقعہ

وعن سُلَيْمَانَ بن صُرَدٍ رضي الله عنه ، قَالَ : كُنْتُ جالِساً مَعَ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَرَجُلانِ يَسْتَبَّانِ ، وَأَحَدُهُمَا قدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ ، وانْتَفَخَتْ أَوْدَاجُهُ ، فَقَالَ رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إنِّي لأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ ، لَوْ قَالَ : أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ ، ذَهَبَ مِنْهُ مَا يَجِدُ " . فَقَالُوا لَهُ : إنَّ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " تَعَوَّذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ: میں (ایک دن) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کر رہے تھے ان میں سے ایک کا (غصہ کے مارے برا حال تھا) چہرہ سرخ ہو رہا تھا گردن کی رگیں پھول رہی تھیں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر یہ اس کلمہ کو پڑھ لے تو اس کا یہ سارا غصہ کافور ہو جائے گا اگر یہ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھ لے تو اس کا یہ سارا غصہ ختم ہو جائے" تو لوگوں نے اس شخص سے کہا (ارے بے وقوف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** کیوں نہیں پڑھ لیتا یعنی مردود شیطان سے اللہ کی پناہ کیوں نہیں لے لیتا۔

غصہ کو فرو کرنے اور صبر وضبط اختیار کرنے کی تدبیر

تشریح: غصہ اور غیض وغضب خاص کر کسی شخص کی بے جا زیادتی پر ایک طبعی چیز اور فطری امر ہے اور انسان کا ازلی دشمن مردود شیطان اس طبعی اور فطری جذبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عموماً انسان کو ظلم وجور اور باہمی جھگڑے فساد کا مرتکب بنا دیتا ہے اس حالت میں صبر وضبط سے کام لینا اور عقل وخرد کے تقاضے یا شریعت کی تعلیمات پر عمل کرنا اور مردود شیطان کے بچھائے ہوئے جال سے بچنا بڑا ہی مشکل کام ہے اسی لئے اس حدیث پاک میں غیض وغضب کو فرو کرنے کی تدبیر شیطان لعین سے اللہ کی پناہ لینا اور صبر وتحمل اختیار کرنا بتلائی ہے جیسا کہ اگلی حدیث نمبر ۲۴ میں اس صبر وضبط کے اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے۔

انتقام لینے کی قدرت کے باوجود صبر وضبط اور درگزر سے کام لینے کا اجر عظیم

وعن معاذِ بن أنسٍ رضي الله عنه : أنَّ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " مَنْ كَظَمَ غَيظاً ، وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أنْ يُنْفِذَهُ ، دَعَاهُ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَلَى رُؤُوسِ الخَلائِقِ يَومَ القِيامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ مِنَ الحُورِ العِينِ مَا شَاءَ " رواه أبو داود والترمذي ، وَقالَ : "حديث حسن".

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا غصہ اُتارنے (اور بدلہ لینے) پر قادر ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو دبائے (اور قابو میں رکھے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ وہ جنت کی آہو چشم حوروں میں سے جس کو چاہے لے لے۔

ان دونوں حدیثوں کو صبر کے باب میں لانے کی وجہ

تشریح: آپ ہر دو حدیثوں کی مذکورہ بالا تشریح سے بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ غیض وغضب اور غصہ، جو بقول حکماء جنون ساعۃ وقتی دیوانگی ہے۔ کے حملہ سے بچنے یا اس کے حملہ کے وقت اس کی مضرت سے بچنے کی واحد تدبیر صبر وضبط اور تحمل وبردباری کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا ہے اسی کی ان دونوں حدیثوں میں تعلیم دی گئی ہے اسی لئے امام نوویؒ ان کو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

غیض وغضب اور صبر وضبط

وعن أبي هريرةَ رضي الله عنه : أنَّ رَجُلاً قَالَ للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أوصِنِي . قَالَ : " لا تَغْضَبْ " فَرَدَّدَ مِراراً ، قَالَ : " لاَ تَغْضَبْ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے کوئی وصیت فرمایئے (جس پر میں عمر بھر کاربند رہوں) آپ نے فرمایا: غصہ کبھی مت کرنا راوی کہتے ہیں: اس شخص نے (اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے) بار بار یہی سوال لوٹایا: مجھے وصیت کیجئے" آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا: غصہ کبھی مت کرنا۔

غصہ بڑی بُری بلا ہے اور اس کا علاج صبر وتحمل کا ملکہ ہے

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ اچھے سے اچھا سمجھدار انسان بھی شدید غصہ کی حالت میں عقل وخرد سے خارج اور بالکل پاگل ہو جاتا ہے نہ خدا رسول کی تعلیمات کا ہوش رہتا ہے نہ اخلاق وانسانیت کے تقاضوں کا، اسی لئے کہا گیا ہے الغضب جنون ساعۃ (غصہ تھوڑی دیر کی دیوانگی کا نام ہے) علماء اخلاق نے لکھا ہے کہ بعض مرتبہ شدت غیض وغضب سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے یا مستقل طور پر پاگل ہو جاتا ہے اور یہ تو بالکل عام بات ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد انسان خود کو اپنے کئے پر ملامت کیا کرتا ہے اور بسا اوقات بڑے بڑے دوررس نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں اور اس غصہ کے بھوت پر قابو پانا صبر وضبط کا ملکہ پیدا کئے بغیر اور برداشت وتحمل کی عادت ڈالے بغیر ممکن نہیں لہٰذا غصہ نہ کرنے کی وصیت کا منشا در حقیقت صبر وضبط کی عادت ڈالنے کی وصیت فرمانا ہے اور صبر وضبط کے دنیوی واُخروی فوائد اور عند اللہ پسندیدہ اور موجب اجر وثواب ہونے کا حال آپ اس باب کی قرآن آیات میں پڑھ چکے ہیں اور احادیث میں پڑھ ہی رہے ہیں اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

صبر و شکر اختیار کرنے کا صلہ

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَا يَزَالُ البَلاَءُ بالمُؤمِنِ وَالمُؤْمِنَةِ فِي نفسهِ وولَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى الله تَعَالَى وَمَا عَلَيهِ خَطِيئَةٌ " رواه الترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن صحيح " .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ: مومن مردوں اور مومن عورتوں کے جان پر' اولاد پر' مال پر' (ناگہانی) بلائیں اور مصیبتیں برابر آتی رہتی ہیں (اور وہ برابر توبہ واستغفار اور صبر وشکر کرتے رہتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی خطائیں معاف ہوتی رہتی ہیں) یہاں تک کہ وہ تمام گناہوں اور خطاؤں سے پاک وصاف' اللہ سے جاملتے ہیں۔

صبر وضبط کا عظیم فائدہ

تشریح: کمال ایمان کا لازمی تقاضہ ہے' مصائب پر صبر وشکر اور توبہ واستغفار' اور ظاہر ہے کہ جب ایک مخلص مومن کا شب وروز کا وظیفہ توبہ واستغفار ہوگا تو گناہوں اور خطاؤں کے باقی رہنے کا سوال ہی نہیں باقی رہتا حدیث شریف میں آتا ہے التآئب من الذنب کمن لاذنب له (گناہ سے توبہ کر لینے والا اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو) ایسی صورت میں صبر وشکر کا رفع درجات اور قرب الٰہی کا موجب ہونا سابقہ احادیث کی روشنی میں یقینی ہے اور یہی ایک مومن کی انتہائی معراج ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت عمرؓ کے صبر وتحمل کا ایک واقعہ

وعن ابْنِ عباسٍ رضي الله عنهما ، قَالَ : قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ ، فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أخِيهِ الحُرِّ بن قَيسٍ ، وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ رضي الله عنه ، وَكَانَ القُرَّاءُ " أصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ رضي الله عنه وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولاً كَانُوا أَوْ شُبَّاناً . فَقَالَ عُيَيْنَةُ لاِبْنِ أخيهِ : يَا ابْنَ أخِي ، لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الأمِيرِ فَاسْتَأذِنْ لِي عَلَيهِ ، فاسْتَأذَنَ فَأذِنَ لَهُ عُمَرُ . فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ : هِيْ يَا ابْنَ الخَطَّابِ ، فَواللهِ مَا تُعْطِينَا الجَزْلَ وَلا تَحْكُمُ فِينَا بالعَدْلِ . فَغَضِبَ عُمَرُ رضي الله عنه حَتَّى هَمَّ أنْ يُوقِعَ بِهِ . فَقَالَ لَهُ الحُرُّ : يَا أميرَ المُؤْمِنِينَ ، إنَّ الله تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿ خُذِ العَفْوَ وَأْمُرْ بالعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الجَاهِلِينَ ﴾ [الأعراف : ١٩٨] وَإنَّ هَذَا مِنَ الجَاهِلِينَ ، واللهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلاهَا ، وكَانَ وَقَّافاً عِنْدَ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: (ایک عرب قبیلہ کا سردار)

عیینہ بن حصن (مدینہ) آیا اور اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس ٹھہرا یہ حر بن قیس اور لوگوں (یعنی ارا کین شوریٰ) میں سے تھے جن کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے سے قریب تر رکھتے تھے حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اہل مجلس (مقربین) اور ارباب شوریٰ (مشیر) حفاظ قرآن ہی ہوا کرتے تھے بڑے ہوں یا چھوٹے' سن رسیدہ ہوں یا نو عمر' تو عیینہ نے اپنے بھتیجے حر بن قیسؓ سے کہا: برادر زادے! تمہیں ان امیر المومنین سے قرب خاص حاصل ہے تو مجھے ملاقات کی اجازت لے دو چنانچہ حر بن قیسؓ نے ملاقات کی اجازت طلب کی حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی جب یہ دونوں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عیینہ نے کہا: اے خطاب کے بیٹے! وہ (شکایت جس کے پیش کرنے کے لئے میں آیا ہوں) یہ ہے کہ خدا کی قسم نہ تم ہمیں (ہمارے قبیلہ کو) عطا کثیر ہی دیتے ہو اور نہ ہمارے حق میں عدل وانصاف ہی کرتے ہو" فاروق اعظم (اس دریدہ دہنی اور افترا پردازی پر) غصہ (سے آگ بگولا) ہوگئے یہاں تک کہ آپ نے قصد کیا کہ اس (گستاخ مفتری) کو قرار واقعی سزا دیں تو حر بن قیسؓ فوراً بولے! امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے **خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين**۔ عفو کو اختیار کرو' بھلی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے در گزر کرو۔ اور یہ (میرا چچا) یقیناً جاہلوں میں سے ہے (اور اسلامی اخلاق و آداب سے نابلد ہے) راوی حدیث ابن عباسؓ کہتے ہیں: خدا کی قسم جوں ہی حر بن قیسؓ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی حضرت عمر (کا غصہ بالکل سرد پڑ گیا اور انہوں) نے آیت کریمہ (کے حکم) سے سر مو تجاوز نہیں کیا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: فاروق اعظمؓ کتاب اللہ کے حکم کے سامنے ہمیشہ سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

تشریح: فاروق اعظمؓ جیسے سخت مزاج انسان۔ جن کے متعلق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ ہے **واشدهم فی امر الله عمر** (اللہ کے معاملہ میں تمام صحابہؓ سے زیادہ سخت عمر ہیں) کا عمر پر نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ پر' ناانصافی کا الزام لگانے والے گستاخ شخص پر مشتعل اور غصہ سے آگ بگولا ہو جانا نہ صرف فطری بلکہ دینی تقاضہ تھا۔ مگر آیت کریمہ کو سنتے ہی غیض و غضب کا یکسر فرو ہو جانا انتہائی صبر و تحمل کی دلیل ہے در حقیقت انتہائی اشتعال اور محل غیض و غضب کی حالت میں صبر و تحمل اختیار کرنا بے حد کٹھن اور مشکل کام ہے اور صبر و ضبط کی سب سے بڑی آزمائش ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کے بغیر اس کٹھن آزمائش میں پورا اُترنا ممکن نہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس صبر و تحمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشن گوئی

وعن ابن مسعود رضي الله عنه : أن رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إِنَّهَا سَتَكُونُ

بَعْدِي أَثَرَةٌ وأُمُورٌ تُنْكِرُونَها ! " قَالُوا : يَا رَسُول الله ، فَمَّا تَأْمُرُنا ؟ قَالَ : " تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ، وَتَسأَلُونَ اللهَ الَّذِي لَكُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ." وَالأَثَرَةُ": الانْفِرادُ بالشَّيءِ عَمنَ لَهُ فِيهِ حَقٌّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد (غیر مستحق لوگوں کو مستحقین پر) ترجیح (فوقیت) دی جائے گی اور ایسے امور پیش آئیں گے جن کو تم اوپر (غیر اسلامی) محسوس کرو گے (یعنی میری سنت اور سیرت کے خلاف محسوس کرو گے صحابہؓ نے عرض کیا: تو (ایسے وقت کے لئے) آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تمہارے اوپر (حکمرانوں کی اطاعت کا) حق ہے اس کو تو پورا پورا ادا کرنا اور جو تمہارا حق ہو (اور وہ مارا جائے اس کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا (حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہر گز نہ کرنا جب تک کہ کھلے کفر کی نوبت نہ آجائے)

حدیث میں اثرہ کا لفظ آیا ہے جسکے معنی ایسی کسی شئی کو اپنے لئے خاص کر لینا جس میں دوسرے کا بھی حق ہو۔

صبر کا ایک اہم مقام

تشریح: علانیہ حق تلفی کو برداشت کرنے کے لئے بھی بڑے حوصلہ اور صبر وضبط کی ضرورت ہے اسلامی ملکوں میں امن وامان بر قرار رکھنے کی نیت سے اس ظلم وجور کو برداشت کرنا بہت بڑی قومی اور اجتماعی نیکی اور عنداللہ اجر وثواب عظیم کا موجب ہے اس لئے کہ ان اللہ لایحب الفساد (بیشک اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا)

قومی اور جماعتی امن وامان کو محفوظ رکھنے کی تعلیم اور صبر

وعن أبي يحيى أُسَيْد بن حُضَير رضي الله عنه : أَنَّ رَجُلاً مِنَ الأَنْصار ، قَالَ : يَا رسولَ الله ، ألاَ تَسْتَعْمِلُني كَمَا اسْتَعْمَلْتَ فُلاناً ، فَقَالَ : " إنكُمْ سَتَلْقَونَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوني عَلَى الحَوْضِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ." وَأُسَيْدٌ " : بضم الهمزة . " وحُضَيْرٌ " : بحاءٍ مهملة مضمومة وضاد معجمة مفتوحة ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک انصاری رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ مجھے عامل (زکوٰۃ وصدقات کا محصل) نہیں بنا دیتے؟ جیسے آپ نے فلاں شخص کو بنایا ہے؟" تو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (میں نے تو کسی غیر مستحق کو مستحق پر فوقیت نہیں دی ہاں تم میرے بعد عنقریب یہ ترجیح (اور حق تلفی) دیکھو گے پس اس وقت تم اس پر مرتے دم تک صبر کرنا (اور حق تلفیاں کرنے والوں کے خلاف کوئی باغیانہ قدم نہ اٹھانا) یہاں تک کہ (اس صبر و تحمل کے صلہ میں) تم مجھ سے حوض کوثر پر آملو۔

اسید۔ الف کے پیش کے ساتھ ہے۔ حضیر۔ حاء کے پیش اور ضاد کے زبر کے ساتھ ہے۔

حکمرانوں کی حق تلفیوں کے باوجود ملکی امن کو باقی رکھنے اور صبر و تحمل اختیار کرنے کی ہدایت

تشریح: اسلام مذہب ''امن وسلام'' ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات قومی اور اجتماعی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے راعی اور رعایا' حکومت اور اہل ملک' کے درمیان مخالفت اور خانہ جنگی کا سدباب کرنے پر مبنی ہیں عموماً حکمرانوں سے حق تلفیاں ہوتی ہیں نہ بھی ہوں تو بھی عوام محسوس کرتے ہیں کہ ہماری حق تلفی ہو رہی ہے در حقیقت کچھ حکومت اور حکمرانوں کی بھی مشکلات اور دشواریاں ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے رویہ میں حق بجانب ہوتے ہیں مگر عوام' یا ان سے صحیح معنی میں واقف نہیں ہوتے یا وہ اپنے حقوق کے مطالبہ میں اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ انہیں وہ مشکلات اور دشواریاں نظر ہی نہیں آتیں اور حکمرانوں پر ظلم وجور اور حق تلفی کا الزام لگانے لگتے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۸ و ۲۷ و ۲۹ کے واقعات سے واضح ہے۔

ملک میں امن وامان قائم رکھنے کی اسلامی تدبیر

ایسی صورت میں ملک کے استحکام کو محفوظ رکھنے کی یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ایک طرف حکمرانوں کو عدل وانصاف قائم کرنے اور بے رو رعایت عوام کے حقوق ادا کرنے کی سخت ترین تاکید کی جائے دوسری طرف لوگوں کو حق تلفیوں پر صبر و تحمل اور ایثار کی ترغیب دی جائے یہی اسلامی تعلیمات کی ''روح'' ہے اگر راعی اور رعایا حاکم اور محکوم نیک نیتی کے ساتھ ان تعلیمات پر قائم اور کاربند رہیں تو حکومت کی مخالفت اور بغاوت کی نوبت آ ہی نہیں سکتی اور ملکی استحکام کو نقصان پہنچ ہی نہیں سکتا اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے عوام اور حکمرانوں کو ان اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میدان جہاد اور صبر واستقلال کی تعلیم

وعن أبي إبراهيم عبدِ الله بن أبي أوفى رضي الله عنهما : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَيامِهِ التي لَقِيَ فِيهَا العَدُوَّ ، انْتَظَرَ حَتَّى إِذَا مالَتِ الشَّمْسُ قَامَ فيهِمْ ، فَقَالَ : " يا أَيُّها النَّاسُ ، لا تتمنَّوا لِقَاءَ العَدُوِّ ، وَاسْأَلُوا اللهَ العَافِيَةَ ، فَإِذَا لقيتُمُوهُمْ فاصبِرُوا ، وَاعلَمُوا أَنَّ الجَنَّةَ تَحْتَ ظِلالِ السُّيوفِ ". ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الكِتَابِ ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ ، وَهَازِمَ الأَحْزَابِ ، اهْزِمْهُمْ وَانصُرْنَا عَلَيْهِمْ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ، وبالله التوفيق .

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لڑائیوں میں دشمن پر حملہ کرنے میں (سورج ڈھلنے کا) انتظار فرمایا ہے۔

یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا ہے تو پہلے کھڑے ہو کر غازیوں سے خطاب فرمایا ہے: اے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والو! دشمن سے لڑائی کی آرزو مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگو پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو ہی جائے تو صبر کرو (ثابت قدمی اور پائیداری سے کام لو) اور یقین کر لو کہ تلواروں کے سایہ کے نیچے جنت ہے (شہید ہوتے ہی سیدھے جنت میں جاؤ گے اور زندہ وجاوید ہو جاؤ گے) اس خطبہ کے بعد (ہاتھ اُٹھا کر) دعا فرمائی ہے: اے اللہ تعالیٰ آسمان سے کتاب (قرآن) نازل کرنے والے' بادلوں کو ادھر سے اُدھر' اُدھر سے اِدھر لے جانے والے' اور باطل پرستوں کے گروہوں کو شکست دینے والے! تو ان دشمنوں کو پسپا کر دے اور ان کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما"۔

صبر واستقلال کی آزمائش کا سب سے بڑا مقام

تشریح: ظاہر ہے کہ انسان کے صبر وضبط کی سب سے بڑی آزمائش کا مقام میدان جنگ ہے بڑے بڑے بہادروں کے قدم محاذ جنگ پر دشمنوں کی مسلح افواج کو دیکھ کر پھسل جاتے ہیں اسی لئے قرآن عظیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا گناہ کبیرہ فرار من الزحف (محاذ جنگ سے فرار) کو قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی موت کو اشرف الموت قتل الشهداء (سب سے شریف موت شہیدوں کا قتل ہے) کے تحت سب سے زیادہ باعزت موت قرار دیا ہے تاہم دشمنوں سے لڑائی کی آرزو کرنے سے بھی منع فرمایا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میدان جنگ کے خطبہ سے ظاہر ہے یعنی دشمنوں سے خواہ مخواہ لڑائی مول بھی مت لو مگر جب جنگ ناگزیر ہو جائے تو صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ رکھو اور انتہائی پامردی کے ساتھ دشمنوں سے مرتے دم تک لڑو' یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جان دے دو اور سیدھے جنت میں جاؤ۔

اسلام کے خلاف ایک پروپیگنڈے کی تردید

اس خطبہ سے دشمنانانِ اسلام کے اس پروپیگنڈے کی بھی زبردست تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام تو صرف خونریزی اور غارتگری کی تعلیم دیتا ہے اسے امن وسلامتی سے کیا واسطہ' اسلام اگر ایک طرف۔ جب دشمنانانِ اسلام سے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو انتہائی پامردی کے ساتھ لڑنے کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری طرف دشمنوں سے باعزت صلح وآشتی کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لها (اے پیغمبر اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ)

اسلامی جہاد کا مقصد

اسلام کی تمام تر قتال وجہاد کی تعلیمات کا واحد مقصد کلمۃ اللہ۔ اللہ کے حکم کو۔ بلند کرنا اور اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے جس کی زیر سایہ غیر مسلم بھی اسی طرح امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں جیسے مسلمان۔ اسلام جس طرح ایک مسلمان کی جان ومال کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اسی طرح وہ ایک ذمی (غیر مسلم رعایا) کی جان ومال کی سلامتی کا بھی ضامن ہے تفصیل کے لئے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیمات کی مراجعت کیجئے۔

باب الصدق
صدق (سچ) کے بیان میں

صدق کے لغوی اور شرعی معنی

لغت کے اعتبار سے اگرچہ صدق کے معنی "سچ بولنا" اور واقعہ کے مطابق بات کہنا کئے جاتے ہیں اور اس لحاظ سے صدق انسان کی زبان اور قول کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے مگر شریعت کی اصطلاح میں صدق کے تحت انسان کے قول کی طرح خود اس کا اپنا فعل بھی داخل ہے اور صدق فی الفعل کے معنی یہ ہیں کہ انسان جو زبان سے کہے اس پر عمل بھی کرے اس کو پورا بھی کرے اس لحاظ سے صدق فی الفعل کا تعلق اپنی ذات سے ہو جاتا ہے جیسا کہ صدق فی القول کا تعلق "غیر" سے ہوتا ہے یعنی کسی کے متعلق جو بات کہے بالکل سچی اور واقعہ کے مطابق کہے بالفاظ دیگر عربیت کی اصطلاح کے مطابق صدق فی القول "خبر" ہے اور صدق فی الفعل "انشا" ہے۔

قرآن کریم میں صدق کا استعمال

قرآن کریم کی جو آیات ذیل میں پیش کی گئی ہیں ان میں آیت کریمہ نمبر ۳ و ۵ یقیناً صدق فی الفعل سے متعلق ہیں اور آیت نمبر ۶ و ۲ میں صدق فی القول اور صدق فی الفعل دونوں کا احتمال ہے آیت کریمہ (۱) بیشک صرف صدق فی القول سے متعلق ہے جیسا کہ آپ ابھی پڑھیں گے۔

صدق فی القول صدق فی الفعل کی خلاف ورزی۔

صدق فی القول کی خلاف ورزی یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور واقعہ کے خلاف بات کہنے پر' تو قرآن کریم میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں حتیٰ کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ تک کی تصریح ہے اسی طرح صدق فی الفعل کی خلاف ورزی۔ یعنی جو زبان سے کہنا اس پر عمل نہ کرنا۔ بھی شدید وعید آتی ہے ارشاد ہے۔

یایھا الذین امنوا لم تقولون مالاتفعلون (الصف:۲)

اے ایمان والو! جو تم کرتے نہیں وہ زبان سے کیوں کہتے ہو

یعنی بڑی بُری بات ہے بلکہ زبردست اخلاقی کمزوری ہے کہ جو زبان سے کہو اس پر عمل نہ کرو انسان کو اپنی زبان کا پاس ہونا چاہئے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے جو زبان سے کہا اسے پورا کرنا چاہئے گویا ایمان کے دعویٰ کے بالکل

منافی ہے کہ جو تم زبان سے کہواس پر عمل نہ کرو یا جو عہد کرو اس کو پورا نہ کرو۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ارشاد ہے۔

کبر مقتاًعنداللہ ان تقولوا مالاتفعلون (الصف: ۳)

بہت بڑی ناراضگی کا موجب ہے اللہ کے نزدیک کہ تم جو کہواس پر عمل نہ کرو۔

اس لئے ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صادق القول یعنی ”راست گفتار“ بھی ہو اور صادق الفعل یعنی ”راست کردار“ بھی ہو تب ہی وہ کامل مومن ہو سکتا ہے خدا کی ناراضگی اور قہر و غضب سے بچ سکتا ہے اور اگر کبھی دانستہ یا نادانستہ طور پر قول یا فعل میں جھوٹ سرزد ہو جائے تو فوراًاس سے توبہ واستغفار کرے اور اگر وہ قول یا فعل کسی دوسرے شخص کے حق سے متعلق ہو تو اس کی تلافی کرنا یا اس سے معاف کرانا بھی از بس ضروری ہے جیسا کہ آپ توبہ کے شرائط میں پڑھ چکے ہیں۔

ہماری حالت اور اس کا نتیجہ

آج کل ہم مسلمانوں میں دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی جھوٹ۔ دونوں قسم کا۔ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسے کوئی گناہ اور جرم نہیں سمجھتے بلکہ ”ہنر“ سمجھتے ہیں اسی لئے طرح طرح سے اللہ کا قہر و غضب ہم مسلمانوں پر نازل ہو رہا ہے۔ العیاذ باللہ

۱۔ **یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** (توبہ ع ۱۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ساتھ رہو سچے لوگوں کے۔

۲۔ **وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ** (احزاب ع ۵)

اور سچے مرد اور سچی عورتیں۔

۳۔ **فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ** (محمد ع ۳)

جب کام ضروری ہو گیا تو (وہ سچے ثابت نہ ہوئے) اگر وہ لوگ اللہ سے (کئے ہوئے عہد میں) سچے (ثابت) ہوتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا۔

۴۔ **مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُو اللّٰهَ عَلَیْهِ** (احزاب ع ۳)

ایمان لانیوالوں میں کتنے ہی ایسے مرد ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا اس بات کو جس پر اللہ سے عہد کیا تھا۔

۵۔ **لِیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ اَوْیَتُوْبَ عَلَیْهِمْ** (احزاب ع ۳)

تاکہ جزادے اللہ سچے لوگوں کو ان کے سچ کی اور سزادے (جھوٹے) منافقوں کو (ان کے جھوٹ کی) اگر چاہے یا ان کو (جھوٹ سے) توبہ کی توفیق دے دے۔

۶۔قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ع ۱۶)

اللہ نے فرمایا یہ (قیامت کا دن) سچے لوگوں کو ان کے سچ کے فائدہ پہنچانے کا دن ہے۔

۷۔وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء ع ۹)

جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہے ہیں وہی لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔انبیاء صدیقین' شہداء اور صالحین اور یہی لوگ بہترین رفیق ہیں۔

تشریح۔مذکورہ آیات کے شان نزول' متعلقہ واقعہ کا بیان۔

امام نووی علیہ الرحمۃ نے صدق اور صادقین کی اہمیت و فضیلت اور منفعت کو بیان کرنے کی غرض سے صرف تین آیتیں ذکر کی ہیں ہم نے قرآن کریم کے تتبع سیم زید چار آیتیں پیش کردی ہیں مگر اس مقصد کی وضاحت کیلئے ضروری ہے کہ ہم ان آیات کے مصداق اور شان نزول کی مختصراً وضاحت کریں۔الف! آیت کریمہ نمبر ا میں اللہ جل جلالہ نے جنگ تبوک میں نہ شریک ہونے والے ان سچے مومنوں کا ذکر اور ان کی توبہ کے قبول ہونے کا اعلان' فرمانے کے بعد جنہوں نے محض اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے جھوٹے منافقوں کی طرح جھوٹے بہانے تراشنے اور جھوٹ بولنے کے بجائے بالکل سچ سچ اپنے قصور اور جرم کا اعتراف کیا تھا اور صدق دل سے توبہ کی تھی۔ ہر مومن کو اسی طرح خدا سے ڈرنے' سچ بولنے اور سچے لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔

آیت کریمہ نمبر ۲۔یہ سورہ احزاب کی ایک طویل آیت ہے جس میں اللہ نے ایماندار عورتوں کا شکوہ دور کرنے کیلئے مومن مردوں اور مومن عورتوں کی نو پسندیدہ خوبیاں جن میں سے ایک صدق ہے الگ الگ بیان فرمانے کے بعد ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا اعلان کیا ہے۔

آیت کریمہ نمبر ۳۔ان ضعیف الایمان مسلمانوں سے متعلق جو کفار سے جنگ کا حکم دیئے جانے سے پہلے تو تقاضے کر رہے تھے کہ ہمیں کفار سے لڑنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی لیکن جونہی لڑائی کا حکم دیا گیا تو ڈر کے مارے ان پر موت کی سی مردنی چھائی گئی۔اللہ ان کی اس کمزوری اور کچے پن کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کیلئے دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہتر یہ تھا کہ وہ اپنی بات کو سچا کر دکھاتے۔

آیت کریمہ نمبر ۴۔اللہ حشر کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عیسائیوں کے لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کی تکذیب اور ان کی براءت فرمانے کے بعد' سچے لوگوں کی ترغیب کیلئے ارشاد فرماتے ہیں کہ آج کا دن ہی تو ہے جس میں حقیقی معنی میں سچے لوگوں کو ان کا سچ نفع پہنچائے گا۔

آیت کریمہ ۵۔ میں ان صادق القول اور صادق الفعل مومنین کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے جنگ احزاب

میں جھوٹے منافقوں کے برخلاف انتہائی ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ کفار کے تمام حملہ آور گروہوں کی متحدہ یورش کا مقابلہ کیا اور اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

اور آیت نمبر ۶۔ میں انہی راست گفتار اور راست کردار مومنوں کو دنیا اور آخرت میں جزائے خیر دینے کی بشارت دی ہے اور جھوٹے منافقوں کے مستحق عذاب وسزا ہونے کی خبر دی ہے۔

آیت کریمہ نمبر ۷۔ اللہ اور رسول کی دل و جان سے اطاعت کرنے والے مومنین کو حسن خاتمہ کی بشارت دی ہے اور بتلایا ہے کہ اللہ کے وہ منعم علیہم انعام الٰہی سے سرفراز بندے جن کے راستہ پر چلنے اور ان کی رفاقت حاصل کرنے کی، تم رات دن ہر نماز میں سورہ فاتحہ کے اندر دعا مانگتے ہو۔ جن میں صدیقین کی جماعت بھی شامل ہے وہ یہ ہیں اور ان سے بڑھ کر رفیق کون ہو سکتا ہے۔

ب۔ یہ تو آیات کی تشریح تھی اب صدق، صادقین اور صدیقین سے متعلق ان آیات کو اس طرح ترتیب دیجئے۔

آیت کریمہ ا۔ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں، اس سے ڈرنے والے مقرب بندوں کی ایک جماعت ہے جس کا نام صادقین ہے آیت کریمہ ۲ سے معلوم ہوا کہ اس جماعت میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔ آیت کریمہ نمبر ۵ میں ان مومنین صادقین کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے قول کے پکے اور سچے ہیں اور آیت کریمہ نمبر ۳ میں ان مسلمانوں کی کمزوری بیان کی گئی ہے جو اپنے قول کے پکے اور سچے نہیں ثابت ہوئے۔ آیت کریمہ نمبر ۶ میں مومنین صادقین کے صدق کی دنیا و آخرت میں جزائے خیر دینے کا وعدہ اور ان کے بالمقابل جھوٹے منافقین جن کی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور کے مستحق عذاب وسزا ہونے کی وعید مذکور ہے اور آیت کریمہ نمبر ۴ میں اللہ کی طرف سے حشر کے دن سچے لوگوں کو ان کے سچ کے حقیقی معنی میں نفع پہنچانے کا اعلان، گویا ایفاء وعدہ کے وقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ سچ کس دن کام آئے گا؟ آیت کریمہ نمبر ۷ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ صادقین کی جماعت کا ایک سب سے اعلیٰ طبقہ بھی ہے جس کا نام صدیقین ہے ان کا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر تمام مخلوق سے افضل یہی ہیں۔ جن میں سب سے بڑے صدیق اکبر یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ حدیث نمبر ا۔ میں نبی رحمت فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ہر مومن مرد و عورت کو اس مرتبہ تک پہنچنے اور صدیقین میں شامل ہونے کی تدبیر بتلائی ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی شفیق نبی ہو سکتا ہے؟ قربان جایئے آپ کی شفقت ورافت کے، سچ ارشاد فرمایا اللہ نے۔

بے شک تمہارے پاس آ گیا، تم ہی میں کا ایک رسول، جس پر شاق ہے ہر وہ چیز جو تمہیں میں ڈالے، تم پر (تمہاری فلاح و نجات پر) بڑا ہی حریص ہے مومنوں کے ساتھ بے حد شفیق و مہربان ہے۔

اللهم صل عليه كلما ذكره الذاكرون اللهم صل عليه كلما غفل عن ذكره الغافلون وسلم تسليما كثيرا

احادیث صدق

سچ بولنے کی عادت اور اس کا انجام نیک

جھوٹ بولنے کی عادت اور اس کا انجام بد

وأما الأحاديث فالأول : عن ابن مسعود رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إنَّ الصِّدقَ يَهْدِي إلَى البرِّ ، وإنَّ البر يَهدِي إلَى الجَنَّةِ ، وإنَّ الرَّجُلَ لَيصدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقاً . وَإنَّ الكَذِبَ يَهْدِي إلَى الفُجُور ، وَإنَّ الفُجُورَ يَهدِي إلَى النَّارِ ، وَإنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكتَبَ عِنْدَ الله كَذَّاباً " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک سچ (انسان کو) نیکوکاری کا راستہ بتلاتا ہے اور نیکوکاری یقیناً (انسان کو) جنت میں پہنچادیتی ہے اور بیشک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس کا نام) صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے (اس کے برعکس) جھوٹ (انسان کو) بدکاری کا راستہ بتلاتا ہے اور بدکاری یقیناً (انسان کو) جہنم میں پہنچادیتی ہے اور بیشک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس کا نام) کذابین بڑے جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

صادقین سے صدیقین تک کاذبین سے کذابین تک

تشریح: اس حدیث میں صدق سچ بولنے کے اس فائدہ کو واضح کیا ہے جس کی طرف آیت کریمہ نمبر (۶) میں ارشارہ فرمایا ہے نیز اس کے برعکس کذب جھوٹ بولنے کی اس مضرت کو ظاہر فرمایا ہے جس کی بناء پر جھوٹا آدمی عذاب اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے نیز یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ قول اور فعل میں سچائی اختیار کرنے اور عادت ڈالنے کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان صادقین کے درجہ سے ترقی کر کے صدیقین کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جن کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہے جس کی تفصیل آپ آیت کریمہ (۷) کے فائدہ میں پڑھ چکے ہیں اس کے برعکس جھوٹ اور اس کی عادت کا اندازہ کیجئے کہ جھوٹ کی جرأت پیدا ہو جانے کے بعد بے شمار گناہوں اور جرموں کی راہ ہموار ہو جاتی ہے انسان بڑے سے بڑے گناہ اور جرم کا ارتکاب کرنے سے بھی نہیں جھجکتا محض اس بنیاد پر کہ اگر بات کھلی تو میں صاف انکار کر دوں گا نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار اور رسوا ہوتا ہے اپنے کئے

کی سزا بھگتنا ہے اور آخرت میں تو جہنم کا عذاب اس کے لئے ہے ہی اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے عادی جھوٹے کا نام کذابین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ منافقین کا خاص مقام ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

منافقین کی نشانیاں

اسی لئے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامت بتلائی ہے **اذاحدث کذب واذاوعداخلف واذاعاھدغدر**۔ جب بھی بات کرے جھوٹ بولے اور جب بھی وعدہ کرے اس کا خلاف کرے اور جب بھی کسی سے عہد کرے تو عہد شکنی کرے پہلی صفت سے صدق فی القول کے منافی اور کذب فی القول ہے دوسری اور تیسری صفت میں صدق فی الفعل کی ضد اور کذب فی الفعل ہے۔

صدق اور کذب کا خاصہ

یہ صدق اور کذب 'سچ اور جھوٹ۔ کی دینی اور اُخروی منفعت اور مضرت ہوئی حدیث ذیل میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق اور کذب کا ایک ایسا خاصہ (خاص وصف) بیان فرمایا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں پایا جاتا ہے۔

الصدق ینجی والکذب یھلك: سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔

یعنی صدق نجات کا ذریعہ ہے اور کذب ہلاکت کا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا کے واقعات اور تجربات شاہد ہیں کہ سچ بولنے کی عادت دنیوی زندگی میں بھی انسان کی قدرو منزلت اور عزت وسرخروئی کا سبب بنتی ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی صدیقین کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اس کے برعکس جھوٹ بولنے کی عادت دنیا میں بھی ذلت وخواری اور رسوائی کا موجب ہوتی ہے اور آخرت میں تو جھوٹے منافقوں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا ہی اگرچہ سچ بولنے کی وجہ سے دنیوی اور مادی اعتبار سے کچھ نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے اور جھوٹا آدمی جھوٹ بول کر دنیوی اعتبار سے کچھ منفعت ہی کیوں نہ حاصل کرلے حتیٰ کہ سچے آدمی کی تو "موت" بھی باعزت موت سمجھی جاتی ہے اور جھوٹے آدمی کی سلامتی اور زندگی بھی لعنت اور پھٹکار کی زندگی سمجھی جاتی ہے **لعنة اللہ علی الکاذبین** جھوٹے آدمی کیلئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایک قیمتی نصیحت

الثاني : عن أبي محمد الحسن بنِ عليٍّ بن أبي طالب رضي الله عنهما ، قَالَ : حَفِظْتُ مِنْ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ ؛ فإنَّ الصِّدقَ طُمَأنِينَةٌ ، وَالكَذِبَ رِيبَةٌ " رواه الترمذي ، وَقالَ : " حديث صحيح " . قوله : " يَرِيبُكَ " هُوَ بفتح اليله وضمها : ومعناه اتركْ مَا تَشُكُّ في حِلِّهِ وَاعْدِلْ إِلَى مَا لا تَشُكُّ فِيهِ .

ترجمہ: حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: مجھے اپنے نانا خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قیمتی نصیحت خوب اچھی طرح یاد ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: جس بات میں شک یا تردد ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں کوئی شک وشبہ یا تردد نہ ہوا س کو اختیار کرو (تاکہ جھوٹا بننے کا امکان نہ رہے) اس لئے کہ سچ قلبی اطمینان کا نام ہے اور جھوٹ بے اطمینانی اور تردد کا۔

یریبک۔ یہ لفظ یاء کے زبر اور پیش کے ساتھ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امر جس کے جواز میں شبہ ہو اس کو ترک کر دو اور جس میں شبہ نہ ہو۔ اسے اختیار کرو۔

کسی بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کی پہچان

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کی نہایت اہم پہچان بتلائی ہے وہ ہے "اطمینان قلب" جس کو اردو محاورے میں کہتے ہیں "دل ٹھکنا" یعنی جس بات پر دل ٹھکے اس کو سچ سمجھو اور جس پر دل مطمئن نہ ہو اس کے سچ مت سمجھو بسا اوقات کوئی بات بظاہر جھوٹی نہیں معلوم ہوتی مگر دل اس پر نہیں ٹھکتا تو احتیاط کا تقاضہ ہے کہ اس بات کو باور بھی نہ کرو اور جھٹلاؤ بھی مت، وقت گزرنے پر پتہ چل جاتا ہے کہ واقعہ کیا تھا۔

مومن کا دل

خاص کر ایک مومن کامل کے قلب کے متعلق تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله** ایک مومن کی فراست قلبی سے ہوشیار رہو اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

شریعت کا حکم

شرعاً بھی کسی بات کو سن کر بلا تحقیق بیان کر دینا ممنوع ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولاتقف ماليس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسؤلاً (بنی اسرائیل ع ٤)

جس بات کا علم (یقین) نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو بیشک (انسان کے) کان، آنکھیں اور دل ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہونی چاہیے۔

اسی لئے جو لوگ سچ بولنے کا اہتمام کرتے ہیں وہ کبھی اطمینان کئے بغیر بات نہیں کہتے اگر کہنا ہی پڑ جائے تو اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر دیتے ہیں۔

صدق کا مرتبہ اور مقام

الثالث: عن أبي سفيانَ صَخرِ بنِ حربٍ رضي الله عنه في حديثه الطويلِ في قصةِ هِرَقْلَ،

قَالَ هِرقلُ : فَمَاذَا يَأمُرُكُمْ يعني : النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أبو سفيانَ : قُلْتُ : يقولُ : " اعْبُدُوا اللهَ وَحدَهُ لا تُشرِكُوا بِهِ شَيئاً ، وَاترُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ ، ويَأْمُرُنَا بالصَّلاةِ ، وَالصِّدْقِ ، والعَفَافِ ، وَالصِّلَةِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ 'اسلام لانے سے پہلے زمانہ میں رومی بادشاہ ہرقل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی ملاقات اور گفتگو کا قصہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ: ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ: تمہیں وہ نبی کس بات کا حکم دیتا ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں: میں نے جواب دیا وہ نبی کہتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی بھی چیز کو اس کا شریک مت گردانو اور تمہارے باپ دادا جو (شرکیہ باتیں کرتے اور) کہتے چلے آئے ہیں ان سب کو بالکل چھوڑ دو اور وہ نبی ہمیں نماز (پڑھنے) کا حکم دیتا ہے اور سچ (بولنے) کا پاکدامنی (اختیار کرنے) کا اور صلہ رحمی (کرنے) کا حکم دیتا ہے۔

سچ بولنا نبیوں کا شیوہ ہے

تشریح: صدق در حقیقت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات عالیہ میں سے ہے اور تمام انبیاء سابقین کی تعلیمات میں صدق کو ایک متفق علیہ۔ مسلم اور مانی ہوئی۔ فضیلت کا مقام حاصل ہے رومی بادشاہ ہرقل اس حقیقت کو جانتا تھا اسی لئے وہ آپ کے امر بالصدق سچ بولنے کے حکم کو آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے: نہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام بلکہ دنیا کے تمام حکماء اور علماء اخلاق بھی صدق کو انسانی کمالات وفضائل میں سرفہرست اول نمبر پر شمار کرتے ہیں۔

سچے دل سے کسی بات کے کہنے یا دعا مانگنے کا ثمرہ

الرابع : عن أبي ثابت ، وقيل : أبي سعيد ، وقيل : أبي الوليد ، سهل ابن حُنَيْفٍ وَهُوَ بدريٌّ رضي الله عنه : أنَّ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " مَنْ سَأَلَ اللهَ تَعَالَى الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ "[۳] رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے سچ مچ (صدق دل سے) شہادت کے درجہ کی دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کے مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں اگرچہ بستر پر پڑ کر ہی اس کو موت آئے۔

صدق فعلی (عملی سچ) کا بیان

تشریح: یہ صدق فعلی ہے جس کو اردو میں سچے دل سے دعا مانگنا یا کسی سے وعدہ کرنا کہتے ہیں جس کا دوسرا

نام اخلاص ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکی کتنی قدر ہے کہ لڑائی کے میدان میں شہید ہوئے بغیر ہی محض صدق واخلاص کی بناء پر اتنا بلند مرتبہ عطا فرمادیتے ہیں اسی لئے مسنون دعاؤں میں ایک دعا ہے یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ **اللهم ارزقني موتاً في بلدنبيك وشهادة في سبيلك** اے اللہ تو مجھے اپنے نبی کے شہر (مدینہ) میں موت عطا فرما اور اپنی راہ (جہاد) میں شہادت عطا فرما۔ آپ بھی صدق دل سے یہ دعا مانگا کیجئے۔

ایک نبی علیہ السلام کی اُمت کا واقعہ

الخامس : عن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " غَزَا نبيٌّ مِنَ الأنْبياء صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلامُهُ عَلَيهِمْ فَقَالَ لِقَومِهِ : لا يَتْبَعَنِّي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ وَهُوَ يُريدُ أَنْ يَبْنِي بِهَا وَلَمَّا يَبْن بِهَا ، وَلا أحَدٌ بَنَى بُيُوتاً لَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا ، وَلا أحَدٌ اشْتَرَى غَنَماً أَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ أَوْلادَها"٣" . فَغَزا فَدَنَا مِنَ القَرْيَةِ صَلاةَ العَصْرِ أَوْ قَرِيباً مِنْ ذلِكَ ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ : إنَّكِ مَأمُورَةٌ وَأنَا مَأمُورٌ ، اللَّهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا ، فَحُبِسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللهُ عَلَيهِ ، فَجَمَعَ الغَنَائِمَ فَجَاءتْ يعني النَّارَ لِتَأكُلَهَا فَلَمْ تَطعَمْها ، فَقَالَ : إنَّ فِيكُمْ غُلُولاً ، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبيلةٍ رَجُلٌ ، فَلَزِقَتْ يد رجل بِيَدِهِ فَقَالَ : فِيكُمُ الغُلُولُ فلتبايعني قبيلتك ، فلزقت يد رجلين أو ثلاثة بيده ، فقال : فيكم الغلول ، فَجَاؤُوا برأس مثل رأس بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ ، فَوَضَعَهَا فجاءت النَّارُ فَأكَلَتْها . فَلَمْ تَحلَّ الغَنَائِمُ لأحَدٍ قَبْلَنَا ، ثُمَّ أحَلَّ الله لَنَا الغَنَائِمَ لَمَّا رَأى ضَعْفَنا وَعَجْزَنَا فَأحَلَّهَا لَنَا " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

"الخَلِفَاتُ" بفتحِ الخَاء المعجمة وكسر اللامِ : جمع خَلِفة وهي النَاقة الحامِل.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ پہلے نبیوں میں سے ایک نبی نے صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنی قوم (اُمت) میں اعلان کرایا کہ تم میں سے جس شخص نے شادی کی ہو مگر ابھی تک شب زفاف کی نوبت نہ آئی ہو بلکہ اس کی تیاری کر رہا ہو وہ اس جہاد میں شریک نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص شریک ہو جو مکان تعمیر کرا رہا ہو مگر ابھی تک اس کی چھتیں نہ پڑی ہوں اور نہ کوئی ایسا شخص میرے ساتھ اس جہاد میں جائے جس نے گابھن بھیڑ' بکریاں' اونٹنیاں خریدی ہوں مگر ان کے بچے ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں بلکہ انتظار میں ہو' چنانچہ وہ نبی علیہ السلام (ایسے فارغ البالی اور یکسوئی کے مالک مخلص غازیوں کے ہمراہ جن کے لئے طبعی اور فطری طور پر اخلاص میں رخنہ اندازی کرنے والا کوئی امر مانع نہ تھا) دشمنوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے تو دشمنوں کی ایک بستی پر عصر کی نماز کے وقت یا اس کے قریب قریب پہنچے تو انہوں نے سورج سے خطاب کر کے کہا (اے سورج) تو بھی (اپنے نظام حرکت

کو جاری رکھنے پر) مامور ہے اور میں بھی (غروب سے پہلے اس بستی کو فتح کر لینے پر) مامور ہوں (اس کے بعد اللہ سے دعا کی) اے اللہ تو سورج کو روک دے (تاکہ میں تیرے حکم کی تعمیل کر سکوں) چنانچہ سورج کو روک دیا گیا یہاں تک کہ اللہ نے اس بستی کو (سورج ڈوبنے سے پہلے) فتح کرادیا۔

تو نبی علیہ السلام نے (نماز کے بعد) تمام مال غنیمت (دشمنوں کا مال ایک اونچے مقام پر) جمع کر دیا تو (حسب معمول) اس مال غنیمت کو کھا جانے (جلا کر راکھ کر دینے) کے لئے (آسمان سے) آگ آئی مگر اس نے اس مال کو نہ کھایا (اور چھوڑ کر واپس چلی گئی) تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً تم لوگوں میں سے کسی نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے لہٰذا تم میں سے ہر قبیلہ کا ایک آدمی (سردار یا نمائندہ) آکر میرے ہاتھ پر بیعت کرے چنانچہ ایک قبیلہ کے آدمی (نمائندے) کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا تو انہوں نے فرمایا: تمہارے قبیلہ میں خیانت ہے لہٰذا تمہارے قبیلہ کا ہر آدمی فرداً فرداً مجھ سے آکر بیعت کرے" چنانچہ ایک آدمی یا دو تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے (اور چور پکڑا گیا) تب وہ گائے کے سر کے برابر سونے کا سر (ڈلا) لائے تو اس سونے کو (مال غنیمت کے اوپر) رکھا تب آگ آئی اور سب مال کھا گئی (جلا ڈالا)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم سے پہلے کسی اُمت کے لئے مال غنیمت حلال نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہماری کمزوری اور عاجزی کی بنا پر ہمارے (اُمت محمدیہ کے) لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے ہیں۔

خلفات۔ خاء کے زبر اور لام کے زیر کے ساتھ۔ بمعنی گابھن اونٹنیاں۔

جھوٹ بولنے کی عبرتناک سزا

تشریح: جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح رسوا کیا عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر جھوٹ بولنے والوں کا جھوٹ کسی نہ کسی طرح کھول دیتے ہیں اور رسوا کر دیتے ہیں۔

یہ نبی کون تھے

اس حدیث میں ان اسرائیل نبی علیہ السلام اور اس بستی کا نام مذکور نہیں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی غالباً حضرت یوشع علیہ السلام ہی ہیں اور یہ بستی بیت المقدس ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورج جب سے یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے روکا گیا ہے پھر اور کسی کے لئے نہیں روکا گیا جب وہ بیت المقدس کی طرف (جہاد کے لئے) گئے تھے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور برکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلی اُمتوں میں زکوٰۃ وصدقات کی طرح اموال غنیمت بھی کسی کے لئے حلال نہ تھے بلکہ آگ آتی تھی اور ان کو جلا ڈالتی تھی یہ صرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت بہترین امت' کی خصوصیت ہے کہ زکوٰۃ وصدقات (فقراء اور محتاجوں کے لئے اور اموال غنیمت غازیوں اور دوسرے ضرورت مندوں کے لئے یا مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لئے) حلال کر دیئے گئے کتنی بڑی رحمت اور نعمت ہے۔

کن لوگوں کو جہاد میں ساتھ نہیں لے جانا چاہئے اور کیوں

حضرت یوشع علیہ السلام نے مذکورہ بالا تینوں قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ جہاد میں چلنے سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ ان تینوں قسم کے لوگوں کے لئے ایک جائز امر اور وقتی عذر سفر کرنے سے مانع موجود تھا اگر وہ جہاد میں جاتے بھی تب بھی ان کو فطری طور پر وہ طمانیت اور یکسوئی یعنی اخلاص اور توجہ الی اللہ میسر نہ آتا جس کی جہاد میں اشد ضرورت ہے فتح ونصرت اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلصین ہی کے لئے آتی ہے مجاہدین کے لشکر میں دو چار یا دس پانچ ایسے لوگوں کا وجود بھی مضر ہے جو خلوص اور توجہ الی اللہ سے محروم ہوں۔

ہماری اُمت کے لئے حکم

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں امیر المسلمین کی طرف سے اعلان جہاد کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک نفیر عام۔ جہاد میں چلنے کا عام حکم۔ اس صورت میں بجز ان دائمی اور مستقل معذور لوگوں کے جو لڑائی میں کام آ ہی نہیں سکتے۔ جیسے اپاہج' نابینا وغیرہ اور ہر بالغ اور توانا و تندرست مرد کے لئے بلا استثناء جہاد میں شرکت ضروری ہے (۲) دوسرے نفیر خاص۔ جہاد کا خاص حکم۔ اس صورت میں امیر المسلمین اپنی صوابدید اور اختیار سے ضرورت سے زائد بالغ اور توانا و تندرست لوگوں کو بھی جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے قرآن وحدیث اور کتب فقہ کی مراجعت کیجئے۔

سورج کا رُک جانا

ایک قادر مطلق خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے نزدیک سورج کا زمین کے گرد یا زمین کا سورج کے گرد گھومنا اور حرکت کرنا یعنی "وقت کی رفتار" محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے وہ اس کو مستقل طور پر یا وقتی طور پر جب چاہے روک سکتا ہے اس لئے کہ اس مدبر کائنات اللہ تعالیٰ کے جس امر تکوینی کے تحت یہ نظام شمسی حرکت کر رہا ہے اس کی شان یہ ہے ارشاد ہے:

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون (یٰسین ع ۵)

اس کے سوا نہیں کہ ہمارا امر (حکم) کسی چیز کے (وجود میں آنے کے) لئے جب ہم اس کا ارادہ کر لیں تو (صرف) یہ (ہوتا) ہے کہ ہم اس کو کہہ دیں "ہو جا" وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

یہ لفظ کن کہنا بھی انسانوں کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ "کن کہنے" کی بھی گنجائش نہیں صرف آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے ارشاد ہے۔

وما امرنآ الا واحدة کلمح بالبصر (القمر ع ۳)

اور ہمارا امر (حکم) تو (بس) ایک (اشارہ) ہوتا ہے جیسے نگاہ اُٹھا کر دیکھ لینا۔ لہٰذا اس نظام شمسی کی حرکت کو وقتی طور پر یا مستقل طور پر روک دینے کے لئے خالق کائنات کا اشارہ کافی ہے۔ اور صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ وحی ترجمان زبان مبارک 'یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے سورج کے رک جانے کی خبر دے رہی ہے جو بغیر وحی الٰہی کے ہلتی ہی نہیں ارشاد ہے۔

ومایںطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیٰ (النجم ع ۱)

اور وہ (تمہارے نبی) اپنی طرف سے مطلق نہیں بولتے وہ (جو کچھ بولتے اور کہتے ہیں وہ) تو وحی ہوتی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

لہٰذا خالق کائنات کی عقل انسانی کی رسائی سے خارج قدرت پر اور اس کے معصوم القول (جس کی بات جھوٹ اور غلطی سے پاک ہو) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر سچے دل سے ایمان رکھنے والے "خدا پرستوں" کے لئے اس نظام شمسی کی حرکت یعنی وقت کی رفتار کے رک جانے کو تسلیم کرنے میں ذرہ برابر شک و شبہ یا تردد نہیں ہو سکتا جو اس میں شک یا تردد کرے وہ خدا کا پرستار نہیں بلکہ عقل کا پرستار ہے اس سے ہمیں واسطہ نہیں۔

دنیوی معاملات خرید و فروخت وغیرہ میں بھی سچ بولنا ضروری ہے

السادس : عن أبي خالد حَكيمِ بن حزامٍ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " البَيِّعَان بالخِيَار مَا لَمْ يَتَفرَّقَا . فَإنْ صَدَقَا وَبيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا في بيعِهمَا ، وإنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بركَةُ بَيعِهما " مُتَّفقٌ عَلَيهِ .

ترجمه: حضرت ابو خالد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قاعدہ مقرر) فرمایا ہے کہ: بائع اور مشتری (بیچنے والا اور خریدنے والا) دونوں کو (بیچنے نہ بیچنے' خریدنے نہ خریدنے کا) اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں پس اگر ان دونوں نے سچ بولا (اور مال کے عیب دار یا بے عیب ہونے کو ظاہر کر دیا) اور بتلا دیا (کہ یہ مال ایسا ہے) تو ان کے

اس سودے میں دونوں کے لئے برکت عطا فرمادی جائے گی اور اگر (عیب کو) چھپایا (اور جھوٹ بولا) تو ان دونوں کے سودے کی برکت مٹادی جائے گی۔

دنیوی معاملات میں جھوٹ بولنا گناہ در گناہ ہے

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح دینی امور میں سچ بولنا ضروری ہے اسی طرح دنیوی امور اور معاملات میں بھی سچ بولنا ضروری ہے بلکہ دنیوی امور اور معاملات میں لین دین میں' خرید و فروخت وغیرہ میں جھوٹ تو صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ دھوکہ دہی اور ضرر رسانی بھی ہے اور حقوق اللہ سے متعلق نہیں کہ توبہ واستغفار سے معاف ہو جائے بلکہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے جب تک متعلقہ شخص یا اشخاص کا حق ادا نہ کیا جائے اور نقصان کی تلافی نہ کی جائے یا معاف نہ کرایا جائے اس وقت تک اس کی سزا سے بچنا ممکن نہیں۔

ہمارے معاشرہ کی حالت

ہمارے موجودہ معاشرہ میں ویسے تو تمام ہی دنیاوی امور خصوصاً لین دین خرید وفروخت وغیرہ سر تا سر جھوٹ دھوکے اور فریب پر چل رہے ہیں مگر بد قسمتی سے جو لوگ روزہ نماز کے پابند ہیں اور دیانتدار و پرہیزگار کہلاتے ہیں وہ بھی ان معاملات میں جھوٹ بولنے کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے۔ چیز دکان پر ہو گی اور کہہ دیں گے نہیں ہے نقلی چیز ہو گی بلا تکلف اس کو اصلی بتلادیں گے علی ہذا القیاس۔

اس حدیث سے کیا سبق لینا چاہئے

اس حدیث سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور عہد کر لینا چاہئے کہ کسی بھی معاملہ میں کسی بھی صورت میں جھوٹ ہر گز نہ بولیں گے چاہے سچ بولنے میں کتنا ہی نقصان ہو دشواریاں پیش آئیں نقصان اٹھانے پڑیں' ناراضگیاں مول لینی پڑیں اگر ہم صدق دل سے یہ عہد کریں گے اور اس پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالٰی ضرور ہماری مدد فرمائیں گے یا نقصانات سے بالکل ہی بچادیں گے یا ان کی تلافی فرمادیں گے یہی مطلب ہے حدیث کے فقرہ بورك لهمافيه کا۔

باب المراقبۃ
مراقبہ (نگرانی) کے بیان میں

مراقبہ کے معنی اور اس کی تشریح نیز آیات و احادیث کا مراقبہ سے تعلق

مراقبہ کے لفظی معنی ہیں "نگرانی کرنا" یعنی کسی کے ہر نیک و بد' اچھے بُرے' قول و فعل اور نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر رہنا اور ان کو محفوظ رکھنا تاکہ اچھے اور نیک کاموں کا صلہ اور جزائے خیر دی جاسکے اور برے اور بد کاموں کی سزا دی جاسکے اس نگرانی کے مؤثر اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے نگرانی کرنے والے میں تین وصف پائے جانے ضروری ہیں (۱) اول اس شخص پر نگرانی کرنے والے کا کامل استحقاق ہو' جس کی وہ نگرانی کرتا ہے (۲) دوسرے اس شخص کے ہر ہر قول و فعل اور نقل و حرکت کا اس نگران کو ایسا پختہ اور یقینی علم ہو اور وہ ایسا باخبر ہو کہ کتنا ہی چوری چھپے تنہائیوں' پردوں اور تہہ خانوں میں چھپ کر بھی کچھ کیا جائے اس یقین کے ساتھ کہ یہاں نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ ہی کسی کو اس حرکت کی کسی طرح خبر ہو سکتی ہے تب بھی اس نگرانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا علم ہو جائے اور اس سے چھپا نہ رہ سکے (۳) تیسرے نگرانی کرنے والے کو ہر اچھے برے نیک و بد کام اور فرمانبرداری و نافرمانی کی جزا اور سزا دینے کی کامل قدرت اور مکمل اختیار حاصل ہو اس قدرت و اختیار کا جتنا پختہ علم اور یقین ہو گا اسی قدر اس نگران کا خوف اس شخص پر غالب اور مسلط ہو گا اسی قدر بدی اور بدکاری اور اس نگران کی نافرمانی و ناراضگی سے ڈرے گا ہر وقت اور ہر کام میں پوری احتیاط رکھے گا کہ کوئی قول و فعل اور نقل و حرکت نگران کے منشا اور حکم کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔

خدائے قدوس کی ذات و صفات پر اعتقاد و ایمان رکھنے والے ہر مسلمان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ یہ تینوں وصف اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کسی اور ہستی میں تصور بھی نہیں کئے جاسکتے وہ نہ صرف انسانوں کا بلکہ تمام کائنات کا خالق و مالک۔ مالک الملک رب العالمین ہے **فعال لمایرید** (جو بھی ارادہ کرے فوراً کر گزرے) اس کی شان ہے وہ نہ صرف انسانوں کے قول و فعل' بلکہ دل میں چھپے ہوئے خیالات' نیتوں اور ارادوں سے بھی رتی رتی واقف اور باخبر ہے اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں جزا اور سزا دینے کی ایسی کامل قدرت حاصل ہے کہ اس کے

دائرہ اختیار اور حدود قدرت سے کوئی بھی انسان، کسی بھی صورت میں باہر نہیں ہو سکتا اس کے قہر و غضب سے نہ زمین میں پناہ مل سکتی ہے نہ آسمان میں نہ ہی کوئی کسی کو اس کے قہر و غضب سے بچا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہی تینوں اوصاف مندرجہ ذیل آیات و احادیث میں مذکور ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں میں ایک نام رقیب بھی ہے جس کے معنی ہیں "نگران" یا نگرانی کرنے والا" قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ نام آیا ہے۔

قرآن عظیم

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ [الشعراء: ۲۱۹ ۲۲۰]

ترجمہ۔ وہ (تیرا رب) جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جب تو (نماز میں) کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنیوالوں میں تیری نقل و حرکت (رکوع و سجود) کو بھی۔

تفسیر۔ پہلی آیت میں ﴿وتقلبك فی السجدین﴾ ساجدین سے مراد حضرت عبداللہ بن عباس، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک نماز ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ آپ کو اس وقت بھی دیکھتے ہیں جب آپ تنہا نماز میں ہوتے ہیں اور اس وقت بھی آپ کو دیکھتے ہیں جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ باجماعت نماز میں ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ جب آپ تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور متوسلین کی خبر لیتے ہیں کہ یادِ الٰہی میں ہیں یا غافل یا جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور جماعت کی نماز میں رکوع و سجود کرتے اور مقتدیوں کی دیکھ بھال فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُم ﴾ "۳"[الحديد :٤]

ترجمہ۔ اور وہ (تمہارا پروردگار) تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو کہ اللہ ہی جس کی قدرت اور مشیت پر نظامِ عالم قائم ہے اس معیت کی حقیقت اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطہ علم میں نہیں آسکتی مگر اس کا وجود یقینی ہے اس کے بغیر انسان کا وجود نہ قائم رہ سکتا ہے نہ کوئی کام اس سے ہو سکتا ہے اس کی مشیت و قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے جو ہر حال میں اور ہر جگہ انسان کے ساتھ ہے (معارف القرآن: ۸/ ۲۹۳)

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ إِنَّ اللهَ لا يَخفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلا فِي السَّمَاءِ ﴾ [آل عمران : ٦]

بے شک (اے سرکش انسانوں) اللہ سے کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

تیسری آیت میں فرمایا ہے کہ جس طرح نظامِ عالم کی کوئی شئے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت سے باہر نہیں ہے اسی طرح اس عالم کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز اور کوئی ذرہ اس کے احاطہ علم سے خارج نہیں ہے۔ سب مجرم و بری اور تمام جرموں کی نوعیت و مقدار اس کے علم میں ہے اس لیے کوئی

مجرم روپوش ہو کر کہاں جاسکتا ہے اور کس طرح اس کے قبضہ قدرت سے نکل سکتا ہے۔(تفسیر عثانی)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾ [الفجر : ١٤]

ترجمہ۔بے شک (اے سرکش انسان) تیرا رب (تیری) گھات میں (لگا ہوا) ہے۔

چوتھی آیت میں ارشاد ہوا کہ جس طرح کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والوں کی خبر رکھتا ہے کہ فلاں کیونکر گزرا اور کیا کرتا ہوا گیا اور فلاں کیا لایا اور کیا لے گیا پھر وقت آنے پر اپنی معلومات کے موافق کام کرتا ہے۔اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سب بندوں کے ذرّہ ذرّہ احوال واعمال کو دیکھتا ہے کوئی حرکت وسکون اس سے مخفی نہیں۔ہاں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ غافل بندے سمجھتے ہیں کہ بس کوئی دیکھنے والا پوچھنے والا نہیں جو چاہو بے دھڑک کیے جاؤ۔ حالانکہ وقت آنے پر ان کا سرا کچا چٹھا کھول کر کہہ دیتا ہے اور ہر ایک سے انہیں اعمال کے موافق معاملہ کرتا ہے جو شروع سے اس کے زیر نظر تھے اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی اور بندوں کا امتحان تھا کہ دیکھیں کن حالات میں کیا کچھ کرتے ہیں اور ایک عارضی حالت پر نظر کر کے آخری انجام کو تو نہیں بھولتے۔(تفسیر عثانی)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ﴾ [غافر : ١٩]

ترجمہ۔وہ (خالق کائنات) جانتا ہے آنکھوں کی خیانتوں (چوریوں) کو اور (ان نیتوں اور ارادوں کو بھی) جو سینوں میں چھپے ہوتے ہیں۔

پانچویں آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو محیط ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے کسی پر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا ان میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے۔

دنیوی امور میں محاسبہ کا عظیم فائدہ

یہ محاسبہ جس طرح اللہ کی عبادت وطاعت اور دینی فرائض کے انجام دینے میں' اور ان کے ذریعہ قرب خداوندی حاصل کرنے میں بے حد نافع اور مفید ہے اسی طرح دنیوی معاملات اور کاروباری امور مثلاً تجارت' زراعت' ملازمت وغیرہ کو کامیاب طریق پر انجام دے کر دنیاوی منافع حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے یا ان کی تلافی کرنے کے بارے میں بھی غایت درجہ مفید ہے۔

روزانہ محاسبہ کا طریقہ

روزانہ سونے سے پہلے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر کے اپنے دن بھر کے کئے ہوئے دینی اور دنیوی کاموں کا جائزہ لے کر اور دوسرے دن اس جائزہ کی روشنی میں کام کر کے دیکھئے ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے اس "عمل" کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔

صوفیا کے ہاں مراقبہ

حضرات صوفیا اور ارباب باطن کے ہاں چونکہ دل میں غیر اللہ کا خیال اور تصور بھی مانع قرب الٰہی ہے اس لئے تصوف کی اصطلاح میں قلب کو غیر اللہ۔ اللہ کے ماسوا۔ سے فارغ اور پاک کرنے کی غرض سے مراقبہ ایک اہم ترین ریاضت و عبادت ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کے معنی

تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کے معنی یہ ہیں کہ: زیادہ سے زیادہ یکسوئی کے وقت' تنہائی میں آنکھیں بند کر کے ہمہ تن وہمہ شعور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح بیٹھنا کہ پورے یقین کے ساتھ یہ باور کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں بیٹھا ہوں اور وہ مجھے اور میرے دل کو دیکھ رہے ہیں اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے اسی کا نام ذکر قلبی ہے یہ قلبی اور روحانی ریاضت یعنی یہ مراقبہ جس قدر اور جتنی دیر میسر اور ممکن ہو روزانہ کرنا چاہئے۔

مشاہدہ

اس مراقبہ کی مواظبت اور روزانہ پابندی سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے سالک مقام شہود پر پہنچ جاتا ہے یعنی ہر ہر عبادت خصوصاً مراقبہ کے وقت پورے یقین کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں اور وہ میرے سامنے ہے پہلے مرتبہ کا نام مراقبہ ہے اور دوسرے مرتبہ کا نام مشاہدہ ہے احادیث کے بیان میں آپ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی حدیث کے ذیل میں ان دونوں مرتبوں کا ذکر پڑھیں گے ظاہر ہے کہ یہ عبادت میں اخلاص کا آخری اور انتہائی مقام ہے جس کو حدیث جبریل میں احسان کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

طریقت اور شریعت

واضح ہو کہ تصوف اور طریقت' شریعت سے کوئی علیحدہ اور جدا چیز نہیں ہے بلکہ شریعت کے آخری اور مطلوب مقام اخلاص تک پہنچنے کے طریقوں اور ریاضتوں کا نام تصوف یا طریقت ہے یہ جملہ معترضہ تھا اب ہم مراقبہ کے مضمون اور آیات قرآن عظیم سے اس کے ربط و تعلق پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

ایمان' اسلام' احسان اور علامات قیامت کا بیان

وأما الأحاديث ، فالأول : عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قَالَ : بَيْنَما نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يوم ، إذْ طَلَعَ عَلَينا رجُلٌ شَديدُ بَياضِ الثِّيابِ ، شَديدُ سَوَادِ الشَّعْرِ ، لا يُرَى عَلَيهِ أثرُ السَّفَرِ ، وَلا يَعْرِفُهُ مِنَّا أحَدٌ ، حَتَّى جَلَسَ إلَى النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأسْنَدَ رُكْبَتَيهِ إلَى رُكْبَتَيهِ ، وَوَضَعَ كَفَّيهِ عَلَى فَخِذَيهِ ، وَقالَ : يَا مُحَمَّدُ ، أخبرني

عَنِ الإسلامِ ، فَقالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " الإسلامُ : أنْ تَشْهدَ أنْ لا إلهَ إلاَّ اللهُ"[٣]" وأنَّ مُحمَّداً رسولُ اللهِ ، وتُقيمَ الصَّلاةَ ، وَتُؤتِيَ الزَّكاةَ ، وَتصومَ رَمضانَ ، وَتَحُجَّ البيتَ إنِ اسْتَطَعْتَ إلَيْهِ سَبيلاً " . قَالَ : صَدَقْتَ . فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ ! قَالَ : فَأَخْبِرنِي عَنِ الإيمانِ . قَالَ : " أَنْ تُؤمِنَ باللهِ ، وَمَلائِكَتِهِ ، وَكُتُبِهِ ، وَرُسُلِهِ ، وَاليَوْمِ الآخِرِ ، وتُؤْمِنَ بالقَدَرِ خَيرِهِ وَشَرِّهِ " . قَالَ : صَدقت . قَالَ : فَأَخْبِرني عَنِ الإحْسَانِ . قَالَ : " أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فإنْ لَمْ تَكُنْ تَراهُ فإنَّهُ يَراكَ " . قَالَ : فَأَخْبِرني عَنِ السَّاعَةِ . قَالَ : " مَا المَسْؤُولُ عَنْهَا بأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ " . قَالَ : فأخبِرني عَنْ أَماراتِهَا . قَالَ : " أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا ، وأَنْ تَرى الحُفَاةَ العُرَاةَ العَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي البُنْيانِ " . ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيّاً ، ثُمَّ قَالَ : " يَا عُمَرُ ، أَتَدْري مَنِ السَّائِلُ ؟ " قُلْتُ : اللهُ ورَسُولُهُ أَعْلَمُ . قَالَ : " فإنَّهُ جِبْرِيلُ أَتاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ " . رواه مسلم . ومعنى " تَلِدُ الأَمَةُ رَبَّتَهَا " أيْ سَيِّدَتَهَا ؛ ومعناهُ : أنْ تَكْثُرَ السَّراري حَتَّى تَلِدَ الأَمَةُ السُّرِّيَّةُ بِنْتاً لِسَيِّدِهَا وبِنْتُ السَّيِّدِ في مَعنَى السَّيِّدِ وَقيلَ غَيْرُ ذلِكَ . وَ" العَالَةُ " : الفُقَراءُ . وقَولُهُ : " مَلِيّاً " أيْ زَمَناً طَويلاً وَكانَ ذلِكَ ثَلاثاً .

ترجمه: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم ایک دن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک سفید براق لباس اور کالے سیاہ بالوں والا شخص نمودار ہوا نہ اس پر سفر (اور مسافر ہونے) کے آثار ظاہر تھے (کہ ہم سمجھتے اجنبی مسافر ہے) نہ ہی ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا (کہ اس کا مقامی آدمی اور شہری ہونا ظاہر ہوتا) یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح دوزانو بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ لئے (جیسے کوئی مرید بیعت ہونے کے لئے پیر کے سامنے بیٹھتا ہے) اور کہا: اے محمد! آپ مجھے بتلائیے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم (زبان سے) لاالہ الااللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت (گواہی) دو' نماز کو قائم کرو (پابندی کے ساتھ پنجوقتہ باجماعت نماز ادا کرو) زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو بیت اللہ کا حج کرو" اس نووارد نے اس پر کہا آپ نے سچ فرمایا" تو اس پر ہمیں بڑا تعجب ہوا (کہ ایسے عقیدت مندانہ انداز میں) سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق وتصویب بھی کرتا ہے (گویا آپ کا امتحان لے رہا ہے) پھر کہا: تو آپ مجھے بتلائیں کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ (اور اس کی صفات) پر اس کے فرشتوں پر' کتابوں پر' رسولوں پر اور یوم آخر (قیامت اور آخرت) پر ایمان لے آؤ (دل سے مان لو) اور اچھی بری تقدیر پر (بھی) ایمان لے آؤ (دل سے مان لو) اس پر بھی اس نے کہا (درست ہے) آپ نے سچ فرمایا"۔ تو اب آپ یہ بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے

ارشاد فرمایا' احسان (حسن عمل) یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو (اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے) اور اگر تم اس کو نہ دیکھ پاؤ (یعنی اگر تم کو یہ مشاہدہ کا مرتبہ میسر نہ آئے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) تو (کم از کم اتنا تو دل سے) یقین رکھو کہ وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے (اور تمہاری نگرانی کر رہا ہے) پھر اس نووارد نے کہا: تو اب آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے (کہ وہ کب آئے گی؟) اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: اس کا تو جواب دینے والے کو بھی سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں ہے (یعنی نہ تم جانتے ہو نہ میں کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کو تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا) اس پر اس نے کہا: تو آپ کچھ قرب قیامت کی علامتیں تو بتلا دیجئے آپ نے ارشاد فرمایا قرب قیامت کی علامت یہ ہے کہ کنیزیں اپنے آقاؤں کو جننے لگیں گی (یعنی خانگی روابط و تعلقات میں ایسا انقلاب آجائے گا اور ماں باپ کی نافرمانی اس قدر بڑھ جائے گی کہ اولاد ماں باپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی کہ مائیں اپنی لڑکیوں کے سامنے ان کی لونڈیاں معلوم ہوں گی اور باپ اپنے لڑکوں کے سامنے ان کے غلام محسوس ہوں گے) اور یہ کہ تم ننگے پاؤں' ننگے بدن بکریاں چرانے والے گڈریوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شاندار عمارتیں (کوٹھی' بنگلے) بنانے لگیں گے (یعنی ایسا انقلاب آجائے گا کہ ننگے بھوکے اور نان شبینہ تک کے محتاج لوگ اس قدر دولت مند اور مالدار بن جائیں گے کہ جہالت کی وجہ سے مال و دولت کا مصرف ان کے ہاں اس کے سوا نہ رہے گا کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلانے اور شیخی بگھارنے کی غرض سے شاندار عمارتیں بنوانے ہی میں دولت صرف کریں گے نہ ان کو مخلوق خدا کی حاجت برآری سے مطلب ہو گا نہ قومی اور اجتماعی زندگی کی ضروریات اور رفاہ عام کے کاموں سے) پھر وہ نووارد سائل اُٹھ کر چلا گیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں کچھ دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا تو (ایک دن جب میں حاضر ہوا تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر تمہیں معلوم ہے کہ (وہ نووارد عجیب وغریب حلیہ اور انداز والا) سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانیں (مجھے تو معلوم نہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبرائیل علیہ السلام تھے' تم کو دین کی تعلیم دینے کی غرض سے آئے تھے (اور دین کے اہم ترین بنیادی اصول واحکام کے سوالات کئے تھے تاکہ میں جواب دوں وہ تصدیق و تائید کریں اور تم سنو اور یاد رکھو۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: تم تو مجھ سے سوال کرتے نہیں (ڈرتے ہو) اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سائل بن کر آئے تھے دین (کے بنیادی امور) کی تعلیم کی غرض سے (کہ ایسے اہم امور کے متعلق سوال کرنے چاہئیں اور ایسے ادب کے ساتھ' اس میں کچھ حرج نہیں)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لونڈیاں اپنے ماؤں کو جننے لگیں گی" اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے قریب لوگوں میں اپنی لونڈیوں کو "داشتہ" کے طور پر استعمال کرنے کا رواج عام ہو جائے گا تو ان داشتہ کنیزوں سے جو اولاد ہو گی وہ اپنے باپ کی طرح آزاد بھی ہو گی اور اپنی ماؤں کی مالک بھی ہو گی فرماتے ہیں اس کے علاوہ بھی علماء حدیث نے اس فقرہ کے معنی بیان کئے ہیں۔

العالۃ کے معنی ہیں۔ فقراء۔ ملیاً کے معنی ہیں زمانہ طویل جو اس حدیث میں تین دن ہیں۔

دین کے معنی اور اس کے بنیادی ارکان

تشریح: دین عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ہے عقائد کا تعلق قلب سے ہے اور اعمال کا تعلق جوارح۔ اعضا ہاتھ' پاؤں' آنکھ کان زبان وغیرہ۔ سے ہے اور کتاب کے پہلے باب میں آپ تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں کہ اخلاص خالص عبادت کی نیت۔ کے بغیر کوئی بھی عبادت و طاعت حتی کہ ایمان بھی۔ اللہ کے ہاں مقبول و معتبر اور ذریعہ نجات نہیں بن سکتی اس لئے شریعت کی اصطلاح میں "مجموعہ عقائد" اللہ کی ذات و صفات پر' اس کے فرشتوں پر' کتابوں پر' رسولوں پر' یوم آخر (آخرت) پر اچھی بری تقدیر کے برحق ہونے پر سچے دل سے اعتقاد رکھنے اور ماننے۔ کا نام ایمان ہے اور مجموعہ اعمال۔ زبان سے شہادتین (توحید و رسالت کی گواہی) کا اقرار کرنا' نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج ادا کرنے کا نام اسلام ہے اور اخلاص نیک نیتی کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرنے کا نام احسان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر یقین کر کے صرف اسی کے لئے عبادت کرنا۔

دین کے بنیادی ارکان

لہٰذا دین کے اساسی ارکان اور جوہری اصول تین ہیں (۱) ایک ایمان (۲) دوسرا اسلام (۳) اور تیسرا احسان

پورے دین کا نام بھی اسلام ہے

یاد رکھئے اسلام کے مذکورہ بالا معنی اس صورت میں ہیں جبکہ اسلام کا لفظ ایمان کے مقابلہ پر استعمال ہو ورنہ "پورے دین" یعنی مجموعہ عقائد و اعمال و اخلاص کا نام بھی اسلام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الدین عنداللہ الاسلام (آل عمران: ع ۲)

بیشک اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین اسلام ہے

احسان کا تعلق مراقبہ سے

سادہ لفظوں میں حدیث جبرائیل علیہ السلام کی روشنی میں۔ احسان کا معنی ہیں پورے یقین کے ساتھ اللہ کو حاضر و ناظر اور بندوں کے اعمال کا نگران جان کر' پورے خلوص کے ساتھ' اس کی عبادت کرنا' اس احسان کے دو

مرتبے ہیں (۱) ایک اعلیٰ مرتبہ مشاہدہ ہے جو حدیث جبرئیل میں کانك تراه۔ گویا (اُردو میں "گویا" اور عربی میں کان کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ اس مادی دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا انسانی قدرت سے قطعاً باہر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس کا قطعی ثبوت ہے اسی طرح مشاہدہ کا مطلب بھی اس کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہے) تو اس کو دیکھ رہا ہے کے عنوان سے مذکور ہے یہ مرتبہ سالہا سال کی عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد بھی خال خال عارفین کو میسر آتا ہے (۲) دوسرا مرتبہ مراقبہ ہے جو حدیث جبرئیل میں فانه يراك پس بیشک وہ تجھ کو ضرور دیکھ رہا ہے کے عنوان سے مذکور ہے اس مرتبہ کا حصول صرف کامل توجہ الی اللہ پر موقوف یہ جو ہر اس مومن مسلمان کو میسر آسکتا ہے جو عبادت کے وقت نفس اور شیطان کی مزاحمتوں خیالات اور وسوسوں سے خود کو محفوظ کرلے یعنی عبادت کے وقت اپنے خیال کو ادھر اُدھر نہ بھٹکنے دے اور اس یقین کے ساتھ عبادت کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے جیسا کہ آپ قرآن کریم کی آیت کریمہ نمبر (۱) و (۲) و (۴) کے تحت پڑھ چکے ہیں یہی اس حدیث کا مراقبہ سے تعلق ہے اور اسی غرض سے امام نووی اس حدیث کو باب مراقبہ کے تحت لائے ہیں۔

مراقبہ کا یہ درجہ حاصل کرنے کی تدبیر

کم از کم احسان کا یہ مرتبہ جس کا نام مراقبہ ہے حاصل کرنے کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے اس کے حصول کے لئے علاوہ روزانہ جس قدر بھی ممکن ہو اس طریق پر مراقبہ میں بیٹھنے کے جس کا ذکر آپ مراقبہ کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں یہ تدبیر بھی نہایت کارگر ہے کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں خواہ زبان سے ہو یا دل سے مصروف رہے اپنی زبان سے پورا کلمہ طیبہ یا صرف اللہ اللہ یا کوئی اور ذکر سبحان اللہ یا الحمد للہ وغیرہ کرتا رہے اور خاموشی کے وقت دل سے اللہ اللہ کرتا رہے، بہت مؤثر تدبیر ہے آپ بھی چند روز تجربہ کر کے دیکھئے۔

اس حدیث کی جامعیت اور حضرت جبرئیل کے آنے کی وجہ

اس تفصیل کے بعد آپ بآسانی سمجھ سکیں گے جبرئیل علیہ السلام کی یہ حدیث نہ صرف دین کے انہی تینوں بنیادی اصول و ارکان پر مشتمل اور جامع ترین حدیث ہے بلکہ مراقبہ اور مشاہدہ اور ان کے باہمی فرق سے متعلق واحد حدیث ہے۔ حضرت جبرئیل کو اللہ تعالیٰ نے بھیج کر ان تینوں ارکان کے سوالات کرنے اور جوابات کی تصدیق و تصویب کرنے کی ہدایت اس لئے فرمائی کہ اول تو صحابہ کرامؓ آپ سے سوالات کرتے ہوئے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے کثرت سوالات سے منع فرمادیا تھا۔ علاوہ ازیں شاید وہ اس قدر جامع ومانع سوالات نہ کرسکتے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے ذریعہ جوابات دیئے اور آخر میں فرمادیا: تم تو سوال کرتے نہیں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو تمہیں دین کے بنیادی ارکان کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا تاکہ صحابہ کرامؓ اور اُمت اس حدیث کی اہمیت کو سمجھیں اور یاد رکھیں۔

قرب قیامت کی علامات کی تشریح

اس حدیث میں قرب قیامت کی علامات کے سلسلے میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اہم ترین چیزیں بیان فرمائی ہیں (۱) ایک یہ کہ عقوق۔ ماں باپ کی نافرمانی۔ اس درجہ بڑھ جائے گی کہ لڑکے تو لڑکے لڑکیوں کے سامنے بھی ماں لونڈی بن کر رہ جائے گی ان کی نقل و حرکت' آمد و رفت' میل جول اور چال چلن کی نگرانی اور روک ٹوک تو کیا کرتی اپنی آبرو کے ڈر سے لونڈیوں کی طرح ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جائے گی اسی طرح لڑکوں کے سامنے باپ کی حیثیت خانہ زار غلام یا نوکر کی ہو جائے گی اس لحاظ سے آخر زمانہ میں گویا مائیں اولاد جننے کے بجائے اپنے آقاؤں کو جنم دینے لگیں گی چنانچہ علامات قیامت کی اور احادیث میں ویکثر العقوق اور ماں باپ کی نافرمانی بہت زیادہ عام ہو جائے گی کی تصریح موجود ہے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کی تشریح پر کلام

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امۃ اور ربۃ کے الفاظ ان کے حقیقی معنی۔ لونڈی اور مالکن میں رکھ کر اس فقرہ کے معنی یہ بیان کئے کہ لوگ اپنی زر خرید لونڈی کو "داشتہ" کے طور پر استعمال کرنے لگیں گے عربی میں سریہ اس زر خرید لونڈی کو کہتے ہیں جسے مالک ہمبستری کے لئے مخصوص کر لے اس فقرہ کے اس معنی پر گوناگوں اشکال وارد ہوتے ہیں اور تمام اشکالات کے علاوہ جن کی تفصیل شروح حدیث میں موجود ہے سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ قیامت تو ابھی معلوم نہیں کب آئے گی زر خرید لونڈیوں اور غلاموں کا وجود اب سے صدیوں پہلے مفقود ہو چکا قیامت کی علامت تو ایسی عالمگیر چیز ہونی چاہئے کہ جوں جوں قیامت قریب آتی جائے وہ برابر بڑھتی رہے عقوق والدین کی نافرمانی' بیشک عالمگیر اور روز افزوں ہے جس کا ہم شب و روز مشاہدہ کر رہے ہیں اپنے ملک میں بھی اور دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی۔ (۲) دوسری علامت کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانہ میں دولت سمٹ کر ایسے بھوکے ننگے اور نااہل لوگوں کے پاس چلی جائیگی جو دولت کو اس کے صحیح مصرف اور حقیقی محل' مخلوق خدا کی حاجت روائی اور قومی و ملکی ضروریات' میں خرچ کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر صرف شیخی اور خود نمائی کے کاموں میں صرف کریں گے اس کا مشاہدہ بھی روز افزوں ہے آج کل کے کروڑ پتیوں کے ماضی اور حال کا جائزہ لے کر دیکھئے حقیقت کھل جائے گی۔

دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجانے کا عظیم تر نقصان

دولت و ثروت کے ان نااہلوں کے ہاتھ میں سمٹ کر آجانے کا نقصان صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ بے محل اور بے مصرف خرچ ہونے لگتی ہے بلکہ ایک طرف یہ نااہل نو دولتئے اس دولت کے زور سے ملک و قوم کے تمام وسائل معاش اور ذرائع آمدنی پر قابض ہو کر یا خود اقتدار اعلیٰ اور حکومت پر قبضہ کر لیتے ہیں یا ارباب اقتدار اور حکمران ان کے اشاروں

پر چلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس طرح بلاواسطہ یا بالواسطہ اقتدار اعلیٰ انہی چند کروڑ پتیوں اور ارب پتیوں کے ہاتھ آ جاتا ہے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم علامات قیامت کے سلسلہ میں اسی خطرہ سے آگاہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

اذاوسدالامرالی غیراھلہ فانتظرالساعۃ

جب کام نااہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو اس وقت تم قیامت کا انتظار کرنے لگنا۔

دوسری طرف یہ مسلم اور آزمودہ حقیقت ہے کہ دولت و ثروت کی فراوانی اور ریل پیل لازمی طور پر زبردستی نفس پرستی عیاشی' بے لگام شہوت رانی کو اپنے ساتھ لاتی ہے چنانچہ یہ نااہل نودولتیے حرام و حلال کے فرق و امتیاز اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر' شراب خوری' حرام کاری' رقص و سرور اور عیاشی کی ہمت افزائی کرنے لگتے ہیں سود خوری' قماربازی وغیرہ محرمات شرعیہ کو اپنا قابل فخر کارنامہ سمجھنے لگتے ہیں ملک اور قوم کے افلاس زدہ عوام میں اول اول تو ان کی نفسانی خواہشات حرام کاریوں اور بدمستیوں کو بادل نخواستہ پورا کرنے اور ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہوتے ہیں بعدازاں رفتہ رفتہ انہی حرام کاریوں اور عیاشیوں کے خود بھی عادی ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ تباہ اور پوری قوم روحانی اور اخلاقی اعتبار سے ہلاک ہو جاتی ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کو نصیحت

مخبر صادق فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے متعلق اسی تباہ کاری اور ہلاکت کے خطرہ کا اظہار خیال کے الفاظ میں فرمایا ہے۔

لااخشی علیکم الفقرولکن اخشی علیکم الدنیا اذاھی حیزت لکم فتنا فسوا فیھا کماتنا فس من کان قبلکم فتھلککم کمااھلکت من کان قبلکم.

مجھے تمہارے متعلق فقر اور تنگدستی (سے ہلاکت) کا خطرہ نہیں بلکہ مجھے تمہارے متعلق دنیا (کی دولت و ثروت) سے ڈر لگتا ہے جبکہ وہ سمٹ آئے تمہارے پاس پھر تم ایک دوسرے سے (زراندوزی میں) بڑھنے کی دھن میں لگ جاؤ جیسے تم سے پہلی قوموں نے کیا اور پھر وہ دنیا (کی دولت و ثروت) تم کو ہلاک کر ڈالے جیسے تم سے پہلوں کو ہلاک کر ڈالا۔

یہ تمام تر ہلاکت اور تباہ کاری اسی نااہلوں کے ہاتھ میں دولت و ثروت سمٹ آنے کا نتیجہ ہے جس کو حدیث جبرئیل علیہ السلام میں قرب قیامت کی علامت قرار دیا ہے یہ وہ حقیقتیں ہیں جن کا ہم آج علانیہ مشاہدہ کر رہے ہیں کاش کم از کم مسلمان قوموں ہی کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اپنے رؤف و رحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور شفقت آمیز تعلیمات سے سبق حاصل کر لیں اور خود کو اس آخر زمانہ کی ہلاکت اور تباہی سے بچالیں **وفقنا اللہ وایاکم بالخیر** اُمید ہے کہ اس حدیث جبرئیل علیہ السلام کی اہمیت کی بنا پر اس تشریح کی طوالت میں معذور سمجھیں گے۔

نیکیاں بدیوں کو مٹادیتی ہیں خوش اخلاقی بہت بڑی نیکی ہے

الثاني : عن أبي ذر جُنْدُب بن جُنادَةَ وأبي عبدِ الرحمان معاذِ بن جبلٍ رضي الله عنهما ، عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " اتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ " رواه الترمذي ، وَقَالَ : " حديث حسن " .

ترجمه: حضرت ابوذر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو جہاں بھی تم ہو' (اس لئے کہ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور تم ہر وقت اس کے سامنے ہوتے ہو) اور ہر برائی (اور بدکاری) کے بعد فوراً کوئی نیکی (اور نیک کام) کرلیا کرو تو یہ نیکی اس بدی کو مٹادے گی اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آیا کرو (کہ یہ خوش اخلاقی بہت بڑی نیکی ہے خدا بھی اس سے خوش ہوتا ہے مخلوق بھی دعائیں دیتی ہے اس لئے یہ نیکی تمہاری بہت سی برائیوں کو مٹاتی رہے گی)

حدیث کا مراقبہ اور محاسبہ سے تعلق

تشریح: یہ حدیث بھی ہر جگہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے اور بندے کے ہر وقت اور ہر حالت میں اس کے زیر نگرانی ہونے کو ثابت کرتی ہے اور آیت نمبر (۲) سے ماخوذ ہے نیز یہ حدیث بھی آیت کریمہ نمبر (۱۴) کی طرح اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنے کی طرف اشارہ کرتی ہے اس لئے کہ اپنی بدکاریوں اور کوتاہیوں کے احساس کے بعد ہی ان کے ازالہ کے لئے نیکوکاری خصوصاً خوش اخلاقی' اختیار کرنے کا جذبہ پیدا یا تیز تر ہوتا ہے قرآن کریم کی آیت کریمہ **ان الحسنات يذهبن السيئات** آپ پڑھ ہی چکے ہیں یہی اس حدیث کا مراقبہ کے مضمون سے تعلق ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز وصیت

الثالث : عن ابنِ عباسٍ رضي الله عنهما ، قَالَ : كنت خلف النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوماً ، فَقَالَ : " يَا غُلامُ ، إنِّي أعلّمُكَ كَلِمَاتٍ : احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ ، احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسأَل الله ، وإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ ، وَاعْلَمْ : أنَّ الأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعَتْ عَلَى أنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إلاَّ بِشَيءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ ، وَإِن اجتَمَعُوا عَلَى أنْ يَضُرُّوكَ بِشَيءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إلاَّ بِشَيءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ ، رُفِعَتِ الأَقْلاَمُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ (رواه الترمذي ، وَقَالَ :"حديث حسن صحيح)

وفي رواية غيرِ الترمذي:"احْفَظِ الله تَجِدْهُ أمَامَكَ ، تَعَرَّفْ إِلَى اللهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفكَ فِي الشِّدَّةِ ، وَاعْلَمْ : أنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ ، وَاعْلَمْ : أنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ ، وَأنَّ الفَرَجَ مَعَ الكَرْبِ ، وَأنَّ مَعَ العُسْرِ يُسْراً " .

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: میں ایک دن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (پیچھے چل رہا) تھا تو آپ نے مجھ سے خطاب کر کے فرمایا اے لڑکے! میں تمہیں چند (ضروری) باتیں بتلاتا ہوں (انہیں ہمیشہ یاد رکھنا)

(۱) تم اللہ کی (عبادت وطاعت کی) حفاظت کرو تو اللہ (دینی اور دنیوی آفتوں سے) تمہاری حفاظت کریگا۔

(۲) تم اللہ (کے حاضر وناظر ہونے کے یقین) کی حفاظت کرو تو تم اللہ تعالیٰ کو (ہر وقت) اپنے سامنے پاؤ گے (اور مراقبہ کے مرتبہ سے ترقی کر کے مشاہدہ کے مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے)

(۳) اور جب بھی سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرنا (وہی تمہارے سوال کو پورا کرتا ہے کوئی دوسرا اگر کرتا بھی ہے تو وہ بھی اسی کے حکم سے پورا کرتا ہے)

(۴) اور جب بھی مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری مدد کرے گا (یا اپنے کسی بندے سے کرادے گا)

(۵) یاد رکھو! تمام مخلوق بھی اگر تم کو کوئی نفع پہنچانے پر متفق ومتحد ہو جائے تو وہ تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے (تمہارے مقدر میں) لکھ دیا ہے۔

(۶) اور اگر تمام مخلوق بھی تم کو کوئی نقصان پہنچانے پر متفق ومتحد ہو جائے تو وہ تمہیں اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے (تمہارے مقدر میں) لکھ دیا ہے (اس لئے نوشتہ تقدیر پر ہی یقین وایمان رکھو اور قناعت کرو مخلوق کی نفع رسانی یا نقصان رسانی کی طرف قطعاً التفات نہ کرو اور کسی کو مورد الزام نہ ٹھہراؤ)

(۷) یاد رکھو! تقدیر کے قلم (جو لکھنا تھا) لکھ چکے اور نوشتہ ہائے تقدیر خشک ہو چکے (اب نہ اس میں کسی تغیر وتبدل کا امکان ہے اور نہ مٹنے مٹانے کا) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جامع ترمذی کی روایت ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو صحیح اور حسن کہا ہے ترمذی کے علاوہ اور کتب حدیث میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

(۱) تم اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھو تو اس کو ہر وقت اپنے سامنے پاؤ گے (وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے)

(۲) تم فراخی اور خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانو (کہ یہ فراخی وخوشحالی محض اس کا انعام واحسان ہے) تو اللہ تعالیٰ سختی اور تنگدستی میں تمہیں پہچانے گا (کہ یہ میرا وہی شکر گزار بندہ ہے جس نے فراخی وخوشحالی میں مجھے یاد رکھا تھا اور تمہاری سختی اور تنگدستی کو دور کردے گا)

(۳) یاد رکھو! جس مصیبت سے تم بچ گئے وہ (دراصل) تم پر آ ہی نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت تم پر آئی اس سے تم (کسی طرح) بچ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو نہیں ہے وہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا)

(۴) اور یہ بھی یاد رکھو! کہ مدد یقیناً صبر کے ساتھ ہے (جو صبر کرتا ہے اس کی ضرور مدد کی جاتی ہے) اور کشائش یقیناً سختی کے ساتھ ہے اور آسانی یقیناً دشواری کے ساتھ ہے (یعنی ہر تکلیف کے بعد راحت اور ہر دشواری کے بعد آسانی ضرور میسر آتی ہے صبر و تحمل کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے گھبرانا اور واویلا نہ کرنا چاہئے نہ کوئی مصیبت اور تکلیف دائمی ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مشکل اور دشواری ہمیشہ رہتی ہے)

ان وصیتوں کا تجزیہ اور یہ کہ کونسی وصیت کس باب سے متعلق ہے

تشریح: اس حدیث کی پہلی روایت میں سات وصیتیں مذکور ہیں ان میں سے

۱- میں تقویٰ کی تعلیم ہے جس کا تفصیلی بیان اگلے باب میں آتا ہے

۲- مراقبہ اور اللہ کی نگرانی سے متعلق ہے اسی جزو کی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو مراقبہ کے باب میں لائے ہیں

۳-۴- کا تعلق استعانت باللہ۔ اللہ ہی سے مدد مانگنے سے ہے۔ جو توکل کے تحت داخل ہے اور باب الیقین والتوکل کے ذیل میں اس کا بیان آتا ہے اس استعانت باللہ کا ماخذ سورۃ فاتحہ کی آیت کریمہ **ایاك نعبدو ایاك نستعین** ہے۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔

۵-۶-۷- کا تعلق ایمان بالقدر سے ہے جس کا ذکر آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

دوسری روایت میں چار وصیتیں مذکور ہیں ان میں سے (۱) کا تعلق مراقبہ سے ہے جس کا تفصیلی بیان اسی باب میں آپ پڑھ چکے ہیں اور نمبر (۲) کا تعلق شکر سے ہے اور اس کا ماخذ آیت کریمہ ذیل ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (ابراھیم: ع ۲)

بخدا اگر تم شکر ادا کرو گے تو یقیناً میں تم کو اور زیادہ (نعمتیں) دوں گا اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو (یاد رکھو) میرا عذاب بہت ہی سخت ہے۔ نمبر (۳) کا تعلق ایمان بالقدر سے ہے اور نمبر (۴) کا تعلق صبر سے ہے جس کا تفصیلی بیان آپ مستقل باب کے تحت پڑھ چکے ہیں۔

اس حدیث کی اہمیت اور مسلمانوں کی ان زریں تعلیمات سے افسوس ناک بے خبری

اس حدیث پاک میں مراقبہ اللہ کی نگرانی اور ذکر اللہ 'اللہ کی یاد' کی اہمیت ضرورت اور منفعت کی تعلیم کے علاوہ شفیق اعظم 'ہادی برحق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو استعانت باللہ 'ایمان بالقدر اور صبر و شکر سے متعلق ایسی زریں وصیتوں اور بیش بہا نصیحتوں کی بھی تعلیم دی ہے کہ اگر مسلمان ان کو اپنے دلوں پر پتھر کی لکیر کی طرح نقش کرلیں تو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضاو خوشنودی اور آخرت کی فلاح و کامرانی ان کے لئے یقینی

ہو جائے دوسری طرف نہ صرف دنیوی زندگی کی تمام دشواریاں آسان اور مشکلات حل ہو جائیں بلکہ دنیا میں مصائب و تکالیف جن سے اس زندگی میں کوئی نہیں بچ سکتا کا باوقار مردانہ وار مقابلہ کر کے نہایت عزت و عظمت اور فلاح و کامرانی کی زندگی بسر کر سکیں نہ کسی تکلیف و مصیبت میں کسی کے بزدلانہ گلہ و شکوہ کی نوبت آئے اور نہ کسی کو اپنی مصیبت و تکلیف کا ذمہ دار قرار دے کر برا بھلا کہنے کی حماقت ان سے سرزد ہو۔

ہماری بے حسی یا بد قسمتی

یہ ہماری بے حسی یا بد قسمتی ہے کہ ہم اپنے مشفق اعظم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سرے سے بے خبر ہیں اگر اتفاق سے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پڑھنے یا وعظ خطبہ وغیرہ میں سننے کی توفیق بھی ہوتی ہے تو محض عقیدت واحترام کی نیت سے پڑھ یا سن لیتے ہیں ان پر عمل کرنے یا زندگی میں ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ مطلق نہیں ہوتی کتنی بڑی محرومی ہے اللہ رحم کرے۔

بچوں کو اوائل عمر میں ہی یہ وصیتیں یاد کرادینی چاہئیں

راوی حدیث حضرت ابن عباس جن کی عمر اس وقت صرف ۹ یا ۱۰ سال کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یاغلام 'اے لڑکے' کے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب فرما کر ان زریں نصائح کو بیان کرنے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو اوائل عمر سے ہی یہ نصیحتیں یاد کرادینا چاہتے ہیں تا کہ ان کے دلوں میں بچپن سے ہی راسخ ہو جائیں اور ایمان و اعتقاد کا جزو بن جائیں اور ساری عمر وہ ان کی روشنی میں کامیاب و کامران زندگی بسر کر سکیں اور دین و دنیا کی فلاح حاصل کر سکیں۔

غلط فہمی اور اس کا ازالہ

اس حدیث کی پہلی روایت کے فقرہ نمبر (۵) اور دوسری روایت کے فقرہ نمبر (۳) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عالم اسباب میں مصائب و آفات اور تکالیف و نقصانات سے بچنے کی ظاہری تدابیر واسباب نہ اختیار کئے جائیں اور سعی و کوشش کو چھوڑ بیٹھیں اس لئے کہ اس تدبیر اور جدوجہد کے تو ہم شرعاً مامور اور مکلف ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی تدبیروں اور کوششوں پر نیز ظاہری اسباب پر بھروسہ اور اعتماد نہ کریں اور کامیابی کی صورت میں مغرور اور خدا فراموش نہ بن جائیں اور ناکامی کی صورت میں خدا کی رحمت سے مایوس اور اس سے بدظن نہ ہوں نیز ہمت نہ ہاریں خود کو یا کسی دوسرے کو مورد الزام ناکامی کا ذمہ دار نہ ٹھہرائیں تقدیر کو نہ کوسیں بلکہ صدق دل سے یقین واطمینان رکھیں کہ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے سب منجانب اللہ ہے اسی میں مصلحت ہے گو ہم نہ سمجھیں رہی ہماری تدبیریں اور کوششیں سو وہ تو صرف تعمیل حکم کے لئے تھیں اور ہیں جو کامیابی ہوئی وہ محض اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے اس پر شکر ادا کریں اور ناکامی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھیں اور اس سے

کامیابی یا ناکامی کے نعم البدل بہترین بدلہ' کی اور رحم و کرم کی دعا مانگیں یہی اچھی بری تقدیر پر ایمان جس کا ذکر آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں رکھنے کا مطلب ہے خود ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا اور دنیاوی اسباب و تدابیر کو چھوڑ بیٹھنا نہ ایمان بالقدر ہے اور نہ ہی صبر و توکل ہے خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تدابیر اور اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ایک دن ایک شتر سوار دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا یا رسول اللہ! میں اس اونٹ کو کھلا چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں یا اس کے گھٹنے باندھ دوں اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں؟ آپ نے فرمایا: اعقلها فتوکل اسے باندھ دو اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو یعنی اسباب و تدابیر ضرور اختیار کرو مگر ان پر بھروسہ ہرگز نہ کرو بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو۔

اسی طرح پہلی روایت کے فقرہ نمبر (۳) اور (۴) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود آکر تمہارے سوال کو پورا کرے گا یا مدد کرے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے کوئی بھی ہو سوال کرنے یا مدد مانگنے کے بجائے جس میں کفر و شرک لازم آجانے کا قوی اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرو اسی سے مدد مانگو وہ اپنے کسی بندے کے دل میں ڈال دے گا وہ تمہارا سوال پورا کر دے گا یا مدد کرے گا اس کے بعد جو بھی تمہارا سوال پورا کرے یا مدد کرے دل سے یقین کرو کہ یہ کارسازی دراصل اللہ تعالیٰ کی ہے اس پر اول اللہ تعالیٰ کا شکر دل و جان سے ادا کرو اس کے ساتھ ہی اس شخص کا بھی شکریہ ادا کرو اس لئے کہ شریعت کا حکم ہے کہ جو تم پر احسان کرے یا تمہاری مدد کرے تم اس کا شکریہ ضرور ادا کرو **من لم یشکر الناس لم یشکر الله** جس نے (احسان کرنے والے) لوگوں کا شکر نہ ادا کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

خطاؤں اور گناہوں کی جرأت پیدا ہونے کا سبب

الرابع : عن أنسٍ رضي الله عنه ، قَالَ : إنَّكُمْ لَتعمَلُونَ أعْمَالاً هي أدَقُّ في أعيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ ، كُنَّا نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ المُوبِقاتِ . رواه البخاري . وَقالَ : " المُوبقاتُ " : المُهلِكَاتُ .

ترجمه: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک تم آج کل بہت سے ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ باریک حقیر اور معمولی ہیں اور ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں انہی کاموں کو ہلاک کر دینے والے کاموں میں سے شمار کیا کرتے تھے (یعنی خدا کی نگرانی سے غفلت اور اس کے محاسبہ کا خوف دلوں میں نہ رہنے کی وجہ سے تمہاری نظروں میں خطاؤں اور چھوٹے موٹے گناہوں کی وہ اہمیت باقی نہیں رہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور خوف خدا کے غلبہ کی وجہ سے ہماری نظروں میں تھی اس لئے کہ اول تو صغیرہ گناہ کو معمولی اور حقیر سمجھنا خود کبیرہ ہے علاوہ ازیں یہی صغیرہ گناہ بڑھتے بڑھتے کبیرہ گناہوں کے

ارتکاب کا سبب بن جاتے ہیں اسی لئے ہم ان صغیرہ گناہوں کو ہلاک کرنے والا سمجھتے تھے غرض خوف خدااور محاسبہ اعمال کا احساس باقی نہ رہنے کی وجہ سے ہی تم خطاؤں اور گناہوں کے ارتکاب پر اس قدر جری ہو گئے ہو۔ الموبقات کا معنی ہے ہلاک کرنیوالی۔

ہماری حالت اور اس کی وجہ' اور اس کے سدھارنے کی تدبیر

تشریح: جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کہ پوری ایک صدی بھی نہ گزری تھی اتنا بڑا فرق پڑ گیا تھااور خدا کے قہر و غضب سے بے خوفی و غفلت اور اس کی نگرانی سے لاپروائی اور اس کے نتیجہ میں گناہوں کی جرأت کا یہ عالم تھا تو آج چودہ صدیوں کے بعد کا تو کہنا ہی کیا ہے اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں غیبت' دھوکہ دہی' جھوٹ' جھوٹی شہادت' دروغ حلفی' سودی کاروبار' ناجائز لین دین جیسے مہلک کبیرہ گناہ اور کھلے ہوئے حرام کام نہ صرف یہ کہ کچھ برے نہیں سمجھے جاتے بلکہ فخریہ بیان کئے جاتے ہیں اس کی وجہ صرف خدا سے بے تعلقی اور اس کے محاسبہ کے خوف اور نگرانی کے یقین کا دلوں سے نکل جانا ہے ہر عبادت و طاعت کے وقت تو ہم خدا کے سامنے ہونے اور اس کے دیکھنے کو تو کیا باور کرتے ہم تو نماز تک میں یہ نہیں سمجھتے کہ ہم خدا کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ ہماری نقل و حرکت کو اور ہمارے دلوں اور ان کے ادھر ادھر بھٹکنے والے خیالات کو دیکھ رہا ہے اور یہ کہ ہم اپنے رب سے مناجات کر رہے ہیں اور وہ سن رہا ہے حالانکہ مشفق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں آگاہ کیا ہے نمازی نماز میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان یعنی سامنے ہوتا ہے بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے دلوں میں اس قادر مطلق اللہ تعالیٰ کا خوف اتنا بھی نہیں جتنا ایک ٹریفک کے سپاہی کے دل میں اپنے اس افسر کا خوف ہوتا ہے جس کے متعلق اسے یقین ہو کہ اگرچہ افسر مجھے نظر نہیں آرہا مگر یقیناً وہ کسی خفیہ جگہ سے میری نگرانی کر رہا ہے حالانکہ وہ احکم الحاکمین پکار پکار کر کہہ رہا ہے ان ربك لبالمرصاد۔ بیشک تیرا رب تیری گھات میں ہے۔

اسی تباہ کن صورت حال اور اس کے نتیجہ بد سے قرآن عظیم آیت کریمہ نمبر (۱۴) میں متنبہ کر رہا ہے اور اس کی اصلاح کی تدبیر محاسبہ اعمال' اپنے اعمال کا جائزہ لینا بتلا رہا ہے مگر وائے محرومی کہ ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں صرف اس لئے کہ مراقبہ اللہ کی نگرانی کا یقین ہے نہیں یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صحبت کا بدل

یاد رکھئے اگرچہ خاتم الانبیاء نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر صحبت تو آپ کی وفات کے بعد میسر آنا ممکن نہیں مگر آپ کے وہی انفاس قدسیہ کلمات طیبہ اور پورا اسوۂ حسنہ جس سے صحابہ کرامؓ کی کایا پلٹ ہوئی تھی محدثین

رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں کتب حدیث میں موجود و محفوظ ہے اگر پختہ ایمان سچی عقیدت اور اصلاح کی مخلصانہ نیت کے ساتھ ہم آج ان احادیث کو پڑھیں یا پڑھوا کر سنیں تو وہ ہمارے دلوں سے بھی اس غفلت، وبے خوفی اور لاپروائی کے زنگ کو دُور کرنے کے لئے بہت کافی ووافی ہیں بشرطیکہ جیسا چاہے۔ ہمارے دلوں میں خدا کا خوف روز حساب کا ڈر اور اس کے نتیجہ میں عذاب آخرت سے نجات کی جستجو اور اصلاح احوال کا عزم مصمم اٹل ارادہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت

الخامس : عن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إِنَّ الله تَعَالَى يَغَارُ ، وَغَيْرَةُ الله تَعَالَى ، أَنْ يَأْتِيَ المَرْءُ مَا حَرَّمَ الله عَلَيهِ " متفق عَلَيهِ . و" الغَيْرَةُ " : بفتحِ الغين ، وَأَصْلُهَا الأَنَفَةُ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ کو بھی غیرت آتی ہے اور اللہ کو غیرت اس پر آتی ہے کہ انسان وہ کام کرے جو اس نے حرام کئے ہیں۔
غیرۃ کے معنی خودداری کے ہیں۔

غیرت کے معنی اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت

تشریح: غیرت کا لفظ اردو میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) ایک یہ کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا کوئی برا کام کرے یا ایسا کام کرے جو خود اگرچہ برا نہ ہو مگر دوسروں کے سامنے وہ کام کرنا معیوب ہو اور اس حالت میں کوئی آجائے یا اسے دیکھ لے تو اگر وہ فوراً اس کو چھوڑ دے یا چھپنے کی کوشش کرے تو یہ غیرت ہے اور اگر نہ کرے تو یہ بے غیرتی ہے گویا یہ غیرت شرم وحیا کے معنی میں ہے اور خود انسان کی ذات اور اس کے اعمال وافعال سے متعلق ہے اس معنی کے اعتبار سے غیرت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی حدوث و تغیر کی کیفیات سے مقدس اور منزہ ذات کی طرف ہرگز جائز نہیں اللہ تعالیٰ اس طرح کے نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور پاکیزہ ہیں (۲) غیرت کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو یا کوئی آقا اپنے نوکروں کو سختی کے ساتھ کسی کام سے منع کرے اور وہ اولاد یا نوکر خود اس کے سامنے وہ کام کریں تو اس پر اگر اس باپ یا آقا کو ان کی یہ بے پروائی اور دیدہ دلیری غایت درجہ ناگوار گزرے غصہ آئے اور ان کو سزا دینے کے لئے تیار ہو جائے تو یہ غیرت ہے اور وہ باپ یا آقا غیور ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ بے غیرتی یہ اور وہ باپ یا آقا بے غیرت اور بے حمیت ہے سادہ لفظوں میں اس غیرت کے معنی ہیں ناگواری ناراضگی کا اظہار اپنی شفقت ورحمت سے محروم کر دینا اور اس کا تعلق دوسروں کے افعال واعمال سے ہوتا ہے اس فرق کو سمجھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی سمجھئے۔

اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور پروردگار عالم اپنی پروردہ مخلوق انسانوں کو ان حرام کاموں کو کرتا ہوا دیکھتا ہے جن کو اس نے انہی انسانوں کے فائدہ کے لئے حرام کیا ہے تو اس کو اس مخلوق کی یہ بیباکی اور بے غیرتی سخت ناگوار گزرتی ہے اور شدید غصہ آتا ہے اور پھر یا اسی وقت اس حرام کاری اور حرام خوری کی سزا دیتا ہے اور اگر کسی مصلحت کی وجہ سے اسی وقت سزا نہیں بھی دیتا تو ان سے ناراض ضرور ہو جاتا ہے اور اپنی شفقت ورحمت سے ان کو محروم کر دیتا ہے الا یہ کہ وہ اپنے اس گناہ اور نافرمانی کی معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے توبہ کریں تو وہ غفور ورحیم پروردگار ان کو معاف کر دیتا ہے اور پھر رحمت وشفقت سے نوازنا شروع کر دیتا ہے مختصر اور سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی ہیں محرمات 'حرام کاموں' کا ارتکاب کرنے والوں سے ناراض ہو جانا یعنی ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دینا۔

حدیث کا مراقبہ سے تعلق

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر ہر قول اور فعل کی سخت نگرانی کرتے ہیں خاص کر حرام کام کرنے والے نافرمان بندوں کی اگرچہ وہ یہی سمجھتے رہیں کہ ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا چنانچہ آپ آیت کریمہ نمبر (۳) میں پڑھ چکے ہیں ان ربك لبالمرصا۔

یہ واقعہ ہے اگر کسی سچے مومن بندے کو بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتے وقت یہ خیال آجائے یا کوئی خیال دلادے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے تو فوراً وہ اس گناہ سے باز آجاتا ہے جیسا کہ آپ کتاب کے پہلے باب میں ان تین آدمیوں کے قصہ میں جو ایک غار میں بند ہو گئے تھے دوسرے آدمی کا واقعہ پڑھ چکے ہیں اور ہم اسی خیال کو ہر وقت مستحضر رکھنے کی تدبیر مراقبہ کے بیان میں بتلا چکے ہیں یاد نہ رہی ہو تو اس بیان کو دوبارہ پڑھ لیجئے اور اس پر عمل کیجئے تاکہ آپ غیرت خداوندی کا نشانہ بننے سے محفوظ ومامون رہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔

اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا ایک عجیب واقعہ

السادس : عن أبي هريرةَ رضي الله عنه : أنّه سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقُولُ : "إنَّ ثلاثَةً مِنْ بَني إسْرَائِيلَ : أبْرَصَ ، وَأَقْرَعَ ، وَأَعْمَى ، أَرَادَ اللهُ أنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إلَيهِم مَلَكاً ، فَأَتَى الأَبْرَصَ ، فَقَالَ : أيُّ شَيءٍ أَحبُّ إلَيْكَ ؟ قَالَ : لَوْنٌ حَسَنٌ ، وَجلدٌ حَسَنٌ ، وَيَذْهبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ لوناً حسَناً . فقالَ: فَأيُّ المَال أَحبُّ إليكَ ؟ قَالَ : الإبلُ أَوْ قالَ : البَقَرُ شكَّ الرَّاوي فَأُعطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ ، فقالَ: بَاركَ الله لَكَ فِيهَا . فَأتَى الأَقْرَعَ، فقَالَ: أيُّ شَيءٍ أَحبُّ إلَيْكَ؟ قَالَ: شَعْرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهبُ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَذِرَنِي النَّاسُ ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهبَ عَنْهُ وأُعْطِيَ شعراً حَسَناً . قالَ : فَأيُّ المَال أَحبُّ إليْكَ ؟ قَالَ : البَقَرُ ، فَأُعْطِيَ بقَرَةً حَامِلاً ، وَقَالَ : بَارَكَ الله لَكَ فِيهَا.

فَأَتَى الأَعْمَى ، فَقَالَ : أَيُّ شَيءٍ أَحبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : أَنْ يَرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرُ النَّاسَ؛ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصرهُ. قَالَ: فَأَيُّ المَالِ أَحبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : الغَنَمُ ، فَأُعْطِيَ شَاةً والداً ، فَأَنْتجَ هذَانِ وَوَلَّدَ هَذَا ، فَكَانَ لِهذَا وَادٍ مِنَ الإبِلِ ، وَلِهذَا وَادٍ مِنَ البَقَرِ ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الغَنَمِ .
ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيئَتِهِ ، فَقَالَ : رَجلٌ مِسْكِينٌ قَدِ انقطَعَتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلا بَلاغَ لِيَ اليَومَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّونَ الحَسَنَ ، والجِلْدَ الحَسَنَ ، وَالمَالَ ، بَعِيراً أَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي ، فَقَالَ : الحُقُوقُ كَثِيرةٌ . فَقَالَ : كَأَنِّي اعْرِفُكَ ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فقيراً فأعطَاكَ اللهُ !؟ فَقَالَ : إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا المالَ كَابِراً عَنْ كَابِرٍ ، فَقَالَ : إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ .
وَأَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهَذا ، وَرَدَّ عَلَيهِ مِثْلَ مَا رَدَّ هَذَا ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ .
وَأَتَى الأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ : رَجُلٌ مِسْكِينٌ وابنُ سَبِيلٍ انْقَطَعت بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي ، فَلا بَلاغَ لِيَ اليَومَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ ، أَسأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي ؟ فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ أَعمَى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ ما أَجْهَدُكَ اليَومَ بِشَيءٍ أَخَذْتَهُ للهِ عز وجل . فَقَالَ : أَمْسِكْ مالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ . فَقَدْ رضي الله عنك ، وَسَخِطَ عَلَى صَاحِبَيكَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .و" النَّاقةُ العُشَرَاءُ " بضم العين وفتح الشين وبالمد : هي الحامِل . قوله :" أَنْتجَ " وفي رواية : " فَنتجَ " معناه : تولّى نِتاجها، والناتج لِلناقةِ كالقابلةِ للمرأةِ . وقوله : " وَلَّدَ هَذَا " هُوَ بتشديد اللام : أي تولى ولادتها، وَهُوَ بمعنى أنتج في الناقة ، فالمولّد ، والناتج ، والقابلة بمعنى ؛ لكن هَذَا لِلحيوان وذاك لِغيرِهِ . وقوله : " انْقَطَعَتْ بي الحِبَالُ " هُوَ بالحاء المهملةِ والباء الموحدة : أي الأسباب . وقوله : " لا أَجْهَدُكَ " معناه : لا أشق عليك في رد شيء تأخذه أَوْ تطلبه من مالي . وفي رواية البخاري : " لا أَحْمَدُكَ " بالحاء المهملة والميم ومعناه : لا أحمدك بترك شيء تحتاج إِلَيْه ، كما قالوا : لَيْسَ عَلَى طول الحياة ندم : أي عَلَى فواتِ طولِها .

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تین (مصیبت زدہ روگی) آدمیوں کو ان پر حجت قائم کرنے کی غرض سے آزمانا چاہا ایک جذامی دوسرا گنجا تیسرا اندھا تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو (انسانی شکل میں) بھیجا وہ جذامی کے پاس آیا اور کہا: بتلا تجھے کیا چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: دل آویز رنگ وروپ اور خوش رنگ (بدن کی) کھال مجھے محبوب ہے اور یہ جذام جس کی وجہ سے مجھے لوگوں نے

گندا (اور اچھوت) بنا رکھا ہے اس سے مجھے نجات مل جائے فرشتہ نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا وہ ساری گندگی (جذام کا اثر) ایک دم جاتی رہی اور نہایت حسین رنگ و روپ اور دلکش (بدن کی) کھال اس کو دے دی گئی فرشتہ نے کہا: اب بتا تجھے کون سی قسم کا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے بتلایا: اونٹ یا گائیں راوی کو شک ہے (کہ اونٹ کہا یا گائیں) چنانچہ اسے ایک ماہ کی گابھن اونٹنی دے دی گئی اور فرشتہ نے اس کو دعا دی خدا تجھے اس میں برکت دے (اور اونٹوں کی نسل میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو)

اس کے بعد گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا خوبصورت (لمبے لمبے) بال مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ جو گنج ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے مجھے گندا پلید بنا رکھا ہے یہ جاتا رہے فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کا گنج فوراً جاتا رہا اور خوبصورت (لمبے لمبے) بال اس کو دے دیئے گئے اس کے بعد فرشتہ نے پوچھا: اب بتا تجھے کون سی قسم کا مال زیادہ پسند ہے اس نے کہا گائیں' چنانچہ اسی وقت ایک گابھن گائے اس کو دے دی گئی اور فرشتہ نے دعا دی: اللہ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔

اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تو بس خدا بینائی عطا کر دے (اور کچھ نہیں چاہئے) چنانچہ فرشتہ نے اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اسی وقت اس کی بینائی واپس کر دی پھر فرشتہ نے پوچھا اب تجھے کون سی قسم کا مال پسند ہے؟ اس نے کہا مجھے تو بھیڑ بکریاں پسند ہیں چنانچہ اس کو ایک گابھن بکری دے دی گئی اور فرشتہ نے اس کو بھی برکت کی دعا دی اور چلا گیا۔

چنانچہ جذامی' گنجے اور اندھے تینوں کے ہاں اونٹوں گایوں اور بھیڑ بکریوں کے خوب بچے ہوئے اور خوب نسلیں بڑھیں اور تینوں خوب مالدار ہو گئے جذامی کے ہاں اونٹوں (کے گلہ) سے وادی بھر گئی اور گنجے کے ہاں گائیں بھینسوں کے گلے سے وادی بھر گئی اور اندھے کے ہاں بھیڑ بکریوں (کے ریوڑ) سے وادی بھر گئی۔

تو پھر وہی فرشتہ جذامی کے پاس بالکل اسی کی سی (جذامی) شکل و صورت اور حلیہ میں آیا (یعنی ایک جذامی آدمی کی صورت میں) اور کہا: بابا! میں ایک مسکین محتاج اپاہج مسافر ہوں سفر جاری رکھنے کے وسائل (سواری اور سفر خرچ) سے محروم ہو گیا ہوں' اب میرا سہارا اللہ تعالیٰ کے اور پھر تیرے سوا کوئی نہیں میں تجھ سے اس اللہ تعالیٰ کے نام پر جس نے تجھے یہ دلکش رنگ و روپ اور حسین و جمیل جلد عطا کی ہے اور کثیر مال بھی دیا ہے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے (سواری کے لئے) ایک اونٹ دے دے جس سے میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں اور پورا کر لوں (وطن پہنچ جاؤں) جذامی بولا: میاں میرے ذمے

تو اتنے بہت سارے حقوق ہیں (جن کے لئے یہ مال کافی بھی نہیں، تجھے کہاں سے دے دوں) فرشتہ نے کہا کہ: مجھے تو ایسا یاد پڑتا ہے کہ میں تجھے جانتا پہچانتا ہوں تو وہی جذامی نہیں ہے؟ جس کو لوگ پلید سمجھتے تھے (اور دور بھاگتے تھے) اور کوڑی کوڑی کو تو محتاج تھا پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے (محض اپنے فضل سے) یہ (صحت و حسن اور مال و منال) عطا فرمایا ہے جذامی بولا: جا (جا، میں ایسا کیوں ہوتا) میں تو باپ دادا سے ایسا ہی (حسین و جمیل اور) مالدار چلا آتا ہوں فرشتہ بولا: اگر تو جھوٹ بول رہا ہو تو خدا تجھے پھر ویسا ہی بنادے جیسا تو تھا (چنانچہ وہ اسی حالت کو پہنچ گیا جس پر تھا)

اس کے بعد گنجے کے پاس اسی گنجے کی شکل و صورت اور حلیہ میں آیا اور وہی سوال اسی طرح کیا جس طرح جذامی سے کیا تھا گنجے نے بھی اس کو وہی جواب دیا جو جذامی نے دیا تھا اس پر فرشتے نے بھی اس کے جواب میں وہی کہا (کہ کیا تو ایسا ایسا نہ تھا) جو جذامی کے جواب میں کہا تھا اور اس کے بعد کہا: اگر تو جھوٹ بول رہا ہو (اور منعم و محسن پروردگار کی ناشکری کر رہا ہو) تو خدا تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تھا (چنانچہ وہ بھی کفران نعمت کی سزا کو پہنچا اور ویسا ہی ہو گیا جیسا تھا)

اس کے بعد اندھے کے پاس اسی اندھے کی شکل و صورت اور حلیہ میں آیا اور کہا میں اندھا محتاج مسافر ہوں اور وسائل سفر (سواری اور خرچ راہ) سے محروم ہو گیا ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ کے اور اس کے بعد تیرے سوا میرا اور کوئی سہارا نہیں کہ میں اپنا سفر (جاری رکھ سکوں) پورا کروں (اور اپنے دیس پہنچوں) میں تجھ سے اس اللہ تعالیٰ کے نام پر جس نے تجھے بینائی واپس کی (اور مال و دولت سے نوازا) چند بکریوں کا سوال کرتا ہوں جن کے ذریعہ میں اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکوں اندھے نے کہا: بیشک میں نابینا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے دوبارہ بینائی عطا فرمادی (اور اس مال و منال سے نوازا اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے) لہٰذا تم (ان بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں سے) جتنی بھیڑ بکریاں چاہو لے لو اور جتنی چاہو چھوڑ دو (تمہیں اختیار ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم جو بھی تم اللہ تعالیٰ کے نام پر لو گے میں اس پر مطلق ناگواری کا اظہار نہ کروں گا (تم بلا تکلف جو چاہو اور جتنا چاہو لے لو) تو اس پر فرشتہ نے کہا: تمہارا مال تمہیں مبارک ہو واقعہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم تینوں آدمیوں (کے صبر و شکر) کا امتحان لیا گیا ہے (تمہیں خوشخبری ہو کہ) اللہ تم سے (تمہاری احسان شناسی اور شکر گزاری پر) خوش ہو گیا اور تمہارے دونوں ساتھیوں (جذامی اور گنجے) سے (ان کی ناشکری اور جھوٹ بولنے پر) ناراض ہو گیا (اور اس ناشکری کی سزا میں ان کو ویسا ہی جذامی اور گنجا بنادیا)

الناقۃ العشراء عین کے ضمہ ش کے زبر اور مد کے ساتھ۔ حاملہ اونٹنی۔ انتج اور دوسری روایت میں فتج معنی ہیں اس کی پیداوار کا مالک ہوا۔ ناتج وہ آدمی جو اونٹنی سے بچہ جنوائے جیسے عورت کیلئے قابلہ (دایہ) ولد ھذا۔

یعنی بکری سے پیدا ہونے والے بچوں کا مالک ہوا۔ ولد ایسے ہی ہے جیسے ناقۃ میں انتج ہے، یعنی مولد ناتج اور قابلہ کے ایک ہی معنی ہیں، لیکن قابلہ انسان کیلئے ہے اور باقی دو الفاظ حیوان کیلئے ہیں۔ انقطعت بی الحبال حاء مہملہ کیساتھ اور باء موحدہ کیساتھ یعنی اسباب۔ لااجھدک۔ یعنی میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا کہ تم میرے مال سے کیا طلب کرو اور کیا لے لو۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے لااحمدک حاء مہملہ اور میم کے ساتھ اگر تمہیں کسی شے کی ضرورت ہو اور تم نہ لو تو میں تمہاری تعریف نہیں کروں گا (مجھے اچھا نہیں لگے گا) جیسے کہتے ہیں لیس علی طول الحیاۃ ندم یعنی عمر دراز پر کوئی ندامت نہیں۔ یعنی عمر کے لمبا نہ ہونے پر۔

اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا ایک عبرت آموز واقعہ اور اُمت محمدیہ کو اس سے سبق لینے کی ہدایت

تشریح: یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے صبر و شکر کی نگرانی اور آزمائش سے متعلق کسی پہلی اُمت کا ایک واقعہ ہے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مالدار اور خوشحال لوگوں کی تنبیہ اور عبرت کے لئے بیان فرمایا ہے یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت ورحمت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اس طرح فرشتوں کے ذریعہ بطور امتحان آزمائش نہیں کرتے اور ہاتھ کے ہاتھ بغیر توبہ کا موقع دیئے ناشکری کی سزا نہیں دیتے تاہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اس واقعہ کو بیان کرنے سے یہی ہے کہ آپ کی امت کے متمول اور خوشحال لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اس نگرانی اور آزمائش سے غافل نہ رہنا چاہئے اور جب بھی کوئی حاجتمند سائل ان کے پاس آئے تو فوراً یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور آزمائش ہے اس نے اس ضرورت مند کو صرف میری آزمائش کے لئے میرے پاس بھیجا ہے ورنہ وہ خود اپنے خزانہ غیب سے اپنے بندے کی حاجت کو پورا کر دیتے اور اس نابینا کی طرح نہایت خندہ پیشانی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی اور شکر نعمت کی نیت سے کما حقہ' اور خاطر خواہ اسکی ضرورت کو پورا کرنا چاہئے اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اس آزمائش میں پورا اُترنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس حاجتمند کا ممنون ہونا چاہئے کہ اسی کی بدولت ہمیں یہ شکر نعمت ادا کرنے اور رضا الٰہی حاصل کرنے کا موقع ملا۔

اپنا جائزہ لیجئے

اس تفصیل کے بعد ذرا جائزہ لیجئے کہ ہم اور ہمارے دولت مند حضرات اس معیار پر کس قدر پورے اترتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

دنیا میں ہی اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی ہدایت اور اس کا فائدہ

السابع : عن أبي يعلى شداد بن أوس رضي الله عنه،عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : "

الكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بعدَ المَوتِ، والعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وتَمنّى عَلَى اللهِ" رواه الترمذي، وَقَالَ: "حديث حسن". قَالَ الترمذي وغيره من العلماء: معنى "دَانَ نَفْسَهُ": حاسبها.

ترجمہ: حضرت ابویعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زیرک (اور عاقبت اندیش) وہ شخص ہے جس نے خود اپنے اعمال کا محاسبہ کیا (اور جائزہ لیا) اور مرنے کے بعد (آخرت) کے لئے کام کیا اور عاجز وناکارہ وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کی خواہشات اور اغراض کے پیچھے عمر گنوادی (اور آخرت کے لئے کچھ نہ کیا) اور (ساری عمر) اللہ تعالیٰ سے (بغیر کچھ کئے) تمنائیں کرتا رہا (اور مغفرت کی امیدیں باندھتا رہا)

اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام ترمذی اور دیگر علمانے فرمایا ہے کہ دان نفسہ کے معنی ہیں۔ اپنے آپ کا محاسبہ کرنا۔

یہ خوبی روزانہ اپنے اعمال کا جائزہ لینے سے پیدا کی جاسکتی ہے

تشریح: مسلمان اپنے اسلام میں یہ خوبی اسی وقت پیدا کرسکتا ہے جبکہ وہ اپنے شب وروز کے کاموں کا محاسبہ کرتا ہے اور جائزہ لیتا رہے اس لئے اسے اپنے شب وروز کے اعمال کا روزانہ جائزہ لے کر نہ صرف گناہوں اور معصیتوں کو بالکل ترک کردینا چاہئے بلکہ ان تمام کاموں کو بھی چھوڑ دینا چاہئے جو آخرت میں کام آنے والے نہ ہوں اور ان کی جگہ سوچ سوچ کر وہ کام کرنے چاہئیں جو آخرت میں کام آئیں۔

اس حدیث پر عمل کرنے سے آپ کی عام زندگی میں کوئی تنگی اور دشواری واقع نہ ہوگی

یاد رکھئے۔ آپ کے جائز معمولات زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ جو کام بھی آپ کریں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نیت سے کریں اس طرح آپ کی ساری دنیا دین بن جائے گی جس کی تفصیل آپ اس کتاب کے پہلے باب میں نیت کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

آخرت میں کام آنے والے اور نہ کام آنے والے کاموں کی تفصیل

یاد رکھئے انسان کی ہر جائز خواہش اور طبعی ضرورت اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نیت سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور آپ کی سنت کے مطابق جس کی تفصیل ان شاء اللہ اس پوری کتاب میں پڑھیں گے پوری کی جائے وہ یقیناً آخرت میں کام آنے والی ہے مزید تفصیل کے لئے اور دینی کتابوں کی مراجعت کیجئے خاص کر اس کتاب کا پہلا باب بار بار پڑھئے اور یاد رکھئے۔

اس حدیث پر عمل کرنے کا عظیم فائدہ

اس طریق کار پر عمل کرنے سے رفتہ رفتہ انسان کی زندگی فرشتوں کے لئے بھی قابل رشک بن جاتی ہے اس لئے کہ فرشتوں کی تمام خوبیاں اور پارسائی فطری اور غیر اختیاری ہے وہ کوئی برا کام یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے اسی لئے اس پر ان کے لئے کوئی جزاء اور صلہ وانعام نہیں اور اس انسان کی یہ تمام خوبیاں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نفس اور شیطان کے علی الرغم برخلاف اور ضد پر خود اپنے قصد وارادہ سے حاصل کردہ اور کافی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد حاصل شدہ ہیں اسی لئے ان کے عوض میں آخرت میں جزائے خیر اور جنت الفردوس کی نعمتوں کا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہوگا ایسے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک عام فرشتوں سے افضل ہیں والحمد للہ علی ذلک اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو اور تمام مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

بیوی بچوں پر دینی امور میں سختی اور تشدد کرنے پر آخرت میں باز پرس نہ ہوگی

الثامن : عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مِنْ حُسْنِ إسْلامِ المَرْءِ تَرْكُهُ مَا لا يَعْنِيهِ " حديث حسن رواه الترمذي وغيرُه .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے حسن اسلام کی ایک علامت یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو ترک کردے۔ (ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

حدیث کی شرح: انسان اس دنیا میں عمل کے لیے بھیجا گیا ہے ایسا عمل جس میں اس کی دنیا اور آخرت کی فلاح مضمر ہو انسان کی زندگی مختصر ہے اور اس کو ایک محدود فرصت عمل دستیاب ہے وہ اگر اسے لایعنی اور فضول باتوں میں صرف کردے گا تو اس محدود مدت میں ان کے اعمال کی کمی واقع ہوگی جو اس کی زندگی سنوارنے اور اس کی آخرت کو کامیاب بنانے میں مفید ہو۔ اس لیے تقاضائے فہم ودانش یہ ہے کہ آدمی ان باتوں سے احتراز کرے جو غیر مفید اور غیر ضروری ہوں خواہ ان کا تعلق افعال سے ہو یا عمل سے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ ان امور مہمہ کو انجام دینے میں اپنی صلاحیت اور وقت کو صرف کرے جن میں اس کی معاش اور معاد کی اصلاح ہو۔ کمالات علمیہ اور فضائل علمیہ کے حصول میں مصروف ہو اور اعمال صالحہ میں اپنے اوقات صرف کرے تاکہ اللہ کے یہاں سرخرو اور کامیاب ہو اور ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ اس سے کوئی فضول بات یا غیر ضروری کام تو سرزد نہیں ہوگیا۔ حدیث مبارک جوامع الکلم میں سے ہے اور دریائے معانی پر مشتمل ہے اور ایک باعمل انسان کے لیے مشعل راہ ہے کہ اسلام کی خوبصورتی اور اس کا حسن لایعنی اور فضول باتوں کا ترک کردینا ہے۔ (دلیل الفالحین: ۱/۱۷۷)

التاسع : عن عُمَرَ رضي الله عنه ، عَنِ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لاَ يُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيمَ ضَرَبَ امْرَأتَهُ " رواه أبو داود وغيره .

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مشفق اعظم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (پابند شریعت) آدمی سے اپنے بیوی (بچوں) کو مار پیٹ کرنے پر (قیامت کے دن) کوئی باز پرس نہ ہو گی۔

اس باز پرس نہ ہونے کی وجہ ان کی نگرانی کا حکم ہے

تشریح: جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق اور پروردہ بندوں کے اعمال واخلاق کے خود نگراں ہیں اسی طرح اس نے مسلمان مردوں کو اپنے بیوی بچوں کے اعمال وافعال کا نگران بنایا ہے اور ان سے نماز روزے وغیرہ تمام احکام شرعیہ کی پابندی کرانا اور خلاف شرع کاموں سے باز رکھنے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرنا مردوں پر فرض قرار دیا ہے ارشاد ہے۔

یایھاالذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا (التحریم: ع ۱)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔

خاص طور پر نماز کی پابندی کرانے کے متعلق ارشاد ہے۔

وامر اھلك بالصلوة واصطبر علیھا لانسئلك رزقاً (طه: ع ۸)

تم اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیا کرو اور سختی سے اس پر قائم رہو ہم تم سے رزق (دینے نہ دینے) کا سوال نہیں کریں گے (نماز پڑھوانے نہ پڑھوانے کا سوال کریں گے)

اور نگران بنانے کا اعلان ذیل کی آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

الرجال قوامون علی النسآء بمافضل الله بعضھم علی بعض وبمآانفقوا (النساء ع: ٦)

مرد عورتوں پر نگران ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) دی ہے اور اس لئے کہ وہ ان کا خرچ اٹھاتے ہیں۔

اور اس نگران کے تحت بیویوں کو سمجھانے بجھانے اور اخلاقی سزا دینے اور ضرورت کے وقت (بقدر ضرورت) مار پیٹ کرنے کا اختیار ذیل کی آیت کریمہ میں دیا ہے۔

والتی تخافون نشوزھن فعظو ھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلاً (النساء ع: ٦)

اور وہ عورتیں (بیویاں) جن کے سرکش بن جانے کا تمہیں اندیشہ ہو تو (پہلے) ان کو نصیحت کرو اور (ضرورت پڑے تو) ان کو بستر پر اکیلا چھوڑ دو (یعنی ساتھ سونا چھوڑ دو) اور (اس پر بھی نہ باز آئیں تو) ان

کی (ہلکی سی) پٹائی کردو اگر وہ تمہارا کہاماننے لگیں تو ان کے خلاف (انتقام) کی راہ مت تلاش کرو (جو کچھ کرو اصلاح کی نیت سے کرو نہ کہ انتقام کی نیت سے)

ایک پابند احکام الٰہیہ مسلمان اپنی بیوی اور بچوں کو خلاف شرع کاموں پر ہی سزا دے سکتا ہے اور اسی نیت سے ' اور وہی سزا دے سکتا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مار پیٹ کی اجازت دی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ دینے اور کسی عضو کو بیکار کر دینے والی ایسی سزا ہرگز نہ ہونی چاہئے جو ہڈیوں تک اثر کرے باقی ان کاموں کی جن سے روکنا چاہئے اور ان سزاؤں کی مزید تفصیل جن کی اجازت دی ہے کتب حدیث وفقہ میں موجود ہے معلوم کیجئے بہرحال اس نگرانی اور خلاف ورزی پر گرفت کرنے میں ناموافقت ناراضگی اور عداوت ودشمنی کا جذبہ ہرگز کارفرمانہ ہونا چاہئے شریعت نے سختی کے ساتھ اس سے منع کیاہے چنانچہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں **فلاتبغوا علیھن سبیلاً** میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

باب في التقوى
تقویٰ کا بیان
تقویٰ کے لفظی اور شرعی معنیٰ اور مصداق اور دنیوی و اخروی فائدے

تقویٰ دین اسلام کا خاص شعار اور امتیازی نشان ہے تقویٰ کے لفظی معنیٰ ہیں کسی چیز یا کام سے باز آنا اور چھوڑ دینا یا بچنا اور دور رہنا اور شرعی معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ سے باز آنا اور چھوڑ دینا یا بچنا او.دور رہنا۔

تقویٰ کے لفظی معنیٰ اور شرعی معنیٰ میں فرق

کسی کام یا چیز سے باز آنے اور چھوڑ دینے یا بچنے اور دور رہنے کا محرک اور سبب اگر دنیوی ہو یعنی دنیا میں اس سے جانی یا مالی نقصان یا مضرت پہنچنے کا اندیشہ' یا عقوبت و سزا پانے کا ڈر' یا کسی دنیاوی شخصیت یعنی حکمران' پولیس وغیرہ کے مواخذہ کا خوف' یا رسوائی اور بدنامی کا اندیشہ اس کام یا چیز سے باز آنے یا بچنے اور دور رہنے کا سبب ہو تو یہ محض ایک دنیوی دور اندیشی اور احتیاط کوشی ہے "شریعت" میں اسکی کوئی اہمیت' اور دین میں اس کا کوئی مقام نہیں نہ یہ کوئی خاص عبادت ہے نہ طاعت نہ ہی موجب اجر و ثواب ہے۔

اور اگر اس کام یا چیز سے باز آنے اور چھوڑ دینے یا بچنے اور دور رہنے کا محرک اور سبب خدا کا ڈر اور آخرت کی پکڑ کا خوف ہے یعنی وہ کام یا چیز شرعاً حرام اور ممنوع ہے اور اس کا اختیار کرنا گناہ اور معصیت ہے خدا کے قہر و غضب یا ناراضگی اور دنیوی و اخروی عذاب یا رحمت الٰہی سے محرومی کا موجب ہے اور یقین ہو کہ دنیا میں اگر خدا کی پکڑ سے بچ بھی جائے تو آخرت کے عذاب سے تو' توبہ و استغفار اور خدا کے معاف کئے بغیر' جس کا علم "روز جزا" سے پہلے ممکن نہیں بچ ہی نہیں سکتا محض اس خدا کے ڈر اور آخرت کے خوف کی وجہ سے اس کام یا چیز سے باز رہتا اور چھوڑ دیتا ہے یا بچتا اور دور رہتا ہے تو یہ یقیناً خدا پرستی اور عبدیت کی بہت بڑی دلیل ہے اور سراسر عبادت و طاعت ہے اور دین اسلام کا شعار امتیازی نشان' ہے اور شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام تقویٰ ہے۔ اردو میں اسی کو "پرہیزگاری" کہا جاتا ہے۔

مختصر لفظوں میں شریعت کی اصطلاح میں: خدا کی نافرمانی اور ارتکاب گناہ سے محض خدا کے عذاب یا ناراضگی اور آخرت کے مواخذہ یا رحمت الٰہی سے محرومی کے خوف کیوجہ سے بچنے اور دور رہنے یا باز آنے اور ترک کر دینے کا نام تقویٰ ہے۔

شریعت میں تقویٰ کے دو معنیٰ

چونکہ شریعت میں اس گناہ و معصیت سے باز آنے یا بچنے کے عبادت و طاعت ہونے کا مدار صرف خدا کے

عذاب یا ناراضگی کے ڈر اور محض آخرت کے مواخذہ کے خوف پر ہے اس لئے قرآن و حدیث میں تقویٰ کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) ایک گناہ و معصیت سے باز آنا اور چھوڑ دینا یا بچنا اور دور رہنا (۲) خدا سے 'یعنی اس کے عذاب یا ناراضگی سے 'ڈرنا عام طور پر قرآن و حدیث میں تقویٰ کا لفظ اسی دوسرے معنی میں خدا سے ڈرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ آپ اس باب کی آیات اور احادیث میں پڑھیں گے۔

خوف خدا کا ثبوت اور دلیل

مگر اس خدا سے ڈرنے کا مطلب کہئے ثبوت یہی ہوتا ہے کہ اس کی نافرمانی اور گناہ سے بچنا یا باز آنا اگر کوئی شخص کہتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں مگر جانتے بوجھتے گناہوں اور اس کی نافرمانیوں کا ارتکاب برابر کرتا ہے اور وہ اس کہنے اور دعویٰ کرنے میں جھوٹا ہے خود اس کا فعل اس کے قول کی تردید کر رہا ہے اور عمل زبان کو جھٹلا رہا ہے ایسا شخص در حقیقت "فریب نفس" میں گرفتار اور خود فریبی کے مرض میں مبتلا ہے اور اس کا علاج صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی حقیقی زندگی اختیار کرنا ہے۔

خوف و خشیت الٰہی اور تقویٰ میں فرق

خوف و خشیت الٰہی کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے تصور سے دل پر رعب وہیبت اور خوف و دہشت کی کیفیت طاری ہونا اور اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر ظاہری اور باطنی خشوع وخضوع 'عاجزی اور انکساری کی صفت پیدا ہونا عارضی اور وقتی طور پر یا مستقل اور دائمی طور پر۔

اور تقویٰ کے معنی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں قہر و غضب الٰہی کے خوف اور عذاب کے ڈر سے اس کی نافرمانی اور ارتکاب گناہ سے بچنا یا باز آنا سیدھے سادے لفظوں میں اس فرق کو یوں سمجھئے کہ خوف و خشیت الٰہی سبب بنتا ہے انسان میں عاجزی اور انکساری کی کیفیت پیدا ہونے کا خصوصاً نماز روزہ وغیرہ عبادتوں کے ادا کرنے کے وقت اور تقویٰ سبب بنتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آنے یا بچنے کا خصوصاً دنیوی امور اور معاملات میں مصروف ہونے کے وقت اس بیان سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ جیسے ان دونوں کے مفہوم اور سبب الگ الگ ہیں ایسے ہی ان کا موقع اور محل بھی الگ الگ ہے۔

ورع اور تقویٰ

شریعت کی اصطلاح میں ایک اور لفظ ورع بھی استعمال ہوتا ہے اس کے معنی ہر ایسی چیز یا کام سے بچنا اور دور سے دور تر رہنا جس میں خدا کی ناپسندیدگی کا شائبہ بھی ہو ایسے "صاحب ورع" مسلمان کو متورع کہتے ہیں۔ گویا ورع تقویٰ ہی کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔

تقویٰ کے مختلف مراحل و مدارج

اسی طرح خود تقویٰ کے بھی گوناگوں اور مختلف مراحل و مراتب ہیں چنانچہ علماء دین نے قرآن اور حدیث کے مختلف استعمالات کے پیش نظر تقویٰ کے شرعی معنی اور تعریف یہ بیان کی ہے۔

التقویٰ ھو التخلی عن الرذائل والتحلی بالفضائل

تقویٰ کے معنی ہیں، رذیلتوں سے علیحدگی اختیار کرنا یعنی ان سے بچنا یا باز آنا اور فضیلتوں سے آراستہ ہونا یعنی ان کو اپنانا اور اختیار کرنا۔

رذائل میں کفروشرک' نفاق وریاء اور تمام اعتقادی گمراہیوں سے لے کر تمام حرام' مکروہ اور ممنوع افعال واقوال اور حرکات وسکنات تک سب شامل ہیں اسی طرح اخلاقی رذیلتوں میں بغض وعناد' ظلم وجور' حسد وکینہ' بخل واسراف' کذب وافترا وغیرہ تمام اخلاقی عیب شامل ہیں اور فضائل میں ایمان واخلاص اور تمام اعتقادات حقہ وکمالات روحانیہ سے لے کر تمام عبادات وطاعات' اقوال وافعال حسنہ' اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ تک سب شامل ہیں۔

تقویٰ کے دو درجے

اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ تقویٰ کے علی الترتیب دو درجے اور اس کو حاصل کرنے کے دو مرحلے ہیں (۱) اول یہ کہ انسان تمام اعتقادات باطلہ وفاسدہ' منکرات شرعیہ اور اخلاق رذیلہ سے بچنے اور پاک وصاف رہنے کی کوشش کرے (۲) اس کے بعد اعتقادات حقہ' اعمال صالحہ اور روحانی کمالات حاصل کرنے کی سعی کرے اس لئے کہ تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کے بغیر اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ اختیار کرنے کی سعی بے سود ہے۔

مثال: بالکل اسی طرح جیسے کسی سفید مگر میلے کچیلے اور گندے کپڑے کو دلکش اور لطیف رنگ میں رنگنے اور اس پر حسین وجمیل نقش ونگار پھول پتیاں' بیل بوٹے بنانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کپڑے کو صابون یا سوڈا کاسٹک وغیرہ لگا کر اس طرح دھویا اور نکھارا جائے کہ تمام میل کچیل کٹ جائے اور وہ سفید براق نکل آئے پھر خشک ہونے اور استری کرنے کے بعد آپ جس لطیف اور ہلکے سے ہلکے دل آویز رنگ میں چاہیں رنگ کر اس پر زیادہ سے زیادہ حسین وجمیل نقش ونگار بنا سکتے ہیں بالکل اسی طرح نفس انسانی کو جو اصل فطرت کے لحاظ سے صاف اور سادہ کورے کپڑے کی مانند ہے سب سے پہلے کفروشرک جلی وخفی' نفاق اور ان کے علاوہ باطل وفاسد عقائد سے پاک وصاف کرنا ضروری ہے جس کا نام ایمان ہے اور اس کی تفصیل آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں یہ نفس انسانی کی وہ آلودگی گندگی اور میل کچیل بلکہ زنگ اور سیاہی ہے کہ اس کو دور کئے بغیر کوئی بھی عبادت وطاعت کار آمد نہیں اور اخلاقی فضائل روحانی کمالات حاصل کرنے کی کوشش بیکار اور سعی لاحاصل ورائیگاں ہے۔

اللہ کا رنگ: اس میل کچیل' زنگ وسیاہی کو دور کئے بغیر نفس انسانی پر اسلام کا رنگ' جس کے متعلق ارشاد ہے: **صبغة الله ومن احسن من الله صبغة** (البقرہ ع:۱۶) یہ اسلام اللہ تعالیٰ کا رنگ ہے اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔

نفس پر چڑھ ہی نہیں سکتا اور مسلمان کہلا ہی نہیں سکتا۔

اس کے بعد نفس کو پنجگانہ بنیادی اصول عبادت' کلمۂ شہادت' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور ان کے علاوہ اعمال صالحہ کے حسین سے حسین تر نقش و نگار سے آراستہ کرنے کی کوشش تو ساری عمر جاری رہتی ہے حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اسی تزئین و آرائش کا نام اسلام ہے۔

قاعدہ ہے کہ کسی سفید و براق کپڑے کو نقش و نگار سے آراستہ کرنے کے لئے کسی لطیف رنگ میں رنگنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جتنا لطیف یہ رنگ ہوتا ہے اسی قدر حسین و جمیل نقش و نگار زیادہ روشن' نمایاں اور دل آویز بنتے ہیں اور ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور جس قدر ڈارک اور گہرا یہ رنگ ہوتا ہے اسی قدر رنگ اور نقش و نگار ماند پڑ جاتے ہیں اس لطیف رنگ کا نام شریعت میں اخلاص ہے یعنی زیادہ سے زیادہ حضور قلب کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ اور محض اس کی رضا کے لئے اس کی عبادت و طاعت کرنا اور اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ اختیار کرنا" حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اسی اخلاص کو احسان (حسن عمل) سے تعبیر فرمایا ہے جس قدر یہ اخلاص اور احسان زیادہ پاک و صاف ہوگا اسی قدر عبادات و طاعت' اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی قدر و منزلت عند اللہ و عند الناس اللہ کے نزدیک بھی اور لوگوں کے نزدیک بھی' زیادہ سے زیادہ ہوگی اور انسان کی زندگی انوار و تجلیات الٰہیہ کا زیادہ سے زیادہ مظہر ہوگی اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں میں شامل ہو جائے گا جن کی پہچان حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے۔

ان کو دیکھ کر خدا یاد آئے

احتیاط: مگر یاد رکھئے جس طرح سفید شفاف کپڑے کو بے احتیاطی سے رنگنے اور بے پروائی سے نقش و نگار کے ساتھ آراستہ کرنے کے دوران بے احتیاطی کی بنا پر دھبے اور داغ پڑ جاتے ہیں اور اس کو بدنما اور داغدار بنا دیتے ہیں اور اگر یہ داغ دھبے زیادہ ہو جائیں تو رنگ اور نقش و نگار سب کو مسخ کر ڈالتے ہیں اسی طرح نفس کو عبادات و طاعات' اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنے کے دوران کبیرہ و صغیرہ گناہوں اور شرعاً حرام اور ممنوع اقوال و افعال اور نافرمانیوں کے ارتکاب سے باز نہ رکھنے اور نہ بچنے کی وجہ سے پرہیزگاری کا چہرہ داغدار ہو جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے بالکل ہی مسخ ہو جاتا ہے اس لئے انتہائی احتیاط اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے اگر غفلت بے احتیاطی بھول چوک سے کوئی گناہ یا بد اخلاقی سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ اور استغفار سے اور بطور کفارہ اس کے مقابل اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ پر عمل کرنے سے اس کا تدارک کرنا از بس ضروری ہوتا ہے ورنہ ساری محنت اکارت جاتی ہے۔

طریق کار: اس لئے ہمیں چاہئے کہ تقویٰ کے "مقام شرف" تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلے اپنے عقائد کا جائزہ لیں اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات قرآن اور اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے متقی اور پرہیزگار بندے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ احادیث کے معیار پر پرکھیں اور دیکھیں کہ ہمارے عقائد کھرے اور صحیح ہیں یا نہیں اگر ان میں کوئی فساد اور خرابی ہو تو فوراً اس کی اصلاح کریں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کریں اور اس کے

بعد اپنی عبادات وطاعات اعمال واخلاق کا جائزہ لیں اور تمام بداعمالیوں' بداخلاقیوں یا کوتاہیوں کا رفتہ رفتہ الاہم فالاہم ضروری اوراس سے بڑھ کر ضروری کے اصول پر ان کا ازالہ کریں مثلاً عبادات میں سب سے پہلے نماز کی اخلاق میں سب سے پہلے صدق اور عدل وانصاف کی اعمال میں سب سے پہلے کھلی ہوئی نافرمانیوں اور بدکاریوں کی اصلاح کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے توبہ واستغفار کرتے رہیں یاد رکھئے اچھے کام بھی برے کاموں کو مٹادیتے ہیں ان الحسنات یذھبن السیئات اس لئے زیادہ سے زیادہ اچھے اور نیک کام اسی نیت سے کہ یہ ہماری برائیوں یا کوتاہیوں کا کفارہ کرتے رہیں اور آخری مرحلہ میں تمام عبادات وطاعات اور اعمال واخلاق میں زیادہ سے زیادہ اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کی تدبیر وہی ہے جو آپ مراقبہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت حاضر وناظر اور نگران یقین کر کے ہر کام کریں ان شاءاللہ ضرور اخلاص پیدا ہوگا۔

شریف ترین انسان بننے کا طریقہ

یہ ہے طریقہ تقویٰ کے مراحل طے کر کے ارشاد باری تعالیٰ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم 'یقیناً تم میں سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار انسان ہے۔ کے تحت متقی یعنی دنیا اور آخرت میں شریف ترانسان بننے کا' آپ بھی اس کا تجربہ کیجئے ان شاءاللہ العزیز آپ ضرور یہ سعادت اور شرف حاصل کرلیں گے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف کبھی نہیں کرتے۔

شرط

مگر تقویٰ اور پرہیزگاری کے یہ تمام مراحل صرف اسی وقت طے ہو سکتے ہیں جبکہ تقویٰ کا حقیقی محرک کارفرما ہو یعنی آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کا ڈر اور آخرت کا خوف اس قدر غالب ہو کہ آپ نفس امارہ یعنی بہت بہکانے والے نفس کی شدید ترین مخالفتوں اور مزاحمتوں کو اپنے راستہ سے پرکاہ تنکے کی طرح ہٹادیں ورنہ یاد رکھئے آپ کا سب سے بڑا دشمن آپ کا نفس ہے جو ہر وقت آپ کے پہلو میں موجود ہے اور طرح طرح کے دھوکے اور فریب کے جال بچھا کر اور قسم قسم کے رحمت ومغفرت کے سبز باغ دکھا کر آپ کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے راستہ سے روکنے یا ہٹانے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے ارحم الرحمٰن اپنے بندوں کو اس خطرہ سے متنبہ فرماتے ہیں اور اس کے فریب سے بچنے کی تدبیر بھی بتلاتے ہیں ارشاد ہے:

واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی (النازعات ع : ۲)

اور جو شخص بھی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو (اسکی) خواہشات سے باز رہا تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

پہچان

دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ازراہ شفقت اپنی اُمت کو ایک اور پہچان بتلاتے ہیں ارشاد ہے۔

حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات

جنت کو مکروہات (نفس کو بری لگنے والی چیزوں) سے گھیر دیا گیا ہے اور جہنم کو شہوات (دل لبھانے والی خواہشات) سے گھیر دیا گیا ہے۔

اس لئے ہر کام کو اختیار کرتے وقت ہمارا "معیار انتخاب" یہ ہونا چاہئے کہ مکروہات نفس یعنی نفس کو برے لگنے والے کاموں' کو لبیک کہیں اور زیادہ سے زیادہ اختیار کریں یعنی ایسے کاموں کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کریں جو نفس کو برے لگتے ہیں تاکہ جنت یعنی مقام قرب الٰہی میں پہنچیں اور شہوات نفس 'نفس کو اچھے لگنے والے اور مرغوب کاموں اور چیزوں سے زیادہ سے زیادہ بھاگنے اور دور رہنے کی کوشش کریں تاکہ جہنم سے مقام قہر الٰہی سے محفوظ رہیں۔

اصول شہوات

اللہ تعالیٰ نے ان شہوات نفس 'نفس خواہشات کے "اصول" سے بھی اپنے بندوں کو آگاہ فرمادیا ہے ارشاد ہے:

زين للناس حب الشهوات من النسآء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث: (ال عمران ع ۲)

لوگوں کے لئے خواہشات (نفس) کی محبت آراستہ کردی گئی ہے یعنی عورتوں کی اولاد کی سونے چاندی کے تہ بتہ انباروں کی اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں کی مویشیوں کی اور کھیتوں کی (پیداوار کی) محبت۔

ہمارے زمانہ میں خیل مسومۃ 'اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں' کی جگہ نیوماڈل۔ تو بنو۔ کاروں نے لے لی ہے۔

ضروری تنبیہ

مگر یاد رکھئے اس "محبت" سے وہی "اندھی" محبت مراد ہے جو حرام و حلال' جائز اور ناجائز کے فرق اور گناہ و ثواب کی تمیز کو ختم کردے ورنہ شرعی حدود کے اندر رہ کر ان فطری اور طبعی مرغوب چیزوں سے وابستگی اور تعلق اسی نسبت سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو ہمارے لئے حلال فرمادیا ہے رکھنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ موجب اجر و ثواب ہے اس لئے کہ اسلام میں رہبانیت 'ترک دنیا اور نفس کشی کی اجازت بالکل نہیں ہے قرآن کریم میں اس رہبانیت کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف لفظوں میں اعلان فرمایا ہے:

لا رهبانية في الاسلام :......اسلام میں رہبانیت مطلق نہیں ہے۔

دنیوی زندگی میں پرہیزگاری کا فائدہ

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور آخرت کا خوف اور اس کے نتیجہ میں پرہیزگاری کی شریفانہ زندگی صرف آخرت میں ہی کام آنے والی اور حصول جنت ہی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ ہماری اس دنیاوی زندگی میں بھی' خصوصاً اس زمانے میں بیحد کارآمد ہے اور ان تمام بدکاریوں اور جرائم کے زہر کو اتارنے والا تریاق یعنی اتار ہے اور معاشرہ کی "وبائی بیماریوں" سے بچانے والا انجکشن ہے جو اس وقت وبائی امراض کی طرح پھیل رہے ہیں آزما کر دیکھئے۔

دعا: اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو اور تمام مسلمانوں کو پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے اور تقویٰ کا شرف حاصل کرنے کی سعادت نصیب فرمائیں اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

عمل کیجئے عمل' ورنہ خالی اس پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں بنتا آپ کے شاعر حکیم' جن کے کلام پر آپ سر دھنتے ہیں رحمۃ اللہ فرما گئے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ہم مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی ہے کہ اقبال جیسا شاعر حکیم ہم میں پیدا ہوا مگر وہ اور اس کا کلام بھی ہماری کایا نہ پلٹ سکا اللہ تعالیٰ ہی ہم پر رحم فرمائیں آمین۔

بہر حال مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں تقویٰ سے متعلق آیات واحادیث کا مطلب سمجھئے اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کریں۔

قرآن عظیم

(۱) اللہ تعالیٰ اہل کتاب' یہود و نصاریٰ کی گمراہ کن باتوں میں نہ آنے کی ہدایت فرما کر اللہ سے جیسا چاہئے ڈرتے رہنے اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے ہیں ارشاد ہے:

(تقویٰ کے مفہوم اور اس کے ثمرات و برکات پر روشنی ڈالنے کی غرض سے ترجمہ سے پہلے ہر آیت کے سیاق وسباق اور تقویٰ کے متعلق امور کو بھی مختصر بیان کر دیا ہے تاکہ قارئین پوری بصیرت کے ساتھ ان آیات میں تقویٰ کے معنیٰ اور محل استعمال کو سمجھ سکیں وباللہ التوفیق)

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ ﴾ [آل عمران : ۱۰۲]

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور (یاد رکھو) تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت پر کہ تم مسلمان ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ اہل وعیال کی تکلیف دہ "بے عنوانیوں" پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے صبر وضبط سے کام لینے کے ساتھ ہی ہر معاملہ میں مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے اور ان کے حقوق ادا کرتے رہنے کی نیز تمام احکام الٰہیہ کو دل سے سننے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں ارشاد ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن :١٦]

پس جتنا مقدور ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور (اللہ کے احکام دل سے) سنا کرو اور ان پر عمل کیا کرو اور (اہل وعیال پر) خرچ کرتے رہو' اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

نوٹ:امام نووی رحمہ اللہ دوسری آیت کو پہلی آیت کا بیان قرار دیتے ہیں یعنی حق تقاتہ جتنا ڈرنے کا حق ہے کا مطلب یہ ہے کہ مااستطعتم جتنا تمہارے مقدور میں ہو۔(اس کی تحقیق ابھی تشریح کے ذیل میں آپ پڑھیں گے)

(۳)اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کی دل آزاری اور ایذارسانی سے مسلمانوں کو منع فرمانے کے بعد ہر قول وفعل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید فرماتے ہیں اور اس کا فائدہ بھی بتلاتے ہیں ارشاد ہے:

وهذه الآية مبينة للمراد مِنَ الأُولى . وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً ﴾ [الأحزاب :٧٠]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور (ہمیشہ) حق (اور درست) بات کہا کرو تو اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

(۴) گواہوں کو نفع نقصان یا مشکلات کی پرواہ کئے بغیر سچی اور بے لاگ گواہی دینے کا حکم فرمانے کے بعد ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے پر مشکلات اور نقصانات کو دور کرنے' آسانیاں پیدا کرنے' کوتاہیوں اور برائیوں کا کفارہ کر دینے اور اجر عظیم عطا فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

وَالآيات في الأمر بالتقوى كثيرةٌ معلومةٌ ، وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لا يَحْتَسِبُ ﴾ [الطلاق : ٢٣]

(الف)اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے لئے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔

(ب)ومن يتق الله يجعل له من امره يسرًا:

(ب)اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔

(ج)ومن يتق الله يكفر عنه سياته ويعظم له اجرًا:

(ج)اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کی برائیوں کا کفارہ کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

(۵) ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنے پر حلال وحرام' جائز وناجائز حق وباطل اور خیر وشر میں فرق وامتیاز کرنے والی بصیرت عطا فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

وَقَالَ تَعَالَی : ﴿ إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَاناً وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴾ [الأنفال :۲۹] والآيات في البابِ كثيرةٌ معلومةٌ.

اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تمہیں (حق) وباطل، خیر وشر میں) فرق کرنے والی "بصیرت" عطا فرمادے گا اور تمہاری برائیوں کا کفارہ کردے گا اور گناہ بخش دے گا۔

مذکورہ بالا آیات کی تفسیر

تشریح: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تقویٰ سے متعلق جو پانچ آیات پیش کی ہیں ان میں تقویٰ کا لفظ اللہ سے ڈرنے اور اس کے نتیجہ میں گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنے یا باز آنے اور پرہیز گاری کی زندگی اختیار کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ

پہلی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا یعنی پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنا اللہ تعالیٰ سے کماحقہ' ڈرتے رہنے کا ثمرہ ہے۔

دوسری آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام دل سے سننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق یعنی پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے اور فلاح دارین حاصل کرنے کی سعادت بھی مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا ثمرہ ہے۔

تیسری آیت سے معلوم ہوا کہ حق اور درست بات کہنے کی توفیق، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح اعمال اور گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے تقویٰ کے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کے برکات میں سے ہے۔

چوتھی آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سختی اور دشواری میں سہولت وکشائش کا راستہ میسر آنا غیر متوقع جگہ سے روزی نصیب ہونا ہر کام میں آسانی اور سہولت میسر آنا نیز برائیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ فرمادینے اور اجر عظیم سے نوازنے کا وعدہ جو ضرور پورا ہوگا یہ سب مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کے بے مثل برکات وثمرات ہیں جن سے تقویٰ کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے

پانچویں آیت سے معلوم ہوا کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے مقدور بھر ڈرتے رہنے کا عظیم تر اور بے نظیر فائدہ اور ثمرہ، حلال وحرام، حق وباطل خیر وشر کے درمیان فرق وامتیاز کرنے کی وہ نورانی بصیرت وفراست عطا فرمادینے کا وعدہ جو درحقیقت ولایت کے اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچادینے کا وعدہ اور خوشخبری ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔

ان اولیآء ہ الا المتقون : اللہ کے ولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہی ہوتے ہیں۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے دین میں تقویٰ کا شرف واہمیت اور مرتبہ ومقام اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے دعا کیجئے۔

اللهم ات نفسي تقوها وزكها فانك خرمن زكها آنت وليها ومولها:

اے اللہ تو میرے نفس کو پرہیزگاری نصیب فرما اور اس کو (تمام آلودگیوں سے) پاک وصاف کر دے اس لئے کہ تو ہی اس کا بہترین تزکیہ کرنے والا ہے تو ہی اس کا "ولی" ہے تو ہی اس کا مولیٰ ہے۔

خلاصہ آیات

ان پانچوں آیتوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ پرہیزگاری کی زندگی جس کی تفصیل آپ تقویٰ کی تشریح میں پڑھ چکے ہیں کا میسر آنا اللہ تعالیٰ سے کماحقہ اور مقدور بھر ڈرتے رہنے پر موقوف ہے۔

ایک سطحی شبہ کا ازالہ

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کماحقہ ڈرنا جیسا کہ پہلی آیت میں حکم ہے کہ کس کے بس کی بات ہے؟ خطا اور نسیاں بھول چوک سے مرکب بیچارہ انسان اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شایان شان ڈرے انسان کی قدرت سے باہر ہے ہاں اپنے مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا جیسا کہ دوسری آیت میں حکم ہے کہ بیشک انسان کے لئے ممکن ہے۔

لہٰذا پہلی آیت ناممکن العمل ہے نیز دوسری آیت پہلی آیت سے متعارض ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ دوسری آیت کو پہلی آیت کا بیان قرار دے کر اس شبہ کا ازالہ بھی فرماتے ہیں اور اس تعارض کو بھی دور کرنا چاہتے ہیں یعنی دوسری آیت نے بتلادیا کہ کماحقہ ڈرنے کے معنی مقدور بھر ڈرنا ہیں اور یہ انسان کی قدرت میں داخل ہے اس لئے ناممکن العمل ہونے کا اعتراض بھی دور ہو گیا اور دونوں آیتوں کا تعارض بھی رفع ہو گیا۔

در حقیقت نہ پہلی آیت پر ناممکن العمل ہونے کا اعتراض صحیح ہے اور نہ دوسری آیت پہلی آیت سے متعارض ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پہلی آیت میں اپنے بندوں کو کماحقہ ڈرنے کا حکم دے رہے ہیں اور بندوں کو وہی حکم دیا جا سکتا ہے جو ان کے مقدور میں ہو اس لئے کماحقہ ڈرنے کے معنی مقدور بھر ڈرنا ہی ہیں بالفاظ دیگر اگر دوسری آیت نہ بھی ہو تب بھی کماحقہ ڈرنے کے معنی مقدور بھر ڈرنا ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کی وضاحت کر دی۔

تقویٰ کے مختلف مراحل سے متعلق آیات

امام نووی علیہ الرحمۃ نے جن پانچ آیات کو پیش کیا ہے وہ سب تقویٰ کے دوسرے معنی اللہ کا ڈر اور آخرت کے خوف سے متعلق ہیں تقویٰ کے پہلے معنی گناہوں اور معصیتوں سے باز آنا بچنا اور دور رہنا سے اور تقویٰ کے ان تین مراحل سے متعلق کوئی آیت پیش نہیں کی جن کا ذکر ہم تشریح کے ذیل میں کر چکے ہیں آپ کو یاد ہو گا کہ وہ تین مرحلے حسب ذیل ہیں۔

اول: نفس کو تمام رذیلتوں حیوانی خصلتوں گناہوں اور معصیتوں سے پاک وصاف کرنا۔

دوم: نفس کو تمام روحانی کمالات و فضائل اعتقادات حقہ عبادات و طاعات اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا۔
سوم: اخلاص یعنی اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت حاضر و ناظر اور نگران باور کر کے صرف اور محض اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ کرنا اگرچہ امام نوویؒ کی انتخاب کردہ پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ سے کماحقہ ڈرتے رہنے کے ضمن میں مکمل پرہیزگاری کی زندگی کے میسر آنے کا ذکر اجمالاً آگیا ہے لیکن ہم پرہیزگاری کے ان تینوں مرحلوں سے متعلق الگ الگ کم از کم ایک ایک آیت کا مزید ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ورنہ تو قرآن عظیم میں پرہیزگاری کے ان تینوں مرحلوں سے متعلق علیحدہ علیحدہ آیات بکثرت موجود ہیں اور اہل علم خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

(۱) تخلی عن الرذائل: نفس کو رذیلتوں سے پاک کرنا اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ ع ۲۳)

تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلی اُمتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔
یہ حقیقت ہے کہ روزہ ایک ایسی عظیم عبادت ہے کہ خواہشات نفس کی سرکوبی اور رذائل نفس' کھانے پینے اور جماع کرنے کی حد سے متجاوز خواہش اور ان تینوں کے سامان و لوازمات کے لئے مال و دولت جمع کرنے کی حرص و طمع اور بخل و اسراف اور اس کے نتیجے میں حسد و عداوت وغیرہ رذائل نفس کی بیخ کنی کرنے میں روزہ بالخاصہ موثر و مفید ہے خصوصاً مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھنے اور ان کے ساتھ ساتھ بقدر مقدرت رمضان کی راتوں میں شب بیداری اختیار کرنے اور کم از کم کامل دس دن تک اعتکاف میں بیٹھنے کا حکم دینے اور اس سنت قیام لیل اور اعتکاف کو قائم فرمانے کا منشا ہی درحقیقت نفس کو رذائل نفس سے پاک کرنے کی غرض سے تین ملکی خصلتوں کا عادی بنانا ہے اول کم خوری دوم کم خوابی سوم کم گوئی و کم اختلاطی' قرآن و حدیث اور شریعت کی تعلیمات کے علاوہ حکماء اخلاق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نفس کی تمام رذیلتیں پرخوری' پرخوابی اور پُرگوئی کی پیداوار ہوتی ہیں۔
خالق کائنات' حکیم مطلق اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ میں انہی تینوں خصلتوں کی بیخ کنی کرنے کی حکمت کے تحت اپنے بندوں کو ایک ماہ' رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اور متقی اعظم' نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام لیالی رمضان' رمضان کی راتوں میں تراویح و نوافل پڑھنے اور کم از کم رمضان کے آخری دس دن رات اعتکاف میں بیٹھنے کی سنت قائم کی ہے تاکہ وہ پرہیزگاری کا پہلا مرحلہ بآسانی طے کر سکیں۔
شرط: بشرطیکہ وہ روزے حقیقی معنی میں روزے ہوں نہ کہ قسم قسم کے لذیذ سے لذیذ تر نفس کو فربہ کرنے والی کھانے پینے کی چیزوں کے حصول کا ذریعہ اور بہانہ جیسے کہ ہم روزے رکھتے ہیں اور پھر صرف ایک ماہ کے روزوں پر اکتفا نہ ہو بلکہ سب سے بڑے پرہیزگار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اسوہ حسنہ کے مطابق ہر مہینے میں کم از کم تین روزے برابر رکھتے رہیں اور رمضان المبارک کی پڑی ہوئی عادت کے تحت تہجد کی نماز بھی پڑھتے رہیں

اور اعتکاف کی عادت کے تحت دن یا رات کے کسی نہ کسی حصہ میں دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو کر ذکر اللہ اور مراقبہ کے ورد کو بھی نہ چھوڑیں تو اللہ کے ارشاد کے مطابق انسان کے لئے متقی اور پرہیز گار بننا ضرور آسان ہو جائے گا اور آیت کریمہ ان اولیآء ہ الا المتقون اللہ کے ولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہی ہوتے ہیں۔ کے تحت اولیاء اللہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہونے کی سعادت میسر آجائے گی ان شاء اللہ العزیز

(۲) تحلی بالفضائل: نفس کو انسانی فضائل و کمالات سے آراستہ کرنا اس سلسلہ میں ارشاد ہے۔

ليس البران تولواوجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر(١) من امن بالله واليوم الاخروالملائكة والكتاب والنبيين (٢)واتى المال على حبه ذوالقربى واليتامى والمساكين وابن السبيل والسآئلين وفى الرقاب (٣) واقام الصلوة (٤)واتى الزكوة (٥)والموفون بعهدهم اذاعاهدوا (٦) والصابرين فى الباسآء والضرآء وحين الباس اولئك الذين صدقوا و اولئك هم المتقون:.

نیکی کچھ اسی میں منحصر نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف اپنا منہ (رخ) کر لو بلکہ (اصل) نیکی تو اس شخص کی ہے جو (۱) اللہ (اور اس کی صفات) پر روز قیامت پر' فرشتوں پر' (آسمانی) کتابوں پر اور (تمام) نبیوں پر (دل وجان سے) ایمان لے آئے (۲) اور جو مال کی محبت کے باوجود اس کو رشتہ داروں پر 'یتیموں پر' محتاجوں پر' مانگنے والوں پر اور (قرض وغیرہ سے) گردنیں چھڑانے میں (حسب ضرورت و مصلحت) خرچ کرے (۳) جو نماز کو قائم رکھے' زکوٰۃ ادا کیا کرے (۴) اور جو لوگ عہد کر لینے کے بعد عہد کو پورا کریں اور تنگدستی میں سختیوں میں اور (اللہ کی راہ میں) لڑائیوں میں صبر اور ثابت قدمی اختیار کریں یہی مذکورہ بالا لوگ (خدا پرستی کے دعوے میں) سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

ذرا غور فرمایئے یہ آیت کریمہ اعتقادات حقہ 'اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے اصول پر کس قدر حاوی اور جامع آیت ہے اور انہی برگزیدہ لوگوں کو جو ان فضائل و کمالات سے آراستہ ہوں سچا پرہیز گار بتلایا گیا ہے بلکہ عربیت کے قاعدہ کے تحت پرہیز گاری کو انہی لوگوں میں منحصر اور انہی کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

(۳) اخلاص: نفس انسانی کو رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ کرنے کی تکمیل اخلاص سے ہوتی ہے جس کو مذکورہ سابق حدیث جبرئیل علیہ السلام میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے آیت کریمہ ذیل میں اس اخلاص کے الٰہی رنگ سے مزین پرہیز گار مومنوں کو محسنین کے وصف سے موصوف فرمایا ہے اور تقویٰ کے اس مرتبہ کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے ارشاد ہے:

ليس على الذين امنوا وعملوا الصالحات جناح فيما طعموآ اذا مااتقوا وامنوا وعملوا الصالحات' ثم اتقوا وامنوا' ثم اتقوا واحسنوا والله يحب المحسنين:

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان پر کوئی گناہ نہیں (ان) چیزوں کے کھانے (پینے) میں (جو اس وقت حلال تھیں) جبکہ وہ (اس وقت تک کی حرام چیزوں سے) بچتے رہے اور ایمان پر قائم رہے اور نیک کام کرتے رہے پھر (مزید) پرہیزگاری اور ایمان پر قائم رہے پھر (اور زیادہ ترقی کی اور) پرہیز گاری اور احسان (اخلاص) پر قائم ہے اور اللہ (ایسے مخلص اور) نیکوکاروں سے ہی محبت کرتا ہے۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں تقویٰ پرہیزگاری کے تین مرتبوں کی تصریح ہے پہلا مرتبہ عمل سے متعلق ہے دوسرا ایمان سے اور تیسرا اخلاص سے تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

(۱) **اذاما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات:** پہلا مرتبہ: محرمات شرعیہ اور کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے کلی طور پر اجتناب کرنا اور فرائض وواجبات شرعیہ کو پابندی کے ساتھ ادا کرنا۔

(۲) **ثم اتقوا وامنوا:** دوسرا مرتبہ: مشتبہ امور، جن میں حرام اور ممنوع ہونے کا شائبہ بھی ہو، ان سے بھی اجتناب کرنا اور ایمان کی تکمیل کرنے والی مسنون اور مستحب عبادات وطاعات کی بھی پابندی کرنا۔

(۳) **ثم اتقوا واحسنوا:** تیسرا مرتبہ: شرعاً جائز اور مباح مگر ناپسندیدہ امور اور توجہ الی اللہ میں رخنہ اندازی کرنے والی چیزوں، سے بھی اجتناب کرنا اور کامل یقین کے ساتھ ہمہ وقت اللہ کو اپنے سامنے باور کرنا کہ وہ ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن مجید کے فوائد کے ذیل میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔

محققین نے لکھا ہے کہ: تقویٰ دینی مضرتوں سے بچنے، کے کئی درجے ہیں اور ایمان ویقین کے مراتب بھی قوت اور ضعف کے لحاظ سے متفاوت (مختلف) ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ (شریعت کی تصریحات) سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی اللہ تعالیٰ کے خوف ذکر فکر عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں مجاہدہ) میں ترقی کرتا ہے اسی قدر اللہ کے خوف اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے (اس کا) قلب معمور (آباد) اور ایمان ویقین اور مضبوط اور مستحکم ہوتا رہتا ہے۔ مراتب سیر الی اللہ (سلوک کے مرتبوں) کی اسی ترقی اور عروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار (بار بار ذکر کرنے) سے اشارہ فرمایا ہے اور سلوک کے آخری مقام احسان اور اس کے ثمرہ (اللہ کے محبت کرنے) پر متنبہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا شان نزول

اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور مطلب کماحقہ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا شان نزول واقعہ جس سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی بیان کر دیا جائے واضح ہو کہ یہ آیت کریمہ تحریم خمر شراب کی حرمت، کے بعد صحابہ کرامؓ کے ایک شبہ کا جواب دینے کی غرض سے نازل ہوئی ہے وہ شبہ یہ ہے کہ وہ مسلمان، جو شراب کے حرام ہونے سے پہلے شراب پیتے

رہے اور شراب کے حرام ہونے سے پہلے ہی وہ وفات پاگئے ان کی شراب نوشی پر آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ جواب بالکل واضح ہے کہ انکی زندگی میں جو چیزیں حرام تھیں جب وہ زندگی بھر ان سے بچتے اور اجتناب کرتے رہے تو ان سے شراب پینے پر مواخذہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ شراب اس وقت حلال تھی اور اس کا پینا گناہ نہ تھا حرام تو ان کی وفات کے بعد ہوئی ہے اب جو کوئی پیئے گا وہ ضرور گنہگار ہوگا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں اس پر ضرور مواخذہ ہوگا۔

ایک ضروری تنبیہ 'اتباع سنت کے بغیر نہ کوئی متقی بن سکتا ہے نہ ولی اللہ

تقویٰ اور پرہیزگاری کے ان مراحل کو طے کرنے کے دوران اور متقی یعنی اللہ کا ولی اور محبوب بننے کی جدوجہد کے اثنا میں متقی اعظم سب سے بڑے پرہیزگار محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ اور آپ کے اسوہ حسنہ کو ہر ہر قدم پر پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے اور اس کا علم آپ کو احادیث پڑھے اور جانے بغیر نہیں ہو سکتا آپ کی سنت اور سیرت سے ایک انچ بھی ادھر ادھر قدم نہ پڑنا چاہیئے اس لئے کہ متقی یعنی اللہ کا ولی اور محبوب بننے کی پہلی اور لابدی شرط محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع اور آپ کے اسوہ حسنہ کی پیروی ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہی اعلان کراتے ہیں: **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم** (آل عمران: ۴) (اے نبی تم) کہہ دو: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مومن مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ ضرور کارفرما ہونا چاہیئے یعنی اگر ہم خود اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے اور اس کے کہنے پر چلیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ہم سے محبت کریں گے اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دیں گے سچی محبت ہوتی بھی دو طرفہ ہی ہے یہی غیرت الٰہی کا تقاضہ ہے۔

قارئین سے استدعا

ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے تقویٰ کی ان تفصیلات کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اسلام کے اس عظیم تر شعار اور انسانیت کے اس سب سے بڑے شرف کی حقیقت اور فوائد سے واقف ہو کر جس پر آیت کریمہ **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم** بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف سب سے زیادہ پرہیزگار مسلمان ہے کے تحت دنیا اور دین دونوں میں بزرگی اور بڑائی کا مدار ہے اس شرف کو بتلائے ہوئے طریق پر حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد فرمائیں گے اور ان کو متقی و پرہیزگار بنادیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور متقی بننے کی سعادت نصیب فرمائیں آمین دعا کیا کیجئے۔

اللھم ات نفسی تقوھا وزکھا فانك خیر من زکھا انت ولیھا ومولھا:

اے اللہ تو میرے نفس کو پرہیزگاری نصیب فرمادے اور اس کو (تمام آلودگیوں سے) پاک وصاف کردے اس لئے کہ تو ہی اس کا بہترین تزکیہ کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی (وارث) ہے تو ہی اس کا مولیٰ ہے۔

سب سے زیادہ شریف کون ہوتا ہے

وأما الأحاديث : فالأول : عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قِيلَ: يَا رسولَ الله ، مَنْ أكرمُ النَّاس ؟ قَالَ : " أتْقَاهُمْ " . فقالوا : لَيْسَ عن هَذَا نسألُكَ ، قَالَ : " فَيُوسُفُ نَبيُّ اللهِ ابنُ نَبيِّ اللهِ ابنِ نَبيِّ اللهِ ابنِ خليلِ اللهِ "[٣] قالوا : لَيْسَ عن هَذَا نسألُكَ ، قَالَ : " فَعَنْ مَعَادِنِ العَرَبِ تَسْألُونِي ؟ خِيَارُهُمْ فِي الجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإسْلامِ إذَا فقهُوا " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

و" فَقُهُوا " بِضم القافِ عَلَى المشهورِ وَحُكِيَ كَسْرُها : أيْ عَلِمُوا أحْكَامَ الشَّرْعِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: (ایک مرتبہ) فخر کائنات نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ شریف کون ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو" تو صحابہؓ نے عرض کیا ہم آپ سے یہ تو دریافت نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف کون ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا تو (نسب کے اعتبار سے تو) سب سے زیادہ شریف سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں جو خود بھی نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نبی یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بھی ہیں جو خود بھی نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے بھی ہیں (یعنی یوسف علیہ السلام خود بھی نبی ہیں ان کے باپ بھی نبی ہیں دادا بھی نبی ہیں اور پردادا نہ صرف نبی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے خلیل بھی ہیں تو یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر شریف النسب اور کون ہوسکتا ہے) صحابہؓ نے عرض کیا: ہم یہ بھی آپ سے دریافت نہیں کرتے (تو یہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا ہم تو عام انسانوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو تم عرب کی کانوں (قبیلوں) کے متعلق دریافت کرتے ہو؟ تو یاد رکھو! جو لوگ عہد جاہلیت میں (اسلام سے پہلے زمانہ میں) اچھے اور بہتر تھے وہ اسلام میں (داخل ہونے کے بعد) بھی اچھے اور بہتر ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ (یعنی شرعی احکام وتعلیمات میں بصیرت) حاصل کرلیں۔

فقھوا۔ ق کے ضمہ کیساتھ۔ کسرہ کیساتھ بھی ہے۔ یعنی جس نے شریعت کے احکام کی فہم حاصل کرلی۔

اسلام میں شرافت کا معیار پرہیزگاری ہے

تشریح: اس حدیث پاک میں تقویٰ پرہیزگاری کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس حدیث کا تقویٰ کے باب سے تعلق بظاہر صرف پہلے جواب کے اعتبار سے ہے یعنی شرف اور کرم کا مدار تو صرف پرہیزگاری پر ہے جو جتنا

زیادہ پرہیز گار ہوگا اتنا ہی زیادہ شریف ہوگا اور آپ کا یہ جواب قرآن کریم کی آیت کریمہ ذیل سے ماخوذ ہے۔

یایھا الناس اناخلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوباً وقبآئل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (الحجرات ع ۲)

اے لوگو (انسانو) ہم نے تم کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا ہے اور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں (صرف) اس لئے تقسیم کر دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو (قرابت کے اعتبار سے) پہچانو (اور رشتہ داری کے حق ادا کرو) بیشک تم میں سب سے زیادہ شریف آدمی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

یعنی کرم اور شرف کا تعلق قبیلوں اور خاندانوں یعنی سلسلہ نسب سے مطلق نہیں ہے کرم اور شرف کا مدار تو صرف اعتقادات حقہ' اعمال واخلاق اور فضائل وکمالات پر ہے جس قدر کوئی شخص اعتقادات حقہ' اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کا زیادہ مالک ہوگا اسی قدر وہ زیادہ شریف اور کریم (لائق احترام) ہوگا۔

اسلام میں نسبی شرافت

لیکن صحابہ کرامؓ نے دوسری مرتبہ سوال کر کے اپنے مدعا ''نسبی شرافت'' کی طرف اشارہ کیا تو اس کے جواب میں بھی ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا یوسف علیہ السلام اور ان کے آباؤاجداد کا جو سب کے سب انبیاء کرام علیہم السلام ہیں ذکر فرما کر پھر اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ انسان کی نسبی شرافت اسی وقت قابل ذکر اور لائق فخر ہے جبکہ وہ روحانی کمالات وفضائل اور مکارم اخلاق کے ساتھ بھی آراستہ ہو اور ظاہر ہے کہ نبوت اور وہ بھی مسلسل چار پشتوں میں اس سے بڑھ کر دینی' روحانی اور اخلاقی کمال وشرف اور کیا ہو سکتا ہے گویا آپ نے دوسرے پیرایہ میں پہلے جواب کو ہی دہرایا۔

صحابہؓ کا مدعا پھر بھی پورا نہ ہوا وہ عام دنیوی' نسبی اور خاندانی شرافت کے متعلق دریافت کرنا چاہتے تھے تو تیسری مرتبہ آپ نے ان کے مدعا فعن معاون العرب تسئلونی کی تعیین فرما کر جو جواب دیا اس میں بھی اس امر کی تصریح فرمائی کہ اسلام اور اس کی اعتقادی' عملی اور اخلاقی تعلیمات کی واقفیت اور بصیرت سے کوری اور معرا نسبی اور خاندانی شرافت اسلام میں کوئی چیز نہیں وہ تو صرف تعلقات قرابت کے معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

شرف اور کرم دین ودنیا دونوں میں انہی لوگوں کا قابل ذکر اور لائق قدر ہے جو خاندانی شرافت کے ساتھ ساتھ اسلام اور اس کی تعلیمات نیز اخلاق فاضلہ کی واقفیت وبصیرت کے بھی علماً وعملاً مالک ہوں۔

خالص خاندانی شرافت تو انسان کو شیطان بنا دیتی ہے

ورنہ تو نری خاندانی شرافت تو صرف رعونت و تکبر اور نخوت و غرور ہی پیدا کرتی ہے اور بڑھتے بڑھتے شیطان کی طرح مردود و ملعون بنا دیتی ہے شیطان نے بھی مادی شرافت اور برتری کو ہی اپنی برتری اور آدم کی کمتری کی دلیل قرار دیا تھا وہ کہتا ہے

انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین (اعراف: ع ۲)

میں آدم سے بہتر و برتر ہوں اس لئے کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو پانی ملی سیاہ مٹی (گارے کیچڑ) سے پیدا کیا ہے۔

اور اسی بنیاد پر اس نے خود اپنے خالق کے حکم آدم کو سجدہ کرنے کے حکم کو بھی ٹھکرا دیا تھا کہ یہ حکم میری شان کے خلاف ہے میں اسے نہیں مان سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ابی و استکبر اس نے (آدم کو سجدہ کرنے سے) صاف انکار کر دیا اور اس کو اپنی شان کے خلاف قرار دیا اس سے معلوم ہوا کہ تنہا نسبی اور خاندانی شرافت نہ صرف یہ کہ کوئی قابل فخر چیز نہیں بلکہ انتہا درجہ خطرناک اور تباہ کن چیز ہے۔

خاندانی شرافت کس صورت میں اللہ تعالیٰ کا انعام ہے

ہاں اگر نسبی شرافت اسلام کی تعلیمات اور تفقہ فی الدین' دین کی فہم اور بصیرت سے بھی آراستہ ہو اور پرہیزگاری کی زینت سے مزین ہو تو یقیناً خاندانی شرافت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور دور رس احسان ہے۔

اس انعام کا شکریہ کیا ہے

اور اس انعام و احسان کا شکریہ ادا کرنا انسان کا فرض ہے اور وہ یہ ہے کہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو خواہ وہ شریف النسب ہوں یا غیر شریف النسب یکساں انسان' اور آدم و حوا کی اولاد ہونے کے اعتبار سے اپنا بھائی اور برابر سمجھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک جو لائق عزت و احترام ہوں یعنی مسلمان اور پرہیزگار ہوں ان کی دل سے عزت و احترام کرے اگرچہ وہ خاندانی اعتبار سے کتنے ہی کمتر کیوں نہ ہوں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مردود و ملعون (کافر) فاسق و فاجر' بدکار ہوں ان سے بیزاری کا اظہار کرے اگرچہ وہ کتنے ہی عالی نسب اور شریف خاندان کیوں نہ ہوں۔

کوری نسبی شرافت کس کا ورثہ ہے

حاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں جوابوں کا یہی ہے کہ اسلام اور دینی بصیرت یعنی پرہیزگاری جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں سے محروم نسبی اور خاندانی شرافت تو فرعون' نمرود اور ابوجہل و ابولہب بلکہ شیطان کا ورثہ ہے۔ جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

دنیاوالوں کے نزدیک شرافت کامعیار

اہل دنیا بھی انسان کے شخصی کردار اور اخلاق ہی کو معیار شرف واحترام سمجھتے ہیں اور شریفوں کی بدکردار وبداطوار اولاد کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے اپنے باپ دادا پر فخر کرنے اور ان کی بدولت اپنی عزت کرانے کے جذبہ کو باپ داداکی ہڈیوں کی تجارت سے تعبیر کرتے ہیں۔

بزرگوں کی بدکرداراولاد کی کون لوگ عزت کرتے ہیں

وہ لوگ درحقیقت بزدل یاخود غرض خوشامدی اور لالچی ہوتے ہیں جو محض اپنی اغراض کے لئے بزرگوں کی بدکردار اور بداطوار اولاد کو جانتے بوجھتے سروں پر اٹھائے پھرتے ہیں یافاسق وفاجر اور بدکردار وبداطوار افسروں یا حکمرانوں یامالداروں کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں نمائشی عزت واحترام میں سر تسلیم خم کئے رہتے ہیں محض اپنی ناجائز اغراض کے لئے یہ انسانیت کی موت ہے۔

بدکردارلوگوں کی تعریف اور عزت واحترام سے عرش بھی لرزجاتا ہے

یادرکھئے! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم متنبہ فرماتے ہیں۔

اذامدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واهتزله العرش.

جب بدکار وبدکردار شخص کی تعریف کی جاتی ہے توپروردگار عالم حددرجہ غضب ناک ہوجاتے ہیں اور عرش عظیم بھی ان کے غضب سے لرزاٹھتا ہے۔

خاندانی شرافت کی حقیقت اسلام کی نظرمیں

نیزھادی دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان الله قداذهب عنكم عبية الجاهلية وفخرهابالاٰبآء انماهو مومن تقی اوفاجرشقی الناس كلهم بنو آدم وادم من تراب.

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر سے (ایمان واسلام کی بدولت) جاہلیت (اسلام سے پہلے زمانہ) کی نخوت ورعونت اور باپ دادا پر فخر کرنے (کی جاہلانہ عادت) کو دور کردیا ہے اب تو آدمی یاپرہیزگار مومن ہوتا ہے یابدکار مردود ہوتا ہے سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم (کاخمیر) مٹی سے بنا ہے۔ یعنی اپنی اصل ونسل کے اعتبار سے توآدم کی اولاد کوکسی فخروشرف کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی اس لئے کہ (سب کی اصل ونسل ایک ہے ہاں دینداری اور پرہیزگاری بیشک انسان کو لائق عزت واحترام بناسکتی ہے۔

خاندانی شرافت پر اس طویل تبصرہ کی وجہ اور معذرت

دینداری اور پرہیزگاری سے محروم خاندانی شرافت اور اس پر فخر اور بدکار و بد چلن لوگوں کی عزت و احترام اور مدح سرائی کی وبا اس زمانہ میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے اس لئے ہم نے ذرا تفصیل سے اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں بارگاہ رب العالمین میں دست بدعا ہیں کہ وہ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس وبائی بیماری سے محفوظ رکھیں آمین بحق طٰہٰ و یٰسین

پرہیزگاری کے لئے سب سے بڑا خطرہ

الثَّاني : عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : "إنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ ، وإنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرَ كَيفَ تَعْمَلُونَ ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاء ؛ فإنَّ أوَّلَ فِتْنَةِ بَني إسرائيلَ كَانَتْ في النِّسَاء " رواه مسلم .

ترجمه: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ : بیشک دنیا (کی نعمتیں) بے حد شیریں، دلکش اور نظر فریب ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ (اپنے وعدہ کے بموجب اسلامی فتوحات کے بعد) ان پر تمہیں قابض (و متصرف) فرمائیں گے (اور دنیا بھر کے سامان عیش و تعیش کا تمہیں مالک بنا دیں گے) پھر دیکھیں گے تم کیا کرتے ہو؟ پس تم ان دنیا کی نعمتوں (میں مستغرق ہونے اور کھو جانے) سے بچنا اور دور رہنا اور (خاص طور پر) عورتوں (کی محبت میں اندھے بننے) سے تو بہت ہی ڈرتے اور بچتے رہنا اس لئے کہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم) بنی اسرائیل کی پہلی آزمائش عورتوں ہی (کے بارے) میں ہوئی تھی (اور وہ عورتوں کی محبت میں ہی اندھے ہو کر تمام گمراہیوں اور حرام کاریوں میں مبتلا اور تباہ ہوئے تھے)

عورت کی اندھی محبت پرہیزگاری کی سب سے بڑی دشمن ہے

تشریح: اس دنیا اور اس کی تقویٰ شکن نفسانی خواہشات اور دنیاوی نعمتوں کی تفصیل آپ تقویٰ کے بیان میں آیت کریمہ زین للناس حب الشهوات من النسآ الآیہ کے تحت پڑھ چکے ہیں اور اس اندھی محبت کا حال بھی پڑھ چکے ہیں جو پرہیزگاری اور خدا پرستی کی سب سے بڑی دشمن ہے اور جو انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاک کر ڈالتی ہے۔ بہتر ہے کہ آپ اس بیان کو پھر پڑھ لیں دیکھئے ان نفسانی خواہشات اور انسان کو اندھا بنا دینے والی نعمتوں میں سر فہرست اول نمبر پر عورتوں کی محبت ہے اسی لئے تقویٰ سے متعلق اس حدیث پاک میں بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نفسانی خواہشات اور دنیا کی تمام نعمتوں سے پرہیز کرنے کے ساتھ ساتھ

خاص طور پر عورتوں کی محبت سے بچنے اور دور رہنے کی ہدایت فرمائی اور بنی اسرائیل کی تباہی کی مثال یاد دلا کر عورتوں کے فتنہ سے ڈرتے اور بچتے رہنے کی تاکید فرمائی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس کی وہ خواہش اور لذت جنسی لذت' جو بڑے سے بڑے عاقبت اندیش اور ہوشمند انسان کو بھی بالکل اندھا بنا دیتی ہے وہ مردوں کو عورتوں سے اور عورتوں کو مردوں سے ہی حاصل ہوتی ہے پھر اسی لذت کی تکمیل کے لئے شراب بھی پی جاتی ہے سور کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور گانے بجانے برہنہ رقص و سرور اور عریانی و فحاشی کی محفلوں کلبوں سے اس آگ کو اور بھڑکایا جاتا ہے اور اس شیطانی خواہش اور لذت کا بھوت سروں پر سوار ہو کر تکمیل عیش اور مزید ہوس رانی کی غرض سے حرام و حلال کی تمیز کئے بغیر اندھا دھند مال و دولت جمع کرنے پر مجبور کرتا ہے اور انسان مال و دولت کی حرص و ہوس میں گرفتار ہو کر سخت سے سخت جرم چوری' رہزنی جعلسازی وغیرہ کے ارتکاب تک کا عادی بن جاتا ہے خیانت' بددیانتی اور دھوکہ دہی تو معمولی بات ہے اس لحاظ سے یہ نفسانی خواہش و لذت اور مردوں کے لئے عورتوں کی اور عورتوں کے لئے مردوں کی یہ اندھی محبت تمام بدکاریوں حرام کاریوں اور جرموں کے ارتکاب کی جڑ ہے اور پرہیزگاری یعنی اعلیٰ کردار' بلند اخلاق اور پاکیزہ فطری اقدار کی سب سے بڑی دشمن ہے اس حیوانی خواہش و لذت اور اس کے نتیجہ میں عورت کی محبت کا سب سے زیادہ برا اور خطرناک نتیجہ باہمی رقابت رشک و حسد اور بغض و کینہ ہے جس کے نتیجہ میں قتل اور خون ریزی کے واقعات آئے دن ہم اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں ننانوے فیصد قتل کے واقعات کی تہہ میں عورت کا فتنہ کار فرما ہوتا ہے۔

عورت کا فتنہ صرف شخصی زندگی کو ہی تباہ نہیں کرتا

یہ عورت کا فتنہ صرف ایک انسان ہی کی شخصی تباہی کا سبب نہیں بنتا بلکہ بڑھتے بڑھتے ملکوں قوموں اور حکومتوں کی تباہی کا سبب بنتا ہے تاریخ کے صدہا واقعات اس کے شاہد ہیں اس لئے یہ ایک ناقابل انکار و تردید حقیقت ہے کہ سب سے بڑا فتنہ عورت کی اندھی محبت ہے اور اس کا توڑ کہئے یا اس "زہر" کو اتارنے والا "تریاق" صرف اسلامی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

پرہیزگاری کا دوسرا دشمن

اس کے بعد دوسرے نمبر پر پرہیزگاری کا دشمن "حب مال" کا فتنہ ہے یعنی بے حساب مال و دولت کے انبار جمع کرنے کی حرص و ہوس اسی لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خطرناک فتنے سے بھی آگاہ اور خبردار فرمایا ہے ارشاد ہے:

لکل امة فتنة وفتنة امتی المال:

ہر (نبی کی) اُمت کی ایک آزمائش کی چیز ہوئی ہے اور میری اُمت کی آزمائش کی چیز مال ہے۔

تقویٰ کی تشریح کے ذیل میں بیان شدہ مذکورہ سابق آیت کریمہ زین للناس حب الشھوات الآیہ میں اس مال کو والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ' سونے چاندی کے تہ بتہ لگائے ہوئے انبار' سے تعبیر فرمایا ہے دنیا کے تجربات وواقعات شاہد ہیں کہ ہوس مال وزر تقویٰ اور پرہیزگاری تو رہی ایک طرف یہ اندھی محبت اور ہوس تو کوئی بھی ایسا برے سے برا حرام کام اور حرام مال حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں جس کو اختیار کرنے پر انسان کو مجبور نہ کرتی ہو اور اس کے نتیجہ میں دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل وخوار اور رسوا اور روسیاہ نہ کردیتی ہو قرآن کریم میں اس زراندوزی پر بڑی شدید وعید آئی ہے جس کو سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مذکورہ ذیل حدیث میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اس تباہ کن خطرہ سے خبردار کیا ہے ارشاد ہے:

فواللہ لااخشی علیکم الفقر ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوا فیھا کماتنافسوا فتھلککم کمآ اھلکتھم:

پس خدا کی قسم فقر وافلاس کا مجھے تمہارے متعلق کوئی اندیشہ نہیں (تم اس سے تباہ نہ ہو گے) لیکن میں تو تمہارے بارے میں صرف اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا (کی مال ودولت) کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں جیسے پہلی قوموں پر کھول دیئے گئے تھے پھر تم ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اسکی حرص وہوس میں ایسے ہی گرفتار ہو جاؤ جیسے وہ گرفتار ہو چکے ہیں اور پھر وہ دنیا تم کو اسی طرح ہلاک کر ڈالے جیسے ان کو ہلاک کر چکی ہے۔

اس حرص وہوس مال وزر کے سم قاتل' مہلک زہر کا تریاق بھی یہی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ یاد رکھیے! شریعت کی تعلیمات کے مطابق حلال اور جائز آمدنی کے ذرائع سے مال ودولت حاصل کرنا اور پھر خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے مصارف میں اس کو خرچ کرتے رہنا وہ "نسخہ شفاء ربانی" ہے کہ اس کو استعمال کرتے رہنے اور پرہیزگاری کے اصول کی پیروی کرتے رہنے کی صورت میں حب مال اور ہوس زراندوزی کا مرض پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔

پرہیزگاری کا تیسرا دشمن

پرہیزگاری کا تیسرا دشمن نفس انسانی کی تیسری بھوک جوع الارض یعنی زمین جائیداد کی ہوس ہے عورت اور دولت کے بعد تیسرا فتنہ جاگیرداری اور ملک گیری کا فتنہ ہے اس مرض میں مبتلا اور اس فتنہ میں گرفتار انسان سب سے زیادہ ظلم وجور کا' خصوصاً غریبوں' کمزوروں' یتیموں' بچوں اور عورتوں پر مرتکب ہوتا ہے اور آخر میں بڑا ہی بے رحم اور سنگدل کہیے قصائی بن جاتا ہے قرآن کریم میں ایسے ظالموں کے لئے بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں شھوات نفسانی کے اصول پر مشتمل آیت کریمہ میں حب جائیداد وجاگیرداری کو والانعام والحرث اور مویشیوں اور زمین کی پیداوار کی محبت سے تعبیر کیا ہے۔

غرض اس میں تو کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہے ہی نہیں کہ جنسی لذت' مال وزر اور زمین وجائیداد کی ہوس' جس کا کام دنیا ہے تمام تر بدکاریوں کا سرچشمہ ہے اسی سے بچنے اور دور سے دور تر رہنے کی ہدایت حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں کی گئی ہے اسی کا نام تقویٰ ہے۔

آزمائش اور اس میں پورا اترنے کی تدبیر

ان دنیا کی نعمتوں میں آزمائش کا پہلو یہ ہے کہ انسان ان کے بغیر بھی زندگی نہیں بسر کر سکتا اور انکا میسر آنا بھی خطرہ کی گھنٹی ہے یعنی تباہی کے خطرہ سے خالی نہیں اس آزمائش میں پورا اترنے کا راز جیسا کہ حدیث پاک یعنی لا اخشی علیکم الفقر میں اشارہ فرمایا ہے' یہ ہے کہ مال و دولت اور سامان رفاہیت کی فراوانی کے مقابلہ میں انسان فقر و افلاس بقدر ضرورت روزی کو ترجیح دے اور خوش آمدید کہئے صبر و قناعت اور تقویٰ کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے اور اگر بغیر کسی خاص جدوجہد اور تلاش و سرگردانی کے' دولت و رفاہیت خوشحالی خود بخود میسر آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان سمجھے نہ کہ اپنی کارگزاری کا نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کا شکر اور حق نعمت قولاً و عملاً ادا کرتا رہے مگر دل کو اس کی محبت سے پاک رکھے اور حرص و ہوس کو اپنے پاس تک نہ پھٹکنے دے اسی کا نام پرہیزگاری اور تقویٰ ہے۔

موجودہ زندگی میں ان ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مشفقانہ ہدایات پر عمل کر کے اور پرہیزگاری کو اختیار کر کے ہم آج کی زندگی میں بھی بے شمار خطرات اور ہلاکتوں سے بچ سکتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

اللہ تعالیٰ سے کیا دعا مانگنی چاہیے۔ حدیث نمبر ۷۱ / ۳

الثالث : عن ابن مسعودٍ رضي الله عنه : أَنَّ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يقول : " اللَّهُمَّ إنِّي أَسأَلُكَ الهُدَى ، وَالتُّقَى ، وَالعفَافَ ، وَالغِنَى " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (عموماً دعا میں) فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تجھ سے ہدایت کا سوال کرتا ہوں اور پرہیزگاری کا پارسائی کا اور غنا (مخلوق سے بے نیازی) کا (تو یہ چاروں نعمتیں مجھے عطا فرمادے)

چار نعمتیں اور ان کی تشریح

تشریح: اس حدیث پاک میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عظیم نعمتوں کی خود بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے اور امت کو بھی ان کی دعا مانگنے کی تعلیم دی ہے وہ عظیم نعمتیں یہ ہیں۔

(۱) ہدیٰ: ہدایت الٰہیہ جس کی دعا ہر مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں مانگتا ہے اھدنا الصراط المستقیم (اے اللہ) تو ہم کو سیدھے راستہ پر چلا قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے پیغمبرانہ طریق کار کو بھی ہدیٰ سے تعبیر فرمایا ہے اور خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے: ارشاد ہے۔

فبهدهم اقتده۔(اے نبی تم ان نبیوں کے طریق کار کی پیروی کیا کرو اس لئے کہ یہ ہی ہدایت الٰہی در حقیقت "ہدایت" ہے ارشاد ہے **قل ان الهدیٰ هدی الله** (اے نبی تم کہہ دو: بے شک ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہے اور اس کے ماسویٰ سب گمراہی و کجراہی ہے) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بھی ازراہ شفقت اسی "ہدایت" کی دعا مانگنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

(۲) **التقی**: تقویٰ اور پرہیزگاری جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں تمام محرمات حرام چیزوں اور کاموں اور کبیر گناہوں سے بچنا جس کا پہلا مرحلہ ہے۔

(۳) **العفاف**: پارسائی یعنی تمام ممنوع اور برے اعمال واخلاق سے بچنا خصوصاً کسی سے سوال کرنے اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت اٹھانے سے بچنا چنانچہ قرآن کریم میں اسی عفاف سے مشتق اور ماخوذ لفظ تعفف' احتیاج کے باوجود کسی سے سوال نہ کرنے کے معنی میں ایسے پارسا حاجت مندوں کی تعریف کے طور پر استعمال ہوا ہے ارشاد ہے:

يحسبهم الجاهل اغنيآء من التعفف: ناواقف آدمی ان حاجت مندوں کو سوال سے بچنے کی وجہ سے غنی (مالدار) سمجھتا ہے (حالانکہ وہ شدید حاجت مند ہوتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے دنیا کا تمام کاروبار چھوڑ کر خود کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے یہ پارسا حاجت مند اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم تھے۔

بہر حال گو جان بچانے کے لئے سوال کرنا جائز ہے تاہم احادیث میں بڑی کثرت اور شدت کے ساتھ سوال کرنے کی ممانعت آئی ہے یہی پرہیزگاری کا تقاضہ ہے۔

۴۔ **الغنیٰ**: مخلوق سے بے نیازی' یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بقدر کفاف' ضروریات پورا کرنے کے بقدر' روزی میسر آنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی بھی ہستی کے سامنے اظہار حاجت نہ کرنا اور جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اسی پر قناعت اختیار کرنا حدیث نمبر (۲) کے ذیل میں اس صبر و قناعت کی اہمیت اور فوائد کا جال پوری تفصیل کے ساتھ آپ پڑھ چکے ہیں اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے **خير الغنى غنى النفس** بہترین دولت مند دل کا غنی ہوتا ہے اور اسی لئے مسنون دعاؤں میں آیا ہے **اللهم اجعل غناى فى صدرى**: اے اللہ تو مجھے دل کا غنی بنا دے اسی طرح مسنون دعا ہے آپ بھی روزانہ یہ دعا مانگا کیجئے۔

اللهم اغنى بفضلك عمن سواك: اے اللہ تو مجھے اپنے فضل وانعام سے اپنے ماسوا سب سے غنی (بے نیاز) بنا دے یعنی دل کو اپنے ماسوا سب کے تصور سے پاک کر دے یہی پرہیزگاری کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

تقویٰ کے علاوہ باقی تین خصلتیں بھی پرہیزگاری ہی کے لوازمات میں سے ہیں جیسا کہ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں ان چاروں نعمتوں اور خصلتوں کا مالک انسان در حقیقت اولیاء اللہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو اور لائق عزت واحترام ہوتا ہے آپ بھی کوشش کر کے دیکھ لیجئے اللہ پاک آپکی مدد فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیۃ کا تقاضا

الرابع : عن أبي طريفٍ عديّ بن حاتمٍ الطائيّ رضي الله عنه ، قَالَ : سمعتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ ثُمَّ رَأى أتْقَى للهِ مِنْهَا فَلْيَأْتِ التَّقْوَى " رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: میں نے خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے جس شخص نے کسی کار خیر کے نہ کرنے کی قسم کھالی ہو اور وہ محسوس کرے کہ اللہ کے ڈر اور خوف کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ میں یہ کام نہ کروں (بلکہ مجھے یہ کام کرنا چاہئے) تو اسے (قسم توڑ دینی چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور) اس کار خیر پر عمل کرنا چاہئے (جو اللہ کے خوف اور خشیۃ کا تقاضا ہو)

تشریح: مثال: مثلاً کسی لیچڑ سائل سے تنگ آ کر کسی نے قسم کھالی کہ میں آج سے کسی ایسے سائل کو ایک پیسہ نہ دوں گا" حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وفی اموالھم حق للسائل والمحروم:** ان (اہل ایمان) کے مال میں ہر سوال کرنے والے اور نہ کرنے والے کا حق ہے نیز ارشاد ہے **واما السائل فلا تنھر:** باقی سوال کرنے والے کو تو ہرگز نہ جھڑکو' اس لئے اس قسم کو فوراً توڑ دینا اور کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور ہر سائل کو جو بھی میسر ہو ضرور دینا چاہئے ورنہ نرمی سے اپنی مجبوری اس پر ظاہر کر دینی چاہئے پھر بھی نہ مانے یہ سخت وست کہے تو خاموشی کے ساتھ گذر جانا چاہئے اور اس کی بد تمیزوں سے درگزر کرنا چاہئے یہی خوف وخشیت الٰہی کا تقاضہ ہے اور اس قسم کو توڑ دینا ہی تقویٰ اور پرہیزگاری کا مقتضی ہے یہ صورت ایسے ہی کار خیر کے ترک کرنے میں پائی جاسکتی ہے جو مباح ہو یعنی اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہوں مگر کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنے کا عملی ثبوت اور اس کا ثمرہ

الخامس : عن أبي أُمَامَةَ صُدَيّ بنِ عجلانَ الباهِلِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ في حجةِ الوداعِ ، فَقَالَ : " اتَّقُوا الله وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ ، وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ ، وَأَطِيعُوا أُمَرَاءَكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ " رواه الترمذي ، في آخر كتابِ الصلاةِ ، وَقَالَ : " حديث حسن صحيح ".

ترجمہ: حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے (اے مسلمانو) اللہ سے ڈرو' پانچوں وقت کی نمازیں (باجماعت) پڑھو مال کی زکوٰۃ ادا کرو اپنے امیروں (حکمرانوں) کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

جائز امور میں حکمرانوں کی مخالفت بھی پرہیزگاری کے منافی ہے

تشریح: آپ تقویٰ سے متعلق تفصیلی بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہی نہ صرف عبادت بلکہ تمام احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حقیقی اور اصلی محرک ہوتا ہے نیز یہ خوف خدا نہ صرف شخصی اور انفرادی زندگی بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کو بھی تباہی سے بچانے کا واحد ذریعہ ہے جیسا کہ اس حدیث پاک میں سرور کائنات نبی امن وسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے محیر العقول' حیرت انگیز' مجمع میں اپنے آخری اور وداعی خطبہ میں اعلان فرمایا اس لئے قوم کے دلوں میں خوف خدا اور ان کے کردار میں تقویٰ اور پرہیزگاری حکومتوں اور ملکوں کے لئے بھی بہت بڑی رحمت ہے۔

حکمرانوں کی مخالفت کس وقت جائز بلکہ فرض ہو جاتی ہے

باقی حکمرانوں کی اطاعت اسی وقت تک واجب ہے جب تک کہ وہ خدا کی نافرمانی اور شریعت کی خلاف ورزی پر مجبور نہ کریں اس لئے کہ رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان **لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق:** خالق کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی مسلمانوں کا فرض ہے کہ حکمران کتنا ہی ظلم وستم کیوں نہ کریں خدا کی نافرمانی ہر گز نہ کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حکمرانوں سے بچائیں اور اپنی پناہ میں رکھیں آمین بحق رحمۃ للعالمین

باب في اليقين والتوكل
یقین اور توکل کا بیان

یقین و ایمان

غزوۂ احزاب' جنگ احزاب یا جنگ خندق اپنی فتنہ سامانی اور حوصلہ شکنی کے اعتبار سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت صبر آزما جنگ ہے ایسے ہمت شکن حالات میں دشمنوں کے دل بادل لشکر اور چاروں طرف سے محاصرہ کرنے والی فوجوں کو محاذ جنگ پر دیکھ کر سراپا ایمان و تسلیم مومنین موقنین نے جس یقین و ایمان کا اظہار کیا ہے اس کا حال آیت کریمہ ذیل میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلاَّ إِيمَاناً وَتَسْلِيماً ﴾ [الأحزاب : ٢٢].

ترجمہ۔ اور جب دیکھیں ایمان والوں نے دشمنوں کی فوجیں تو بولے: (ارے) یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ دیا ہے اور (دیکھ لو بالکل) سچ کہا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس (حوصلہ شکن منظر) نے ان کے ایمان اور تسلیم میں اضافہ ہی کر دیا۔

تفسیر۔ غزوۂ احد کے ایک سال بعد غزوہ بدر صغریٰ سے متعلق جس کی تفصیل کسی قدر حدیث نمبر (۴) میں آرہی ہے دشمنوں کی دھمکیوں اور جھوٹے پروپیگنڈے سے اصلاً متاثر نہ ہونے والے مومنین موقنین یقین کامل کے مالک اہل ایمان اور متوکلین کاملین کا حال اور انکے توکل کی شان اور اس کا نتیجہ ذیل کی آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے: ارشاد ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ، فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللهِ وَاللهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴾ [آل عمران :١٧٣، ١٧٤]

تفسیر۔ (اجر عظیم ان لوگوں کے لئے ہے) جن سے (دشمنوں کے حمایتی) لوگوں نے کہا بیشک مکہ کے لوگوں (قریش اور عرب قبائل) نے تم سے لڑنے کے لئے (بڑی فوجیں اور سامان) جمع کیا ہے پس تم ان سے ڈرو (اور لڑنے کے لئے مت جاؤ) تو اس (جھوٹی دھمکی) نے ان (مومنوں) کے

ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیا اور انہوں نے کہا ہمارے لئے تو اللہ بہت کافی ہے اور وہ تو بڑا ہی اچھا کارساز ہے چنانچہ (اہل ایمان مقررہ محاذ جنگ پر گئے اور وہاں سے) واپس آئے اللہ کی نعمت (فتح و ظفر) اور فضل (مال غنیمت) کے ساتھ کچھ بھی تو گزند ان کو نہ پہنچا اور اللہ کی رضا کی پیروی بھی کر لی اور اللہ تو بڑے ہی فضل و انعام والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن عظیم کی آیات کی تلاوت سے مومنوں کے ایمان میں ترقی اور زیادتی توکل علی اللہ کا نتیجہ ہے ارشاد ہے:

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾ [الأنفال : ٢]

والآيات في فضل التوكل كثيرةٌ معروفةٌ .

مومن تو بس وہی لوگ ہیں جن کے سامنے جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرزنے لگتے ہیں اور جب اس (کے کلام' قرآن) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ (سے زیادہ) کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر (کلی اعتماد اور) بھروسہ کیا کرتے ہیں۔

توکل:

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مذکورہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے:

قل ما اسئلکم علیه من اجر الامن شآء ان یتخذ الی ربه سبیلاًوتوکل علی الحی الذی لایموت وسبح بحمده و کفی به بذنوب عباده خبیرًا (الفرقان ع:۵)

تم (اے نبی! منکرین حق سے) کہہ دو! میں تم سے اس دعوت ایمان اور تبلیغ حق پر کوئی معاوضہ مطلق نہیں مانگتا الا یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کا راستہ (دین اسلام) اختیار کرلے اور تم (اے نبی! ان کی دشمنی کی پرواہ مت کرو اور) اپنے اس (ہمیشہ سے ہمیشہ تک) زندہ رہنے والے رب پر بھروسہ رکھو جس کیلئے مرنا (ممکن ہی) نہیں ہے اور اسی کی تسبیح حمد و ثنا کے ساتھ کیا کرو وہ اپنے بندوں کے گناہوں (کفر و شرک) سے باخبر (تمہارے لئے) کافی ہے۔

فاعف عنهم واستغفرلهم وشاورهم فی الامر فاذاعزمت فتوکل علی الله ان الله یحب المتوکلین (ال عمران:ع ۱۷)

پس ان (نادانی سے' اپنے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں) کو معاف کر دو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو اور (پیش آمدہ) کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو پس جب (کسی کام کا) پکا ارادہ (اور فیصلہ) کر لو تو اللہ پر بھروسہ کیا کرو بیشک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تنبیہ:اس آیت کریمہ میں اول اسباب و تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے اس کے بعد (ان اسباب و تدابیر کے بجائے) اللہ رب العالمین پر بھروسہ کرنے کا حکم دیاہے مذکورہ ذیل آیات میں اہل ایمان کو اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیاہے ارشاد ہے:

۶/ا۔وعلی الله فلیتوکل المؤمنون (ابراہیم:ع۲)

اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیئے۔

۷/۲۔ وعلی الله فلیتوکل المتوکلون (ایضاً)

اور اللہ ہی پر توکل کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔

توکل کا نتیجہ

مذکورہ ذیل آیت کریمہ میں توکل کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام مشکلات و مصائب میں کفایت فرمانے اور کار برآری کا وعدہ فرمایاہے۔

۸/ا۔ومن یتوکل علی الله فهو حسبه۔

اور جو شخص اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے تو وہ اس کے لئے بہت کافی ہے۔

توکل انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی شعار رہا ہے

توکل علی اللہ تمام انبیاء و مرسلین کا خصوصی شعار رہا ہے سخت سے سخت مشکلات اور صبر آزما حالات میں ہمیشہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر اعتماد کیاہے:ارشاد ہے۔

۹/ا۔وماکان لنآان ناتیکم بسلطان الاباذن الله وعلی الله فلیتوکل المؤمنون ومالنآالانتوکل علی الله وقدهدناسبلنا ولنصبرن علی مآاذیتمونا وعلی الله فلیتوکل المتوکلون (ابراہیم:ع۲)

اور ہمارے بس میں نہیں کہ لائیں ہم (از خود) تمہارے سامنے کوئی حجت مگر اللہ کی اجازت سے اور اللہ پر ہی ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اور ہمیں کیا ہوا جو ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں جبکہ وہ ہمیں بتلاچکا ہماری راہیں (کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے) اور ہم تو یقیناً صبر ہی کریں گے تمہاری ایذا رسانیوں پر اور اللہ پر ہی بس بھروسہ کرنا چاہیئے بھروسہ کرنے والوں کو۔

خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو توکل کا خصوصی حکم

مذکورہ ذیل آیت میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو واحد متکلم۔مجھے۔کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا خصوصی حکم دیا گیاہے ارشاد ہے:

۱۰/ا۔ فان تولوافقل حسبی الله لااله الاهوعلیه توکلت وهورب العرش العظیم (التوبہ:ع۱۶)

پس اگر وہ (منکرین اس شفقت ورحمت اور مہر ومحبت کے باوجود) انحراف کریں تو (ان سے) کہہ دو مجھے تو اللہ بہت کافی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق پرستش نہیں ہے) اسی (وحده لاشریك له) پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم (تمام کائنات) کا مالک ہے۔

اسی طرح مذکورہ ذیل آیت کریمہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مرجع امور کائنات زمین وآسمان کے اسرار ومخفیات کے جاننے والے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس پر بھروسہ کرنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔

۱۱/(۲) **ولله غيب السموت والارض واليه يرجع الامر كله' فاعبده وتوكل عليه ومار بك بغافل عماتعملون** (یوسف:ع۱۰)

اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (جن سے اس کے سوا کوئی بھی واقف نہیں) اور اسی کی طرف لوٹتا ہے تمام کا تمام اختیار' پس تم (اے نبی) اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی پر بھروسہ کیا کرو اور تمہارا رب تمہارے کاموں سے بے خبر مطلق نہیں ہے۔

مذکورہ بالا آیات پر مزید تبصرہ

انسان بہرحال اپنی زندگی میں کاربرآری اور حاجت روائی کی غرض سے کسی نہ کسی ہستی پر بھروسہ اور اعتماد کرنے پر فطرتاً مجبور ہے اور یقیناً وہ یہ بھروسہ اور اعتماد نہ صرف اپنے سے بڑھ کر بلکہ زیادہ سے زیادہ کاربرآری اور حاجت روائی کی قدرت اور اختیار رکھنے والی اسباب اور ان کے اثرات ونتائج سے گہری واقفیت اور دوررس علم کی مالک ہستی پر ہی کرسکتا ہے یہی اس کی عقل وخرد کا تقاضا ہے قرآن عظیم نے توکل علی اللہ کا حکم دینے اور اس کی فضیلت بیان کرنے کے ذیل میں اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس اور مؤثر صفات خاص طور پر بیان کی ہیں جو ایک خدا اور اس کی صفات پر ایمان رکھنے والے مسلمان کو توکل علی اللہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مطمئن کرسکیں اور وہ تمام وسوسوں اور خیالات کو خیرباد کہہ کر اور بالائے طاق رکھ کر پوری دلجمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرسکے مثلاً

(۱) الحی الذی لایموت (۲) لااله الاهو (۳) لله غيب السموات والارض (۴) اليه يرجع الامر كله (۵) رب العرش العظيم (۶) حسبی یاحسبنایاحسبه (۷) هدایت سبل.

بلکہ آیت نمبر ۹/۱ کے جملہ ومالناان لانتوکل علی الله میں تو انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک سے یہ تک کہلوادیا کہ جو انسان اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرے وہ بالکل مت کا مارا ہوا اور عقل وخرد سے کورا انسان ہے۔ اس نقطہ نظر سے آیات اور ان کے ترجموں کو صدق دل سے دوبارہ پڑھیے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی یقین اور توکل علی اللہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

تشریح! یقین کی تعریف

یقین اس محکم اور پختہ علم کا نام ہے جس کے خلاف ذرا برابر شک وشبہ اور تردد وتذبذب نہ ہو بلکہ ذہن اس کے خلاف کے تصور سے بھی خالی ہو یعنی اس علم کے خلاف بات خیال میں بھی نہ آئے۔

یقین کے تین مرتبے

اس پختہ اور محکم علم کے تین مرتبے ہیں (ا) یہ کہ وہ علم اتنا پختہ اور قوی ہو کہ اگرچہ کبھی اس کا مشاہدہ یا تجربہ نہ بھی ہوا ہو تب بھی وہ مشاہدہ یا تجربہ کے درجے کو پہنچا ہوا ہو یعنی مشاہدہ اور تجربہ کے بعد علم میں کوئی اضافہ نہ ہو بلکہ صرف اطمینان اور انشراح حاصل ہو جائے کہ جس کا ہمیں یقین تھا اس کو دیکھ بھی لیا، تجربہ بھی ہو گیا۔

مثالیں

مثلاً ہر مسلمان کو اس امر کا قطعی یقین ہے کہ مکہ مکرمہ عرب کا ایک شہر ہے جہاں خانہ کعبہ واقع ہے جس کی طرف منہ کر کے تمام دنیا کے مسلمان پانچوں وقت نماز پڑھتے ہیں اگرچہ اس شہر اور خانہ کعبہ کو کبھی نہ دیکھا ہو یا سنکھیا ایک مہلک زہر ہے اگرچہ کبھی اس کا تجربہ نہ ہوا ہو نہ ہی اس کی صورت دیکھی ہو۔

یقین کا پہلا مرتبہ علم الیقین

یہ یقینی علم کا پہلا مرتبہ ہے ایسے پختہ اور پکے علم کو شریعت کی اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں۔

یقین کا دوسرا مرتبہ عین الیقین

اور جب اس علم کا مشاہدہ یا تجربہ ہو جائے یعنی جو سنا اور جانا تھا وہ آنکھوں سے بھی دیکھ لیا جائے اور تجربہ بھی ہو جائے تو اس علم کو مشاہدہ یا تجربہ کے بعد شریعت کی اصطلاح میں عین الیقین کہتے ہیں۔

یقین کا تیسرا مرتبہ حق الیقین

اور اس علم الیقین اور اس کے مشاہدہ یا تجربہ کے جمع اور متفق ومنطبق ہو جانے کے بعد اس علم کا نام شریعت کی اصطلاح میں حق الیقین ہے اس لئے کہ تنہا علم الیقین میں اس بات کا امکان ہے کہ قطعی اور یقینی علم ہونے کے باوجود واقعہ اس کے خلاف ہو جیسا کہ جہل مرکب، کسی واقعی جاہل کو اپنے عالم ہونے کا پکا یقین ہونا کی صورت میں ہوتا ہے اسی طرح تنہا مشاہدہ یا تجربہ پر جو علم مبنی ہو اس میں بھی حواس، بینائی وغیرہ یا تجربہ کی غلطی کا امکان ہوتا ہے لیکن جب علم یقینی مشاہدہ یا تجربہ کے ساتھ جمع اور متفق ومتحد ہو جائے یعنی جب مشاہدہ یا تجربہ سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ علم الیقین واقعہ کے مطابق ہے اور علم یقینی سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ مشاہدہ یا تجربہ میں کوئی غلطی نہیں ہے تو اس کے

بعد نہ علم کے خلاف واقع ہونے کا امکان رہتا ہے نہ مشاہدہ یا تجربہ کی غلطی کا امکان رہتا ہے اور حق متعین اور قطعی ویقینی ہو جاتا ہے اور وہ علم، حق الیقین ایسا یقین جو واقعہ کے مطابق و موافق ہو کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔

یقین کے تینوں مرتبوں کا ثبوت قرآن عظیم سے

اس لحاظ سے یقین کے تین مرتبے ہوئے (۱) علم الیقین (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین' آیت کریمہ ذیل میں دو مرتبوں کا صراحتاً ذکر فرمایا ہے اور تیسرے کا اشارتاً مگر نفی کی صورت میں ذکر فرمایا ہے اس لئے کہ مخاطب منکرین عذاب جہنم یعنی کفار و مشرکین ہیں یا فساق و فجار' ارشاد ہے۔

کلالو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین:

ہرگز نہیں' اگر تم کو (جہنم کا) یقینی علم ہوتا تو تم جہنم کو ضرور دیکھ لیتے پھر تم (قیامت کے دن تو جب وہ سامنے آئے گی) اس کو یقین کی آنکھ سے دیکھ ہی لو گے۔

ثم لتسئلن یومئذعن النعیم:(التکاثر)

پھر تم سے (اللہ کی) نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا (اور کفران نعمت کی سزا میں ضرور جہنم کی آگ میں جلو گے عذاب جہنم کا حق الیقین اس وقت تمہیں ہو گا)

یعنی اگر تم کو جہنم کا یقینی علم ہوتا تو تم اس کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کرتے اور ڈرتے اور کوئی ایسا کام ہرگز نہ کرتے جو جہنم میں لے جانے والا ہو اس لئے کہ جب جان بوجھ کر کوئی بھی انسان دنیا کی آگ میں نہیں گرتا تو جہنم تو پھر جہنم ہے اس کی طرف تو کوئی آنکھوں دیکھتے رخ کرنے کی بھی جرات نہیں کر سکتا بہر حال یہ تو دنیا ہے جہاں تو جہنم آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی مگر مرنے کے بعد قیامت کے دن تو یقیناً جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور تمہیں جہنم کا علم عین الیقین' عینی مشاہدہ' کے درجہ میں ہو ہی جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حساب و کتاب کے بعد کفران نعمت (ناشکری) کی سزا میں جب جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جاؤ گے اور جلنے لگو گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بتلایا تھا اس کا حق الیقین ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احیاء موتی' مردوں کو زندہ کرنے' کے متعلق سوال

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے احیاء موتی مردوں کے زندہ کرنے سے متعلق سوال اسی عین الیقین کے مرتبہ کے حصول کی غرض سے کیا ہے ان کو علم الیقین حاصل تھا اسی بات کو ان کی زبان سے کہلوانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے سوال پر سوال کیا ہے تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حضرت ابراہیم کو علم الیقین حاصل ہے صرف عین الیقین کا مرتبہ یعنی چشم دید مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مشاہدہ کرایا جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے ارشاد ہے۔

واذ قال ابراهیم: رب ارنی کیف تحی الموتی؟قال اولم تؤمن؟ قال:بلی ولکن لیطمئن قلبی الآیه:

اور جب ابراہیم نے کہا:اے میرے رب تو مجھے دکھلا دے تو مردوں کو زندہ کیسے کرے گا؟(اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کیا تو (مردوں کو زندہ کرنے پر) ایمان نہیں لایا؟

ابراہیم نے عرض کیا: کیوں نہیں (میرا تو پختہ ایمان ہے کہ تو ضرور مردوں کو زندہ کرے گا لیکن (میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں) تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے (کہ تو اس طرح زندہ کرے گا)

یقین اور ایمان اور ان کا باہمی فرق

یاد رکھئے اسی علم یقینی کا نام شریعت کی اصطلاح میں ایمان ہے بشرطیکہ دل سے مان بھی لے اور زبان سے اقرار بھی کرلے اس لئے کہ بسا اوقات انسان ایک بات کو یقینی طور پر جانتا ہے مگر ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ اس کو مانتا ہے نہ زبان سے اقرار کرتا ہے چنانچہ ہم رات دن عدالتوں میں دیکھتے ہیں کہ ایک واقعی مجرم خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے یہ جرم کیا ہے مگر یہ دیکھ کر کہ پولیس کے پاس ثبوت کافی نہیں ہے کبھی مان کے نہیں کہتا کہ ہاں میں نے یہ جرم کیا ہے الاماشاءاللہ ایسے ہٹ دھرمی کے انکار کو قرآن کی اصطلاح میں جحود کہا گیا ہے یعنی جان بوجھ کر اور پورا یقین ہونے کے باوجود انکار کرنا خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کٹر مشرکین مکہ اور متعصب و معاند یہودیوں کا آپ کی نبوت کو ماننے سے انکار اسی قسم کا انکار تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی معاندین وجاحدین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) وجحدوا بها و ستیقنتها انفسهم (النمل ع:۱)

اور ان معاندوں نے ان (قدرت کی نشانیوں) کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں کو پورا یقین حاصل تھا۔

(۲) یعرفونه کما یعرفون ابناء هم (البقرہ:ع۱۷)

وہ (یہودی) اس (نبی عربی) کو اس طرح جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔

یقین کے تیسرے مرتبہ کا ذکر قرآن کریم میں

یقین کے تیسرے مرتبہ حق الیقین کا ذکر صراحتاً آیت کریمہ ذیل میں آیا ہے ارشاد ہے:

وانه لحق الیقین فسبح باسم ربك العظیم (الحاقہ:ع۲)

اور بیشک وہ (قرآن) برحق (واقعہ کے مطابق) یقینی (اللہ کا کلام) ہے پس تم تو (اے نبی) اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کیا کرو۔

یعنی اگر یہ رسول اللہ کا رسول اور امین ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے کلام' قرآن میں کوئی بھی بات اپنی طرف سے کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کر دیتا تو ہم اس خیانت کے جرم میں فوراً اس کی شہ رگ کاٹ کر ہلاک کر ڈالتے کہ یہی ہماری غیرت کا تقاضا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور رسول بھی تمہارے سامنے زندہ موجود

ہے اور قرآن بھی موجود ہے اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کے اعلان بھی بدستور قائم ہے لہٰذا یہ واقعہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن کا کلام اللہ ہونا ایسا یقینی اور برحق ہے کہ تم اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہو۔

توکل کے لفظی اور شرعی معنی اور اس کی تشریح

توکل کے لفظی معنی ہیں کسی چیز یا شخص یا رائے و تدبیر وغیرہ پر بھروسہ کرنا شریعت کی اصطلاح میں توکل کے معنی ہیں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اس کے سوا کسی بھی چیز یا شخص یا رائے و تدبیر وغیرہ پر بھروسہ نہ کرنا اس "شرعی توکل" کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے حسب ذیل تفصیل پر غور فرمایئے اور پھر سمجھئے تاکہ کسی غلط فہمی میں نہ مبتلا ہوں۔

یہ ہماری دنیا عالم اسباب ہے کہ خالق کائنات نے اس دنیاوی زندگی میں منفعت مضرت اور کامیابی وناکامی غرض دنیا اور دین کے تمام امور کو ان کے اسباب وذرائع اور انسانی تدبیر اور جدوجہد کے ساتھ مربوط اور وابستہ فرمایا ہے اور عقل سلیم کی نعمت عظمیٰ عطا فرما کر انسان کو ان وسائل وذرائع اور تدبیر کار کی معرفت و بصیرت اور ان میں تصرف کی قدرت اور اختیار سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور ہر انسان کو ان اسباب ووسائل اور تدابیر وجدوجہد کے اختیار کرنے اور اس کے ذریعے اپنی دینی اور دنیوی شخصی واجتماعی فرائض کو انجام دینے کا حکم بھی دیا ہے کہ دین اور دنیا میں جو کچھ ہم تمہیں دیں گے تمہاری جدوجہد اور کوشش کے تحت دیں گے ارشاد ہے:

وان لیس للانسان الاماسعی (والنجم ع:۳)

اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے۔

یعنی انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ صرف اس کی کوشش اور جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا اور خبردار کر دیا ہے کہ یہ اسباب و تدابیر صرف وسیلہ ہیں ان پر نتائج منفعت یا مضرت کامیابی یا ناکامی وغیرہ کا مرتب ہونا یا نہ ہونا صرف ہماری مشیت اور منشاء پر موقوف ہے ہم چاہیں گے تو منفعت کی تدابیر واسباب پر منفعت مرتب ہو گی ورنہ نہیں۔

مثال:

مثلاً رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے:

لکل داء دواء الا الموت: موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے۔

اب مرض کی تشخیص اور دوا علاج، پرہیز تجویز کرنا طبیب یا ڈاکٹر کا فرض ہے اور علاج کرنا دوا پرہیز کرنا خود بیمار کا فرض ہے لیکن مرض کو دور کرنا اور شفا دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ شفا دینا چاہیں گے تو دوا اور علاج و پرہیز وغیرہ کو شفا کا ذریعہ بنا دیں گے اور اگر انکا منشا نہ ہو گا تو ہم اور ہمارے معالج ڈاکٹر، حکیم ایڑی چوٹی کا زور لگالیں ہرگز مرض زائل نہ ہو گا اور شفا نصیب نہ ہو گی۔

باقی شفا کے لئے ان اسباب ووسائل علاج معالجہ' دوا پرہیز کی ضرورت بھی ہمیں ہے اللہ تعالیٰ شافی مطلق کو نہیں وہ شفا دینا چاہیں گے تو بغیر کسی دوا پرہیز کے شفا دے دیں گے نہ صرف یہ بلکہ زہر کو تریاق' زہر اُتارنے والی دوا' بنادیں گے۔اسی حقیقت کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کے شعر میں خوب ادا کیا ہے۔

از سبب سازیت حیرانیم:(اے پروردگار) میں تیرے سبب بنا دینے پر بھی حیران ہوں
وز سبب سوزیت سرگردانیم:اور تیرے سبب کو ناکارہ بنا دینے پر بھی سرگرداں ہوں۔

واقعہ:۔

دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بت پرست قوم نے اپنے بتوں کی توہین کے "جرم" پر آگ میں زندہ جلا ڈالنے کا فیصلہ کیا اور ان کو دہکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے فوراً آگ کو حکم دیا:

یانار کونی بردًاوسلامًاعلی ابراهیم (انبیاء ع:۵)

اے آگ! تو ابراہیم کے لئے خنکی اور سلامتی (کا سبب) بن جا۔
چنانچہ وہ "آتش نمرود" آن کی آن میں "گلزار ابراہیم" بن گئی۔
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسباب میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے مگر وہ ایسی تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں اسے سلب کرلیں چھین لیں۔

دوسری مثال:۔

اسی طرح رزاق' روزی دینے والے' صرف اللہ تعالیٰ ہیں چنانچہ ان جاہلوں اور سر پھرے لوگوں سے خطاب کر کے جو اپنی جہالت اور خدا ناشناسی کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ روزی اور رزق کا میسر آنا ان اسباب و تدابیر پر موقوف ہے جو ہم کرتے اور بتلاتے ہیں اگر لوگ ان تدابیر کو اختیار نہ کریں گے تو بھوکے مرجائیں گے ارشاد ہے:

نحن نرزقهم وایاکم (بنی اسرائیل:ع۴)

ہم ہی ان (لوگوں) کو بھی روزی دیتے ہیں اور ہم ہی تم کو بھی روزی دیتے ہیں۔
یعنی نہ صرف اور خدا کی مخلوق کو بلکہ تم کو بھی روزی ہم ہی دیتے ہیں تم اور لوگوں کا پیٹ تو کیا بھرو گے اپنا پیٹ بھی خود نہیں بھر سکتے اس لئے کہ:

ان الله هو الرزاق ذوالقوة المتين (والذاريات:ع ۳)

بیشک صرف اللہ ہی روزی دینے والا (روزی رسانی کی) پختہ اور محکم قوت والا۔
مگر اسکے باوجود کہ روزی رساں صرف رزاق مطلق خدا ہے ہم مامور ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ حلال روزی کمائیں ارشاد ہے۔
وان لیس للانسان الاماسعی:اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے

واقعہ:۔

ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک شتر سوار دیہاتی حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا:

اعقلھا و اتوکل ام اطلقھا و اتوکل:

یارسول اللہ میں اس اونٹنی کا گھٹنا رسی سے باندھ دوں اور پھر (خدا) پر بھروسہ کروں؟ یا کھلا چھوڑ دوں اور (خدا پر) بھروسہ کروں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

اعقلھا فتوکل: تو اس اونٹنی کا گھٹنا رسی سے باندھ دے اور پھر اللہ پر بھروسہ کر۔

اسی حدیث پاک کا ترجمہ کسی شاعر حکیم نے کیا ہے۔

بر توکل زانوئے اشتر ببند:۔ توکل (کی بنیاد) پر اونٹنی کا گھٹنا باندھو۔

یعنی حفاظت کی تدبیر ضرور کرو اور رسی ضرور باندھو مگر بھروسہ اس تدبیر اور رسی پر ہرگز نہ کرو بھروسہ صرف خدا پر کرو اگر وہ چاہے گا تو تمہاری یہ تدبیر کارگر ہوگی ورنہ نہیں۔

پیغمبر بھی اسباب و تدابیر اختیار کرنے کے مامور تھے

خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور میں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم صراحتاً یا اجمالاً نہ ہو صحابہ سے مشورے اور غور و فکر کر کے کام کرنے کا حکم ذیل کی آیت کریمہ میں دیا گیا ہے: ارشاد ہے۔

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (آل عمران ع:۱۷)

اور ان (صحابہ) سے کاموں میں مشورے کرو پس جب (مشورہ اور غور و فکر کے بعد) کام کا پختہ ارادہ کرلو (اور کام کرنے لگو) تو بھروسہ اللہ پر کرو۔

اس لحاظ سے نبی بھی تدابیر کار اختیار کرنے کے مامور ہوتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد توکل کی حقیقت

لہٰذا اسلام جس توکل کی تعلیم اور حکم دیتا ہے اس میں ظاہری اسباب اور تدابیر کا اختیار کرنا داخل ہے بشرطیکہ ان پر بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر ہو۔ یہی ایمان باللہ ' اللہ پر ایمان ' اور ایمان بالقدر ' تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے۔

اسلام اسباب کو ترک کر دینے اور کچھ نہ کرنے کی تعلیم نہیں دیتا

اسلام جس توکل کی تعلیم دیتا ہے اس میں اسباب و وسائل اور (کسب و کار کو بالکل ترک کر دینا اور ہاتھ پاؤں

توڑ کر بیٹھ جانا اور کچھ نہ کرنا ہرگز ہرگز داخل نہیں بلکہ ایسا کرنا گناہ اور کفران نعمت، نعمت کی ناشکری ہے وہ لوگ دراصل "کام چور" اور "مفت خورے" ہیں جو توکل کے معنیٰ "ترک اسباب" اور "ترک کسب معاش" بیان کرتے ہیں خدا ایسے لوگوں کے شر سے بچائے۔

توکل کے دو مرتبے

اس تفصیل اور تنبیہ کے بعد اب سمجھئے کہ توکل کے بھی دو مرتبے ہیں (۱) ایک ادنیٰ (۲) دوسرا اعلیٰ

توکل کا ادنیٰ مرتبہ

توکل کا ادنی مرتبہ: جو ہر خدا اور تقدیر پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے ایمان کا تقاضہ ہے یہ ہے کہ دین اور دنیا کے ہر معاملہ میں خدا کی قدرت اور کارسازی پر یقین وایمان رکھنے والا مسلمان صرف خدا کے حکم کی تعمیل کی غرض سے اسباب اور تدابیر جدوجہد اور کوشش تو ضرور اختیار کرے مگر بھروسہ ان پر نہ کرے بھروسہ صرف خدا پر کرے یعنی یہ یقین رکھے گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو یہ ہماری تدابیر واسباب اور جدوجہد کوشش ضرور کارگر اور نتیجہ خیز ہوگی اور کامیابی نصیب ہوگی ورنہ نہیں۔

ان شاء اللہ کہنے کا حکم

اسی لئے نہ صرف عام مسلمان بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کام کرنے یا اس کی کوشش کرنے کے وقت ان شاء اللہ کہنے کے مامور ہیں اگر اتفاقاً بھول جائیں تو جب یاد آئے کہہ لیں تاکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا اظہار واعتراف ہو جائے ارشاد ہے۔

ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلك غدًا الآ ان یشآء الله واذکر ربك اذا نسیت:۔

اور (اے نبی) تم کسی بھی چیز کے متعلق یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کروں گا بغیر اس کے تم ان شاء اللہ کہو اور اگر بھول جاؤ تو جب یاد آئے اپنے رب کا ذکر کر لو (یعنی ان شاء اللہ کہہ لو)

اللہ پر توکل کی پہچان

اس توکل کی پہچان اور عملی زندگی میں اسکا اثر یہ ہے کہ اگر تمام تر تدبیروں کوششوں اور ظاہری اسباب ووسائل اختیار کر لینے کے بعد بھی کامیابی، یا خاطر خواہ کامیابی میسر نہ آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی یقین کر کے صبر کرے اور راضی برضاء مولیٰ رہے بلکہ اسی کو اپنے حق میں بہتر اور مصلحت باور کر کے دل اور زبان دونوں سے اس حکیم مطلق کا شکر ادا کرے ایسی ناکامیوں کے مواقع پر شکستہ دلی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی، یا ناگواری کا زبان سے اظہار یا دل میں احساس اللہ تعالیٰ پر توکل نہ ہونے یا اس میں ضعف کی علامت ہے اس سے فوراً توبہ کرنی چاہئے اور برابر توبہ واستغفار میں مصروف رہنا چاہئے۔

توکل کا دوسرا اور اعلیٰ مرتبہ

توکل کا اعلیٰ مرتبہ جوان خدا رسیدہ اولیاء اللہ اور عارفین کا مقام ہے جو براہ راست یعنی اسباب کی وساطت کے بغیر کائنات میں اس کارساز مطلق اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کارسازی وکار برآری کا' یقین کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی نظروں سے اسباب وتدابیر بالکل محو ہو جاتے ہیں توکل کے اسی اعلیٰ مرتبہ کا ذکر حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں فرمایا ہے۔

لوانکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کمایرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا:

اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو ایسے رزق دے جیسے وہ (جنگلی) پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو (اپنے گھونسلوں سے) بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔

پرندے اپنی روزی کے لئے پہلے سے تدبیر نہیں سوچتے اسباب ووسائل معاش کی جستجو نہیں کرتے بلکہ اتنا تک انہیں فکر وخیال نہیں ہوتا کہ ہم صبح کو کہاں سے اور کیونکر اپنا پیٹ بھریں گے صبح ہوتے ہی وہ جنگل چلے جاتے ہیں کارساز مطلق نے ان کے پیٹ بھرنے کا سامان پہلے سے کیا ہوتا ہے وہ اس سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں اور شام کو کل کی فکر سے آزاد اور فارغ البال واپس گھونسلوں میں آجاتے ہیں اسی طرح متوکلین کاملین کو روزی کی فکر اسباب معاش کی جستجو مطلق نہیں ہوتی وہ ہمہ وقت معبود برحق کی عبادت وطاعت ذکر وفکر اور خدا اور اس کے رسول کے فرض کردہ دینی کاموں' اصلاح نفس' خدمت خلق' تبلیغ حق وغیرہ میں مصروف اور اسی کی فکر وتدبیر اور جدوجہد میں منہمک رہتے ہیں بھوک لگتی ہے ضروریات زندگی سامنے آتے ہیں تو وہ رزاق حقیقی اور کارساز مطلق ان کو وہاں سے روزی پہنچا دیتا ہے اور ضروریات پوری کر دیتا ہے جہاں سے ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ارشاد ہے۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لایحتسب (الطلاق:ع۱)

اور جو اللہ سے ڈرتے (اور اس کی نافرمانی سے بچتے) رہتے ہیں اللہ (ہر مشکل میں) ان کی مشکل کشائی کر دیتا ہے اور ان کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

ذرا دیکھئے رزاق مطلق کتنی زبردست "کفالت کی ضمانت" دیتے ہیں ارشاد ہے۔

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (ایضاً)

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ ان کے لئے بہت کافی ہے

کلمۂ توکل:

چنانچہ آپ احادیث کے ذیل میں پڑھیں گے کہ ہمیشہ متوکلین علی اللہ' اللہ پر بھروسہ کرنے والوں نے ہر آڑے وقت میں کلمہ توکل:

حسبنا الله و نعم الو کیل: ہمیں تو اللہ بہت کافی ہے اور وہ بڑا ہی اچھا کار ساز ہے

پڑھا ہے اسی کی ان کو تعلیم دی گئی ہے خصوصاً حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو تو واحد متکلم کے صیغے میرے لئے اور توکل اور توحید کی تصریح کے ساتھ اس کلمہ کے پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے ارشاد ہے:

فان تولو افقل: حسبی الله لااله الاهو علیه توکلت وهو رب العرش العظیم (التوبہ: ع ۱٦)

پس اگر (اب بھی وہ منکرین) انحراف کریں (اور دشمنی سے باز نہ آئیں) تو (اے نبی) تم کہہ دو میرے لئے تو اللہ بہت کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہ تو عرش عظیم کا مالک ہے۔

ایسے ہی متوکلین کاملین کا مقولہ ہے۔

کار ساز ما بفکر کار ما: ہمارا کام بنانے والا تو خود ہمارے کام کی فکر میں ہے (ہم کیوں سر کھپائیں) متوکلین کاملین کے سرگروہ۔ انہیں دوسرے اعلیٰ مرتبہ کے متوکلین میں حضرت صدیق اکبرؓ کا نام سر فہرست اول نمبر پر ہے۔

واقعہ:

جس کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چندہ دینے کی اپیل کی۔ سب صحابہ نے حسب مقدرت چندہ دیا اتفاق سے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت کافی مال موجود تھا انہوں نے دل میں سوچا کہ آج میں صدیق اکبر سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے اندر ضرور بڑھ جاؤں گا اور اس ارادہ سے بہت سا مال لے کر فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور وہ مال کثیر پیش کیا آپ نے ان سے دریافت فرمایا: اہل و عیال کے خرچ کے لئے کتنا مال چھوڑ آئے ہو" انہوں نے عرض کیا: حضور آدھا مال ان کے لئے چھوڑ آیا ہوں" آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنا مال پیش کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی دریافت فرمایا بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ان کے لئے تو حضور! بس اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں (یہ ان کے لئے بہت کافی ہیں) عمر فاروقؓ کہتے ہیں یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں صدیق اکبر سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس واقعہ سے کوئی نادان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وارضاء سے متعلق ترک وسائل و اسباب یا اہل و عیال کی حق تلفی کا گمان ہرگز نہ کرے اس لئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عہد نبوت میں کامیاب اور تجربہ کار تاجروں میں سے تھے ان کا ذریعہ معاش تجارت تھا وہ یقین کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اگر خالی ہاتھ بھی بازار چلا جاؤں گا تو کار ساز مطلق اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سودا ایسا ضرور کرا دیں گے کہ اس منافع سے گھر کا خرچہ ضرور نکل آئے گا ترک اسباب معاش یا حق تلفی جب ہوتی کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے گھر میں بیٹھے رہتے۔

توکل کا معیار:

اسی توکل کا معیار نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا ہے۔

ان تکون ممافي يديك اوثق بما في يدى الله:

(زہد اور توکل یہ ہے کہ) تم جو تمہارے پاس ہے اس کی بنسبت تمہارا بھروسہ اس پر زیادہ (اور پختہ) ہو جو اللہ کے پاس ہے۔

یقین اور توکل آپس میں لازم وملزوم ہیں

توکل کے اس تفصیلی بیان سے آپ اتنا ضرور سمجھ گئے ہوں گے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی کارسازی وکاربر آری پر یقین کامل ہوگا اسی قدر توکل کامل اور اعلیٰ مرتبہ کا ہوگا اور جس قدر یقین میں خامی ہوگی اسی قدر توکل میں خامی ہوگی یقین اور توکل ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں اردو محاورہ میں کہیے "چولی دامن کا ساتھ ہے" ایک دوسرے سے الگ ہرگز نہیں ہوسکتے۔

امام نوویؒ نے یقین اور توکل کے لئے ایک ہی باب کیوں رکھا

چونکہ یقین اور توکل ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ نے یقین اور توکل کو ایک ہی باب میں رکھا ہے اور آیتیں اور حدیثیں بھی مشترک لائے ہیں ہم الگ الگ کرنے کی کوشش کریں گے مگر یہ کوشش محض لفظوں کے اعتبار سے ہوگی معنی کے اعتبار سے تو یہ ایک دوسرے سے الگ ہو ہی نہیں سکتے۔

موجودہ زمانے کی مشکلات کا حل

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو اور سب مسلمانوں کو یقین کامل اور توکل کامل کی دولت سے مالامال اور رضا وتسلیم کی سعادت سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں جو قسم قسم کی مشکلات میں مسلمان گرفتار ہیں اور تدبیروں وکوششوں کی پے بہ پے ناکامیوں نے ان کی کمر توڑ رکھی ہے شکستہ دلی اور مایوسی نے چاروں طرف سے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ ایمان بھی خطرہ میں ہے اس صورت حال سے رہائی میسر آئے یقین وتوکل کی برکات ایمان کو مایوسی کا شکار نہ ہونے دیں اور رضائے الٰہی پر راضی رہنے کی سعادت نصیب ہو آمین بحق طٰہٰ ویٰسین

بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جانے والے مومن

وأما الأحاديث : فالأول : عن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ ، فَرَأَيْتُ النَّبيّ ومَعَهُ الرُّهَيطُ ، والنبي وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلانِ ، والنبيَّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ إِذْ رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي فقيلَ لِي : هَذَا

مُوسَى وَقَومُهُ ، ولكنِ انْظُرْ إِلَى الأُفُقِ ، فَنَظَرتُ فَإذا سَوَادٌ عَظِيمٌ ، فقيلَ لي : انْظُرْ إِلَى الأفُقِ الآخَرِ ، فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ ، فقيلَ لِي : هٰذِهِ أُمَّتُكَ وَمَعَهُم سَبْعُونَ أَلفاً يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيرِ حِسَابٍ ولا عَذَابٍ "، ثُمَّ نَهَضَ فَدخلَ مَنْزِلَهُ فَخَاضَ النَّاسُ في أُولئكَ الَّذِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ولا عَذَابٍ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : فَلَعَلَّهُمْ الَّذينَ صَحِبُوا رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَالَ بعْضُهُمْ: فَلَعَلَّهُمْ الَّذِينَ وُلِدُوا في الإِسْلامِ فَلَمْ يُشْرِكُوا بالله شَيئاً وذَكَرُوا أَشيَاءَ فَخَرجَ عَلَيْهِم رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : " مَا الَّذِي تَخُوضُونَ فِيهِ ؟ " فَأَخْبَرُوهُ فقالَ : " هُمُ الَّذِينَ لاَ يَرْقُونَ[۳]، وَلا يَسْتَرقُونَ، وَلا يَتَطَيَّرُونَ؛ وعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوكَّلُون " فقامَ عُكَّاشَةُ ابنُ مِحصنٍ ، فَقَالَ : ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَني مِنهُمْ ، فَقَالَ : " أَنْتَ مِنهُمْ " ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ : ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ : " سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ." الرُّهَيْطُ " بضم الراء تصغير رهط : وهم دون عشرة أنفس ، وَ" الأُفقُ " الناحية والجانب . و" عُكَّاشَةُ " بضم العين وتشديد الكاف وبتخفيفها ، والتشديد أفصح .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: شافع محشر 'رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (ایک خاص موقعہ پر) تمام امتیں اور ان کے نبی (بطور کشف) میرے سامنے لائے گئے تو میں نے دیکھا کسی نبی کے ساتھ (اس کی امت کے نجات یافتہ) پانچ سات آدمیوں کا گروہ ہے اور کسی نبی کے ساتھ ایک دو آدمی ہی ہیں اور کسی نبی کے ساتھ ایک امتی بھی نہیں ہے (اسی اثناء میں) اچانک ایک بڑا انبوہ کثیر میرے سامنے آیا تو (اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے بموجب) میں نے خیال کیا کہ یہی میری اُمت ہے تو مجھے بتلایا گیا یہ موسیٰ (علیہ السلام اور ان کی امت ہے لیکن تم ذرا افق (آسمان کے کنارے) کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو تو میں نے دیکھا کہ افق کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلا ہوا ایک بڑا بھاری انبوہ کثیر (میرے سامنے) ہے پھر مجھ سے کہا گیا کہ دوسرے افق کی جانب دیکھو تو (ادھر بھی ایک فوج در فوج) بڑا بھاری انبوہ کثیر (میرے سامنے) ہے تب بتلایا گیا یہ ہے تمہاری امت اور ان کے ساتھ (ان کے علاوہ یا انہی میں کے) ستر ہزار ایسے مسلمان ہونگے جو بغیر مواخذہ وعذاب اور بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے اس (بشارت کے دینے) کے بعد سراپا رحمت نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور نبوت کدہ (مکان) میں تشریف لے گئے تو حاضرین نے ان ستر ہزار مومنین کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کردیں کسی نے کہا: غالباً یہ وہ لوگ ہونگے جو (سفر وحضر' ہر حالت میں) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی (کیمیا اثر) صحبت میں رہے ہیں کسی نے کہا: یہ وہ (نئی نسل کے) لوگ ہونگے جو اسلام (کے آغوش' مسلمان ماں باپ کی گود) اور مسمان

گھرانے) میں پیدا ہوئے اور انہوں نے (دنیا میں آنکھ کھولنے کے وقت سے مرتے دم تک) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی (عبادت میں) شریک نہیں کیا۔ اسی طرح ہر شخص نے اپنی رائے اور قیاس کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے (غرض لوگوں میں اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو گیا) تو اس ہنگامہ کی آواز سن کر) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا یہ کیسا ہنگامہ تم لوگوں نے برپا کر رکھا ہے تو لوگوں نے بتلایا (کہ یہ ان ستر ہزار بے حساب و کتاب جنت میں جانے والوں کے متعلق بحث ہو رہی ہے کہ یہ خوش نصیب کون ہونگے) تو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا یہ وہ (پکے اور سچے) ایماندار ہونگے جو نہ جھاڑ پھونک کا کام کریں گے اور نہ خود اپنے لئے کسی سے جھاڑ پھونک کرائیں گے نہ ہی وہ (کسی چیز سے) بدشگونی لیں گے اور (ہر دکھ بیماری یا مصیبت و آفت میں) صرف اپنے پروردگار پر توکل کرتے اور بھروسہ رکھتے ہونگے۔

سچے جذبہ کا کرشمہ

تو (یہ سن کر) عکاشہ نامی ایک صحابی فوراً کھڑے ہوئے اور (نہایت خلوص کے ساتھ) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے (میرے لئے) دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان (متوکلین کاملین) میں شامل فرمادیں (یعنی توکل کے اس معیار پر ساری زندگی قائم رہنے کی توفیق عطا فرمادیں) تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے (عکاشہ کے اس ساختہ جذبہ کو دیکھ کر دعا فرما دی اور) خوشخبری دی: تم ان (متوکلین کاملین) میں شامل ہو۔

ریس کا نتیجہ

تو (عکاشہ کی دیکھا دیکھی) ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا میرے لئے بھی (یہی) دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر دے تو آپ نے فرمایا: عکاشہ تم سے بڑھ گیا (تم تو خالی اس کی ریس کر رہے ہو ایسے لوگوں کے لئے دعا نہیں کی جاتی)

دوسرے انبیا کی اُمتوں کی بنسبت
خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی کثرت اور اس کی وجہ

تشریح: خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی کثرت ذیل کی حدیث میں بیان فرمائی ہے:
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم تقریباً چالیس نفر ایک سرخ چرمی خیمے کے اندر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے کھڑے ہو کر خیمہ کی دیوار سے کمر لگا کر خطبہ

دیا۔ آگاہ ہو جاؤ (اور یاد رکھو) جنت میں صرف (سچا اور پکا) مسلمان ہی جائے گا (اور خدا کو گواہ بنانے کی غرض سے فرمایا) اے اللہ! گواہ رہو (کہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے) پھر فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ اہل جنت میں تمہاری تعداد ایک چوتھائی ہو؟ ہم نے عرض کیا (سبحان اللہ) جی ہاں (ہم ضرور چاہتے ہیں) پھر آپ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ (جنت میں) ایک تہائی ہو؟ ہم نے عرض کیا اللہ اکبر جی ہاں (ہم ضرور چاہتے ہیں) یا رسول اللہ! تو اس پر آپ نے فرمایا مجھے تو (اللہ تعالیٰ سے) امید ہے کہ اہل جنت میں آدھے تم ہوگئے (اور آدھے دوسرے انبیا کی امتوں کے ایماندار)

اس حدیث پاک سے واضح ہو گیا کہ جنت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سچے مسلمانوں کی تعداد نصف اہل جنت ہو گی۔

اس کثرت تعداد کی وجوہ واسباب

جنتیوں میں امت محمد یہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کے اسباب ووجوہ حسب ذیل بے مثال خصوصیات ہیں (۱) خاتم انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیا ومرسلین صرف اپنی اپنی قوموں یا کسی مخصوص قوم کی رشد وہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں وہی ان کے اتباع وپیروی کے مامور ومکلف ہوئے ہیں اس لئے ان کی (رسالت اور دعوت تبلیغ وارشاد کا دائرہ انہی چھوٹی بڑی قوموں تک محدود رہا ہے تمام روئے زمین پر بسنے والی اقوام عالم نہ ان کی مخاطب ہوئی ہیں نہ ان پر ایمان لانے کی مکلف' اس کے برعکس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین پر بسنے والی اقوام عالم کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور دنیا کی تمام سیاہ فام اور زرد فام قومیں آپ پر ایمان لانے اور آپ کا اتباع کرنے کی مامور ومکلف ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔

وما ارسلناك الا كافة للناس (السباء ۳)

اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام کے تمام لوگوں (انسانوں) کے لئے ہی (نبی بنا کر) بھیجا ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمادی:

بعثت الى الاسود والاحمر۔

میں تمام سیاہ فام اور سفید فام (قوموں) کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اس لئے آپ کی رسالت اور دعوت تبلیغ واشاعت کا دائرہ تمام روئے زمین کو محیط ہے ایسی صورت میں آپ کی امت کے جنت میں جانے والوں کی تعداد کا دوسرے تمام انبیاء کے امتیوں سے نہ صرف زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہونا لازمی امر ہے۔

(۲) خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی مرسل کی بعثت ورسالت وقتی اور ہنگامی ہوئی ہے یعنی دوسرے صاحب کتاب نبی مرسل کے معبوث ہونے کے بعد دو چار یا پانچ سات صدیوں میں اس کی رسالت

وشریعت کا دور بہر حال ختم ہو گیا ہے اس کے برعکس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت رہتی دنیا تک یعنی قیامت تک کی تمام آنے والی انسانی نسلوں کے لئے ہے اور تمام کی تمام آنے والی اولاد آدم آپ پر ایمان لانے کی مامور ومکلّف ہیں نہ خاتم انبیا کے بعد کوئی اور نبی آئے گا اور نہ قرآن کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب نازل ہو گی نہ شریعت محمدیہ کے بعد کوئی اور شریعت آئے گی لہٰذا آپ کی امت کے تحت آپ کی بعثت کے وقت سے لے کر قیامت تک کی تمام ذریت آدم اور پوری نسل انسانی داخل ہے اس لئے آپ کی امت کے اہل کو ایمان کی تعداد کا تمام امتوں کے اہل ایمان کی تعداد کا نصف ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔

(۳) سنت اللہ یہ ہی ہے کہ نبی کے مرسل من اللہ فرستادہ خداوندی ہونے کے ثبوت اور تصدیق کے طور پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا علیہم السلام کو مختلف قسم کے انسانی قدرت واختیار سے باہر مادی خدائی تصرفات' معجزات عطا فرمائے ہیں قرآن عظیم میں ان معجزات کی تفصیل مذکور ہے مگر ان تمام انبیا کرام کے یہ معجزات بھی ان کی نبوت ورسالت کی طرح وقتی اور ہنگامی ہوئے ہیں یعنی ان کی زندگی تک ہی ان کی قوم اور امت نے ان معجزات کا مشاہدہ کیا ہے اور جن کی قسمت میں ہوا ہے ان پر ایمان لائے ہیں انکی وفات کے ساتھ ہی ساتھ ان کے معجزات بھی وفات پا گئے ہیں اس کے برعکس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ معنوی اور زندہ معجزہ ہے اور وہ معجزہ ہے الحی الذی لا یموت کا سدا زندہ رہنے والا کلام قرآن عزیز جیسے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی برقرار اور محفوظ ہے نوع انسان اس پر ایمان لانے کی ایسے ہی مامور ومکلّف ہے جیسے آپ کے دنیا میں تشریف فرما ہونے کے وقت تھی ایسے ہی آپ کے معجزہ قرآن پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا نوع انسانی پر فرض ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ کی حیات میں فرض تھا جیسے اس معجزہ کے مشاہدہ سے یعنی کلام اللہ کی آیات سن کر نوع انسانی کی سعید روحیں آپ کی حیات میں اس پر اور آپ کی نبوت ورسالت پر ایمان لائی تھیں اور اسلام میں داخل ہوئی تھیں بالکل اسی طرح آپ کی وفات کے بعد سے آج چودہ سو برس تک ہر زمانہ ہر ملک اور ہر زمین کے چپہ چپہ پر اس کلام الٰہی کی آیات سن کر اس کے کلام الٰہی ہونے پر اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے پر نوع انسانی کے خوش قسمت افراد ایمان لاتے اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوتے رہے ہیں اور یقیناً قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اس لئے کہ اس قرآن کا اسلام کا شریعت محمدیہ کا اور امت محمدیہ کا محافظ وہ حی لا یموت مالک الملک اللہ تعالیٰ ہے جس کے لئے کبھی فنا نہیں اس عالم الغیب والشہادت اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت جب متقاضی ہو گی اس وقت وہ روئے زمین سے قرآن آپ کے معجزہ کو بھی اٹھا لے گا اسلام کو بھی اور اہل ایمان کو بھی اٹھا لے گا اور روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا گویا اس عالم فانی کی روح نکل جائے گی اور دنیا فنا ہو جائے گی یعنی قیامت آجائے گی غرض خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ایک زندہ

معجزہ ہے قیامت تک نسل انسانی اس پر ایمان لاتی رہے گی اسی لئے جنت میں آپ کی امت کے مومنین کی تعداد نصف اہل جنت یعنی تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جیسا کہ مشہور ہے پر ایمان لانے والوں کی برابر ہو گی۔

چنانچہ خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ذیل میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گذشتہ انبیاء کرام میں سے ہر نبی کو ایسے (وقتی اور ہنگامی مادی) معجزات دیئے گئے ہیں کہ اس قسم کے معجزات پر (ان سے پہلے بھی) لوگ ایمان لاچکے ہیں اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ تو صرف وحی اللہ تعالیٰ کا (لافانی کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور وحی میرے پاس بھیجا ہے (اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے) اس کا رہتی دنیا قیامت تک باقی رہنا یقینی ہے) اس لئے میں (اللہ تعالیٰ) سے امید کرتا ہوں کہ میری پیروی کرنے والوں کی تعداد سب (نبیوں کی امتوں) سے زیادہ ہو گی۔

قارئین سے معذرت اور دعا

قارئین کرام سے ہم معذرت خواہ ہیں کہ ہم نے صرف نبی الرحمۃ شفیع الامتہ' خاتم النبیین علیہ صلوٰت اللہ وسلامہ کے عنداللہ شرف وعظمت اور مقام نبوت ورسالت کو نیز امت محمدیہ علی صاحبہاالف الف سلام وتحیہ کی سعادت وبشارت کو واضح کرنے کی غرض سے اس موقع پر ذرا طویل کلام سے کام لیا اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اپنے رسول رحمت اور سر تاپا شفقت ورافت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ نبوت' زندہ شریعت اور زندہ معجزہ قرآن کی کماحقہ' قدر کرنے اور دل وجان سے اس پر عمل کرنے اور زیادہ سے زیادہ جنت میں جانے کی توفیق وسعادت عطا فرمائیں آمین۔ بحرمت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

ستر ہزار مومنین کے بے حساب وکتاب جنت میں جانے کی وجہ

ان مومنین کاملین کے بغیر حساب وکتاب اور بغیر عذاب وعتاب میں جنت میں داخل ہونے کا واحد سبب صرف اعلیٰ درجہ کا توکل علی اللہ ہے جو اولیاء اللہ کے آخری مقامات میں سے ہے اور یہ لوگ صرف متوکلین کاملین ہیں اسکی دلیل اسی حدیث پاک کا آخری جملہ وعلی ربھم یتوکلون ہے۔ اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو سب سے پہلے توکل کے باب میں لائے ہیں۔

علامات توکل

باقی ان حضرات کے کمال توکل کی علامات کے طور پر آپ نے چند صفات بیان کی ہیں انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) جو لوگ کسی بھی سخت سے سخت اور لاعلاج دکھ بیماری کے علاج' یا مشکل ودشواری کے ازالہ یا مصیبت وآفت سے نجات پانے کے لئے نہ دوسروں کے لئے جھاڑ پھونک ٹونہ ٹوٹکا وغیرہ کرتے ہیں نہ ہی خود اپنی کسی بھی

ضرورت کے لئے ان چیزوں سے کام لیتے ہیں (۲) اور نہ کسی بھی چیز سے بدشگونی لیتے ہیں بلکہ ہر نفع نقصان اور خیر و شر کا فاعل مختار اور انسانی زندگی میں کار فرما اور متصرف صرف اور محض اللہ تعالیٰ کو جانتے اور مانتے ہیں اور اسی کے ارادہ اور مشیت پر ایمان کامل رکھتے ہیں اور ہر حالت میں مطمئن رہتے ہیں ایمان میں تزلزل پیدا کرنے والی چیزوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے وہ یقیناً متوکلین کاملین اور پکے ایماندار ہیں تجربہ شاہد ہے کہ بڑے سے بڑے پختہ عقل و خرد کے مالک پڑھے لکھے لوگ بھی جاہلوں اور عوام کا تو ذکر ہی کیا مذکورہ بالا حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات میں یہ جاننے کے باوجود کہ یہ غیر شرعی جھاڑ پھونک ٹونے ٹوٹکے اور شگون و بدشگونی اور ان کا اثر محض وہم و خیال ہے ان کی حقیقت کچھ نہیں اس قسم کی چیزوں کی طرف ڈھل جاتے ہیں یہ صرف ضعف ایمان اور اللہ پر توکل نہ ہونے کا نتیجہ ہے متوکلین کاملین ان چیزوں کو تو کیا خاطر میں لاتے وہ تو واقعی دنیاوی اسباب' دوا پرہیز اور مشورہ و تدبیر کی طرف بھی التفات نہیں کرتے جیسا کہ آپ یقین اور توکل کے مراتب کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔

ان تینوں چیزوں کا شرعی حکم

دم' درود' جھاڑ پھونک جو صحیح احادیث میں وارد اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول اور ثابت ہیں وہ اور دنیوی اسباب و تدابیر کی طرح کرنے کرانے جائز ہیں اسی طرح وہ بھی جن کے الفاظ اور نقوش کے معنی معلوم ہوں اور شریعت کی تعلیمات کے خلاف نہ ہوں اور بزرگوں سے منقول ہوں جائز ہیں باقی وہ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے جو شرکیہ اور خلاف شرع امور پر مشتمل ہوں وہ قطعاً ناجائز ہیں اسی طرح بدشگونی قطعاً ناجائز ہے ہاں اچھی چیزوں سے نیک فال لینا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

ان تینوں چیزوں کی خصوصیت

یہ تینوں چیزیں ضعف ایمان اور ضعف اعتقاد کی خاص نشانی ہیں ضعف توکل کی وجہ سے مذکورہ بالا مایوس کن حالات میں وہم و خیال کے غلبہ اور تسلط کی وجہ سے انسان ان کی طرف اسی طرح لپکتا ہے جیسے پیاسا سراب' چمکتی ہوئی ریت جو دور سے پانی معلوم ہو کی طرف لپکتا ہے اور عموماً مفت میں ایمان کی بے بہا دولت ان کے بھینٹ چڑھا دیتا ہے اور ہاتھ کچھ نہیں آتا اور عوام اور ضعیف الاعتقاد لوگ تو ان بے اصل وہمی چیزوں کے چکر میں پھنس کر خدا اور اس کی مشیت کو بالکل ہی خیر باد کہہ دیتے ہیں تو جو لوگ ان حالات میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی توکل علی اللہ پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں وہ کامل متوکل ہیں باقی وہ یونانی اور ڈاکٹری دوا علاج جو تجربہ سے مفید ثابت ہوئے ہیں ان کے اختیار کرنے میں ایمان اور توکل کے لئے چنداں خطرہ نہیں ہوتا بلکہ دوا علاج اور اسباب و تدابیر اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے۔ جیسا کہ آپ توکل کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔

مومن کا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے

الثاني : عن ابن عباس رضي الله عنهما أيضاً : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يقول : " اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ ، وَبكَ آمَنْتُ ، وَعَلَيْك تَوَكَّلْتُ ، وَإلَيْكَ أَنَبْتُ ، وَبكَ خَاصَمْتُ. اللَّهُمَّ أَعُوذُ بعزَّتِكَ؛ لا إلَهَ إلاَّ أَنْتَ أَنْ تُضلَّنِي، أَنْتَ الحَيُّ الَّذِي لاَ تَمُوتُ، وَالجِنُّ والإنْسُ يَمُوتُونَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ، وهذا لفظ مسلم واختصره البخاري.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:اے میرے اللہ! میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں اور تیرے اوپر ہی ایمان لایا ہوں اور تیرے ہی اوپر میں نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف میں نے (ہر معاملہ میں) رجوع کیا ہے اور تیرے ہی سہارے میں نے (منکرین حق سے) مقابلہ کیا ہے۔

اے اللہ! میں تیری زبردست طاقت و قوت کی پناہ لیتا ہوں۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر تو اور تیرے سوا کوئی راستے سے بھٹکانے والا نہیں۔

اے اللہ! تو وہ (ہمیشہ ہمیشہ) زندہ رہنے والا (اور زندگی دینے والا) ہے جس کے لئے موت (فنا) ہے ہی نہیں اور تیرے سوا (تمام مخلوق) جن وانس ضرور مریں گے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس حدیث کے یہ الفاظ تو صحیح مسلم کے ہیں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری میں اسی حدیث کو ذرا مختصر الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: دعائیں اور اعتقاد کی پختگی

ظاہر ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعا کے مانگنے کا اور صحابہ کا اس کو روایت کرنے کا اور محدثین کا ان مسنون دعاؤں کو محفوظ کرنے کا واحد مقصد امت کو ان دعاؤں کے مانگنے کی تعلیم دینا ہے اس لئے آپ بھی یہ مسنون دعا ضرور مانگا کیجئے۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے نصیب ہونے کا سبب تو یہ دعائیں ہیں ہی اسی کے ساتھ ساتھ اعتقاد کی پختگی اور ایمان کی تازگی اور زیادتی میں ان دعاؤں کو بڑا دخل ہے اس لئے کہ انسان اور کسی وقت اپنے رب کی طرف چاہے اتنا دل وجان سے متوجہ نہ بھی ہوتا ہو مگر دعا مانگنے کے وقت تو یقیناً اس طرح متوجہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام خیالات سے اس کا دل ودماغ بالکل خالی اور ارحم الراحمین کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے اسی لئے سر تاپا شفقت ورافت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:الدعآء مخ العبادۃ۔ دعا عبادت کا مغز ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے :الدعآء مخ العبادۃ۔ دعا (مانگنا) ہی عبادت (کرنا) ہے یعنی عبادت کی روح ہی دعا ہے بلکہ عبادت ہے، ہی دعا سبحان اللہ۔

اسی لئے ارحم الراحمین قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو دعا مانگنے کا حکم بھی دیتے ہیں اور ازراہ فضل وانعام قبول کرنے کا وعدہ بھی فرماتے ہیں اور دعاؤں سے گریز کرنے والوں کو تنبیہ کے لئے شدید ترین وعید سزا سے بھی خبردار فرماتے ہیں ارشاد ہے۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم داخرین (مؤمن ع ٦)

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے تم مجھ سے دعا مانگو' میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بیشک جو لوگ میرے عبادت (دعا مانگنے) کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں وہ ذلیل وخوار جہنم میں ضرور داخل ہوں گے۔

اطلاع: ہر وقت اور ہر حالت کی مسنون دعاؤں نیز آداب دعا کے لئے اردو ترجمہ حصن حصین مطبوعہ تاج کمپنی پڑھیئے اور حسب حال دعائیں یاد کیجئے۔ وفقکم اللہ۔ خدا تمہیں توفیق دے۔

آڑے وقتوں میں انبیاء علیہم السلام کا شعار

الثالث : عن ابن عباس رضي الله عنهما أيضاً ، قَالَ : حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الوَكِيلُ ، قَالَهَا إبراهيمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُلقِيَ في النَّار ، وَقَالَها مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالُوا : إنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إيْماناً وَقَالُوا : حَسْبُنَا الله ونعْمَ الوَكيلُ . رواه البخاري . وفي رواية لَهُ عن ابن عَبَّاس رضي الله عنهما ، قَالَ : كَانَ آخر قَول إبْرَاهِيمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُلْقِيَ في النَّار : حَسْبِي الله ونِعْمَ الوَكِيلُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: **حسبنا الله ونعم الوکیل** ہمارے لئے تو اللہ بہت کافی ہے اور وہ تو بہت ہی اچھا کارساز ہے۔

یہ کلمہ صبر وتوکل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب ان کو آتش نمرود میں ڈالا گیا تھا اور اسی کی برکت اور اثر سے آتش نمرود گلزار ابراہیم بنی تھی)

اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمۂ عزیمت وتوکل اس وقت کہا تھا جب (قریش کے جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والے) لوگوں نے کہا:

ان الناس قدجمعوالکم فاخشوھم

بیشک (قریش اور ان کے حمایتی) لوگوں نے تمہارے (مقابلہ اور سرکوبی کے) لئے (بڑی تیاریاں کر رکھی ہیں اور) فوجیں جمع کی ہیں پس تم ان سے ڈرو (اور لڑنے کے لئے مت جاؤ)

فزادھم ایماناً وقالوا

تو اس (جھوٹے پروپیگنڈے) نے ان (غازیان اسلام) کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیا اور انہوں نے کہہ دیا۔

حسبنا الله ونعم الوکیل: ہمیں تو اللہ ہی بہت کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے۔

واقعہ

جنگ اُحد سے بری طرح پسپا ہونے کے بعد مشرکین مکہ 'قریش' کے سردار اور سپہ سالار ابو سفیان نے اپنی شرم مٹانے کے لئے اگلے سال بدر کے مقام پر لڑائی کا اعلان کر کے احد کے میدان سے فرار کی راہ اختیار کی اور سب کے سب مکہ واپس چلے گئے مگر پورا سال گزر جانے اور لڑائی کی تیاریاں کر لینے کے باوجود قریش کی ہمت نہ ہوئی کہ مسلمان سرفروشوں سے اعلان جنگ کے مطابق بدر میں آکر لڑیں ادھر غازیان اسلام کے قائد اعظم سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیان اسلام کے مدینہ سے بدر کی جانب روانہ ہونے اور پہنچنے کی خبریں گرم تھیں تو ابو سفیان نے وعدہ خلافی کی رسوائی اور جنگ سے گریز کی سیاہ روئی کو مٹانے کی غرض سے یہ سازش کی کہ بڑی بھاری رقم دے کر کچھ کرایہ کے جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والے لوگ جن میں سے ایک کا نام نعیم بن مسعود اشجعی تھا تیار کئے کہ وہ فوراً مدینہ پہنچ کر زور وشور سے یہ پروپیگنڈہ کریں۔ **ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم** تاکہ مسلمان ڈر کر حسب وعدہ بدر نہ پہنچیں اس جنگ کا ارادہ ترک کر دیں اور وعدہ خلافی اور جنگ سے گریز کا الزام قریش کے بجائے مسلمان مجاہدوں کے سر پڑے قریش کی جان بچ جائے مگر کارساز مطلق اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنے کی برکت سے اس جھوٹے پروپیگنڈہ نے الٹا اثر کیا اور اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا چنانچہ مسلمان غازیوں نے صاف کہہ دیا **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** اور پوری تیاری کے ساتھ بدر پہنچ گئے قریش میں نہ آنے کی ہمت تھی نہ آئے اور اس جھوٹا پروپیگنڈہ کرانے کی بنا پر سارے عرب میں اور بھی زیادہ رسوا ہوئے مسلمان غازیوں کو اس توکل کے نتیجہ میں کیا ملا؟ قرآن کی زبان سے سنئے ارشاد ہے۔

فانقلبوا بنعمة من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم:

پس وہ (غازیان اسلام بدر سے) واپس آئے اللہ کی نعمت (فتح وظفر) اور فضل (مال ومنال) کے ساتھ کچھ بھی تو گزند ان کو نہ پہنچا اور اللہ کی رضا کی پیروی بھی کر لی اور اللہ تو بڑے ہی فضل وانعام والا ہے۔

یہ ہیں یقین کامل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ثمرات اور برکات۔

کاربرآری اور حاجت روائی کا پیغمبرانہ وظیفہ

انبیاء کرام اور خاتم النبیین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر صحابہ 'تابعین اور اولیاء امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک ہر ایک بزرگ نے ہر آڑے وقت اور صبر آزما مشکل ودشواری میں جس وظیفہ کا تجربہ کیا اور کامیاب پایا اور اس کی تصدیق کی وہ وظیفہ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل**: ہے قرآن عظیم نے بھی اس کی تائید فرمائی

ہے آپ بھی اس وظیفہ کو یاد کر لیجئے انسان کے کام کب اٹکے نہیں رہتے؟ اس لئے معمولاً ہر نماز کے بعد پورے یقین کے ساتھ سو مرتبہ یہ وظیفہ پڑھا کیجئے اور کسی خاص مشکل اور دشواری کے وقت تو ہر وقت ورد زبان رکھے اور اگر اتنا نہ ہو سکے۔ تو صبح شام ایک ایک تسبیح تو ضرور ہی پڑھا کیجئے۔

مترجم کے شیخ اور ان کا معمول

ہمیں خوب اچھی طرح یاد ہے بلکہ یہی سب سے زیادہ یاد ہے کہ ہمارے شیخ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ بیٹھتے اٹھتے عموماً دل کی گہرائیوں سے **حسبنا اللہ** ذرا آواز سے فرمایا کرتے تھے ہم نے اس کو ذرا کھینچ کر لکھا ہے اس لئے کہ حضرت استاد رحمۃ اللہ اسی طرح ذرا کھینچ کر زبان مبارک سے ادا فرماتے تھے **اللھم اغفرلہ وارحمہ** اللہ پاک ہم سب کو اپنے بزرگوں کے طریق پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین بحرمت رحمۃ للعالمین۔

اللہ تعالیٰ پر کما حقہ بھروسہ کرنے والوں کے دل

الرابع : عن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " يَدْخُلُ الجَنَّةَ أَقْوامٌ أَفْئِدَتُهُمْ مِثلُ أَفْئِدَةِ الطَّيرِ " رواه مسلم .

قيل : معناه متوكلون ، وقيل : قلوبهم رَقيقَةٌ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بشارت دی اور) فرمایا جنت میں کچھ ایسے گروہ بھی داخل ہونگے جن کے دل (اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھنے کی وجہ) پرندوں کے دلوں کی مانند (فکر دنیا سے آزاد اور ہلکے پھلکے) ہوں گے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ بعض علماء محققین نے فرمایا ہے کہ یہ متوکلین کاملین کے گروہ ہوں گے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ رقیق القلب لوگ ہیں جن کے دل (عجز و نیاز اور خوف وخشیت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے) نرم اور لطیف ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ اس کے معنی ہیں کہ وہ توکل کرنیوالے ہوں گے اور کسی نے کہا کہ وہ نرم دل ہوں گے۔

تشریح: کمال توکل کا عظیم فائدہ

آپ توکل کے دوسرے اور اعلیٰ مرتبہ کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ توکل کے اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کے بعد متوکلین کاملین کی نظروں میں ظاہری اسباب' انسانی تدابیر اور جدوجہد کی حقیقت پر کاہ' تنکے کی برابر بھی باقی نہیں رہتی وہ دنیاوی فکروں' پریشانیوں اور لاحاصل تگ ودو سے بالکل آزاد اور فارغ البال ہوتے ہیں ان کے قلوب قادر مطلق پروردگار کی کاربر آری اور کارسازی پر کامل یقین وایمان رکھنے کی وجہ سے سخت سے سخت حالات اور بڑے سے بڑے خطرات سے دوچار ہونے کے وقت بھی' بالکل مطمئن رہتے ہیں کلمہ توکل **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** ان کی زبانوں پر جاری ہوتا ہے اور نور یقین وایمان کی روشنی سے ان کے دل منور اور طمانیت الٰہی

سے مطمئن رہتے ہیں جیسا کہ آپ توکل سے متعلق آیات خصوصاً آیت کریمہ نمبر ۱/۱'۲/۲ کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں اور انتہائی حاضر حواسی اور ہوشمندی کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت کی روشنی میں جو کچھ کرنا چاہئے وہ کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ ہوگا وہی جو خدا کو منظور ہے ہم تو صرف اپنا فرض ادا کرتے ہیں اس کے برعکس جو لوگ اس توکل کی نعمت اور خدا کی کارسازی پر کامل یقین و ایمان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں وہ مذکورہ بالا حالات و خطرات کے وقت مضرت یا مصیبت سے دوچار ہونے سے پہلے ہی خوف و دہشت فکر و پریشانی میں اس بری طرح گرفتار ہو جاتے ہیں کہ عقل و خرد بلکہ ہوش و حواس تک کھو بیٹھتے ہیں اور گھبراہٹ کے مارے انکا برا حال ہو جاتا ہے ذہنی آسودگی اور فکری یکسوئی اور قلبی سکون و اطمینان سے قطعاً محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور اور مقدر ہوتا ہے۔

متوکلین کے دلوں کا پرندوں کے دلوں کے مانند ہونے کا مطلب

حاصل یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں بھی توکل کامل کا عظیم ترین فائدہ دنیوی خصوصاً معاشی امور و مشکلات میں ذہنی آسودگی فکری یکسوئی اور قلبی اطمینان و سکون ہے جو بجائے خود بہت بڑی نعمت ہے یہی مطلب ہے کہ ان متوکلین کے دلوں کا پرندوں کے دلوں کی مانند ہونے کا جیسا کہ آپ توکل کامل کی تشریح و تفصیل کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں اور حدیث نمبر ۶ میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پرندوں کی مثال کی تفصیل بھی بیان فرمادی ہے لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں مذکور جنتی گروہ سے متوکلین کاملین کا گروہ ہی مراد ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو توکل کے باب میں لائے ہیں باقی جو علماء کرام پرندوں کے دلوں سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان جنتی لوگوں کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح رقیق نرم اور لطیف ہوتے ہیں اس صورت میں یہ حدیث خوف و خشیت الٰہی سے متعلق ہو جائے گی اور امام نووی علیہ الرحمۃ کا اس کو توکل کے باب میں بیان کرنا بھی درست نہ ہوگا امام نووی نے ان علماء کی رائے صرف دیانتداری کے تحت نقل کی ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل علی اللہ کا ایک واقعہ اور اس کا کرشمہ

الخامس : عن جابر رضي الله عنه : أَنَّهُ غَزَا مَعَ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبلَ نَجْدٍ ، فَلَمَّا قَفَلَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ معهُم ، فَأَدْرَكَتْهُمُ القَائِلَةُ"۳" في وَادٍ كثير العِضاه ، فَنزَلَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّونَ بالشَّجَرِ ، وَنَزلَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحتَ سَمُرَة فَعلَّقَ بها سَيفَهُ وَنِمْنَا نَوْمَةً ، فَإِذَا رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعونا وَإِذَا عِندَهُ أَعْرَابِيٌّ ، فَقَالَ : " إنَّ هذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيفِي وَأَنَا نَائمٌ فَاسْتَيقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلتاً ، قَالَ : مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي ؟ قُلْتُ : الله ثلاثاً " وَلَمْ يُعاقِبْهُ وَجَلَسَ . مُتَّفَقٌ عَلَيه .وفي روايةِ قَالَ جَابرٌ : كُنَّا مَعَ رَسُولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بذَاتِ

الرِّقَاعِ ، فَإِذَا أَتَيْنَا عَلَى شَجَرَةٍ ظَلِيلَةٍ تَرَكْنَاهَا لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فجاء رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَسَيفُ رَسُولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ معَلَّقٌ بالشَّجَرَةِ فَاخْتَرطَهُ ، فَقَالَ : تَخَافُنِي ؟ قَالَ : " لاَ " فَقَالَ : فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي ؟ قَالَ : " الله " .وفي رواية أبي بكر الإسماعيلي في " صحيحه " ، قَالَ : مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي ؟قَالَ : " اللهُ " . قَالَ : فَسَقَطَ السيفُ مِنْ يَدِهِ ، فَأَخَذَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ ، فَقَالَ : " مَنْ يَمْنَعُكَ مني ؟ " . فَقَالَ : كُنْ خَيرَ آخِذٍ . فَقَالَ : " تَشْهَدُ أَنْ لا إلهَ إلاَّ الله وَأَنِّي رَسُول الله ؟" قَالَ : لاَ ، وَلَكنِّي أُعَاهِدُكَ أَنْ لا أُقَاتِلَكَ ، وَلاَ أَكُونَ مَعَ قَومٍ يُقَاتِلُونَكَ ، فَخَلَّى سَبيلَهُ ، فَأَتَى أَصْحَابَهُ ، فَقَالَ : جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْد خَيرِ النَّاسِ . قَولُهُ : " قَفَلَ " أي رجع ، وَ" الْعِضَاهُ " الشجر الَّذِي لَهُ شوك، و" السَّمُرَةُ " بفتح السين وضم الميم : الشَّجَرَةُ مِنَ الطَّلْح ، وهِيَ العِظَامُ مِنْ شَجَرِ العِضَاهِ ، وَ" اخْتَرَطَ السَّيْف " أي سلّه وَهُوَ في يدهِ . " صَلْتاً " أي مسلولاً ، وَهُوَ بفتحِ الصادِ وضَمِّها .

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:(ا)وہ(ایک مرتبہ) نجد کی جانب ایک لڑائی میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو جابرؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے (اثناء راہ میں اتفاقاً) ایک ایسی وادی میں قیلولہ، دوپہر کے آرام کا وقت آگیا جس میں بکثرت خاردار کیکر کے درخت تھے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وہیں اتر پڑے اور لوگ (آرام کرنے کے لئے) ادھر اُدھر سایہ دار درختوں کے نیچے منتشر ہو گئے (اور آرام کرنے لگے) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک کیکر کے (سایہ دار) درخت کے نیچے اترے اور اپنی تلوار اسی درخت کی ایک ٹہنی پر لٹکا دی (اور آرام فرمانے لگے دوپہر کا وقت تھا) ہم سب کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اتنے میں آپ نے ہمیں آواز دے کر بلانا شروع کر دیا (ہم گھبرا کر دوڑے تو دیکھتے کیا ہیں کہ) ایک بدو (عرب دیہاتی) آپ کے پاس (کھڑا) ہے ہمیں دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے (بے خبری میں درخت سے) میری تلوار اتار کر میرے اوپر سونت لی تھی اور میں سو رہا تھا اچانک میری آنکھ کھل گئی تو (دیکھتا کیا ہوں کہ برہنہ تلوار اس کے ہاتھ میں ہے اور کہہ رہا ہے: اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تین مرتبہ اس نے یہی سوال کیا اور میں نے یہی جواب دیا (اس کے بعد) آپ نے اس کو (اس جرم کی) کوئی سزا نہیں دی اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: (یہ تو صحیحین کی روایت کے الفاظ ہیں) اور حضرت جابرؓ ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

(۲) ہم (ایک مرتبہ) جنگ ذات الرقاع میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (سفر کر رہے) تھے اثناء راہ میں (دوپہر کو آرام کرنے کے وقت ہمارا معمول یہ تھا کہ) جب کوئی سایہ دار درخت آتا تو ہم اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھوڑ دیتے چنانچہ (ایک دن) اسی طرح ایک سایہ دار درخت کے نیچے آپ آرام فرما رہے تھے (شکست خوردہ) مشرکین میں کا ایک شخص (جو شروع سے گھات میں لگا ہوا تھا بے خبری میں) آ پہنچا آپ کی تلوار درخت پر لٹکی ہوئی تھی اس نے فوراً تلوار (درخت سے اتار کر) سونت لی اور (سر مبارک پر کھڑے ہو کر) کہا تم مجھ سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے (نہایت اطمینان واعتماد کے ساتھ) فرمایا نہیں تو اس نے کہا اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے (بڑے یقین واعتماد کے ساتھ) فرمایا: اللہ۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں حافظ ابو بکر اسماعیل کی کتاب صحیح اسماعیلی کی اسی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ: اس مشرک کے سوال کے جواب میں جونہی آپ نے اللہ فرمایا تو ایک دم تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور (نہایت اطمینان سے) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھالی اور فرمایا: اب بتا تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ تو وہ (بے بس ہو کر) بولا تم ہی بہترین تلوار اٹھانے والے بن جاؤ (تو میں بچ سکتا ہوں ورنہ تو میرے سر کو تن سے جدا ہونے سے بچانے والا کوئی نہیں ہو سکتا) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو (مسلمان ہونے اور) کلمہ شہادت اشهدان لااله الاالله وانی رسول الله: پڑھنے کے لئے تیار ہے؟ اس نے کہا: نہیں، (یہ تو نہیں کر سکتا) لیکن میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ نہ کبھی میں خود آپ سے جنگ کروں گا اور نہ کسی ایسی قوم کا ساتھ دوں گا جو آپ سے برسر پیکار ہو" تو آپ نے (اسی عہد پر) اس کو رہا کر دیا چنانچہ وہ (جب زندہ سلامت) اپنے قبیلہ میں پہنچا تو اس نے پورا واقعہ بیان کیا اور کہا (یاد رکھو) میں نوع انسانی کے مہربان ترین شخص کے پاس سے تمہارے پاس آیا ہوں (اگر اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت میری دستگیری نہ کرتی تو کبھی کا میرا سر تن سے جدا ہو چکا ہوتا)

اللہ تعالیٰ پر کماحقہ توکل وہ طاقت وقوت ہے جو دشمنوں کو مرعوب اور لرزہ براندام کر دیتی ہے

تشریح: اس حدیث پاک میں محبوب رب العالمین نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یقین وتوکل علی اللہ اُمت کے لئے ایمان افروز اور سبق آموز ہے شدید ترین جان کے خطرہ کے باوجود کہ ظاہری حالات کے اعتبار

سے برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے خون کا پیاسا دشمن سر پر کھڑا ہے اور چشم زدن میں سر تن سے جدا ہونا بظاہر یقینی ہے مگر آپ ہیں کہ ذرہ برابر خوف وہراس اور گھبراہٹ آپ کے پاس تک نہیں پھٹکتی اور نہایت اطمینان وسکون اور دل جمعی کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس کے سوالوں کا پورے یقین واعتماد کے ساتھ جواب دیتے ہیں اسی یقین وتوکل علی اللہ کے رعب اور صبر واستقلال کی ہیبت اور ایمان باللہ کے سکون واطمینان کی طاقت سے مرعوب ہو کر وہ خون کا پیاسا دشمن خائف ہو کر لرزہ براندام ہو جاتا ہے کپکپانے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور آپ نہایت اطمینان سے اپنی تلوار اٹھا لیتے ہیں اور اپنے فرض منصبی کے تحت اس اقدام قتل کے جرم کی سزا دینے کی بجائے اس کو اللہ تعالیٰ اور اسکی قدرت سے آگاہ اور متوجہ کرنے کی غرض سے سوال فرماتے ہیں من يمنعك مني۔ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا مگر اس کا زنگ کفر وشرک اتنا سخت تھا کہ اللہ تعالیٰ کہنے اور خدا کی پناہ لینے کے بجائے آپ کی عالم نواز رحمت وشفقت کی پناہ لیتا ہوں اور کہتا ہے کہ کن خیر آخذ آپ ہی بہترین تلوار اٹھانے والے بن جائیں آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے محسوس فرمالیا کہ اگرچہ یہ ابھی اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے مگر مزید شفقت ورحمت اور عفوودرگذر کا برتاؤ کرنے سے نہ صرف یہ بلکہ اس کا پورا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا اس لئے اس کے جنگ میں ناطرندار رہنے کے بعد پر ہی اس کی جان بخشی فرما دیتے ہیں تاکہ اپنے قبیلے میں جا کر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل شفقت ورحمت اور بینظیر عفوودرگذر سے سب کو آگاہ کرے اور پورا قبیلہ آپ کا گرویدہ ہو کر مسلمان ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین وتوکل علی اللہ کے رعب اور ہیبت سے دشمنوں کے مرعوب ہونے کا صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ رعب ایک مستقل طاقت وقوت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے عطا فرمائی تھی چنانچہ ارشاد ہے۔

سنلقي في قلوب الذين كفروا الرعب (ال عمران:ع ۱۶)

(تم اطمینان رکھو) ہم یقیناً ان کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیں گے

چنانچہ خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نصرت بالرعب' رعب اور ہیبت کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تاریخ شاہد ہے کہ بارہا آپ کا رعب ہی دشمنوں کی پسپائی اور آپ کی کامیابی اور فتح وظفر کا سبب بنا ہے۔

بہرصورت مذکورہ بالا واقعہ میں سر خیل متوکلین' توکل کرنے والوں کے سردار' نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر وتحمل علی اللہ' آیت کریمہ نمبر ۴/ا پر مبنی تھا جو آپ آیات قرآن عظیم کے تحت پڑھ چکے ہیں اسی صبر وتوکل علی اللہ کے آپ مامور تھے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث واقعہ کو احادیث یقین وتوکل کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

اُمت کی بد نصیبی

امت محمدیہ اپنے سر تاپا شفقت و رحمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس یقین و توکل اور طرز عمل سے اگر سبق نہ حاصل کرے تو اس کی بڑی زبردست بدنصیبی اور محرومی ہے اعاذنا اللہ منہ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ: مَعْنَاهُ تَذْهَبُ اَوَّلَ النَّهَارِ خِمَاصًا .اَىْ ضَامِرَةَ الْبُطُوْنِ مِنَ الْجُوْعِ وَتَرْجِعُ اٰخِرَ النَّهَارِ بِطَانًا اَىْ مُمْتَلِئَةَ الْبُطُوْنِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ پر پورا پورا توکل کرو تو وہ تمہیں اس طرح رزق پہنچائے جیسے پرندوں کو پہنچاتا ہے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آئے ہیں۔ (ترمذی) ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

معنی یہ ہیں کہ صبح کو پرندے گھونسلوں سے نکلتے ہیں تو بھوک سے ان کے پوٹے چپکے ہوئے ہوتے ہیں اور شام کو واپس پلٹے ہیں تو ان کے پوٹے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

حدیث کی شرح: اگر ایمان کے ساتھ یقین کامل ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ سبحانہ کا تابع فرمان ہے اتنی بڑی اور سیع دنیا میں کہیں کوئی پتہ بھی اللہ کی مرضی اور اس کے حکم اور اس کے علم کے بغیر نہیں گرتا، جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے حکم سے ہوتا ہے وہی پیدا کرنے والا وہی مارنے والا اور وہی رزق دینے والا ہے، اس کے سواء کوئی دینے والا نہیں ہے اور اس کے سواء کوئی چھیننے والا نہیں ہے اگر ساری مخلوق اللہ کی مشیت کے بغیر کسی کو کچھ دینا چاہے تو وہ کچھ نہیں دے سکتی اور اگر ساری مخلوق مجتمع ہو کر کسی سے کچھ چھیننا چاہے تو اللہ کے حکم کے بغیر نہیں چھین سکتی، اس ایمان وایقان کے ساتھ انسان سعی و تدبیر کرے اور اپنی کوشش کو بے حقیقت سمجھتے ہوئے صرف اللہ پر توکل کرے تو اللہ اسے اس طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح پرندوں کو عطا فرماتا ہے، وہ صبح کو گھونسلوں سے روانہ ہوتے ہیں تو بھوک سے ان کے پوٹے جسم سے چپکے ہوئے ہوتے ہیں اور شام کو پلٹتے ہیں تو وہ سیر ہو کر واپس آتے ہیں۔

توکل کے معنی تبطل اور تعطل کے نہیں ہیں، سعی و کوشش اور جائز حدود میں تلاش اسباب لازمی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ توکل کے معنی ترک تدبیر اور ترک عمل کرنے کے نہیں ہیں اور اس طرح کے گھر کے کونے میں پڑ جانے کے نہیں ہیں جیسے کپڑا پڑا ہو، توکل کا یہ تصور جاہلوں کا ہے اور شریعت میں حرام ہے توکل سعی و عمل اور جد و جہد کے ساتھ اللہ پر ایمان کامل اور اس پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں محل توکل قلب ہے اور ظاہری سعی و عمل اس عمل کے منافی نہیں ہے جبکہ بندہ یہ یقین واثق رکھتا ہو کہ رزق اللہ دینے والا ہے، اور جو کچھ تنگی یا دشواری اور سہولت و آسانی پیش آئے وہ تقدیر الٰہی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی:۷/۵۶، دلیل الفالحین:۱/۱۹۷)

صحیحین کی ایک اور روایت میں حضرت براء بن العازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بستر پر آؤ تو نماز والا وضو کرو پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ پھر یہ کلمات کہہ، پھر فرمایا کہ ان کلمات کو بالکل آخر میں کہہ۔

معاشی فکر و پریشانی اور سرگردانی سے نجات حاصل کرنیکا واحد ذریعہ توکل علی اللہ ہے

السابع : عن أبي عُمَارة البراء بن عازب رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يَا فُلانُ ، إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فراشِكَ ، فَقُل : اللَّهُمَّ أَسْلَمتُ نَفْسي إلَيْكَ ، وَوَجَّهتُ وَجْهِي إِلَيْكَ ، وَفَوَّضتُ أَمْري إِلَيْكَ ، وَأَلْجَأتُ ظَهري إِلَيْكَ رَغبَةً وَرَهبَةً إِلَيْكَ ، لا مَلْجَأَ وَلاَ مَنْجَا مِنْكَ إِلاَّ إِلَيْكَ ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ ؛ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ . فَإِنَّكَ إِنْ مِتَّ مِنْ لَيلَتِكَ مِتَّ عَلَى الفِطْرَةِ ، وَإِنْ أَصْبَحْتَ أَصَبْتَ خَيراً " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وفي رواية في الصحيحين ، عن البراء ، قَالَ : قَالَ لي رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءكَ للصَّلاةِ ، ثُمَّ اضْطَجعْ عَلَى شِقِّكَ الأَيمَنِ ، وَقُلْ ... وذَكَرَ نَحْوَهُ ثُمَّ قَالَ : وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ " .

ترجمہ: حضرت ابو عمارۃ البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فلاں جب تم بستر پر آؤ تو کہو اے اللہ میں نے اپنے آپ کو آپ کو سپرد کر دیا اور اپنے چہرے کو آپ کی طرف کر دیا اور اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا اور اپنی پیٹھ کو تیری طرف جھکا دیا۔ تیری جانب رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے تیرے سوا نہ کوئی ٹھکانا ہے نہ نجات کی راہ۔ میں تیری نازل کردہ کتاب اور تیرے مبعوث کیے ہوئے رسول پر ایمان لایا' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اس رات مر جائے تو تو فطرت پر مرے گا اور بھلائی کو پہنچ جائے گا۔

اس حدیث کا مطلب

تشریح: اس حدیث پاک میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بتلانا چاہتا ہیں کہ تمہاری تمام تر معاشی سرگردانی اور دنیاوی فکر و پریشانی جس میں تم شب و روز سرگرداں رہتے ہو اور مارے مارے پھرتے ہو نہ دن کو چین نصیب ہے نہ رات کو آرام نو بنو فکروں اور تازہ بتازہ پریشانیوں نے خواب و خور تم پر حرام کر رکھا ہے

اس کا واحد سبب صرف اللہ تعالیٰ پر کامل توکل اور پورا بھروسہ نہ ہونا ہے یا اس میں کمی اور کوتاہی ہے اور اگر تم اللہ اور اس کی رزق رسانی، حاجت روائی اور کارسازی پر بغیر ذرہ برابر تذبذب و تردد اور بدون کسی شک و شبہ کے کامل یقین و ایمان اور بھروسہ رکھو تو تم کو ان تمام لایعنی دنیاوی فکروں اور بے حاصل معاشی سرگردانیوں سے کلی طور پر نجات حاصل ہو جائے اور تم پورے اطمینان و دلجمعی اور ذہنی آسودگی و یکسوئی کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کے احکامات کے تحت دین اور دنیا کے تمام فرائض بخوبی انجام دینے کی سعادت حاصل کر سکو تم ذرا دیکھو اور غور کرو! پرندے کس بے فکری، دل جمعی اور آسودگی و یکسوئی کے ساتھ رات بھر اپنے گھونسلوں میں بسیرا کرتے ہیں اور پھر صبح ہوتے ہی کس اطمینان کے ساتھ رزاق مطلق کی رزق رسانی پر بھروسہ کر کے جنگل میں چلے جاتے ہیں اور دن بھر دانہ چنتے اور چگتے رہتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر اپنے گھونسلوں میں واپس آجاتے ہیں وہ کل کی فکر اور ان ہوئی بات کی پریشانی و سرگردانی سے بالکل آزاد اور بے فکر رہتے ہیں مشیت خداوندی سے جو مصیبت یا آفت سامنے آتی ہے اس سے بچنے کے لئے جو وسائل پروردگار نے ان کو دیئے ہیں ان سے کام لیتے ہیں قسمت میں بچنا ہوتا ہے تو بچ جاتے ہیں ورنہ شکار ہو جاتے ہیں بہر صورت اس قبل از مرگ واویلا سے اور ہائے کل کیا ہوگا اور کہاں سے آئے گا کی فکر و پریشانی سے وہ بالکل آزاد فارغ البال اور مطمئن رہتے ہیں اسکے برعکس توکل علی اللہ کی نعمت و دولت سے محروم انسان کو شب و روز کی زندگی میں چین و آرام، سکون و اطمینان اور بے فکری و آسودگی تو کیا نصیب ہوتی اس کو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرض نماز تک یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ پڑھنی نصیب نہیں ہوتی کسی فارسی کو شاعر نے اسی لاحاصل معاشی پریشانی اور پراگندہ خیالی کا نقشہ ذیل کے شعر میں خوب کھینچا ہے وہ کہتا ہے کہ شب چو عقد نماز بربندم، چہ خورد بامداد فرزندم

یہ تمام تر مصیبت اور تباہی صرف اللہ تعالیٰ کی لامحدود و قدرت پر اور اس کی روزی رسائی حاجت روائی اور کار برآری پر کامل یقین و ایمان اور اعتماد و توکل نہ ہونے کا نتیجہ ہے کاش امت اپنے پیارے اور مہربان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات پر صدق دل سے پورے طور پر عمل کر کے ان لایعنی دنیوی فکروں معاشی پریشانیوں اور سرگردانیوں سے جن کی وجہ سے دین کے ساتھ دنیا بھی برباد ہو رہی ہے نجات حاصل کرے اور اطمینان و سکون، دلجمعی و فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کر کے دین اور دنیا دونوں کی فلاح اور کامرانی سے سرفراز ہو۔

تنبیہ:

آپ پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ توکل کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب ظاہری اسباب و وسائل تلاش و جستجو اور تدبیر وجد و جہد کو ترک کر دینا ہرگز نہیں ہے آخر پرندے بھی تو صبح ہوتے ہی

گھونسلوں سے نکل کر روزی کی تلاش میں جنگل جاتے ہیں دانہ دنکا بھی چنتے اور چگتے ہیں اور اپنا پیٹ بھرتے ہیں اگر وہ دن نکلنے کے بعد بھی گھونسلوں میں ہی پڑے رہیں اور پر تک نہ ہلائیں تو یقیناً بھوکے مرجائیں اسی طرح حلال روزی کی تلاش و جستجو اور اس کے لئے جدوجہد اور تدابیر و وسائل کو اختیار کرنا ہر انسان خصوصاً مسلمان کا تو فرض بلکہ بہت بڑی عبادت ہے اس لئے کہ ہادیٔ برحق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کل لحم نبت من الحرام فالنار اولی به

جو گوشت حرام (غذا) سے اُگے (پیدا ہو) وہ جہنم ہی کے لائق ہے۔

اس لئے توکل علی اللہ کے معنی ظاہری اسباب و تدابیر کو ترک کر دینا ہرگز نہیں ہیں جیسا کہ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں بے مثل و لاثانی توکل اللہ کا دوسرا واقعہ

الثامِنُ : عن أبي بكرِ الصِّدِّيق رضي الله عنه عبدِ اللهِ بنِ عثمان بنِ عامرِ بنِ عمر ابنِ كعب بنِ سعدِ بن تَيْم بن مرة بن كعبِ بن لُؤَيٍّ بن غالب القرشي التيمي رضي الله عنه وَهُوَ وَأَبُوهُ وَأُمُّهُ صَحَابَةٌ رضي الله عنهم قَالَ : نَظَرتُ إِلَى أَقْدَامِ الْمُشْرِكِينَ وَنَحنُ فِي الغَارِ وَهُمْ عَلَى رُؤُوسِنا ، فقلتُ : يَا رسولَ الله ، لَوْ أَنَّ أَحدَهُمْ نظَرَ تَحْتَ قَدَمَيهِ لأَبْصَرَنَا . فَقَالَ : " مَا ظَنُّكَ يَا أَبا بَكرٍ باثنَيْنِ الله ثَالِثُهُمَا " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمه: حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں (قریش اور مشرکین مکہ کی سازش قتل کو ناکام بنانے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے وطن عزیز مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے موقع پر غار ثور کے اندر روپوش ہونے کے زمانہ میں ایک دن) مجھے (غار کے اوپر سے کھوج لگانے والے) مشرکین کے پاؤں نظر آئے اور ہم اسی غار کے اندر چھپے ہوئے تھے اور عین ہمارے سروں پر وہ کھڑے تھے تو میں نے (گھبرا کر) نبی رحمت، حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

یا رسول اللہ! (خدانہ کرے) ان میں سے کسی نے بھی اپنے قدموں کی طرف ذرا جھک کر دیکھا تو ہم انہیں صاف نظر آجائیں گے (اور پھر ان کے چنگل سے بچنا ناممکن ہے) تو مجسمہ یقین و ایمان، پیکر صبر و توکل، حبیب رب العالمین، صلی اللہ علیہ وسلم نے (انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ) فرمایا: اے ابو بکر! ان دو مظلوم بندوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا (محافظ و نگہبان) اللہ تعالیٰ ہے (کیا وہ انہیں خون کے پیاسے ظالم دشمنوں کے ہاتھوں تباہ ہونے دے گا)

متعلقہ واقعہ کا بیان اور حدیث کی تشریح

تشریح: سرور کائنات حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا واقعہ آپ کی سیرت مقدسہ کا انسانی تصور اور وہم وگمان سے بالاتر گوناں گوں قدرت الٰہیہ کے کرشموں پر مشتمل ایک عجیب واقعہ ہے پورا کا پورا واقعہ یوں تو بے شمار عجیب وغریب تصرفات الٰہیہ پر مشتمل تاریخ انسانی کا بے مثل واقعہ بلکہ آپ کا عظیم معجزہ ہے جس کی ایمان افروز تفصیلات سیرت کی کتابوں میں پڑھ کر مومن مسلمان کو اپنا ایمان باللہ تازہ کرتے رہنا چاہیے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یگانہ رفیق ہجرت یار غار صدیق اکبرؓ نے مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال توکل علی اللہ اور یقین وایمان باللہ سے اُمت کو متعارف کرانے کے لئے اس واقعہ کا صرف وہ حصہ جو انتہائی خطرناک حالت سے دوچار ہونے اور خطرہ میں گھر جانے کے وقت جبکہ اُمت کے اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر سب سے بڑے توکل اور بھروسہ کرنے والے صدیق اکبر بھی گھبرا جاتے ہیں۔ آپ کے انسانی تصور سے بالاتر اللہ تعالیٰ شانہ کی کارسازی پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کا مظہر ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے محبوب کے اس اعتماد سے خوش ہو کر قرآن عظیم میں بعینہٖ آپ کے ایمان افروز جواب کو نقل فرماتے ہیں ارشاد ہے۔

الا تنصروه فقد نصره الله اذا خرجه الذين كفروا ثانى اثنين اذهما فى الغارا ذيقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا فانزل الله سكينته عليه وايده بجنود لم تروها وجعل كلمة الذين كفروا السفلى وكلمة الله هى العليا والله عزيز حكيم (التوبہ ع ۴)

(اے مسلمانو) اگر (بالفرض) تم اس (ہمارے پیارے نبی) کی مدد نہ بھی کرو تو کیا بگڑتا ہے اس لئے بیشک اسکی مدد تو اللہ تعالیٰ نے ایسے (آڑے) وقت کی ہے جبکہ کفار نے اس کو اپنے وطن عزیز مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا (اس حالت میں کہ وہ (ہمارا پیارا نبی صرف دو میں کا دوسرا تھا (یعنی صرف دو نفر تھے) جبکہ وہ اپنے (گھبرائے ہوئے) رفیق سفر سے (اس کی تسلی اور اطمینان کیلئے کہہ رہا تھا تم غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے (اس کے اس اعتماد و توکل سے خوش ہو کر اپنا (خاص عطیہ) سکون (واطمینان) اس پر اتار دیا اور ایسی (فرشتوں کی) فوجوں سے اس کی تائید (وتقویت) فرمائی جو تم (انسانوں) کو نظر بھی نہیں آتیں اور کافروں کی بات بھی نیچی کر دی اور اللہ کی بات ہی اونچی رہتی ہے اور اللہ تو بڑا زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

اس واقعہ ہجرت کا مختصر سا بیان

نہ جانے قارئین کتاب کو "سیرت" کے اس ایمان افروز واقعہ کے پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے اس لئے ہم اپنے دوسرے استاد حدیث حضرت العلامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے تحریر کردہ فوائد قرآن عظیم میں سے

مذ کورہ بالا آیت کریمہ سے متعلق فائدہ اس موقع پر نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں سورۃ براۃ رکوع (۶) کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ پر ضرب لگائیں (وار کریں) تاکہ "خون بہا" دینا پڑے تو سب قبیلوں پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ وہ (آپ کے قصاص کیلئے) سارے عرب (قبائل) سے لڑائی مول لیں جس شب میں اس ناپاک کارروائی (سازش) کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا تاکہ وہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ کے (تشریف لے) جانے کے بعد ان کے مالکوں کے حوالے کر دیں اور حضرت علیؓ کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال (تک) بیکا نہ ہوگا (تم مطمئن رہو) پھر خود بنفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے (جنہوں نے مکان کا مکمل محاصرہ کیا ہوا تھا) شاہت الوجوہ یہ چہرے مسخ ہوں اندھے ہوں۔ فرماتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے (سب کے سامنے سے) صاف (محاصرہ سے باہر) نکل آئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو (جو پہلے سے تیار بیٹھے تھے) ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف (اندر سے خالی) چٹان ہے جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا (چنانچہ) اول حضرت ابو بکر نے اندر جا کر اسے صاف کیا سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی زہریلا کیڑا مکوڑا گزند نہ پہنچا سکے ایک سوراخ باقی (رہ گیا) تھا (سو) اس میں (بیٹھنے کے بعد) اپنا پاؤں اڑا دیا سب انتظام کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کو کہا آپ اندر آکر) صدیق اکبرؓ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابو بکر صدیقؓ کا پاؤں (جو اس کے سوراخ میں اڑا ہوا تھا) ڈس لیا مگر ابو بکر صدیقؓ (اس کے باوجود) پاؤں کو مطلق حرکت نہ دیتے تھے (اور سانپ کاٹے جا رہا تھا) کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استراحت میں خلل پڑے جب آپ کی آنکھ کھلی اور سانپ کے ڈسنے کا قصہ معلوم ہوا تو آپ نے لعاب مبارک صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً (زہر اتر گیا اور) شفا ہو گئی ادھر کفار "قائف" یعنی نشان قدم سے کھوج لگانے والے کو ہمراہ لے کر جو نشان ہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اس نے عین غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کہ (اتنی دیر میں) غار کے دروازے (منہ) پر ایک مکڑی نے جالا تن لیا اور ایک جنگلی کبوتر نے وہاں انڈے دے دیئے یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح سالم رہ سکتے تھے (اس وقت) ابو بکر صدیقؓ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر آرہے تھے انہیں فکر تھی کہ کہیں جان سے زیادہ محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لئے وہ سب کچھ

فدا کر چکے ہیں دشمنوں کی نظر نہ پڑجائیں گھبرا کر کہنے لگے کہ یارسول اللہ! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر ڈالی تو ہم کو دیکھ پائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر! ان دو شخصوں کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ (ہمارا نگہبان) ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے (مطلق غم نہ کرو) اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون واطمینان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اور آپ کی (رفاقت) کی برکت سے ابو بکر صدیقؓ کے قلب پر نازل فرمائی (اور وہ بھی مطمئن ہو گئے) اور فرشتوں کی فوج سے (آپ کی) حفاظت وتائید کی یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے (قرآن عظیم) نے اوھن البیوت۔ سب سے زیادہ کمزور گھر بتلایا ہے بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا اس طرح خدا نے کفار کی بات نیچی کر دی اور ان کی تدبیریں خاک میں ملادیں۔

صورت حال کے اس نہایت مختصر بیان سے بھی آپ اندازہ اور یقین کر سکتے ہیں کہ خطرہ انتہائی شدید تھا ظاہری اسباب کے اعتبار سے آپ کی گرفتاری اور قتل یقینی تھا قائف نے دشمنوں کو عین آپ کے سر پر لے جا کر کھڑا کر دیا تھا تلاش کرنے والوں کا غار میں جھک کر دیکھنا یقینی تھا اور آپ اس وقت نہتے اور بالکل خالی ہاتھ تھے دفاع اور مزاحمت بالکل نہیں کر سکتے تھے بڑے سے بڑے زور آور' قوی دل اور نڈر انسان کے بھی ایسے وقت میں اوسان خطا ہو جانے یقینی ہیں مگر آپ ہیں کہ سکون واطمینان کے ایک پہاڑ کی طرح قطعی مطمئن اور بالکل بے پرواہ محض اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر بیٹھے ہیں خوف وہراس یا گھبراہٹ کا نام تک نہیں بلکہ اپنے رفیق سفر کو بھی پورے طور پر مطمئن فرما دیتے ہیں یہ سکون واطمینان اور اعتماد بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کے وعدے پر: **واللہ یعصمك من الناس** اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا غیر متزلزل یقین وایمان کا نتیجہ تھا آپ کو آفتاب نصف النہار کی طرح اللہ تعالیٰ کی حفاظت نگہبانی اور کارسازی پر یقین تھا اسی لئے ناموافق ظاہری اسباب پر مبنی ہلاکت کے یقینی خطرہ میں گھرا ہونے کے باوجود آپ بالکل مطمئن اور بے فکر تھے یہ ہے اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت پر یقین وایمان اور اس کی "کارسازی" پر بھروسہ اور توکل جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

سبحان الله وصلى الله على نبيه وحبيبه وسلم

توکل علی اللہ کے حصول کی دعائیں

التاسع : عن أم المُؤمنينَ أمِّ سَلَمَةَ وَاسمها هِنْدُ بنتُ أبي أمية حذيفةَ المخزومية رضي الله عنها : أنَّ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إذَا خَرجَ مِنْ بَيتِهِ ، قَالَ : " بِسْمِ اللهِ تَوكَّلتُ عَلَى اللهِ ، اللَّهُمَّ إنِّي أعُوذُ بِكَ أنْ أضِلَّ أوْ أُضَلَّ ، أوْ أزِلَّ أوْ أُزَلَّ ، أوْ أظْلِمَ أوْ أُظْلَمَ ، أوْ أجْهَلَ أوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ " حديثٌ صحيح ، رواه أبو داود والترمذي وغيرهما بأسانيد صحيحةٍ . قَالَ الترمذي : " حديث حسن صحيح " وهذا لفظ أبي داود.

ترجمہ: اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب نبوۃ کدہ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھا کرتے۔

بسم الله توكلت على الله اللهم انى اعوذبك ان اضل اوأضل اوازل اوأزل او اظلم اوأظلم اواجهل اويجهل على.

یہ حدیث صحیح ہے۔ابوداؤد اور ترمذی وغیرہما نے اسے اسانید صحیحہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ الفاظ ابوداود کے ہیں۔

تشریح: اللہ کے (مبارک) نام کے ساتھ (میں گھر سے باہر قدم رکھتا ہوں) میں نے (کارسازی حقیقی) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ میں خود گمراہ ہوں یا مجھے گمراہ کیا جائے یا میں خود کوئی لغزش کروں یا مجھ سے لغزش کرائی جائے یا میں خود ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں خود (کسی کے ساتھ) جہالت (اور بدتمیزی) کروں یا میرے ساتھ جہالت (اور بدتمیزی) کی جائے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہ حدیث "صحیح" ہے (اگرچہ بخاری و مسلم میں نہیں آئی ہے) امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہ محدثین نے اس کو (اپنی اپنی کتابوں میں) ذکر کیا ہے یہ مذکورہ بالا الفاظ ابوداؤد کی روایت کے ہیں۔

العاشر : عن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ قَالَ يَعْني : إذَا خَرجَ مِنْ بَيتِهِ : بسمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ ، وَلا حَولَ وَلا قُوَّةَ إلاَّ باللهِ ، يُقالُ لَهُ : هُدِيتَ وَكُفِيتَ وَوُقِيتَ ، وَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيطَانُ " رواه أبو داود والترمذي والنسائي وغيرهم . وَقالَ الترمذي : " حديث حسن " ، زاد أبو داود : " فيقول يعني : الشيطان لِشيطان آخر : كَيفَ لَكَ برجلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ ؟ " .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے بھی گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھ لیا:

بسم اللہ توکلت علی اللہ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ

اللہ کے (مقدس) نام کے ساتھ (گھر سے باہر نکلتا ہوں) میں نے (کارساز مطلق) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرلیا اور نہ (کسی بھی کام کی) قدرت (میسر آسکتی) ہے نہ قوت مگر اللہ کی مدد) سے۔ تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس سے کہہ دیا جاتا ہے تجھے ہدایت دے دی گئی اور کفایت (وکفالت) کردی گئی اور تجھے (ہر شر سے) بچادیا گیا اور شیطان اس سے دور ہوجاتا ہے (اور اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے)

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس حدیث کو بھی امام ابوداؤدؒ ترمذی امام نسائیؒ وغیرہ محدثین نے (اپنی اپنی کتابوں میں) روایت کیا ہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے امام ابوداؤدؒ نے (اپنی کتاب میں اس حدیث کے الفاظ میں) یہ اضافہ کیا ہے تو (اس دعا مانگ لینے کے بعد) ایک شیطان دوسرے شیطان سے کہتا ہے تو کیا بگاڑ سکتا ہے اس شخص کا جس کو (منجانب اللہ خیر کی) ہدایت کردی گئی اور کفایت کردی گئی اور (ہر شر سے) بچادیا گیا۔

ان ہر دو دعاؤں کی اہمیت اور وقت کی تعین کی وجہ

تشریح: یہ تو ظاہر ہی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان ہر دو دعاؤں کی تعلیم سے دراصل نعمت توکل کی اہمیت سے آگاہ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر اس کے طلب کرنے کی ہدایت فرمانا ہے اس لئے آپ بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ تمام دینی اور دنیوی امور و معاملات میں جن کا انسان مکلف ہے کامیابی یا ناکامی کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے دنیاوی اسباب و وسائل اور انسانی تدبیروں اور کوششیں تو محض "واسطہ" ہیں جن کو بندہ محض حکم خداوندی کو بجالانے کے لئے اختیار کرتا ہے اس لئے ایک مسلمان کے لئے کلی طور پر یہ اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر بھروسہ کرنے کے سوا چارہ نہیں یہی ایمان باللہ اور ایمان بالقدر، تقدیر پر ایمان کا تقاضہ ہے لہٰذا ہر کام کرنے اور ہر معاملہ کو انجام دینے کے وقت اللہ تعالیٰ پر نہ صرف مکمل طور پر بھروسہ کرنا بلکہ دعا کی صورت میں اس کا اظہار واعتراف کرنا بھی ہر مسلمان کا فرض ہے اسی لئے ہر کام کرنے کا ارادہ یا وعدہ کرنے کے وقت ان شاء اللہ کلمہ توکل و تفویض کہنے کا حکم قرآن کریم میں نہ صرف امت کو بلکہ حبیب رب العالمین کو خطاب کرکے دیا گیا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی آپ پوری وضاحت کے ساتھ پڑھ چکے ہیں کہ اس مصروف زندگی میں ہر کام کے وقت توکل علی اللہ کا تصور ذہن میں

اور اس کا اظہار زبان سے عموماً دشوار اور مشکل ہے اس لئے جیسے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث نمبر (۷) میں دن بھر کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر سونے کے ارادہ سے بستر پر لیٹنے کے وقت توکل اور تفویض و تسلیم کے مضامین پر مشتمل دعا کی تعلیم دی ہے اسی طرح حدیث نمبر (۹) اور (۱۰) میں گھر سے نکلنے اور عملی زندگی شروع کرنے کے وقت یہ دعا توکل پڑھنے کی تعلیم دی ہے اس لئے کہ وہ بیشتر اہم دینی اور دنیوی امور جن میں انسان دنیوی اسباب و وسائل اور انسانی تدابیر سے کام لیتا ہے گھر سے باہر ہی انجام دیتا ہے۔ خود اپنی روزانہ کی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ اس حدیث میں گھر سے نکلنے کے بعد سے مراد ہی سو کر اٹھنے کے بعد ہو چنانچہ امام محمد بن محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب حصن حصین میں ان دونوں دعاؤں کو فجر کی نماز کے لئے گھر سے نکلنے کے وقت کی دعاؤں کے ذیل میں درج کیا ہے۔

ان حدیثوں میں دعا توکل کے علاوہ باقی اجزاء کے اضافہ کی وجہ

چونکہ یہ وقت گھر سے نکل کر زندگی کے کاروبار شروع کرنے کا وقت ہے اس لئے ان دونوں دعاؤں کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے اس لئے مشہور و معروف حدیث تسمیہ بسم اللہ کی حدیث میں آیا ہے۔

کل امر ذی بال لم یبدء باسم الله فهو ابتر

جو بھی اہم کام اللہ تعالیٰ کے نام سے نہ شروع کیا جائے وہ برکت سے محروم رہتا ہے۔

اور اسی لئے حدیث نمبر (۱۰) میں کلمہ تفویض و تسلیم یعنی **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔

ان چار برائیوں سے پناہ مانگنے کی وجہ جو حدیث نمبر (۹) میں مذکور ہیں

باقی حدیث نمبر (۹) کی دعا میں سر تا پا رافت و شفقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ہلاکت خیز چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے (۱) گمراہی (۲) لغزش (۳) ظلم (۴) جہالت یعنی بد تمیزی کا برتاؤ اس لئے کہ عموماً انسان کو اپنی تدبیروں اور کوششوں میں ناکامی کا منہ انہی چیزوں کی وجہ سے دیکھنا پڑتا ہے پھر ان چاروں مضرت رساں برائیوں کا محرک کبھی خود انسان کا نفس امارہ یعنی مکار نفس ہوتا ہے اور کبھی شیطان یا شیطان فطرت شریر انسان اس لئے ان میں سے ہر ایک بُرائی کے واقع ہونے کی دو دو صورتیں ہیں مثلاً انسان یا از خود گمراہ ہو یا دوسرے اسے گمراہ کریں علی ہذا القیاس اس لئے معجز بیان نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی دونوں صورتوں کا ذکر فرما کر ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کی ہدایت فرمائی ہے سبحان اللہ کس قدر مہربان ہیں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

تنبیہ

گھر سے روانہ ہوتے وقت اگر زیادہ فرصت نہ ہو تو صرف اصل دعا توکل **بسم اللہ توکلت علی اللہ** ضرور پڑھ لینی چاہئے بلکہ کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ ہر اہم کام کرنے کے وقت اس دعا کو ضرور پڑھا جائے، کچھ بھی تو

مشکل کام نہیں‘ ایک لمحہ میں انسان پڑھ سکتا ہے صرف خیال رکھنے کی بات ہے‘ خدا آپ کو توفیق دے آپ تو ہر اہم کام کرنے کے وقت اس دعا کے پڑھنے کا تہیہ کرلیں۔ یہی اس کتاب کے پڑھنے کا فائدہ ہے۔

دوسروں کے لئے باعث برکت متوکلین

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَ أَخوانِ عَلَى عهد النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالآخَرُ يَحْتَرِفُ ، فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ:"لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ". رواه الترمذي بإسناد صحيحٍ عَلَى شرطِ مسلم ." يحترف ": يكتسب ويتسبب .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو (حقیقی) بھائی تھے ان میں سے ایک تو (روزانہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (تعلیم دین کیلئے) حاضر ہوا کرتا تھا اور دوسرا دن بھر روزی کماتا (اور گھر کا خرچ چلاتا تھا) تو ایک دن اس کمانے والے نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ یہ نکھٹو مفت کی روٹیاں کھاتا ہے ایک پیسہ نہیں کماتا گھر کا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال رکھا ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا: (ارے بیوقوف تجھے کیا خبر) کہیں اسی کی برکت سے تجھے روزی نہ ملتی ہو۔

یحترف۔ کمائی کرتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب دو اہم نکتے اور توکل کے مضمون سے اس کی مناسبت

تشریح: اس کسب معاش میں مصروف رہنے والے شخص نے ناواقفیت اور نادانی کی بنا پر اپنے بھائی کے متعلق یہ سمجھ رکھا تھا کہ یہ میرا بھائی دراصل نکھٹو اور کام چور ہے محنت مزدوری سے بچنے کی غرض سے آپ کے پاس آبیٹھتا ہے اسی لئے آپ سے شکایت کی تو ہادی امت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بدگمانی کو دور فرمایا اور اسی کے ذیل میں اس کو اور اس کے واسطے سے تمام امت کو دو نہایت اہم باتوں پر متنبہ فرمایا ایک یہ کہ یہ تیرا بھائی اور اسی قسم کے دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرنے والے لوگ نکمے اور کام چور نہیں ہیں بلکہ یہ تو اتنا بڑا کام انجام دے رہے ہیں کہ اگر تم سب کے سب اس کام کو چھوڑ دو اور کمائی کے پیچھے لگ جاؤ تو سب گنہگار ہو اور قیامت کے دن پکڑے جاؤ اور وہ کام ہے اول خود علم دین حاصل کرنا اور اس کے بعد خدا کے دین کو اس کی تمام مخلوق تک پہنچانا سکھانا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا چنانچہ آیت کریمہ ذیل کے تحت علم دین حاصل کرنا اور پھر اسکی تبلیغ کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے ارشاد ہے:

فلولا نفر من کل فرقة منهم طآئفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوآ الیهم لعلهم یحذرون:

اور کیوں نہ نکلا (علم دین حاصل کرنے کیلئے) مسلمانوں کے ہر فرقہ میں سے ان میں کا ایک گروہ تاکہ وہ دین کا علم حاصل کرتا اور واپس آکر ان کو (خدا کے دین سے) خبردار کرتا تاکہ وہ سب کے سب (خدا کی نافرمانیوں سے) بچتے اور پرہیز کرتے۔

یعنی ہر ملک ہر بستی ہر قوم' ہر قبیلہ اور ہر گھرانے کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ حسب ضرورت اپنے میں سے ایک یا چند آدمیوں کو علم دین حاصل کرنے اور اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کر دیں اور ان کے اخراجات کی خود کفالت کر کے انہیں فکر معاش سے آزاد کر دیں تاکہ وہ یکسوئی اور فارغ البالی کے ساتھ اپنا تمام وقت اور قوت کار اول خود علم دین حاصل کرنے میں صرف کریں اور پھر خود عالم دین بن کر اپنے ملک کو بستی کو قوم کو قبیلہ کو اور عام مسلمانوں کو دین سے آگاہ کرنے اور سکھانے میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہیں اور اگر مسلمانوں نے اس دین سیکھنے سکھانے کے سلسلہ کو دنیا کمانے کی حرص میں پڑ کر بالکل چھوڑ دیا اور سب کے سب دنیا کے دھندوں میں لگ گئے تو دین ان میں سے اٹھ جائے گا اور سب کے سب بے دین اور قہر خداوندی میں گرفتار ہو کر دنیا میں بھی گوناگوں مصیبتوں اور تباہیوں سے دوچار ہوں گے اور آخرت میں تو جہنم ان کا ٹھکانہ ہے ہی ایسی صورت میں یہ تیرا بھائی اور اس قسم کے تمام لوگ نکھٹو' ناکارہ اور کام چور نہیں ہیں بلکہ تم سب کی طرف سے ایک دینی فرض ادا کر رہے ہیں ان کی معاشی کفالت تم سب پر فرض ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہر انسان کو جو رازق مطلق روزی دیتا ہے وہ صرف اسی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے نہیں دیتا بلکہ ان تمام خدا کے بندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی دیتا ہے جو یا روزی کمانے سے عاجز ولاچار ہیں یا انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے حکم کے تحت اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے وقف کیا ہوا ہے اور ہمہ وقت ہمہ تن اسی میں لگے ہوئے ہیں خواہ توپ و تفنگ کے ذریعہ کافروں' مشرکوں اور خدا ناشناس دشمن دین و ایمان قوموں سے جنگ کرنے میں مصروف ہوں جن کو غازی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یا زبان و قلم کے ذریعہ سے ملحدوں' زندیقوں اور نام نہاد منافق مسلمانوں کے دین اسلام اور اسکی تعلیمات پر حملوں اعتراضات' شکوک و شبہات کا جواب دینے اور دین اور اس کے احکام و تعلیمات کی حقانیت ثابت کرنے میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہوں اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم:

فلیبلغ الشاھدالغآئب

ہر موجود شخص کو چاہئے کہ وہ غیر موجود کو (دین) پہنچائے۔

کے تحت دین کی تبلیغ میں ہمہ تن منہمک ہوں۔

یہ دین کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دینے والوں کا گروہ' خواہ مجاہدین ہوں خواہ علماء دین و مبلغین

ہوں جو اپنی معاش اور ضروریات زندگی کے بارے میں صرف رزاق حقیقی اللہ تعالیٰ کی روزی رسانی اور حاجت روائی پر اعتماد کرتا ہے در حقیقت ان متوکلین علی اللہ کا گروہ ہے جن کی برکت سے ان کی معاشی کفالت کرنے والوں کو فراخ روزی ملتی ہے خصوصاً ایسے حالات میں کہ عالم اسباب میں ان کی معاشی کفالت کا کوئی یقینی اور قابل اعتماد وسیلہ نہ ہو جیسا کہ عہد نبوت میں اصحاب صفہ دین اور علم دین کے لئے زندگی وقف کر دینے والے صحابہ کا گروہ تھا اور اس شکایت کرنے والے کا بھائی اسی گروہ میں شامل یعنی نبوی مدرسہ کا ایک طالب علم تھا ایسی صورت میں ہر دو وجوہ کی بنا پر اس کی معاشی کفالت اس شکایت کرنے والے بھائی پر فرض اور لازم تھی لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انداز بیان نہایت نرم اور ناصحانہ اختیار کیا اور فرمایا لعلك ترزق به۔ شاید اسی کی وجہ سے تجھے روزی ملتی ہو تاکہ اس جفاکش محنتی روزی کمانے والے کی دل شکنی نہ ہو ورنہ تو دوسری احادیث میں آپ نے صاف اور صریح لفظوں میں فرمایا ہے۔ ترزقون بضعفآء کم۔ تم کو رزق دیا جاتا ہے تم میں کے کمزور لوگوں کسب معاش سے مجبور و معذور لوگوں' کی وجہ سے اسی لحاظ سے یہ حدیث توکل کے ذیل میں آتی ہے اور اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ نے اس کو توکل کے باب میں درج کیا ہے۔ واللہ اعلم

باب في الاستقامة

استقامت کا بیان

استقامت کے لغوی اور شرعی معنی

استقامت کا لفظ قیام سے ماخوذ ہے از روئے لغت اس کے معنی ہیں کسی قول، فعل رائے، فیصلہ یا نظریئے پر انتہائی پختگی اور سختی کے ساتھ قائم رہنا کسی بھی صورت، حالت یا زمانہ میں اس سے نہ ہٹنا اسی کو ثابت قدمی اور پائیداری بھی کہہ دیتے ہیں۔

قرآن وحدیث اور شریعت کی اصطلاح میں استقامت کے معنی ہیں خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین پر جس کا نام اسلام ہے قولاً، فعلاً عقیدتاً انتہائی پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنا یعنی سچے دل سے اس کی تعلیمات عقائد وعبادات اور احکام کے برحق ہونے کا ایسا پختہ اور پکا عقیدہ رکھنا کہ ذرہ برابر شک وشبہ یا تذبذب وتردد اس میں راہ نہ پاسکے اور سب کے سامنے بھی اور تنہائی میں بھی زبان سے اس کے برحق ہونے کا اقرار واظہار کرنا اور مقدور بھر اس کی عملی تعلیمات، عبادات واحکام پر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے عمل کرنا اور مرتے دم تک اس پر قائم رہنا۔

یہ دین ہی قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صراط مستقیم سیدھا راستہ ہے اس لئے شریعت کی اصطلاح میں استقامت کے معنی "صراط مستقیم پر پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ مرتے دم تک قائم رہنے کے بھی آتے ہیں۔ اس دین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین ہر پہلو اور ہر حیثیت سے انتہائی اعتدال پر مبنی ہے اور افراط حد سے بڑھنے اور تفریط حد سے گھٹنے سے بالکل محفوظ ہے یعنی دوسرے مذاہب کی بنسبت اس دین کی تمام تعلیمات عبادات واحکام ومعاملات سب میں ہر۔ پہلو سے اعلیٰ درجہ کا اعتدال موجود ہے۔ مثلاً اسلام کی عبادات واحکام نہ اتنے مشکل، دشوار اور ناقابل عمل ہیں کہ انسان ان پر پابندی کے ساتھ عمل ہی نہ کرسکیں ہر ملک ہر زمانہ اور ہر حالت میں ان پر کاربند اور ثابت قدم نہ رہ سکیں۔

جیسے یہودی مذہب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی اولاد اسرائیل اس پر قائم نہ رہ سکی اور ان کی وفات کے بعد تو وہ علماء یہود کی قطع برید اور کتر بیونت کی وجہ سے ایسا محرف اور مسخ ہوگیا کہ اصل دین تورات اور اصل آسمانی کتاب تورات کا میسر آنا بھی ناممکن ہوگیا یہاں تک کہ ان سختیوں دشواریوں کو دور کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے۔

اور نہ اسلام کی تعلیمات' عبادات واحکام اتنی نرم بے اثر' محدود اور زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کے لئے ناکافی ہیں کہ نفس انسانی کی فکری' اخلاقی اور عملی اصلاح اور تطہیر و تزکیہ بھی نہ کر سکیں اور ہر ملک ہر قوم اور ہر زمانہ میں انسان کی رہنمائی سے قاصر ہوں۔

جیسے عیسائی مذہب ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر زمانہ اور ہر حالت میں انسانوں کی رہنمائی سے قاصر ہے اسی لئے وہ صرف گرجاؤں کی چہار دیواری اور ہفتہ وار انجیل خوانی اور اعتراف گناہ کی چند رسوم کے اندر محدود و محصور ہو کر رہ گیا۔

اس کے برعکس اسلام ایک نہایت معتدل اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور ہر زمانہ اور ہر ملک و قوم کے لئے نہ صرف قابل عمل بلکہ تمام تر مادی اور روحانی کامیابیوں کامرانیوں اور ترقیات کی ضمانت (گارنٹی دینے والا عالمگیر زندہ مذہب ہے اس کی آسمانی کتاب (قرآن) ہو بہو امت کے سینوں میں موجود محفوظ ہے اس کے رسول خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی بھی حدیثوں کے سفینوں (کتابوں) میں موجود و محفوظ ہے نہ صرف یہ بلکہ امت مسلمہ کے متواتر و مسلسل عمل بالکتاب والسنت کی صورت میں دشمنان دین کی دستبرد سے بالاتر ہے دین بھی زندہ ہے کتاب بھی زندہ ہے رسول بھی زندہ ہے رسول کا معجزہ (قرآن) بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہیں گے اسلام کی یہ لازوال زندگی اس کے اعتدال کا نتیجہ ہے اسی لئے اس کا دوسرا نام دین فطرت ہے اس لئے کہ یہ دین انسانی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے خالق کائنات ہر انسان کو اسی دین فطرت پر پیدا کرتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

آپ گذشتہ باب میں آیت کریمہ **فطرت الله التی فطرالناس علیها لاتبدیل لخلق الله** اور اس کا ترجمہ پڑھ چکے ہیں انجان یا جان بوجھ کر انجان بننے والے لوگ اس آیت کریمہ پر شبہ یا اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر یہی دین اسلام انسانی فطرت ہے تو انسان اس سے منحرف اور کافر و منکر کیوں ہو جاتے ہیں ؟ قرآن کے اصلی اور حقیقی "مفسر" جن پر قرآن نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کے معنی اور حقائق بتلائے ہیں یعنی خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ذیل کی حدیث میں اس اعتراض کا جواب دیتے اور شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔

کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه وینصرانه اویمجسانه۔

ہر بچہ (دین) فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ (یعنی ماحول اور معاشرہ) اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ **لاتبدیل لخلق الله** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر انسان کو اسی دین فطرت پر پیدا کرتا ہے اس کو بگاڑنے اور منحرف بنانے والے اس کے ماں باپ یعنی ماحول اور معاشرہ ہے اگر یہ دراندازی نہ

کریں اور وہ اپنی فطرت سلیمہ پر نشو ونما پائے اور سن شعور کو پہنچے تو کبھی اپنے پیدا اور پرورش کرنے والے رب کا منکر اور اس کے دین سے منحرف اور باغی نہ ہو اس کی ایک بدیہی مثال یہ ہے کہ خالق کائنات نے مرد اور عورت میں ایک دور سے نظر آنے والا فرق اور نمایاں امتیاز یہ رکھا ہے کہ مرد کے چہرہ پر بال (داڑھی) رکھی ہے اور عورت کا چہرہ صاف اور سادہ رکھا ہے تاکہ دور سے نظر آجائے کہ یہ مرد ہے اور یہ عورت مگر دشمنان فطرت الٰہی مغربی معاشرہ اور ماحول سے متاثر ہو کر خدا دشمن قوموں کی نقالی میں داڑھی منڈا دیتے ہیں اور ہر مصنوعی تدبیر کے ذریعہ اپنے رخسار عورتوں کی طرح صاف سادہ' نرم اور ملائم بنا لیتے ہیں اسی طرح ہر معاملہ میں اسلام کی مخالفت دراصل فطرت کی مخالفت ہے جو شیطان صفت انسان محض اپنی نفسانی خواہشات اور اغراض کی بنا پر فطرت سے بغاوت کرتے ہیں خواہ وہ کافر و مشرک غیر مسلم ہوں خواہ فاسق و فاجر مسلمان یہ اسلام اور اس کی تعلیمات کے اعتدال کے صرف ایک پہلو کا بیان ہے اسی پر اسلام کی ہر عبادت اور حکم کو قیاس کیجئے۔ کتاب کے حد سے بڑھ جانے کا خطرہ ہے ورنہ جی چاہتا ہے کہ اسلام کی جملہ عبادات واحکام کا اسی طرح جائزہ لیا جائے اور موازنہ کیا جائے تاکہ اسلام کی حقانیت کا یقین علم الیقین سے بڑھ کر عین الیقین کے درجہ میں آجائے حق الیقین تو میدان حشر میں ہی ہوگا۔

اسی لئے صراط مستقیم کے معنی درمیانی راہ کے بھی آتے ہیں اور استقامت کے معنی اعتدال پر پختگی اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے بھی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے شریعت کی اصطلاح میں استقامت کے معنی تین ہونگے۔

خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اللہ تعالٰی کے دین اسلام پر قولاً فعلاً اور عقیدتاً مرتے دم تک سختی کے ساتھ قائم رہنا۔

صراط مستقیم 'سیدھے راستہ' پر پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنا۔

پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ ہمیشہ اعتدال پر قائم رہنا کسی بھی دینی معاملہ میں نہ حد سے بڑھنا نہ حد سے گھٹنا ظاہر ہے کہ استقامت کے اصل شرعی معنی تو پہلے نمبر (۱) ہی ہیں باقی دونوں نمبر (۲) اور (۳) اسی سے ماخوذ ہیں تینوں معنی قارئین کے سامنے صرف اس لئے بیان کر دیئے کہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث کا مطلب اور ان سے استقامت کی حقیقت سمجھنے میں آسانی ہو۔

استقامت کے فوائد ومنافع اور اس کی اہمیت

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ استقامت پر' سادہ لفظوں میں کہئے ثابت قدمی پر تو خواہ دنیوی امور میں ہو خواہ دینی اور اخروی امور میں' نہ صرف تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کا مدار ہے بلکہ تمام انسانی خوبیاں اور کمالات اسی وقت خوبی اور کمال بنتے ہیں جبکہ انسان ان پر پختگی واستقامت اور ثابت قدمی و مستقل مزاجی سے مرتے دم تک یکساں قائم رہے اس لحاظ سے استقامت اور ثابت قدمی و مستقل مزاجی انسانی کردار کا جوہر اصلی ہے

جو شخص اس جوہر سے محروم ہے وہ تن و توش کے اعتبار سے تو انسان ہے مگر اصل انسانیت سے محروم ہے اس اجمال کی تفصیل اور اس دعوے کا ثبوت حسب ذیل ہے۔

دنیوی امور میں استقامت کی اہمیت

اول انسان کے معاشی امور اور کاروباری زندگی ہی کو لیجئے شب و روز کے تجربات و مشاہدات شاہد ہیں کہ جو شخص کسب معاش اور روزی کمانے کے لئے آج ایک ذریعہ معاش اختیار کرتا ہے اور کل اسے چھوڑ کر دوسرا ذریعہ معاش اختیار کرتا ہے اور پرسوں تیسرا' اسی طرح آئے دن نئے نئے ذرائع معاش اختیار کرتا اور چھوڑتا رہتا ہے کسی ایک بھی ذریعہ معاش سے ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ کچھ عرصے بھی روزی کمانے پر قائم نہیں رہتا ایسا شخص کسی بھی ذریعہ معاش سے فراخ روزی کمانے میں خاطر خواہ مالی منفعت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو کبھی معاشی سکون و اطمینان نصیب ہو سکتا ہے ساری عمر مفت کے پاپڑ بیلنے میں گذر جاتی ہے اور ناشاد و نامراد دنیا سے جاتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کسی بھی ذریعہ معاش سے خاطر خواہ روزی حاصل کرنے کے لئے اس کام میں زیادہ سے زیادہ مہارت اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تجربہ اور مہارت کافی عرصہ تک مستقل مزاجی کے ساتھ جم کر اس کام کو لگاتار کرتے رہنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد ہی اس ذریعہ معاش کہئے ہنر یا پیشہ سے خاطر خواہ مالی منفعت اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے اس پر جم کر اور لگاتار کام کرتے رہنے کا نام ہی استقامت ہے مثال کے طور پر ایک شخص روزی کمانے کے لئے کچھ دن نجدی کو اپنا ذریعہ معاش بناتا ہے۔ پوری طرح بڑھئی کے کام میں تجربہ اور مہارت نہ ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ مالی منفعت اور معاشی سکون حاصل نہیں کر پاتا کہ گھبرا کر اسے چھوڑ دیتا ہے اور آہنگری کا کام کرنا شروع کر دیتا ہے کچھ ہی دن لوہاری کا کام کرتا ہے خاطر خواہ آمدنی نہ ہونے کے باعث اس کام سے بھی دل برداشتہ ہو کر اسے بھی چھوڑ بیٹھتا ہے اور خیاطی کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیتا ہے اور درزی کا کام کرنے لگتا ہے ابھی پورے طور پر درزی کے کام میں مہارت نہیں ہو پاتی کہ ضروریات زندگی حسب منشا پورے نہ ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ کر ظروف سازی کو ذریعہ معاش بنا لیتا ہے اور کمہاری کے کام میں لگ جاتا ہے غرض ساری کسب معاش کی توانائی اور عمر اسی آئے دن نئے نئے ذریعہ معاش اختیار کرنے اور چھوڑنے میں برباد کر دیتا ہے اور ساری عمر معاشی اعتبار سے خوشحال' پر سکون اور باعزت زندگی سے محروم رہتا ہے اس کے برعکس اگر یہ شخص ابتداء میں ہی ان تمام پیشوں کو سامنے رکھ کر اور اپنے ذوق رجحان اور صلاحیت و اہلیت کا جائزہ لے کر ان میں سے جس کام کو اپنے لئے زیادہ مناسب اور موزوں پاتا اس کو انتخاب کر لیتا اور پوری تندہی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ اس میں تجربہ' مہارت اور ترقی کی دھن میں لگا رہتا تو تھوڑے دنوں کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد خاطر خواہ مالی منفعت' خوشحالی اور باعزت معاشی زندگی حاصل کر لینے کے علاوہ اس کام اور ہنر کا ماہر اور آزمودہ کار بن کر قدر و منزلت بھی حاصل کرتا اور دولت و ثروت بھی۔

اسی پر تمام معاشی اور کاروباری امور کو قیاس کر لیجئے کسی بھی چیز کی اور کسی بھی قسم کی تجارت ہو یا زراعت یا ملازمت سب میں کامیابی کا راز جم کر اور لگاتار اسی ایک کام کو ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ کرتے رہنے میں مضمر ہے اسی کا نام استقامت ہے۔

بالکل یہی کیفیت علوم و فنون کی ہے کوئی بھی علم و فن ہو جب تک اس کے حاصل کرنے میں پوری تندہی' مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ طالب علم و فن لگا نہیں رہے گا اور عمر کا قدر ضروری حصہ اور محنت اس میں صرف نہیں کرے گا اس وقت تک نہ اس علم و فن کا مالک و ماہر بن سکتا ہے نہ ہی اس سے مالی منافع اور دنیوی فوائد حاصل کر سکتا ہے اس مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ تحصیل علم و فن میں لگے رہنے کا نام ہی استقامت ہے۔

یہی صورت حال اخلاقی فضائل و کمالات میں ہے انسان کسی بھی اخلاقی فضیلت اور کمال کا مالک اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ ساری زندگی ہر حالت' ہر موقعہ اور ہر زمانہ میں اس پر مستقل مزاجی اور پائیداری کے ساتھ ہمیشہ قائم نہ رہے مثال کے طور پر آپ سخاوت ہی کو لے لیجئے اگر کوئی شخص کسی خاص زمانہ میں خاص موقعہ پر اور مخصوص حالات میں تو اعلیٰ درجہ کی داد و دہش کا مظاہرہ کرتا ہے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ضرورت مندوں اور غریبوں محتاجوں کی خوب مالی امداد کرتا ہے لیکن جونہی وہ مخصوص صورت حال بدل جاتی ہے تو اس کی وہ تمام داد و دہش یکسر ختم ہو جاتی ہے تھیلی کا منہ بند ہو جاتا ہے بینک بیلنس لاک (مقفل) ہو جاتا ہے ایسا شخص ہر گز سخی نہیں کہلا سکتا نہ ہی وہ کسی احترام و ستائش کا مستحق سمجھا جاتا ہے بلکہ ایسا شخص مکار اور غرض پرست کہلاتا ہے جیسا کہ آپ اپنے ملک میں "الیکشن" کے زمانے میں مشاہدہ کیا کرتے ہیں اس کے برعکس جس شخص کی حسب استطاعت اور بے لوث و بے غرض داد و دہش کا سلسلہ ہر زمانہ میں ہر موقع پر' ہر حالت میں یکساں طور پر جاری اور مرتے دم تک قائم رہتا ہے وہ در حقیقت سخی ہے اس کی داد و دہش اس کی فطری سخاوت کا تقاضا ہوتی ہے اور دنیا اس کی زندگی میں بھی اس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اس کو اور اس کی سخاوت کو یاد کرتی ہے اور ہمیشہ کلمہ خیر اس کے حق میں کہتی ہے اسی پر شجاعت' مروت' عفت وغیرہ تمام اخلاقی فضائل کو قیاس کیجئے یہ کامیابی و کامرانی اور عزت و احترام صرف اس کی بے لوث و بے غرض اور مسلسل داد و دہش کا نتیجہ ہے اسی ثابت قدمی کا دوسرا نام استقامت ہے۔

ان مشاہد اور آزمودہ حقائق پر غور و فکر کرنے کے بعد یقیناً آپ ہمارے اس دعوے پر متفق ہوں گے کہ تمام دنیوی امور و معاملات میں کامیابی و کامرانی کا انحصار اور تمام تر خوبیوں اور کمالات کا مدار' ثابت قدمی' مستقل مزاجی' پائیداری اور استقامت پر ہے اور انسانی کردار کا جوہر اصلی استقامت ہے۔

دینی اور اخروی امور و معاملات میں استقامت کی منفعت و اہمیت اور اس سے محرومی کی دور رس مضرت

دنیا' دنیا کی زندگی' اس کے تمام امور و معاملات سب چند روزہ اور فانی ہیں جب ان میں کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح' استقامت' پختگی اور ثابت قدمی کے بغیر میسر نہیں آسکتی تو دین اور دینی امور و معاملات یعنی عقائد

حقہ عبادات صالحہ، احکام شرعیہ اور خدا پرستی سے متعلق جملہ امور تو دونوں جہان میں باقی رہنے والے اور نفع پہنچانے والے امور ہیں ان میں کامیابی و کامرانی میسر آنا عنداللہ انکا قابل قبول ہونا اور پھر وعدہ خداوندی کے بموجب ان پر دنیوی واخروی ثمرات و برکات اور اجر و ثواب کا مرتب ہونا تو بدرجہ اولیٰ استقامت پر موقوف و منحصر ہونا چاہئے چونکہ وہ استقامت جس کو امام نووی علیہ الرحمتہ اس باب کے ذیل میں بیان کرنا اور آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں یہی "دینی امور میں استقامت" ہے اس لئے دینی امور اور اخروی معاملات کی مزید تشریح اور کسی قدر تفصیل بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے تاکہ صحیح معنی میں پوری بصیرت کے ساتھ دینی امور و معاملات میں استقامت کی عظیم منفعت واہمیت قارئین کے ذہن نشین ہو جائے اور آیات واحادیث کا مطلب کماحقہ سمجھ سکیں۔

دینی امور

دین تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے (۱) ایک عقائد (۲) دوسرے عبادات (۳) احکام و معاملات۔ ان تینوں امور میں استقامت کی منفعت واہمیت اور اس سے محرومی کی دوررس اور تباہ کن مضرتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا زیادہ مناسب ہے۔

عقائد میں استقامت کے معنی اور اس کی اہمیت

عقائد میں استقامت اور پختگی و ثابت قدمی کے معنی یہ ہیں کہ اسلام اور اسلامی عقائد یعنی قرآن عظیم اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ میں بیان شدہ تمام عقیدوں کے برحق ہونے پر ہوش سنبھالنے اور بالغ ہونے کی عمر سے لے کر مرتے دم تک ایسے پکے پختہ اور بدیہی یقین وایمان پر قائم اور جمے رہنا جیسے مطلع صاف ہونے کے وقت دوپہر کو آفتاب کا یقین ہوتا ہے اگرچہ دشمنان اسلام مخالفین و معاندین لاکھ شکوک وشبہات اس یقین وایمان کے خلاف پیدا کریں اور ہزار ہا دلیلیں اس کے خلاف پیش کریں اور ہم مخالفوں کی دلیلوں اور شکوک وشبہات کا جواب نہ بھی دے سکیں تب بھی ذرہ برابر تزلزل اور تردد و تذبذب ہمارے اس یقین وایمان میں راہ نہ پاسکے تو قطعی طور پر کہہ دیں کہ ہم تو بغیر کسی دلیل کے اسلام اور اس کے مسلمہ عقائد کو برحق مانتے ہیں عقائد پر اسی پختگی اور ثابت قدمی کا نام استقامت ہے۔

اس لئے کہ یہ بالکل مسلم ہے کہ جو یقین وایمان "نظری" اور استدلالی ہوتا ہے یعنی عقلی دلیلوں کی بنیادوں پر اس کی عمارت قائم ہوتی ہے نہ وہ محکم اور پختہ ہوتا ہے نہ شکوک وشبہات سے مامون و محفوظ ہوتا ہے کیونکہ آج تک بڑے سے بڑے منطقی، فلسفی اور حکیم ودانشور کی قائم کردہ کوئی عقلی دلیل اور کوئی فکری نظریہ ٹوٹنے سے نہیں بچ سکا پھر عقلی دلیلوں پر مبنی یقین وایمان کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے دراصل یہ خالص عملی بحث ہے ہم اسے یہیں ختم

کرتے ہیں اور بطور جملہ معترضہ تجربات و مشاہدات کی روشنی میں صرف اتنی بات کہہ دینی ضروری سمجھتے ہیں کہ مذہب اور اس کے مسلمہ عقائد کے برحق ہونے کا یقین وایمان صرف قلب سے تعلق رکھتا ہے عقل وخرد اور نظر وفکر سے اس کا تعلق نہیں جب تک مذہب اور اس کے برحق ہونے کا یقین وایمان دل کی گہرائیوں میں نہ اتر جائے اس وقت تک وہ پختہ محکم اور قابل اعتماد ہرگز نہیں ہوسکتا نہ ہی اس یقین وایمان پر اس تمام آلودگیوں، یعنی گناہوں بدکاریوں، حرام کاریوں اور تمام اخلاقی جرائم سے پاک وپاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہوسکتی ہے جو درحقیقت اسلام کی حقانیت کا آنکھوں سے نظر آنے والا ثبوت ہے یاد رکھئے کسی بھی مذہب کی حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس مذہب اور اس کی تعلیمات نے اپنے دل وجان سے ماننے والوں اور مکمل پیروی کرنے والوں کی زندگی پر کیا اثر کیا اور ان کی زندگیوں کو کس سانچہ میں ڈھالا؟ اسی لئے ہمارا کہنا یہ ہے کہ مذہب اور اس کی تعلیمات کی حقانیت پر یقین وایمان آفتاب نے نصف النہار کی طرح بدیہی ہونا چاہئے تب ہی اس مذہب کے مسلمہ عقائد پر استقامت نصیب ہوسکتی ہے۔

موافق پہلو:

قرآن وحدیث کی تصریحات کی روشنی میں گذشتہ ابواب، خصوصاً تقویٰ، محاسبہ اور توکل کے ابواب، کے تحت جو کچھ لکھا جاچکا ہے اور آپ پڑھ چکے ہیں بنظر غائر اس پر غور وفکر کرنے سے بآسانی یہ واضح نتیجہ اور روشن حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جس قدر انسان کے عقائد میں صحت، قوت، پختگی اور استحکام زیادہ ہوتا ہے اور وہ زندگی کے ہر دور اور عمر کے ہر حصہ میں ثابت قدمی مستقل مزاجی اور پائیداری کے ساتھ یکساں ان پر قائم رہتا ہے۔ اس کی زندگی اسی قدر گناہوں، معصیتوں اخلاقی برائیوں اور بدکرداریوں سے پاک وصاف اور پاکیزہ اعمال واخلاق سے آراستہ ہوتی ہے دنیوی زندگی میں اس مسلمان کا وجود اپنے ماحول کے لئے بہترین مثالی نمونہ ہوتا ہے بلکہ پورا معاشرہ ایسے لوگوں کی بدولت تمام اخلاقی اور معاشرتی برائیوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے اور ایسے لوگ "انسانیت" کے لئے باعث صد رحمت وسعادت ہوتے ہیں اور ان کے دنیا سے اٹھنے کے وقت زمین وآسمان بھی ان کی موت پر روتے ہیں اور آخرت میں وہ رضا وقرب الٰہی جو آخرت (جنت) کی سب سے بڑی نعمت ہے ان کو نصیب ہوتی ہے اور دونوں جہان دنیا وآخرت کی یہ شاندار کامیابی وکامرانی صرف عقائد میں استقامت کا نتیجہ وثمرہ ہوتی ہے۔

مخالف پہلو

اور جس قدر عقائد کے برحق ہونے پر یقین وایمان میں ضعف، لایقینی، بے اطمینانی، بے اعتمادی اور ناپائیداری کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے اور انسان ساری عمر اسی طرح ڈھلمل یقین رہتا ہے زبان سے سب کچھ

کہتا ہے مگر دل ان مسلمہ عقائد پر یقین وایمان سے بالکل کورا ہوتا ہے یعنی عقائد میں استقامت سے محروم ہوتا ہے اسی قدر اس کی عملی زندگی اخلاقی برائیوں سے سخت سے سخت گناہوں اور معصیتوں سے آلودہ' فسق وفجور کی دلدل میں پھنسی ہوئی شرمناک اور گھناؤنے جرائم سے داغدار ہوتی ہے ایسے لوگ دنیا میں متعدی بیماری کے مریض کی طرح پورے ماحول اور معاشرہ کے لئے باعث تباہی انسانیت کے لئے موجب ننگ وعار ہوتے ہیں شریف اور دیندار لوگ ان کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں حکومتیں ان کے نام سیاہ فہرست (بلیک لسٹ) میں لکھتی ہیں زمین وآسمان بھی ایسے لوگوں کے وجود سے پناہ مانگتے ہیں اور مرنے کے بعد تو جہنم ان کا ٹھکانہ ہوتی ہی ہے اس دنیا اور آخرت دونوں جہان میں تباہی کا اصلی اور حقیقی سبب دینی عقائد میں استقامت سے محرومی ہے۔

اگرچہ اس مسلم اور واضح حقیقت کو سمجھنے کے لئے کسی مثال کی ضرورت نہیں تاہم اپنے گردوپیش اور ماحول کا جائزہ لیجئے دیکھئے جس قدر کسی شخص کے دل میں جزاء وسزا اعمال کا کامل یقین اور پختہ ایمان ہوگا اور مرنے کے بعد یعنی قیامت کے دن اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کے سامنے پیش ہونے پر اور اس عادل ومنصف اللہ تعالیٰ کے محاسبہ پر اور ابدی اجروثواب یعنی جنت پر اور ابدی عقاب وعذاب یعنی دوزخ پر یقین وایمان قوی' پختہ اور تزلزل وتذبذب شک وشبہ سے پاک ہوگا اسی قدر وہ شخص بداعمالیوں' فحش کاریوں اور اخلاقی ومعاشرتی جرائم خصوصاً خیانت' بددیانتی دروغ گوئی' دھوکہ دہی' جعلسازی وغیرہ سے دور اور بہت دور رہے گا یہاں تک کہ ان تمام گناہوں اور بداعمالیوں کے بے خوف وخطر مواقع میسر آنے اور دعوت گناہ دیئے جانے کے باوجود محض خدا کے خوف اور آخرت کے ڈر کی وجہ سے اس طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا چنانچہ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں تمام تجارتی کاروبار پر بینکاری اور بیمہ وغیرہ کے سودی نظاموں کے تسلط کے باوجود ایسے دیندار تاجر موجود ہیں جو کاروبار چلنے نہ چلنے کی پرواہ کئے بغیر محض خدا کے خوف اور آخرت کے ڈر کی وجہ سے سودی کاروبار سے دور رہتے ہیں اور اس کے باوجود وہ کامیاب تاجر ہیں یہ صرف دینی عقائد میں پختگی اور استقامت کا نتیجہ ہے۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے دل اس خوف خدا اور آخرت کے ڈر کے یقین وایمان سے عاری اور کورے ہیں وہ بڑے سے بڑے اخلاقی اور معاشرتی جرائم اور حیاسوز ننگ انسانیت بدکاریوں میں نہایت بے باکی کے ساتھ بے خوف وخطر مصروف ومنہمک ہیں بلکہ ملک میں ان بدترین جرائم اور حیاسوز بدکاریوں نے ایک مستقل پیشہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور ملک کی آبادی میں ان جرائم پیشہ لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہوگیا ہے جن کا ذریعہ معاش ہی یہ جرائم اور بدکاریاں بن گئی ہیں۔ یہ لوگ قانون کی زد حکومت کی گرفت کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے سو اس سے بچانے کے لئے ان کے "پتی دار" وکیل اور "بڑے لوگ" موجود ہیں نتیجہ یہ ہے کہ حکومت اور اسکی پوری مشینری ان تباہ کن جرائم اور بدکاریوں کے انسداد سے عاجز ہے اور چونکہ یہ جرائم اور حرام کاریاں قومی زندگی میں متعدی مرض کی حیثیت اختیار

کر چکے ہیں اس لئے ایسے جرائم پیشہ اور بدکار حرام خور لوگوں کی تعداد میں حکومت کی کوششوں کے علی الرغم، برعکس روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے اور حکومت اور اس کی زبردست مشینری اس کے مداویٰ سے عاجز ہے۔

معاشرہ اور قوم کی اس تباہی و بربادی کا اصلی اور حقیقی سبب جس کی طرف بدقسمتی سے کوئی بھی طبقہ متوجہ نہیں ہوتا۔ صرف دلوں سے خدا کے خوف اور آخرت کے ڈر کا کلی طور پر نکل جانا ہے جو آخرت پر یقین اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ضعف بلکہ فقدان کا نتیجہ ہے اور یہ صورت حال صرف دینی عقائد پر استقامت سے محرومی کی بنا پر وجود میں آئی ہے اگر آج پاکستان کے مسلمانوں حکمرانوں اور رعایا دونوں کو اسلامی عقائد کے یقین وایمان پر کماحقہ پختگی استحکام اور استقامت نصیب ہو جائے تو آج ہی نہ صرف ان اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی بدکاریوں اور جرائم سے بلکہ تمام تر قومی واجتماعی تباہیوں سے ملک اور قوم کو نجات مل جائے اور ملک کا تحفظ واستحکام اور سالمیت وبقا بھی قوی سے قوی تر ہو جائے لیکن ملک وقوم کے مختلف طبقات کے سربراہوں کے رجحانات، عزائم اور مساعی کو دیکھتے ہوئے اس قسم کے دینی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی بجز اس کے کہ کوئی لطیفہ غیبی ظہور میں آئے یعنی

؎ مردے از غیب بروں آید وکارے بکند

کے مصداق اس پندرہویں صدی کا کوئی مجدد پیدا ہو اور حقیقی معنی میں دین کی تجدید واصلاح کرے۔

ہماری گذارشات پر غور کرنے کے بعد یقین ہے کہ آپ پوری بصیرت کے ساتھ سمجھ گئے ہوں گے کہ دین کے عقائد پر استقامت، دینی اور دنیوی فوز وفلاح کے لئے کس قدر اہم ضروری امر ہے اور اس سے محرومی کے نقصانات کتنے دوررس اور تباہ کن ہیں۔

عبادات اور ان میں استقامت کے معنی اور ان کی اہمیت

عبادتیں دو قسم کی ہیں (۱) ایک فرض (۲) دوسرے نفل، ہر ایک قسم کی عبادت میں استقامت کا مفہوم اور مصداق دوسری قسم کی عبادت سے مختلف ہے اس لئے ہم دونوں قسموں میں استقامت کا مفہوم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

فرض عبادات میں استقامت کی اہمیت اور اس سے محرومی کی شدید ترین مضرت

فرض عبادات یعنی فرض نماز، فرض زکوٰۃ، فرض روزے فرض حج کے ادا کرنے میں ثابت قدمی اور استقامت کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان ہوش سنبھالنے اور بالغ ہونے سے لے کر مرتے دم تک فرض عبادتوں کے ادا کرنے کو تمام دنیوی ودینی کاموں سے مقدم رکھے اور جن عبادتوں کا جو وقت مقرر ہے پوری پابندی کے ساتھ ان کے مقررہ وقت کے ہوتے ہی مسنون طریق پر ہمیشہ ادا کیا کرے نماز کا مسنون وقت ہوتے ہی بلا تاخیر باجماعت نماز ادا کرے بقدر نصاب مال پر پورا سال گزرتے ہی بلا تاخیر مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے رمضان کا مہینہ آتے ہی پوری تندہی کے ساتھ پورے رمضان کے روزے رکھے اور ضروریات سے فارغ، اتنا مال جمع ہوتے ہی جس سے حج اور سفر کے مصارف اٹھائے

جا سکیں بلا تاخیر حج ادا کرے بجز شرعی اعذار کے اور کسی بھی صورت میں کسی بھی حالت میں کسی بھی وجہ سے ان کے ادا کرنے میں تساہل یا تاخیر ہر گز نہ کرے جان بوجھ کر کسی بھی فرض عبادت کو ہر گز ہر گز نہ چھوڑے اور اگر کبھی بھول چوک یا غفلت کی نیند سو جانے کی وجہ سے یا کسی شرعی عذر کی بنا پر کوئی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کو یاد آتے ہی ادا کر لے اور دوسرے وقت پر ہر گز نہ ڈالے اس لئے کہ جیسے ادا کرنے میں تاخیر یا تساہل استقامت کے منافی ہے ایسے ہی رہی ہوئی نماز یا روزے یا زکوٰۃ کی قضا میں بھی تساہل یا تاخیر استقامت کے منافی اور سخت مضر ہے فرائض کے قضا کرنے میں ڈھیل' تساہل اور تاخیر کا بڑا دور رس دینی نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب اسی آج کل میں بڑھتے بڑھتے قضا نمازوں قضا روزوں اور نہ دی ہوئی زکوٰتوں کی تعداد اور مقدار بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو ان کا پورا کرنا کام چور اور راحت طلب نفس پر بے حد شاق اور دشوار ہو جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے وقتی فرائض کے ساتھ ساتھ ان کا قضا کرنا تو بالکل ہی ناممکن ہو جاتا ہے اور پھر مکار نفس کے اس فریب میں آکر کہ جہاں اللہ تعالیٰ اتنے فرضوں کو معاف کرے گا ان کو بھی معاف کر دے گا وہ بڑا غفور ورحیم ہے وقتی فرائض ادا کرنے کی پابندی میں بھی اول اول سستی آتی ہے پھر گنڈے دار ادا ہونے لگتے ہیں رفتہ رفتہ ان فرض عبادتوں کے ادا کرنے سے بالکل ہی محروم اور ترک فرائض وواجبات کا جو کبیرہ گناہوں میں اول درجہ کا گناہ ہے مرتکب بن جاتا ہے نہ صرف یہ بلکہ دوسرے کبیرہ گناہ اور معصیتیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں اس لئے انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ بے کار اور بے شغل خالی نہیں بیٹھ سکتا جوں جوں نفس کے اس فریب میں آکر فرائض وواجبات سے دستبردار ہوتا جائے گا محرمات 'منکرات ان کی جگہ لیتے جائیں گے اور فرض عبادات پر پابندی کے انور وبرکات سے محروم ہو کر معاصی اور کبیرہ گناہوں کی ظلمتوں اور نحوستوں میں گرتا چلا جائے گا اول اول کبھی کبھی اس ترقی معکوس یعنی روحانی رفعت کی بلندیوں سے گر کر مادی قعر ظلمت وذلت میں جا پڑنے کا احساس ہوتا ہے مگر خود کو بے بس اور مجبور پاتا ہے رفتہ رفتہ یہ احساس بھی مٹ جاتا ہے اور سرتاپا فسق وفجور میں گرفتار اور کفار ومشرکین کی طرح مردود ومقہور سیہ کار انسان بن جاتا ہے اعاذنا اللہ منہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

اس لحاظ سے فرض عبادتوں کی پابندی پر استقامت انسان کے لئے فسق وفجور سے بچنے کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ اور مضبوط حصار وقلعہ ہے جب تک اس استقامت اور پابندی فرائض کے حصار میں پناہ گزین رہتا ہے گناہوں اور معصیتوں کی یورشوں اور حملوں سے محفوظ رہتا ہے جہاں اس حصار سے باہر نکلا اور فواحش ومنکرات اور فسق وفجور کی دلدل میں پھنسا پھر اس دلدل سے نکلنے کی اگر کوشش بھی کرتے ہیں تو اور پھنستا چلا جاتا ہے اور نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی بجز اس کے کہ رحمت خداوندی اور توفیق الٰہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس دلدل سے نکال کر پھر فرض عبادتوں کی پابندی کے حصار میں پہنچا دے مگر یہ صورت نجات صرف اسی وقت میسر آتا ہے جبکہ دینی عقائد پر استقامت نصیب ہو اور خدا کی کریمی اور کارسازی پر پکا یقین وایمان دستگیری کرے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں مانگے اور گڑگڑا کر اس کی رحمت کی پناہ لے اس لحاظ سے دینی عقائد پر استقامت بڑے بڑے گنہگاروں' سیاہ کاروں اور جرائم پیشہ لوگوں کے کام بھی آجاتی ہے۔

یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں محض فرضی باتیں اور خیالی افسانے نہیں ہیں بلکہ دنیا میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں بڑے بڑے صوم وصلوٰۃ کے پابند دینداروں کو محض ترک فرائض کی نحوست اور شومی کی بدولت فسق وفجور اور بدکاریوں حرام کاریوں کی دلدل میں گرتے اور پھنستے بھی دیکھا ہے اور بہت سے گناہوں معصیتوں اور سیاہ کاریوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے فساق وفجار کو محض پختہ اور محکم دینی عقیدوں اور خدا کی رحمت اور کارسازی پر ناقابل تزلزل ایمان ویقین کی بدولت فواحش ومنکرات اور معاصی وآثام کے قعر مذلت سے ابھرتے' نکلتے اور نہایت خلوص کے ساتھ صوم وصلوٰۃ حج وزکوٰۃ کی پابندی پر ثابت قدم بنتے بھی دیکھا ہے۔

اس مختصر مگر واقعات ومشاہدات پر مبنی بیان کو پڑھ کر آپ یقیناً محسوس کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ عبادتوں کی پابندی پر استقامت اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم الشان عطیہ ہے اور اس سے محرومی ایک مسلمان کے لئے کتنا بڑا خسران مبین ہے اس لئے چاروں فرض عبادتوں' نماز روزہ' زکوٰۃ اور حج کے ادا کرنے پر استقامت کی ضرورت ایک مسلمان کے لئے غذا' لباس' مسکن وغیرہ طبعی حوائج سے بھی زیادہ لابدی اور مقدم ہے اس لئے کہ ان ضروریات زندگی سے محروم ہونے سے صرف مادی اور دنیوی زندگی ہی جو یقیناً فانی ہے خطرہ میں پڑتی ہے مگر ان چاروں فرض عبادتوں سے جو ایک مومن مسلمان کے لئے عظیم روحانی غذا ہیں محروم ہونے سے انسان کی روحانی اور ابدی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے سب مسلمانوں کو خصوصاً قارئین کتاب کو اس پابندی یعنی "فرض عبادات پر استقامت" کی توفیق عطا فرمائے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں۔

نفل عبادتوں پر استقامت کے معنی اور اس کی شرط

نفل عبادتوں پر استقامت کے معنی بیان کرنے سے پہلے چاروں قسم کی عبادتوں میں نفل اور فرض عبادتوں کی تشخیص اور ان میں فرق بیان کرنا ضروری ہے چنانچہ

(۱) پنج وقتہ فرضوں کے علاوہ جن کی کل سترہ رکعتیں ہیں چار ظہر کی چار عصر کی چار عشاء کی تین مغرب کی دو فجر کی۔ باقی سب نمازیں خواہ وہ پنج وقتہ فرضوں سے پہلے یا بعد کی سنتیں اور نفلیں ہوں خواہ تہجد کی آٹھ یا بارہ رکعتیں یا چاشت کی آٹھ یا چار رکعتیں یا زوال کے فوراً بعد کی چار سنن زوال' یا مغرب کے بعد کی چار یا چھ اس سے زیادہ رکعتیں اوابین کی ہوں یہ سب نمازیں یا سنت موکدہ ہیں یا سنن زوائد یا محض نوافل ہیں۔ بہر صورت فرض ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے عشاء کی نماز کے بعد میں ۳ رکعت وتر بیشک واجب ہیں مگر وہ عشاء کے فرضوں کے تابع اور پابندی کے لحاظ سے انہی کے حکم میں ہیں۔

(۲) اسی طرح فرض زکوٰۃ۔ فرض زکوٰۃ میں صدقات واجبہ بھی شامل ہیں۔

کل مال کا چالیسواں حصہ سالانہ کے علاوہ باقی تمام صدقات وخیرات سب صدقات نافلہ اور نفل مالی عبادتیں ہیں۔

(۳) اسی طرح ماہ رمضان کے تیس یا انتیس روزوں کے علاوہ باقی سال کے تمام روزے سنت یا نفل روزے ہیں فرض ان میں کوئی بھی روزہ نہیں ہے۔

(۴) اسی طرح عمر میں ایک مرتبہ حج کے علاوہ جتنے بھی حج یا عمرے کئے جائیں سب سنت یا نفل ہیں فرض صرف ایک پہلا حج ہے۔

(۵) یہ تو وہ نفلی عبادتیں ہیں جو فرض عبادتوں کی جنس (قسم) سے ہیں اور انہی کی تکمیل و تتمیم کے لئے ادا کی جاتی ہیں باقی ان کے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت' نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام توبہ و استغفار' مسنون دعائیں موقت یا غیر موقت ذکر اللہ خواہ تسبیح و تہلیل کی صورت میں ہو خواہ اور دوسری مسنون و ماثور صورتوں میں ہو یہ سب نفلی عبادتیں ہیں اور بے حد و بے انتہا اجر و ثواب اور دنیوی و اخروی برکات و ثمرات کا موجب ہیں مگر فرض ان میں سے کوئی بھی عبادت نہیں ہے۔

ان تمام نفلی عبادتوں پر استقامت کے معنی یہ ہیں کہ انسان مذکورہ بالا فرض عبادتوں اور حقوق العباد' بندوں کے حقوق' کے پابندی اور ثابت قدمی سے ادا کرتے رہنے کے بعد ان میں سے جتنی عبادتوں کے ادا کرنے کی جسمانی قدرت یا مالی استطاعت ہو اور جائز و مباح مشاغل کسب معاش وغیرہ سے جتنی بھی فرصت ہو اور وقت ملے اسی قدر ہر ایک قسم کی مذکورہ بالا نفل عبادتیں پوری پابندی اور پائیداری و ثابت قدمی کے ساتھ حتی الامکان روزانہ ادا کرنے پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم اور کاربند رہے مگر اس استقامت کی شرط یہ ہے کہ ان نفلی عبادتوں کی پابندی کرنے کی وجہ سے فرض عبادتوں کی پابندی پر مطلق اثر نہ پڑے یعنی ان میں ذرہ برابر کوتاہی ہرگز نہ ہو نفل عبادتوں کے اتنا پیچھے پڑنا کہ اس کی وجہ سے فرض عبادتوں یا حقوق العباد کے پابندی کے ساتھ ادا کرنے میں کوتاہی اور خلل واقع ہونے لگے یہ نفل عبادتوں پر استقامت نہیں بلکہ شرعاً ناپسندیدہ بے اعتدالی اور غلو حد سے تجاوز کرنا ہے جس میں اجر و ثواب ملنے کے بجائے مواخذہ کا اندیشہ ہے بلکہ خطرناک نتائج کا موجب ہے جیسا کہ آپ مثالوں میں پڑھیں گے مثلاً

(۱) ایک شخص کثرت عبادت کے شوق میں روزانہ آدھی رات کے بعد بیدار ہو جاتا ہے اور تہجد کی نماز اور اور اد و ظائف' ذکر اذکار میں مشغول رہتا ہے مگر روزانہ نیند کے غلبہ سے مجبور ہو کر آخر میں سو جاتا ہے اور فجر کی نماز یا بالکل ہی قضا ہو جاتی ہے یا جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ پاتا روزانہ کا یہی معمول ہے یہ قابل مواخذہ بے اعتدالی اور غلو ہے اس شخص کو یہ شب بیداری ذکر و اذکار اور تہجد کی اتنی لمبی نماز فوراً چھوڑ دینی چاہئے اور بقدر ضرورت نیند بھر کر سونا چاہئے اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی پوری پابندی کرنی چاہئے اگر بقدر ضرورت سو لینے کے بعد اس یقین کے ساتھ کہ فجر کی نماز باجماعت ضرور ادا کر سکے گا صبح صادق سے کچھ پہلے بیدار ہو کر تہجد کی جتنی رکعتیں پڑھ سکتا ہو پڑھ لے اور اس پر روزانہ پابندی کرے تو کچھ حرج نہیں اس لئے کہ یہ تہجد کی نماز اور

اوراد و وظائف نہ پڑھنا گناہ اور معصیت نہیں ہے اور جانتے بوجھتے فجر کی نماز قضا کر دینا یا جماعت کے ساتھ ادا نہ کرنا گناہ اور معصیت ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ کا واقعہ ہے کہ سلیمان نامی ایک صحابی روزانہ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ایک دن وہ نماز میں نہیں آئے اتفاق سے صبح سویرے عمر فاروقؓ کا ان کے مکان سے گذر ہوا تو انہوں نے ان کی والدہ سے ان کے نماز میں نہ آنے کی وجہ دریافت کی تو ان کی والدہ نے بتلایا کہ وہ ساری رات نماز پڑھتے رہے تھے آخر شب آنکھ لگ گئی اور سو گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تو صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کو ساری رات نماز پڑھتے رہنے سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اسی طرح مسافر اگر یہ دیکھے کہ میں صرف فرض نماز وہ بھی قصر یعنی چار کی دو پڑھ سکتا ہوں لیکن پہلی یا بعد کی سنتیں نہیں پڑھ سکتا اس پر فرض ہے کہ وہ صرف فرض پڑھ لے اور سنتیں چھوڑ دے عام طور پر لوگ ناواقفیت کی بنا پر سنتوں کو نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے فرض بھی چھوڑ دیتے ہیں یہ قطعاً ناجائز اور گناہ ہے۔

(۲) اسی طرح ایک شخص کثرت عبادت کے شوق میں رمضان کے علاوہ بھی روزانہ روزہ رکھنے کی پابندی کرتا ہے اور صائم الدھر روزانہ روزہ سے رہتا ہے یہ بھی شرعاً ناپسندیدہ بے اعتدالی اور غلو ہے اس روزانہ روزہ رکھنے کی پابندی میں جسمانی صحت اور قوت کو ایسا نقصان پہنچ جانے کا شدید خطرہ ہے کہ اس کے بعد اور فرض عبادات اور فرائض زندگی کسب معاش، حقوق العباد وغیرہ ادا کرنے کے قابل بھی نہ رہے اور ترک فرائض و حقوق کے گناہ میں ماخوذ ہو۔

(۳) اسی طرح ایک شخص انفاق فی سبیل اللہ، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے شوق میں ایسے صدقات وخیرات میں جو فرض نہیں اس قدر روپیہ خرچ کر دیتا ہے کہ اس کے بعد اہل وعیال اور ان قرابتداروں کے اخراجات پورے نہیں کر سکتا۔ جن کی کفالت اس پر فرض ہے یا خود پیسہ پیسہ کو محتاج ہو جاتا ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے بے اعتدالی اور غلو ہے اس کو فوراً ترک کر دینا چاہئے اور تمام اہل حقوق کے حقوق پورے طور پر ادا کرتے رہنے کے بعد جو روپیہ بچے اس میں سے ہمیشہ اتنا صدقہ خیرات کرتے رہنا چاہئے کہ خود محتاج اور مفلس نہ بن جائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاصدقة الاعن ظهر غنى...... صدقہ وہی ہے جس کے بعد خود بھی غنی رہے۔

(۴) یہی حال بار بار حج کیلئے جانے اور سفر میں بے دریغ روپیہ صرف کرنے کا ہے کہ اس میں بھی ارباب حقوق کی حق تلفی یا خود محتاری و مفلس ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے لہٰذا جب تک اس امر کا اطمینان نہ ہو کہ نفلی حج کے لئے سفر کرنے اور اخراجات برداشت کرنے سے نہ کسی کی حق تلفی ہو گی نہ دوسرے فرائض و مشاغل میں کوئی ناقابل تلافی کوتاہی ہو گی اس وقت تک نفلی حج کے لئے سفر نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ وہ نفلی حج جس میں لوگوں کی حق تلفیاں ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہو سکتا بلکہ حق تلفی کے گناہ میں پکڑے جانے کا قوی اندیشہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نفل عبادتوں کے ادا کرنے پر' چاہے کم سے کم ہوں یا زیادہ سے زیادہ مداومت واستقامت میں یہ شرط ضروری ہے کہ اس سے فرض عبادتوں اور حقوق العباد وغیرہ دیگر فرائض کے پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہنے میں کوئی کوتاہی یا خلل واقع نہ ہو اس لئے کہ عبادات کے ادا کرنے پر استقامت کے اندر اول درجہ پر فرض عبادتوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنا اور اس پر سختی کے ساتھ قائم رہنا ہے اور دوسرے درجہ پر نفل عبادتوں کے ادا کرنے میں مداومت اور پابندی ہے مگر جتنی بھی اور جو بھی نفل عبادتیں اختیار کرے خواہ کتنی ہی تھوڑی ہوں ہمیشہ اور روزانہ پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے ایسا نہ ہو کہ مثلاً کسی زمانہ میں یا کسی حصہ عمر میں تو اتنا جوش وخروش اور نفل نمازوں کی اتنی حرص ہو کہ روزانہ صرف پنجوقتہ فرض نمازوں کے پہلے یا بعد کی سنتیں اور نفلیں بلکہ آدھی رات کے بعد اُٹھکر تہجد کی بارہ رکعتیں بھی پڑھے اور اوراد و وظائف بھی اشراق کی دو رکعتیں بھی زوال کے بعد کی چار سنتیں بھی اور صلوٰۃ اوابین بھی پڑھے اور کچھ دن بعد نمازوں سے اتنا فرار اور گریز ہو جائے کہ پنجوقتہ فرض نمازیں بھی ایسی ہو جائیں کہ کوئی پڑھی کوئی اڑادی۔

دراصل یہ اس چند روزہ ناپسندیدہ غلو اور بے اعتدال کارد عمل ہوتا ہے جو استقامت کے قطعاً منافی ہو اور فرض نمازوں میں رخنہ اندازی کا باعث ہونے کی وجہ سے گناہ اور معصیت ہے نفلی روزوں اور نفلی صدقہ وخیرات اور نفلی حج وعمرہ کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے اسی لئے رحمت حریص نجات اُمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر العمل مادیم علیه......

بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام عبادتیں خصوصاً نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' نفس انسانی کی راحت وآسائش اور خواہشات کے نہ صرف منافی ہیں بلکہ جسمانی اور بدنی اعتبار سے بھی تعب ومشقت کا موجب ہیں اسی لئے نفس اور بدن کے لئے وہ شاق اور ناگوار ہیں ایک قرب الٰہی کا شیدائی بندہ نفس انسانی کے علی الرغم یعنی خواہش نفس کے خلاف اپنے آپ کو اعضاوجوارح ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا کو اور بدنی قوتوں کو اس محنت شاقہ کے برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ نفس اور جسم وجسمانی قوتوں پر حکمران عقل وخرد ہے اس کے مجبور کرنے پر نفس اور بدن اور اس کی قوتیں خواہی نخواہی اپنی راحت وآسائش اور دوسری خواہشات کو ترک کرنے پر اور عقل وخرد کی تعمیل حکم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے چنانچہ نماز کے متعلق جو دین کی سب سے اہم عبادت بلکہ دین کا ستون ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وانها لكبيرة الا على الخاشعين الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم اليه راجعون: (البقرہ)

بیشک وہ نماز بہت ہی شاق اور گراں ہوتی ہے بجز ان لوگوں کے جو یقین رکھتے ہیں کہ انہیں (مرنے کے بعد) اپنے پروردگار سے ملنا (اور اسکے سامنے پیش ہونا) ہے اور یہ کہ وہ اسی کے پاس لوٹ کر جائیں گے۔ (اور اولین پرسش نماز بود۔ سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا)

ایسی صورت میں نفس اور بدن' فرض عبادتوں مثلاً فرض نمازوں کو جو حکیم و علیم پروردگار نے ہر انسان کی جسمانی قوتوں کے لئے قابل برداشت ہونے کی حد تک ہی فرض کی ہیں توپابندی کے ساتھ ادا کرتے رہنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور سر تابی نہیں کرتے لیکن نفل عبادتوں کے بارے میں بھی اگر انسان اپنے نفس' بدن اور اعضاء وجوارح کو ان حد سے متجاوز مشقتوں کے برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے تو کچھ عرصہ میں ہی نفس و جسم کی قوت برداشت ختم ہو جاتی ہے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں اور پھر ان میں فرض عبادتوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی سکت بھی باقی نہیں رہتی اور اس طرح نتیجہ کے اعتبار سے نفل عبادتوں میں یہ غلو اور بے اعتدالی فرض عبادتوں پر مداومت اور ان پر استقامت سے بھی محروم کر دیتی ہے بالکل اسی طرح جیسے سفر کو جلد از جلد طے کر لینے کا حریص اور جلد باز مسافر اپنے سواری کے گھوڑے کو دم لینے کی مہلت دیئے بغیر بے تحاشا مسلسل دوڑائے چلا جاتا ہے راستہ میں کہیں نہیں ٹھہرتا وہ اپنی اس بے اعتدالی کی بدولت تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد ہی سواری سے محروم ہو جاتا ہے گھوڑا حد سے زیادہ تھک جانے کی وجہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اسکی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے نہ سفر طے ہوتا ہے نہ سواری کا گھوڑا ہی کار آمد رہتا ہے یہ مثال ہماری اختراع کردہ نہیں ہے بلکہ اُمت کی فطرت اور نفسیات سے آگاہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو عبادات پر استقامت کے اندر غلو اور مضرت رساں بے اعتدالی سے منع فرمانے کے سلسلہ میں بیان فرمائی ہے ارشاد ہے:

فان السآئر المنبت لا ارضاً قطع ولا ظهراً ابقی

(عبادتوں میں غلومت اختیار کرو) اس لئے کہ ایک بے تحاشا سواری کو دوڑانے والا مسافر نہ مسافت ہی طے کر پاتا ہے اور نہ سواری ہی کار آمد رہنے دیتا ہے۔

اس کے بعد انسانی فطرت کی کمزوری کو صاف اور صریح لفظوں میں بے نقاب فرمایا ہے ارشاد ہے:

فان اللہ لایمل حتی تملوا

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (تمہاری زیادہ سے زیادہ عبادتوں کا اجر و ثواب دینے سے) نہیں اکتاتے تم ہی (آخر کاران بے تحاشا عبادتوں سے) اکتا جاتے ہو (اور بالکل ہی چھوڑ بیٹھتے ہو)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ کسی بھی یکسانیت اور پھر اس پر مداومت سے جلد یا بدیر اکتا جاتا ہے خصوصاً جب کہ وہ کام نفس کی طبعی خواہشات کے خلاف بھی ہو اور اس میں جسمانی مشقت اور تعب بھی ہوتا ہو اور نہ اس میں کوئی مالی منفعت یا مادی لذت ہو اگرچہ کتنے ہی قوی جذبہ داعیہ اور پابندی کے عزم کے ساتھ شروع کرے مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد یا زیادہ عرصہ کے بعد اول بے دلی کی کیفیت سی پیدا ہوتی ہے اس کے بعد پابندی ختم ہوتی ہے کسی دن کیا کسی دن نہیں آخر کار بالکل ہی چھوٹ جاتا ہے پابندی اور استقامت اسی کام میں

میسر آتی ہے جو اتنا ہو کہ کبھی بھی اس سے دل نہ اکتائے اسی انسانی فطرت کی کمزوری کی طرف امت کے نبض شناس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شوق الٰہی میں سرمست اور عواقب اور نتائج سے بے پرواہ بعض صحابہ کرام کو جنہوں نے ساری عمر روزانہ دن کو روزہ رکھنے کا اور رات کو ساری رات نماز میں قرآن عزیز پڑھنے کی مداومت کرنے کا عزم اور فیصلہ کر لیا تھا بڑی سختی کے ساتھ اس اقدام سے روکا ہے اور اس کے مضرت رساں نتائج سے بڑی وضاحت کیساتھ آگاہ فرمایا ہے اور ان کی تسلی کے لئے خود اپنے اسوۂ حسنہ اور مقدس اور قابل عمل طرز عمل کو بطور مثال پیش کی ہے کہ دیکھو میں رات کو سوتا بھی ہوں اور شب بیداری بھی کرتا ہوں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی رات کے کچھ حصہ میں سوتا ہوں کچھ میں تہجد پڑھتا ہوں اور کچھ دن روزے رکھتا ہوں پھر کچھ دن چھوڑ دیتا ہوں)

ایک صحابی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بڑے اصرار پر صرف اتنی اجازت دی کہ اچھا ایک دن روزہ رکھو ایک دن افطار کرو عمرو بن العاصؓ نے ساری عمر اس کی پابندی کی تو سہی مگر آخر عمر میں اپنے اس ناعاقبت اندیشانہ اصرار پر اور اس ناقابل برداشت عمل کو اختیار کرنے اور اس کی مداومت کو اپنے ذمے لینے پر پشیمان ہوئے اور ساری عمر پچھتائے کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسنون ومعتدل طرز عمل یعنی ہر مہینہ میں تین دن کے روزے پابندی کے ساتھ رکھنے پر مداومت کو قبول کر لیتا اور اس حد سے متجاوز اکتا دینے والے طرز عمل یعنی ایک دن روزہ رکھنے ایک دن افطار کرنے کو اختیار نہ کرتا۔

اسی پر بقیہ نفلی عبادتوں کو قیاس کر لیجئے اسی لئے نفل عبادات پر استقامت کو نبھانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے سوچ سمجھ لے جن عبادات کو پابندی کے ساتھ آخر عمر تک ادا کر سکے انہی کو اختیار کرے وہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں مثلاً قرآن کریم کا اتنا حصہ تلاوت کیلئے اختیار کرے جو آخر عمر تک بلاناغہ روزانہ پڑھ سکے چاہے وہ ایک رکوع ہی کیوں نہ ہو۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشفقانہ ہدایات و تعلیمات کی روشنی میں انسان کی اس فطری کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے تو یہ بیشک صحیح ہے کہ نفلی عبادتوں پر استقامت اور ثابت قدمی کو نبھانے کے لئے کم سے کم عبادات ہی کو اختیار کرنا چاہئے تاکہ عمر بھر ان پر قائم رہ سکیں۔

زیادہ سے زیادہ نفل عبادتوں پر استقامت حاصل کرنے کی تدبیر

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن اور حدیث میں ہی ان نفلی عبادتوں پر آخرت میں اتنے زیادہ اجر وثواب، مغفرت ورحمت اور رضا و قرب الٰہی کے وعدے مذکور ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ وہ تمام وعدے بالکل سچے ہیں اور ضرور پورے ہوں گے اور دنیا کی زندگی میں بھی ان نفلی عبادات کی مداومت واستقامت پر ایسے سکون آفرین روح پرور گناہوں سے بچانے والے اثرات اور انوار و برکات کے مرتب ہونے کی خبر دی گئی ہے کہ ان ترغیبات کو دیکھ کر ایک ایسا مسلمان

جس کے دل میں واقعی خدا کا خوف' آخرت کا ڈر موجود ہے اور نجات کی فکر اس کو شدت کے ساتھ دامنگیر ہے وہ نفس اور بدن کی ان تمام مزاحمتوں کے اور جسمانی طاقتوں کے جواب دے جانے کے خطرات کے باوجود زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتوں پر استقامت کو اختیار کرنے کے لئے بیقرار ہوتا ہے مگر صرف اس ڈر سے کہ کہیں مذکورہ مثال کے گھوڑے کی طرح بدنی طاقت اور صحت اسطرح ساقط نہ ہو جائے کہ فرض عبادتوں کی مداومت سے بھی محروم ہو جائے باز رہتا ہے اس لئے یہ خدا پرستی کا شیدائی اور اخروی نجات کا طلب گار مسلمان شدید کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے ایک طرف فرض عبادتوں پر استقامت سے محروم ہو جانیکا ڈر دوسری طرف ان نفلی عبادتوں کی کشش' نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن نہ اختیار کئے بنتی ہے نہ چھوڑے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت ورافت ذیل کی حدیث میں بغیر کسی مضرت کے زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتوں پر استقامت حاصل کرنے کی تدبیر بھی بتلائی ہے ارشاد ہے:

ان هذاالدين متين فاوغلوا فيه برفق

بیشک یہ دین بہت مضبوط (اور منضبط) ہے پس اس (کی حدود) میں نہایت آہستگی کے ساتھ (نہایت دھیمی رفتار سے) قدم رکھو۔

یعنی ہر نوع کی زیادہ سے زیادہ نفل عبادتوں پر مداومت واستقامت کو آسان اور جسمانی قوتوں کے لئے قابل برداشت بنانے کی تدبیر یہ ہے کہ ان کو جسم اور جسمانی قوتوں کے لئے قابل برداشت حد میں رہ کر آہستہ آہستہ بڑھانا چاہئے یعنی اول کسی بھی قسم کی نفلی عبادت کو کم سے کم اختیار کرو جب اس کی عادت پڑ جائے تو اور تھوڑا سا اضافہ کرو جب اس کی بھی عادت پڑ جائے تو کچھ اور اضافہ کرو اسی طرح تدریجاً نفس ان سے مانوس ہو تا جائے گا اور جسمانی قوتیں عادی ہوتی جائیں گی یہاں تک کہ ایک دن وہ نفلی عبادت زیادہ سے زیادہ کر سکو گے اور نہ کوئی تعب ہو گا اور نہ جسمانی قوت وصحت کو کوئی نقصان پہنچے گا اور بغیر کسی مضرت کے اس پر مداومت اور استقامت بھی آسان ہو گی۔

مثلاً ایک رضا الٰہی کا متوالی خدا کا بندہ چاہتا ہے کہ ان محسنین کی طرح جن کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

كانوا قليلاً من الليل مايهجعون: اور وہ رات کو بہت ہی کم سویا کرتے تھے۔

میں بھی رات کو بہت تھوڑے حصے سوؤں اور رات کا بیشتر حصہ ان عباد الرحمٰن کی طرح جن کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

والذين يبيتون لربهم سجدًاو قياماً (فرقان:ع٦)

اور وہ لوگ جو ساری رات اپنے رب کے سامنے رکوع وسجود اور قیام یعنی نماز میں گزار دیتے ہیں۔

بستر کے بجائے مصلّے پر اپنے رب سے مناجات یعنی نماز میں گذاروں اور اللہ کے ان بندوں کی طرح جن کی شان میں ارشاد ہے۔

تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً (السجدہ:ع۲)

ان کے پہلو بستروں سے دور بھاگتے ہیں وہ اپنے رب کو (اس کے) خوف اور (رحمت کی) طمع کی وجہ سے پکارتے (اور دعائیں مانگتے) رہتے ہیں۔

میرا بستر بھی مجھے تھپک کر سلانے کی بجائے ایسا کانٹوں کا فرش بن جائے کہ کسی کروٹ اس پر چین نہ آئے اور پہلو بستر سے دور بھاگے اور میں بھی اپنے رحمٰن ورحیم پروردگار کی رحمت حاصل کرنے کی غرض سے اور اس قہار وجبار اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے بچنے کی غرض سے ساری رات اس کو پکارتا یعنی رحمت کی دعائیں مانگتا اور توبہ واستغفار کرتا رہوں تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ اگر اس شخص کا روزانہ معمول چھ گھنٹے سونے اور آرام کرنے کا ہے تو پہلے دن سونے کے وقت میں صرف آدھ گھنٹہ کی کمی کرے اور ساڑھے پانچ گھنٹے کا الارم لگا کر ٹائم پیس سرہانے رکھ لے اور الارم بجتے ہی فوراً اٹھ جائے اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو کر کے صبح صادق ہونے سے پہلے دو چار یا جتنی رکعتیں بھی پڑھ سکے پڑھ لے اور اس وقت تک اسی معمول پر پابندی سے قائم رہے یہاں تک کہ ساڑھے پانچ گھنٹے سونے کی عادت پڑ جائے اس کے بعد آدھ گھنٹہ اور کم کر دے اور صلوٰۃ اللیل، نماز تہجد کی تعداد اور بڑھا دے اور اللہ سے قیام لیل کی توفیق کی دعائیں برابر کرتا رہے اور بلاناغہ اس وقت تک اسی معمول پر سختی کے ساتھ پابندی کرتا رہے یہاں تک کہ پانچ گھنٹے کی نیند کافی ہونے لگے اور جسم اسی کا عادی ہو جائے اسی طرح تدریجی طور پر بلاناغہ سونے اور آرام کرنے کا وقت گھٹاتا اور صلوٰۃ اللیل اور ذکر اللہ کا وقت بڑھاتا چلا جائے یہ رفتار اگرچہ چیونٹی کی سی دھیمی رفتار ہو گی لیکن اگر مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ بلاناغہ اس مشق کو جاری رکھا تو یقیناً ایک دن وہ آجائے گا کہ رات میں صرف دو تین گھنٹے کا آرام اور نیند کافی ہونے لگے گی ادھر ان نفلی عبادتوں، صلوٰۃ اللیل اور ادعیہ واذکار کے انوار وبرکات اور اس کے نتیجہ میں وہ روحانی کیف وسرور اور وہ روحانی لذت محسوس ہونے لگے گی کہ فی الواقع بستر پھولوں کی سیج کے بجائے کانٹوں کا بچھونا معلوم ہونے لگے گا اس لئے کہ نصف شب کے بعد خصوصاً رات کا آخری حصہ اللہ تعالیٰ پر صدق دل سے ایمان رکھنے والوں اور قرآن وحدیث کی تعلیمات پر سچے دل سے یقین رکھنے والوں کے لئے ایسا عظیم الشان نزول رحمت الٰہی کا وقت ہے جس کے متعلق حبیب رب العالمین کا ارشاد ہے:

ینزل اللہ تبارك وتعالیٰ الی سمآء الدنیا کل لیلة حین یمضی ثلث اللیل الاول فیقول: انا الملك: انا الملك، من ذالذی یدعونی فاستجیب له من ذالذی یسالنی فاعطیه من ذالذی یستغفرنی فاغفرله فلایزال کذالك حتی یضیی الفجر۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو، پہلا ایک تہائی حصہ گزرنے کے بعد، پہلے آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں میں ہوں (تمام کائنات کا) بادشاہ میں ہوں (تمام مخلوق کا) حکمران ہے کوئی جو مجھ سے دعا مانگے

تو میں اس کی دعا قبول کروں' ہے کوئی؟ جو مجھ سے (کچھ) مانگے تو میں (جو وہ مانگے) اس کو دوں' ہے کوئی؟ جو مجھ سے (اپنے گناہ) بخشوائے تو میں اس کے گناہ بخش دوں یہ اعلان صبح روشن ہونے تک ہوتا رہتا ہے۔

اب ذرا ٹھنڈے دماغ سے دل پر ہاتھ رکھ کر' سوچئے کہ ایک سچے دل سے خدا اور اس کی لا محدود شیون' اور جمالی وجلالی صفات پر یقین رکھنے والا رضاء الٰہی کا دل وجان سے طلب گار اور قہر الٰہی سے بچنے کے لئے بیقرار اور فکر مند بندہ' مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی ترجمان زبان جس کے متعلق قرآن کریم کی شہادت یہ ہے کہ وحی کے سوا اسکی زبان سے' ایک لفظ نہیں نکلتا ارشاد ہے:

ومابنطق عن الهوى ان هوالاوحي يوحى (النجم:ع۱)

اور وہ (ہمارا رسول) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ تو جو کچھ بولتا (اور کہتا) ہے وہ (اللہ کی) وحی ہوتی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

زبان اقدس سے نکلی ہوئی اس بشارت کی سچائی پر حق الیقین کے درجہ میں یقین وایمان کے ساتھ آدھی رات کے بعد جبکہ اس کے آس پاس خدا کی رحمت سے غافل مخلوق خواب شیریں میٹھی نیند کے مزے لے رہی ہو اور بے خبر سو رہی ہو) چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہو مکمل تنہائی ہو اور اس کے اور اس کے مولیٰ ارحم الرحمین پروردگار کے درمیان جس کا اعلان یہ ہے۔

سبقت رحمتی علی غضبی...... میری رحمت میری خفگی پر غالب ہے۔

کوئی تیسرا حائل نہ ہو ایسے مبارک وقت میں جب وہ اس یقین کے ساتھ کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے اور میری بات سن رہا ہے انتہائی عجز ونیاز کے ساتھ عرض کر رہا ہو۔

ربنآ اننآ امنا فاغفرلنا ذنوبنا و كفرعنا سيأتنا وتوفنا مع الابرار (ال عمران:ع۲۰)

اے ہمارے رب! ہم (تجھ پر اور تیرے دین پر سچے دل سے) ایمان لا چکے پس اب تو ہمارے تمام گناہوں کو بخش دے اور ہماری تمام برائیوں کا کفارہ کر دے اور ہمیں اپنے نیک بندوں کے ساتھ وفات دیجیو (دنیا سے اٹھائیو)

اور سجدہ کی حالت میں دل کے کانوں سے پہلے آسمان سے کی جانے والی مذکور منادی سن رہا ہو اور زبان حال ومقال سے ہر سوال کے جواب میں کہہ رہا ہو۔

(۱) اے ذوالجلال والاکرام

پروردگار! میں ہوں وہ تجھ سے دعائیں مانگنے والا محتاج بندہ تو میری ساری دعاؤں کو قبول فرما لے۔

(۲) اے خیر المسئولین پروردگار! میں ہوں وہ تجھ سے مانگنے والا سائل! تو میری ساری مرادیں پوری کر دے۔

(۳) اے غفار الذنوب پروردگار! میں ہوں تیرا وہ گناہ بخشوانے والا گنہگار بندہ! تو میرے سارے گناہ بخش دے۔ اور آسمان اول سے یہ روح پرور اور سکون آفرین جواب دل کے کانوں سے سن رہا ہو۔

یایتها النفس المطمنة:ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر)

اے (اپنے رب کے وعدوں پر) اطمینان رکھنے والے نفس (کے مالک بندے) تو اپنے رب کی طرف خوشی خوشی واپس آئیو پھر میرے (مقرب ترین) بندوں میں شامل ہو جائیو اور میری جنت میں داخل ہو جائیو۔

تو اس مناجات اور اپنے محبوب پروردگار سے راز و نیاز کی باتوں سے وہ اپنے اندر ایسی زبردست روحانی طاقت و قوت کیف و سرور سکون و اطمینان موجود پائے گا کہ اس کیوجہ سے شب بیداری کا جسمانی تعب و مشقت یا ضعف و نقاہت یکسر دور ہو جائے گا اور انتہائی نشاط اور چستی کے ساتھ آنے والی رات میں پھر اپنے محبوب پروردگار سے تنہائی میں ملاقات و مناجات کے لئے صبح سے ہی کمر کس لے گا اور بے چینی سے دن بھر انتظار کی گھڑیاں گنتا رہے گا کہ کب آدھی رات ہو اور کب لقاء حبیب کی یہ سعادت حاصل کروں

یہ ہے وہ زیادہ سے زیادہ نفلی عبادت جس پر استقامت سے ہرگز ہرگز کسی بھی قسم کی کوئی بھی مضرت نہیں پہنچ سکتی یہی حال اور نفلی عبادتوں کا بھی ہے۔

(۱) چنانچہ کثرت سے یا بغیر افطار اور سحری کے روزے رکھنے تمام لوگوں کے لئے ممنوع ہیں صرف اس لئے کہ ان پر مداومت ان کے بس کی بات نہیں ہے لیکن فوق العادۃ روحانی قوت کے مالک مقربین بارگاہ الٰہی نے ہمیشہ بکثرت یا مسلسل روزے رکھے ہیں چنانچہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صوم وصال (بغیر افطار اور سحری کے روزہ) رکھنے سے عام صحابہ کو ممانعت فرمانے کے موقع پر ایک صحابی کے سوال:

فانك تواصل یارسول الله:

تو یارسول اللہ آپ خود بلا سحری اور بغیر افطاری کے روزہ رکھتے ہیں (پھر ہمیں کیوں منع فرماتے ہیں)

کے جواب میں اس نفلی عبادت صوم وصال کے متعلق اپنے طرز عمل کی وجہ آپ یہ بیان فرماتے ہیں۔

قال لست کاحدکم فان ربی یطعمنی ویسقینی

آپ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی بھی شخص کی مانند نہیں ہوں اس لئے کہ مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔

روزے کی حالت میں اس کھلانے پلانے کا مطلب یہی ہے کہ روحانی طاقت و قوت جسمانی قوت کی جگہ لے لیتی ہے اور مسلسل بلا افطار اور بلا سحری کے روزہ رکھنے سے مطلق کمزوری اور نقاہت نہیں ہوتی لہٰذا ایسی روحانی قوت کے مالک حضرات کے لئے زیادہ سے زیادہ روزے رکھنے تقرب الی اللہ کے مدارج میں ترقی اور بلندی کا موجب ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کا معاملہ اپنے ساتھ ذیل کی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

والذی هو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فهو یشفین (شعراء:ع۵)

اور وہ رب العالمین جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

یعنی روحانی طاقت و قوت غذا اور دوا کا کام کرتی ہے۔

اور یہی مطلب ہے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اپنے مقربین خاص اولیاء اللہ کے ساتھ اپنے "معاملہ" کو ذیل کے الفاظ میں بیان فرمانے کا:

وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبته فاذا احبته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها الحدیث

میرا بندہ برابر نفلوں کے ذریعہ مجھ سے قریب (سے قریب تر) ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں ہی اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں ہی اسکا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یعنی تمام جسمانی قوتوں کی جگہ الٰہی قوتیں لے لیتی ہیں وہ آنکھوں سے وہی دیکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ دکھانا چاہتا ہے کانوں سے وہی سنتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سنانا چاہتا ہے ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی انہی چیزوں کی طرف بڑھتے اور اٹھتے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے سبحان اللہ کثرت عبادت پر استقامت کی معراج! کیا شان ہے!

(۲) یہی حال ہے نفلی مالی عبادت یعنی انفاق مال کا کہ ظاہری اور عمومی حالات کے اعتبار سے تو اتنا مال صدقہ و خیرات کرے کہ اس پر بغیر کسی کی حق تلفی کے مداومت بھی ممکن ہو اور خود محتاج بھی نہ رہ جائے لیکن اعلیٰ درجہ کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنیوالے حضرات عواقب و نتائج سے بے پرواہو کر اہم اور مناسب مواقع پر اپنی ساری پونجی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے سکتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آپ توکل کے باب میں نبی رحمت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے سوال:

ماابقیت لاهلك؟ تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟

کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل گزارش پڑھ چکے ہیں۔

فقال ابقیت لهم الله ورسوله

تو عرض کیا: ان کے لئے تو بس اللہ تعالیٰ اور رسول ہی کو چھوڑا ہے۔ حالانکہ عام مسلمانوں کے لئے نبی رحمت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ہدایت ہے۔

خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی۔ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد انسان غنی رہے

نفلی عبادتوں کی کثرت اور اس پر استقامت سے متعلق ثمرات و برکات کا یہ بیان جو گلے از گلزارے کے طور پر ایک جملہ معترضہ کی حیثیت رکھتا ہو یہ بھی محض فرضی باتیں یا خیالی افسانے نہیں ہیں بلکہ ایک طرف صرف شب بیداری کی کیفیت سے متعلق قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات ہی اسی قسم کے شب بیداری کرنے

والے بندگان خدا کے وجود کا ثبوت ہیں دوسری طرف مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں بکثرت اس قسم کے شب بیدار اور کثرت عبادت کے شیدائی اولیاء کرام کی ہستیاں ملتی ہیں خود ہمارے امام، امام اعظم ابو حنیفہ کی سیرت طیبہ اور پاکیزہ زندگی شاہد ہے کہ برسوں امام صاحب موصوف نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے یعنی ساری رات باوضو عبادت میں مصروف رہے ہیں لیکن ایسے عبادت گزار وہی عارفین ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی گوناگوں شیون الٰہیہ اور جمالی و جلالی صفات پر آفتاب نصف النہار کی طرح یقین و ایمان رکھتے ہیں عام لوگوں کے بس کا یہ کام نہیں ہے۔

اس طویل بحث کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ عام حالات میں اور عام لوگوں کے لئے تو نفلی عبادتوں پر استقامت کے معنی یہی ہیں کہ اتنی نفلی عبادتیں جو کسی لحاظ سے بھی ناقابل برداشت اور کسی کی بھی حق تلفی کا موجب نہ ہوں اور کسی پہلو سے بھی حد سے متجاوز نہ ہوں ان پر انتہائی مستقل مزاجی اور پابندی کے ساتھ ساری عمر قائم رہنا اور کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں ان کو نہ چھوڑنا استقامت ہے اور اگر کسی دن کوئی سی بھی نفلی عبادت چھوٹ جائے تو فرض عبادتوں کی طرح اس کی قضا کرنا ضروری ہے تاکہ چھوڑنے کی عادت نہ پڑے یہ بھی استقامت میں داخل ہے۔ لیکن مخصوص لوگ خاص حالات میں 'مذکورہ بالا تدبیر و اہتمام یعنی تدریجی طور پر اضافہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتوں پر مداومت کر سکتے ہیں اور یہ نہ غلو ہوگا نہ حد سے تجاوز بلکہ تقرب الی اللہ کا واحد اور بے بدل ذریعہ ہے اور قرآن و حدیث میں بکثرت اس کی ترغیب آئی ہے حتیٰ کہ محدثین کرام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ان میں بکثرت احادیث جمع کی ہیں۔

ہاں عام لوگوں کے لئے عام حالات کے اعتبار سے سابقہ مشق و ریاضت کے بغیر نفلی عبادتوں کی کثرت حد اعتدال سے خارج گوناگوں مضرتوں کا موجب اور ممنوع ہے اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ اس سے روکا ہے مگر ساتھ ہی مذکورہ سابق حدیث کے الفاظ فاوغلوا فیه برفق سے خاص لوگوں کو اس کثرت عبادت کو آسان اور بے ضرر بنانے کی تدبیر بھی بتلا دی ہے۔

خود فرض عبادتوں پر استقامت کیلئے نفل عبادتوں پر استقامت ضروری ہے

علاوہ ازیں علماء دین کے نزدیک یہ مسلم اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ ہر قسم کی فرض عبادتوں کے ساتھ اسی جیسی تمام نفلی عبادتیں فرض عبادتوں کے لئے مکمل و متمم ہوتی ہیں مثلاً تمام نفل نمازیں خواہ وہ فرضوں سے پہلے یا بعد کی سنتیں ہوں یا ان کے علاوہ نفلیں سب فرض نمازوں کے لئے مکمل ہیں اسی طرح نفلی روزے، فرض روزوں کے لئے نفلی صدقات و خیرات زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے لئے اور نفلی حج اور عمرے حج فرض کے لئے مکمل اور متمم ہیں اس تکمیل و تتمیم کا مطلب یہ ہے کہ فرض عبادتیں مثلاً فرض نمازیں اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے بھی اور باطنی روح اخلاص و احسان اور خشوع و خضوع وغیرہ کے اعتبار سے بھی کتنی ہی احتیاط کے

ساتھ ادا کی جائیں پھر بھی ان کا اس معیار پر پورا اترنا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب ہے بہت ہی دشوار ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اور اسکی مراد بیان کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرض عبادت کے ساتھ اسی جیسی نفلی عبادتوں کا اضافہ فرمادیا ہے تاکہ فرض عبادت کے ادا کرنے میں جو ظاہری یا باطنی کوتاہی یا خامی رہ گئی ہو (جس کا یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ اس کے منشا کے مطابق ادا ہوئی یا نہیں ان نفلی عبادتوں سے اسکی مکافات ہو جائے اس لئے بھی نفلی عبادتوں سے صرف نظر اور استغنا نہیں ہوسکتا بلکہ صرف فرض عبادتوں کے ادا کرنے پر استقامت صحیح معنی میں اس وقت پائی جائیں گی جبکہ ان کی متمم نفلی عبادتوں پر بھی استقامت ہو۔

باقی مذکورہ بالا قسم کی اقتصاد فی العبادت 'عبادتوں میں اعتدال' سے متعلق جتنی احادیث آئی ہیں ان کا منشا نفلی عبادتوں سے یا ان کی کثرت سے روکنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس بے اعتدالی سے روکنا مطلوب ہے جو سوء تدبیر یعنی برے طریق کار کا نتیجہ ہوتی ہے اور بہت سی دینی مضرتوں کا سبب بنتی ہے جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

مگر چونکہ انسان کا نفس انتہادرجہ کام چور ہے خصوصاً عبادات اور ان کی پابندی سے تو اس کی جان نکلتی ہے بڑے ہی دینداری کے دباؤ سے اگر آمادہ بھی ہوتا ہے تو صرف فرض عبادتوں کے ادا کرنے پر اور نفلی عبادتوں سے جان بچانے کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کا سہارا لیتا ہے جن میں آپ نے عام مسلمانوں کو عام حالات میں غلو یعنی حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے جن میں سے کچھ حدیثیں آپ پڑھ چکے ہیں حالانکہ یہ محض نفس کا زبردست دھوکا اور فریب ہے یہ مکار انسان کو دینی اور دنیوی سعادتوں سے محروم کرنے کی غرض سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا غلط اور بے جا استعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس نفس کے شر سے محفوظ رکھیں آپ بھی اعوذ باللہ من شر نفسی پڑھا کیجئے تو ان شاء اللہ اس چھپے ہوئے دشمن کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

یہ ہے وہ وجہ جسکی بنا پر ہم نفلی عبادتوں کی کثرت اور اس پر استقامت کی اہمیت ضرورت اور شرعاً پسندیدگی کو واضح کرنے پر مجبور ہوئے۔ **وما توفیقی الا باللہ**

(۳) معاملات اور احکام پر استقامت

شریعت کی اصطلاح میں "معاملات" کا لفظ عبادات کے علاوہ بقیہ امور زندگی کے لئے اور ان سے متعلق احکام خدا اور سول کے لئے "احکام" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے خواہ یہ امور نکاح و طلاق وغیرہ عائلی امور ہوں خواہ بیع و شراء خرید و فروخت قرض و رہن وغیرہ تجارتی اور کاروباری امور ہوں خواہ حدود و قصاص 'جرم و سزا وغیرہ اجتماعی امور ہوں خواہ رحم و کرم شجاعت و سخاوت وغیرہ اخلاقی امور ہوں شریعت کی اصطلاح میں یہ تمام امور "معاملات" کہلاتے ہیں۔ یہ تمام شرعی احکام قرآن و حدیث یا ان سے نکلے ہوئے علم فقہ کے اعتبار سے دو قسم کے ہیں۔

(۱) ایک مامورات وہ امور جن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔

(۲) منہیات وہ امور جن کے کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔

ان ماموارت و منہیات پر استقامت کے معنی یہ ہیں

(۱) کہ جن امور کا شریعت نے حکم دیا ہے عمر کے ہر حصہ میں انتہائی پابندی اور مستقل مزاجی کے ساتھ مرتے دم تک ان پر کاربند رہے بجز ان صورتوں یا حالات کے جن میں خود شریعت نے ترک کرنے کی اجازت دی ہے کبھی نہ چھوڑے اگر کبھی کوئی مامور بہ امر چھوٹ جائے تو فوراً اس پر توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ترک نہ کرنے کا عہد بھی اس لئے کہ ترک مامور بہ جس امر کا شریعت نے حکم دیا ہے اس کو نہ کرنا معصیت ہے اور گناہ کبیرہ۔

(۲) اور منہیات پر استقامت کے معنی یہ ہیں کہ جن امور سے منع فرمایا ہے عمر کے کسی حصہ بھی میں کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں ان کے پاس نہ جائے بجز ان صورتوں یا حالتوں کے جن میں خود شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ہمیشہ ان سے دور اور مجتنب رہے بلکہ ورع اور تقویٰ کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ان حالات اور صورتوں میں بھی ان سے احتراز کرے اور اگر کبھی نادانستہ یا دانستہ طور پر اس کام کو کر بیٹھے تو فوراً اس پر توبہ واستغفار کرے اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا عہد بھی اس لئے کہ حرام کام کرنا زبردست گناہ اور معصیت ہے۔

احکام شرعیہ کے لحاظ سے ماموارت و منہیات کی قسمیں اور استقامت کے لحاظ سے ان میں فرق

احکام شرعیہ کے لحاظ سے اصولاً ماموارت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک فرض یا واجب ان کو اصطلاح میں فرائض کہا جاتا ہے۔ (۲) دوسرے سنت یا مندوب (مستحب)

اسی طرح منہیات کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک حرام یا مکروہ تحریمی' انہی کو اصطلاح میں محرمات کہا جاتا ہے (۲) دوسرے مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ

ان احکام پر عمل کرنے یا نہ کرنے پر یعنی استقامت کے اعتبار سے بھی فرق مراتب ہے

(۱) فرض یا واجب کا ترک کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اگر توبہ نہ کرے تو آخرت میں عذاب کا مستحق ہے۔

(۲) سنت کا ترک کرنا نہ معصیت ہے نہ گناہ ہاں سنت کے ترک پر اگر مداومت کرے یعنی ہمیشہ سنت کو ترک کیا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں ترک سنت کا عذاب ہو گا علاوہ ازیں ترک سنت پر شافع محشر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ناراضگی اور شفاعت سے محرومی کا خطرہ ہے جس سے بڑھ کر ایک ایماندار اُمتی کے لئے اور کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا اسی طرح (۱) امر حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنا فرض ہے اگر اس کا ارتکاب کر لیا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں عذاب کا مستحق ہے۔

(۲) مکروہ یا خلاف اولیٰ امر کا ارتکاب کرنا نہ گناہ ہے نہ معصیت مگر اس کے نہ کرنے کے ثواب سے ضرور محروم رہے گا ہاں اگر وہ محرمات کے محرمات اور دواعی میں سے ہو تو ضرور معصیت اور گناہ ہو گا۔

ان امور واحکام پر مداومت یعنی استقامت کے اعتبار سے بھی فرق مراتب پیش نظر رکھنا ضروری ہے مثلاً فرائض اور واجبات کی پابندی سب سے مقدم ہے سنت اور مستحب کا درجہ اس کے بعد ہے یعنی ایسا ہرگز نہ کرے کہ سنت یا مستحب پر عمل کرنے سے فرض یا واجب کو چھوڑ دے کہ یہ معصیت اور گناہ کبیرہ ہے ہاں فرض یا واجب پر عمل کرنے سے اگر سنت یا مستحب چھوٹ جائے تو اس پر چنداں حرج نہیں مگر استقامت کے خلاف ضرور ہے اس لئے حتی الامکان ایسا موقع ہی نہ آنے دے کہ فرض یا واجب پر عمل کرنے کے لئے سنت یا مستحب کو چھوڑنا پڑے۔

اسی طرح حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنا سب سے مقدم ہے مکروہ یا خلاف اولیٰ کا درجہ اس کے بعد ہے ایسا ہرگز نہ کرے کہ مکروہ یا خلاف اولیٰ امر سے بچنے کے لئے کسی امر حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب کر بیٹھے کہ یہ معصیت اور گناہ کبیرہ ہے ہاں حرام یا مکروہ تحریمی امر سے بچنے کی غرض سے اگر کسی مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ امر کا ارتکاب کرے تو اس میں چنداں حرج نہیں مگر استقامت کے ضرور خلاف ہے اس لئے ایسی صورت ہی نہ پیدا ہونے دے کہ امر حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنے کے لئے کسی مکروہ یا خلاف اولیٰ امر کا ارتکاب کرنا پڑے بلکہ دونوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مختصر یہ ہے کہ ان امور پر استقامت میں فرق مراتب کا خیال رکھنا ضروری ہے بقیہ تفصیلات کتب فقہ میں دیکھئے۔

جی تو چاہتا تھا کہ قارئین کی آسانی کے لئے ہر ایک کی مثال بھی دی جاتی مگر یہ استقامت کا مضمون اتنا طویل ہو گیا کہ ہم اختصار پر مجبور ہیں۔

استقامت سے متعلق مذکورہ بالا آیات اور انکی تفسیر

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو استقامت کا حکم دیتے ہیں ارشاد ہے:

(۱) فاستقم کمآامرت ومن تاب معك ولاتطغوا' انه بماتعملون بصیر (ھود:ع ۱۲)

ترجمہ (۱) پس جیسے تمہیں حکم دیا گیا ہے (سختی کے ساتھ) سیدھی راہ پر قائم رہو اور وہ (مسلمان) بھی جنہوں نے (کفر و عصیان سے) توبہ کر لی ہے تمہارے ساتھ (ہیں) اور (اس سے) ادھر اُدھر نہ ہٹو بیشک وہ (اللہ) جو تم کرتے ہو اسے خوب اچھی طرح دیکھتا ہے (اس پر تمہاری بے راہ روی مخفی نہ رہے گی)

استقامت کا یہ حکم ذیل کی آیت کریمہ اور اس کے علاوہ متعدد آیات میں دیا گیا ہے ارشاد ہے:

ثم جعلناك علی شریعة من الامر فاتبعها ولاتتبع اهوآء الذین لایعلمون (الجاثیہ:ع ۲)

ترجمہ۔ پھر ہم نے تمہیں دین کی ایک (خاص) شریعت پر قائم کیا ہے پس تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کے کہے میں مت آؤ جو نہیں جانتے (کہ خدا پرستی کیا ہے)

اس شریعت اور سیدھی راہ کا نام ہی صراط مستقیم ہے جس پر آپ کے قائم رہنے کی شہادت ذیل کی آیات کریمہ میں دی ہے ارشاد ہے:

انك لمن المرسلين على صراط مستقيم (یٰسین:ع۱)

ترجمہ۔ بیشک تم بھیجے ہوئے نبیوں میں سے ہو سیدھی راہ پر قائم ہو اسی صراط مستقیم کو ذیل کی آیت کریمہ میں اپنا راستہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو اس کی پیروی کرنے اور اس پر چلنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہے:

وان هذا صراطی مستقيماً فاتبعوه (الانعام:ع۱۹)

ترجمہ۔ اور بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اس کی پیروی کرو۔

اسی صراط مستقیم پر چلانے کی دعا ہر نمازی' ہر نماز کی ہر رکعت میں ارحم الراحمین رب العالمین سے مانگتا ہے اس لئے کہ اس کی توفیق کے بغیر اس پر چلنا ممکن نہیں سورۃ فاتحہ میں تعلیم ہے:

اهدنا الصراط المستقيم: (اے رحمٰن ورحیم رب العالمین) تو ہمیں سیدھی راہ چلا۔

ذیل کی آیت کریمہ میں خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دین الٰہی اسلام کی پوری دنیا کو دعوت دینے اور امر الٰہی کے مطابق پختگی کے ساتھ اس پر قائم رہنے اور مخالفین کی پرواہ نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ارشاد ہے:

(۲) فلذلك فادع واستقم كمآ امرت ولا تتبع اهوآئهم (شوریٰ:ع۲)

ترجمہ۔ پس تم اسی (دین الٰہی کی پیروی) کی طرف (لوگوں کو) بلاؤ اور جیسے تمہیں حکم دیا گیا ہے (پختگی کے ساتھ) سیدھی راہ چلتے رہو اور ان (کفار و مشرکین) کی خواہشات کی پرواہ مت کرو۔

ذیل کی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی وحدانیت کے عقیدہ پر ساری زندگی پختگی کے ساتھ قائم رہنے اور اس سے اپنی خطاؤں گناہوں اور نافرمانیوں کی مغفرت چاہتے رہنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہے:

(۳) فاستقيموآ اليه واستغفروه

ترجمہ۔ پس تم (اے مسلمانو) اس (اللہ) کی طرف ہی سیدھی راہ چلتے رہو اور (اپنی کوتاہیوں کی) اس سے مغفرت چاہتے رہو۔

ذیل کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے عقیدہ پر ساری زندگی قائم رہنے کے عظیم اخروی ثمرات یعنی نعیم جنت کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

(٤) ان الذين قالوا: ربنا الله' ثم استقاموا تتنزل عليهم الملآئكة ان لاتخافوا ولاتحزنوا وابشروا بالجنة التى كنتم توعدون نحن اولياء كم فى الحيوة الدنيا وفى الاخرة ولكم فيها ماتشتهى انفسكم ولكم فيها ماتدعون نزلاً من غفور الرحيم (حٰم السجدۃ:ع۴)

ترجمہ۔ بیشک جن لوگوں نے (دل سے مان لیا اور زبان سے) کہا ہمارا پروردگار (خالق ومالک) اللہ ہے پھر (ساری زندگی) سختی کے ساتھ (اسی پر) قائم رہے (اور اسی پر مرے) تو ان پر (اللہ کی جانب سے مرتے

وقت) فرشتے اترتے (اور خوشخبری دیتے) ہیں کہ نہ تم (کسی بات سے) ڈرو اور نہ (کسی چیز کا) غم کرو اور تمہیں اس جنت کی خوشخبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (اور یاد رکھو) ہم ہی تمہارے ولی (کفیل) ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس (جنت) میں تمہارے ہی لئے ہے جس چیز کو بھی تمہارا دل چاہے اور تمہارے ہی لئے ہے جو تم (خدام جنت سے) منگواؤ (یہ تمہاری) مہمانی ہے بہت بخشنے والے بڑے ہی مہربان (رب) کی جانب سے۔

ذیل کی آیت کریمہ میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ربوبیت کے عقیدے پر استقامت کا لازمی نتیجہ ہے دین کے احکام پر پابندی کے ساتھ قائم رہنا تب ہی انسان نعیم جنت کا مستحق ہوتا ارشاد ہے۔

(۵) ان الذین قالوا: ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون' اولئک اصحاب الجنۃ خلدین فیھا' جزآء بما کانوا یعملون (الاحقاف: ع ۲)

ترجمہ۔ بیشک جن لوگوں نے (دل سے مان لیا اور زبان سے) کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (ساری زندگی اس پر) سختی کے ساتھ قائم رہے تو نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غم کریں گے (اس لئے کہ) وہی لوگ ہیں جنت والے وہ ہی ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے جو وہ (زندگی میں) نیک کام کرتے رہے ان کی جزا ہے۔

آیات کی تفسیر

(۱) پہلی اور دوسری آیت میں لفظ استقامت پورے دین پر' جس کا نام صراط مستقیم ہے سختی کے ساتھ اس طرح قائم رہنے میں استعمال ہوا ہے کہ نہ کبھی از خود اس سے ہٹے اور نہ کسی کے کہے میں آکر اس سے ہٹے یہی ثابت قدمی اور پختگی استقامت کے اصلی معنی ہیں۔

(۲) تیسری آیت میں استقیموا کے ساتھ الیہ کا اضافہ ظاہر کرتا ہے کہ اس استقامت سے عقائد حقہ توحید' رسالت' آخرت اور تقدیر وغیرہ' کے یقین و ایمان پر استقامت مراد ہے جس کا لازمی نتیجہ اور اثر اعمال' عبادات و احکام دینیہ پر استقامت ہے اور اس میں جو کوتاہی ہو جس کا ہونا ناگزیر ہے اس کی خدا سے مغفرت طلب کرتے رہنے کا حکم ہے کہ یہ بھی استقامت میں داخل ہے۔

(۳) چوتھی اور پانچویں آیت میں استقامت سے اللہ تعالیٰ کی عظیم جمالی صفت ربوبیت پر کامل یقین اور پختہ ایمان پر استقامت مراد ہے جس کا لازمی نتیجہ بلکہ ثبوت عبادات و احکام شرعیہ پر استقامت ہے اگر عبادات و طاعات پر استقامت نہ ہو تو یہ ربوبیت پر ضعف ایمان و یقین کی دلیل ہے اور اگر عبادات و طاعات پر عمل بالکل ہی نہ ہو تو یہ تو ربوبیت پر ایمان و یقین العیاذ باللہ بالکل ہی نہ ہونے کی علامت ہے اسی لئے دوسری آیت میں تصریح فرمادی کہ یہ عظیم کامرانی یعنی جنت کی ابدی نعمتیں اعمال صالحہ کی جزاء ہے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر استقامت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت

ربوبیت کا لفظ رب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں رب ہونا۔ رب کے لفظی معنی تو اگرچہ پالنے والے یا مالک کے ہیں مگر بغیر اضافت کے یعنی تنہا رب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح ربوبیت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی صفات خاصہ میں سے ہے کسی بھی دوسرے پرورش کرنے والے کو نہ رب کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی پرورش کو ربوبیت بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا پرورش کرنے والے کو "مربی" کہتے ہیں اور اس کی پرورش کو "تربیت" کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ میں ربوبیت ایک ایسی بدیہی اور محسوس کی جانے والی صفت اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان چاہے زبان سے اقرار نہ کرے مگر اپنی پوری زندگی میں اس کی کار فرمائی کو محسوس و مشاہد ضرور پاتا ہے پیدا ہونے سے پہلے سے لے کر مرتے دم تک ہر حالت میں اور ہر حصہ عمر میں اس کی تمام ضروریات زندگی اس کی خدا فراموشی بلکہ خدا ناشناسی کے باوجود اسطرح پوری ہوتی ہیں اور زندگی کو تباہ کر دینے والی آفات و مصائب سے اس کی حفاظت اس طرح ہوتی ہے کہ بہت سے مواقع پر تو بڑے سے بڑے خدا کے منکر اور خدا دشمن انسان کی زبان سے بھی بے ساختہ نکلتا ہے کہ بس قدرت نے ہی بچالیا ورنہ تو بچنا بالکل محال تھا۔

نظام اسباب اور اس کی حفاظت

اس اجمال کی تفصیل اور دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ خالق کائنات نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے وہ جس بندہ کو جو کچھ بھی دیتا ہے اسباب و وسائل اور انسانی تدبیر و تصرف کے ذریعہ دیتا ہے مثلاً بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیتا ہے پیدا ہوتے ہی وہ سب سے پہلے ماں کا دودھ پیتا ہے جو اس کے لئے غذا اور پانی دونوں کا کام دیتا ہے نیز ماں باپ کے دلوں میں ایک ایسا زبردست طبعی اور فطری جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اولاد کے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی عمر کو پہنچنے تک بغیر کسی کے کہے سنے اور بتلائے اولاد کی غذا' لباس دوا علاج وغیرہ ضروریات کی اس طرح کفالت کرتے ہیں کہ اپنی ذات اور اس کی ضروریات تک بھول جاتے ہیں اس کے بعد کسب ہنر یا تحصیل علم و فن کے لئے بھی اسباب و وسائل معلمین اور درسگاہیں مقرر فرمادیئے ہیں کہ ان کو سیکھ کر یا حاصل کر کے وہ نہ صرف اپنی ضروریات بلکہ آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کی بھی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو جاتا ہے یہ نظام اسباب و وسائل اتنا پختہ اور محکم ہے کہ عام طور پر کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ خالق کائنات اللہ تعالیٰ خدا ناشناس انسانوں کو اس حقیقت کا مشاہدہ کرانے کی غرض سے (کہ یہ تمام اسباب و وسائل بذات خود تاثیر منفعت یا مضرت رسانی سے بالکل عاری ہیں ان پر تمام تر نتائج' منفعت و مضرت ہم مرتب کرتے ہیں) وقتاً فوقتاً اس نظام اسباب

ووسائل کو بالکل معطل اور ناکارہ بناتے اور نتائج واثرات سے بالکل محروم کرتے رہتے ہیں اور اپنی غیر مرئی قدرت اور ہمہ گیر تصرف کے کرشمے دکھلاتے رہتے ہیں۔

چنانچہ ہر انسان کی زندگی میں بکثرت ایسے مرحلے پیش آتے ہیں کہ قطعی اور یقینی اسباب ووسائل موجود اور انسانی تدبیر کارفرما مصروف کار ہونے کے باوجود متوقع نتائج ان پر مرتب نہیں ہوتے اور کام نہیں ہوتے اور ایسے مواقع بھی بکثرت پیش آتے ہیں کہ اسباب ووسائل یکسر مفقود ہوتے ہیں اور مطلوبہ فوائد ومنافع میسر آجاتے ہیں کام ہونے کی امید بالکل نہیں ہوتی اس کے باوجود کام بن جاتے ہیں بڑے سے بڑا مدبر ومفکر انسان بھی سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور حیران ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ خدا ہی جانے کیسے اور کیونکر یہ کام ہو گیا یا ہو رہا ہے مثلاً ڈاکٹر کسی مہلک مرض کے علاج کی غرض سے ماں یا باپ کا ایسا آپریشن کرتے ہیں کہ اس کے بعد ان کا اولاد پیدا کرنے کے قابل رہنا ناممکن ہوتا ہے اور وہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ساری عمر ان سے اولاد نہ ہوگی مگر ان کے صحت یاب ہو جانے کے بعد اولاد پیدا ہونے لگتی ہے اسی طرح ڈاکٹر اولاد کے خواہشمند جوڑے کا طبی معائنہ کرنے کے بعد ان کے اولاد پیدا کرنے کے قابل ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں اور سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں میاں بیوی بھی تمام تر تدبیریں اور علاج معالجہ کرتے کرتے عاجز آجاتے ہیں مگر ساری عمر نہ حمل ٹھہرتا ہے نہ اولاد ہوتی ہے یا مثلاً آج کل ضبط تولید کی غیر فطری وبا پھیلی ہوئی ہے بیشتر ملکوں کی حکومتیں سر توڑ تدبیریں اور کوششیں کر رہی ہیں سائنسدان ایک سے ایک بڑھ کر قاطع نسل آپریشن، انجکشن اور مانع حمل دوائیں ایجاد کر رہے ہیں اور خدا ناشناس قومیں بھی افزائش کو جو اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ہے روکنے کے لئے انہیں استعمال کر رہی ہیں مگر اس کے باوجود بکثرت ایسی مثالیں سننے اور دیکھنے میں آتی ہیں کہ سارے انجکشن لگوا لینے اور دوائیں استعمال کر لینے کے باوجود اولاد ہوئی ہے اور ہوتی رہی ہے یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان سر پھرے انسانوں اور ان کی تدبیروں کو ذلیل وخوار کرنے کی غرض سے ایک ایک عورت سے بیک وقت چھ چھ بچے پیدا فرما رہے ہیں۔

اسی طرح انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں دیکھا جائے تو اس نظام اسباب اور انسانی تدابیر کے ناکام اور ناکارہ ثابت کرنے والے صدہا واقعات ومشاہدات آپ کو ملیں گے یعنی کامیابی منفعت رسانی یا مضرت رسانی کے اسباب ووسائل اور انسانی تدبیریں اور کوششیں قطعاً موجود نہ ہونے کے باوجود خاطر خواہ نتائج، منفعتیں میسر آنے کے اور تمام تر اسباب ووسائل موجود اور انسانی تدبیریں اور کوششیں مصروف کار ہونے کے باوجود نتائج میں قطعاً کامیابی میسر نہ آنے کے واقعات ومشاہدات انسانی زندگی میں ہر قدم پر اتنی کثرت سے پیش آتے رہتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر انسان اسباب ووسائل کے پس پردہ کسی غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) طاقت یعنی نظام اسباب سے بالاتر اور اس پر کنٹرول کرنے والی طاقت کے وجود کا کسی نہ کسی عنوان سے اقرار کرنے پر مجبور ہوتا ہے اب جس کی قسمت میں سعادت لکھی ہوتی ہے وہ تو انہی گوناگوں واقعات کی روشنی میں اسباب ووسائل کی حقیقت کو سمجھ کر اس عالم اسباب

سے بالاتر اور تمام عالم اسباب میں متصرف طاقت یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا ہے اور اس تمام نظام اسباب و وسائل کے پس پردہ خالق کائنات کی ربوبیت کو کار فرما اور جلوہ گر محسوس کرنے لگتا ہے اور جو شقی ازلی ہوتے ہیں وہ اس قسم کے بے شمار واقعات کو "اتفاقات" کہہ کر ٹال دیتے ہیں اور خدا کے انکار پر اڑے رہتے ہیں مگر اس قسم کے منکرین کی تعداد انسانوں کی دنیا میں نہ ہونے کے برابر ہے نوع انسانی کے اکثر و بیشتر بلکہ تمام تر افراد و اقوام اس نظام اسباب کو کنٹرول کرنے والی اور متصرف طاقت کو کسی نہ کسی عنوان سے تسلیم ضرور کرتے ہیں مگر بد قسمتی سے یہ نظام اسباب کا دبیز پردہ اس خدائی طاقت اور اس کے نظام ربوبیت کو آباد دنیا کی اکثر پیشتر اقوام و افراد کی عقل و بصیرت کو ایمان کی روشنی سے محروم رکھتا ہے اور وہ رب العالمین پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم ہیں۔

ہم اس نظام اسباب کے بذات خود تاثیر اور نتیجہ سے عاری ہونے کے سلسلہ میں اس ایک ہی مثال پر اکتفا کرتے ہیں اور سورۃ الواقعہ کی مذکورہ ذیل آیات اور انکا ترجمہ نقل کرتے ہیں جو انسانی زندگی اور اس کی حوائج کے بنیادی اسباب و وسائل پیدائش پرورش روزی اور موت کے بیان پر حاوی ہے ارشاد ہے:

(۱) افرأیتم ماتمنون ءَ انتم تخلقونہ ام نحن الخالقون نحن قدرنا بینکم الموت ومانحن بمسبوقین علی ان نبدل امثالکم وننشئکم فیمالاتعلمون.

(۱) ذرا تم یہ تو بتلاؤ: یہ جو تم چند قطرے (رحم میں) ٹپکا دیتے ہو تو کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو؟ یا ہم ہیں اس کو (انسان بنانے اور) پیدا کرنے والے؟ (پھر بھی تم ہمارے قبضہ سے باہر نہیں ہو جاتے بلکہ) ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کا وقت بھی مقرر کر دیا ہے (اس سے ہرگز نہیں بچ سکتے) اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں ہیں کہ (تمہارے جائے) تم ہی جیسے اور لوگ بدل دیں اور تم کو ایسی مخلوق بنا دیں جس کو تم جانتے بھی نہیں (جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو)

(۲) افرأیتم ماتحرثون ءَ انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون؟ لونشآء لجعلنہ حطاماً فظلتم تفکھون انالمغرمون بل نحن محرومون.

(۲) اور ہاں ذرا یہ تو بتلاؤ! تم جو (زمین میں) بیج ڈال دیا کرتے ہو تو کیا اس کو اگانے والے تم ہو یا ہم ہیں اس کو بونے اور اگانے والے؟ اگر ہم چاہیں تو اس (ساری اُگی اگائی کھیتی) کو روند ڈالیں پھر تم باتیں بناتے پھرو کہ (ہائے) ہم تو گھاٹے میں آگئے بلکہ ہم تو بالکل ہی لٹ گئے۔

(۳) افرأیتم الماء الذی تشربون ء انتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون؟ لونشآء جعلنہ اجاجاً فلولاتشکرون.

(۳) اچھا ذرا یہ تو بتلاؤ یہ جو (میٹھا) پانی تم پیتے ہو کیا تم اسکو بادلوں سے اُتارتے ہو یا ہم ہیں اسکے اتارنے والے؟ اگر ہم چاہیں تو اسکو (سمندر کے پانی کی طرح) کھارا بنادیں (اور تم پیاسے مرجاؤ) پھر تم (ہمارا) شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔

(۴)افرأیتم النارالتی تورون ء انتم انشاتم شجرتھاام نحن المنشؤن؟ نحن جعلنھاتذکرۃ ومتاعاً للمقوین فسبح باسم ربك العظیم (الواقعہ:ع۲)

(۴)اور یہ تو بتلاؤ کہ یہ جو آگ تم (لکڑیوں سے) سلگاتے ہو کیا تم نے ان کے درختوں کو (سوختنی) بنایا ہے یا ہم ہیں ان کو (سوختنی) بنانے والے؟ ہم نے اس (لکڑیوں کی) آگ کو اپنی قدرت کی یاد دلانے والی (خاص طور پر بیابانوں میں) سفر کرنے والوں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے پس (اور کوئی نہیں مانتا تو نہ مانے) تم تو اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کیا کرو۔

انسانی زندگی کے ان چاروں بنیادی اسباب ووسائل میں سے ہر ایک کی پوری تفصیلات وجزئیات قرآن کریم میں متعدد آیات کے اندر بیان فرمائی ہیں جن کے بیان کرنے کے لئے مستقل دفتر درکار ہے حاصل ان سب کا یہ ہے کہ یہ ظاہری اسباب ووسائل اور انسانی تدبیریں اور کوششیں جن کو تم نے اپنی نادانی اور حقیقت ناشناسی کی بنا پر اپنی ضروریات زندگی اور حاجتوں کا پورا کرنے والا سمجھ رکھا ہے یہ بذات خود کچھ نہیں کر سکتے تمہیں جو کچھ یہ کرتے نظر آتے ہیں دراصل وہ سب کچھ ہم کرتے ہیں چونکہ تمہیں ہماری کارفرمائی نظر نہیں آتی اس لئے تم اس کو ان کی کارگزاری سمجھ بیٹھے بالکل اسی طرح جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے اب کوئی عقل کا دشمن کاغذ پر قلم کی نوک سے حروف بنتے ہوئے دیکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ تحریر قلم نے لکھی ہے تو یہ اس کی نادانی ہے یا حماقت اسی طرح ان اسباب ووسائل اور انسانی تدابیر ومساعی کے ذریعہ ظہور میں آنے والی منفعتوں یا مضرتوں کو یہ سمجھ بیٹھو کہ یہی ہیں انسان کو مضرت یا منفعت پہنچانے والے اور ہماری ضروریات زندگی بہم پہنچانے والے تو یہ تمہاری جہالت اور نادانی ہے یا غفلت وبے حسی، اسی کا پردہ چاک کرنے اور اپنی کارفرمائی کو منظر عام پر لانے کے لئے ہم وقتاً فوقتاً ان اسباب ووسائل کو معطل اور انسانی تدابیر ومساعی کو بے نتیجہ بناتے رہتے ہیں۔

بہرحال اس حقیقت کو سچے دل سے مان لینے کے بعد کہ یہ دنیوی اسباب ووسائل اور انسانی تدبیریں تاثیر سے یکسر عاری ہیں ان پر جو نتائج وثمرات مرتب ہوتے نظر آتے ہیں درحقیقت ان کا مرتب کرنے والا قادر مطلق، مالک الملک اللہ تعالیٰ ہے انسان کے لئے اس حقیقت کا اعتراف کرنا اور اس پر ایمان لانا از بس ضروری اور ناگزیر ہو جاتا ہے پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک انسان کی تمام ضروریات زندگی پیدائش پرورش، روزی، صحت، شفا اور عمر طبعی کو پہنچنے کے بعد موت کے اسباب ووسائل کو حقیقی معنی میں مہیا کرنے والا اور حاجتوں کو پورا کرنے والا یعنی انسان کی پرورش کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ یہ اسباب ووسائل انسانی تدابیر اور دنیوی پرورش کرنے والے ماں باپ وغیرہ جن کے ذریعہ بظاہر اس کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور وہ پرورش پاتا ہے یہی مطلب ہے آیت کریمہ ذیل کا ارشاد ہے:

واتاکم من کل ماسالتموہ وان تعدوانعمة اللہ لاتحصوھا: ان الانسان لظلوم کفار (ابراہیم ع:۵)

اور جو تم نے مانگا اللہ نے وہ تم کو دیا اور اگر تم اللہ کی ان نعمتوں کو شمار کرنے بیٹھو تو تم ان کو شمار تک نہیں کر سکتے بیشک انسان بڑا ہی ناانصاف (اور) بڑا ہی ناشکرا (واقع ہوا) ہے۔

یعنی تمہاری حاجت کو جو تمہاری زندگی کا مطالبہ اور مصلحت کا تقاضا تھی اور ہے اللہ تعالیٰ ان کو پورا ضرور کرتا ہے اور وہ تمہاری ضرورتیں اور حاجتیں جن کو اللہ تعالیٰ پورا کرتا ہے اتنی ہیں کہ تم ان کو گن بھی نہیں سکتے مگر تم اتنے ناانصاف اور ناشکرے واقع ہوئے ہو کہ کبھی مان کر نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بجائے ان ظاہری ضرورتوں کے کفالت کرنے والے انسانوں کا نام لیتے ہو حالانکہ نہ یہ کچھ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں

ربوبیت کی حقیقت اور اسکی اہلیت

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں ربوبیت کا لفظ رب سے نکلا ہے رب کے لفظی معنی ہیں پالنے والا پرورش کرنے والا' پرورش کے معنی ہیں کسی بھی مخلوق (پیدا شدہ چیز) کو تدریجی طور پر اس کے خلقی اور پیدائشی نقص اور پستی سے نکال کر اس فطری کمال اور بلندی تک پہنچانا جس کی صلاحیت واہلیت اس کی ذات میں رکھی ہوتی ہے اس بڑھوتری اور ترقی کو ہی "نشوونما" کہتے ہیں جو مخلوق چیزیں محض مادی غیر ذی عقل ہوتی ہیں جیسے نباتات وحیوانات ان کے نشوونما کے لئے تو صالح یعنی جزو بدن بننے کے قابل مادی غذاؤں کا مہیا کرنا کافی ہوتا ہے اور جو مخلوق چیزیں مادی بھی ہیں اور روحانی بھی جیسے انسان جس کی پرورش اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے ان کی پرورش کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی صالح غذاؤں کا بہم پہنچانا اور مہیا کرنا نیز فاسد نشوونما کو نقصان پہنچانے والی غذاؤں سے بچانا اور محفوظ رکھنا پرورش کرنے والے کا اولین فرض ہوتا ہے نیز اس نشوونما کو ضرر پہنچانے اور فطری کمال سے محروم کرنے والی بہت سی خارجی اور داخلی اندرونی اور بیرونی مادی اور روحانی چیزیں ہوتی ہیں جن سے زیر پرورش مخلوق کو دور اور محفوظ رکھنا اور اگر غفلت یا بے احتیاطی کی وجہ سے کوئی جسمانی یا روحانی نقصان پہنچ جائے تو اس کے ازالہ کی تدبیر یعنی جسمانی یا روحانی علاج معالجہ کرنا بھی پرورش کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے اور اگر وہ زیر پرورش مخلوق ذی شعور اور اپنے ارادہ اور اختیار سے نقل وحرکت کی اہلیت بھی رکھتی ہو تو اسکی تمام حرکات وسکنات' نشست وبرخاست' اخلاق واعمال اور اقوال وافعال کی کڑی نگرانی کرنا بھی پرورش کرنے والے کا کام ہوتا ہے نیز اس کی مصالح زندگی اور ظاہری وباطنی مفادات سے متعلق ضروری ہدایات دینا مفید چیزوں سے آگاہ کرنا اور مضر چیزوں سے منع کرنا اور ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی نگرانی کرنا بھی پرورش کرنے والے کا اہم کام ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے پرورش کرنے والے کے لئے سب سے پہلے تو اس زیر پرورش مخلوق کی پوشیدہ فطری صلاحیتوں سے اور پیدائشی نقص اور پستی سے اور اس نقص اور پستی سے نکال کر فطری کمال اور بلندی تک پہنچانے کی تدبیروں اور طریقوں سے' اس کے بعد صالح اور فاسد مادی اور روحانی غذاؤں کے خواص سے ان کے مفید یا مضر اثرات سے اسی طرح دوسری مضرت رساں چیزوں سے اور انکے ضرر و نقصان اور اس کے ازالہ کی تدبیروں دوا علاج سے گہری اور دور رس واقفیت گوناگوں معلومات وسیع علم' عظیم قدرت' اعلیٰ درجہ کے تدبر اور حکمت کا مالک ہونا کماحقہ پرورش کرنے والے کے لئے از بس ضروری اور لازمی ہے ورنہ وہ کماحقہ پرورش نہ کر سکے گا اور پرورش کرنے والا رب تو کجا مربی بھی نہ کہلا سکے گا۔

اللہ رب العالمین کے سوا اور کوئی انسان کی پرورش کر ہی نہیں سکتا

اور ظاہر ہے کہ انسان کا علم' واقفیت اور تجربہ کتنا ہی وسیع اور عمیق کیوں نہ ہو اسی طرح قوت و طاقت کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو بہر حال محدود ہے اور وہ مخلوق یعنی انسان جس کی پرورش زیر بحث ہے ایک وقت میں بھی بیشمار گوناگوں اور پورے بسیط ارض' روئے زمین پر پھیلی ہوئی اور منتشر ہے اس لئے عقلاً محال بلکہ ناقابل تصور ہے کہ کوئی ایک انسان پوری نسل انسانی کی پرورش کر سکے۔

لامحالہ ایک انسان کے متعلق پرورش کرنے کا تصور تقسیم کار کے طور پر زیادہ سے زیادہ اپنی اولاد کے متعلق ہی کیا جاسکتا ہے لیکن فرائض پرورش کے تنوع اور ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد ہونے کے لحاظ سے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں ایک باپ کے متعلق صرف اپنی اولاد کی پرورش کا تصور بھی چاہے وہ ایک ہی کیوں نہ ہو عادتاً محال ہے اس لئے کہ انسان کی قوت کار بھی محدود ہے ایک انسان ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتا ہے اگر وہ مادی ضروریات زندگی غذا لباس مسکن وغیرہ مہیا کرنے کے لئے کسب معاش میں منہمک ہوگا تو روحانی ضروریات اخلاقی تربیت' تعلیم' اخلاق واعمال کی نگرانی نہیں کر سکتا اسی پر اور ضروریات پرورش کو قیاس کر لیجئے اس لئے ایک باپ کو بھی تقسیم کار کے اصول پر اپنی اولاد کی تربیت کے مختلف شعبے مختلف انسانوں کے سپرد کرنے از بس ضروری اور ناگزیر ہیں مثلاً صالح مادی غذا' لباس وغیرہ ضروریات زندگی وغیرہ مہیا کرنے کا کام وہ اپنے ذمے لے داخلی وخارجی جسمانی مضرت رساں چیزوں دکھ بیماری سے حفاظت اور نقصان پہنچ جانے کی صورت میں اس کے ازالہ کی تدبیر علاج معالجہ وغیرہ کا کام وہ طبیب یا ڈاکٹر کے سپرد کرے روحانی مضرت رساں چیزوں برے اخلاق واطوار واعمال سے حفاظت اور نقصان پہنچ جانے کی صورت میں اس کے ازالہ کی تدبیر اخلاق واعمال کی اصلاح کا کام وہ مربی اخلاق اتالیق کے سپرد کرے اور علوم وفنون کی تعلیم یا صنعت وحرفت سکھانے کا کام وہ معلم اور استاد سے لے اس لحاظ سے ایک باپ کو اپنی اولاد کی پرورش کے لئے کم از کم چار پرورش کرنے والے تو ناگزیر ہیں (۱) ایک خود باپ (۲) دوسرا طبیب یا ڈاکٹر (۳) تیسرا مربی اخلاق یعنی اتالیق (۴) چوتھا معلم یا استاد اس کے باوجود بھی پرورش کے دو نہایت اہم شعبے۔ (۱) ایک اس کی فطری اہمیت وصلاحیت کا پتہ چلانا (۲) دوسرے ناگہانی آفتوں اور حادثوں سے بچانا' رہ جاتے ہیں ان کی اہلیت کسی بھی انسان کے اندر نہیں پائی جاسکتی اس لئے کہ نہ ناگہانی آفتوں اور اچانک حادثوں سے کوئی شخص واقف ہو سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے اسی طرح پوشیدہ فطری صلاحیتوں کو بھی پیدا کرنے والے کے سوا کوئی اور شخص نہیں جان سکتا اس لئے کہ غیب کا علم تو کسی بھی انسان کو نہیں ہے پھر یہ ناقص' ناکام اور مشترک نظام پرورش بھی ناقابل عمل ہے اس لئے کہ ہر ذمہ داری کا کفیل اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے زیر پرورش اولاد کو یقیناً خاص قسم کی ہدایات واحکام دے گا کچھ کاموں اور باتوں سے منع کرے گا کچھ کے کرنے کا حکم دے گا زیر پرورش بچہ کے لئے ان مختلف متنوع

احکام وہدایات پر عمل کرنا عادتاً ناممکن ہے اس لئے کہ ایک انسان خصوصاً بچہ جس کی فطرت ویسے ہی پابندیوں سے بھاگتی ہے زیادہ سے زیادہ کسی ایک مربی کی ہدایات واحکام پر عمل کر سکے گا۔

دیکھا آپ نے ایک باپ بھی اپنی اولاد کی پرورش کی اہلیت سے عاری اور عاجز ہے بلکہ مذکورہ بالا چاروں کفیلوں کے لئے مل بانٹ کر بھی ایک بچہ کی کماحقہ پرورش محال ہے چہ جائیکہ پوری اولاد آدم اور نسل انسانی کی پرورش دراں حالیکہ نوع انسانی کا ہر ہر فرد پیدا ہونے کے بعد سے ہی اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے جس چیز کا سب سے زیادہ محتاج ہے وہ پرورش ہے اور یہ ماں باپ مربی، معلم وغیرہ دنیوی پرورش کرنے والے تو آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ حقیقی معنی میں یہ کسی بھی شخص کی پرورش نہیں کر سکتے یہ تو محض ظاہری اسباب ووسائل ہیں اور بس جو بذات خود تاثیر سے بالکل خالی اور عاری ہیں۔

حقیقی معنی میں پرورش کی تمام تر ذمہ داریوں کو کماحقہ پورا کرنے کا اہل صرف وہی وحدہ لاشریک لہ ہے جو اس تمام مخلوق خصوصاً نوع انسانی کا بلاشرکت غیرے پیدا کرنے والا ہے اور جو پیدا کرنے والا ہوتا ہے وہی اپنی تمام مخلوق کی پوشیدہ سے پوشیدہ فطری صلاحیتوں اور اہلیتوں سے نیز اپنی اور تمام پیدا کردہ چیزوں کی ذرہ ذرہ منفعتوں اور مضرتوں سے ان کے اچھے برے اثرات سے کماحقہ واقف ہوتا ہے اور چونکہ وہی تمام کائنات و مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے وہی ان کا مالک و مختار ہے اور سب پر اتنی زبردست قدرت تصرف رکھتا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر اس کی دنیا میں پتہ تک ہوا کے جھونکے سے نہیں ہل سکتا فعال لمایرید ہے جو چاہے جس چیز سے چاہے کام لے لے اس لئے انسانی فہم سے بالاتر اپنی حکمت و مصلحت کے تحت انسانی زندگی اور اس کی تمام تر ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے جو نظام اسباب ووسائل پیدا اور قائم کیا ہے اس کو در حقیقت وہی چلا رہا ہے اور وہی اپنی اس مخلوق کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کر رہا ہے یہی مطلب ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حسب ذیل اعلان کرانے کا:

رب العالمین الذی خلقنی فھو یھدین والذی ھو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فھو یشفین: والذی یمیتنی ثم یحیین والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین (الشعراء:ع۵)

تمام جہانوں کا پالنے والا جس نے مجھے پیدا کیا ہے پس تو وہی مجھے (سیدھے راستہ پر) چلاتا ہے اور وہ (پروردگار) ہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہ (پروردگار) جو مجھے (جب میرے حق میں مصلحت سمجھے گا تو) موت دے دے گا پھر (حشر کے دن) زندہ کر دے گا اور وہ (میرا پروردگار) جس سے مجھے امید ہے کہ جزاوسزا کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دے گا (کہ یہی غفور رحیم رب کی رحمت کا تقاضا ہے)

لہٰذا بے شک وشبہ ہر انسان کا خواہ وہ مومن ہو یا کافر حقیقی پرورش کرنے والا رب وہی وحدہ لاشریک لہ رب العالمین ہے جو اس تمام کائنات کا عرش سے لے کر فرش تک اور فرشتوں سے لے کر جن وانس تک اور حیوانات

سے لے کر نباتات و جمادات تک سب کا بلا شرکت غیرے تنہا خالق و مالک ہے اور اس نظام اسباب و وسائل کے پس پردہ اس کے علم و حکمت اور قدرت کے تحت جو نظام کار فرما ہے وہی نظام ربوبیت ہے اس محسوس و مشاہد نظام اسباب و وسائل میں جہاں آپ دیکھیں کہ ظاہری اسباب کے خلاف واقعات ظہور میں آرہے ہیں اسباب و وسائل قطعاً موجود نہیں ہیں اور کام ہو رہے ہیں یا تمام تر اسباب و وسائل موجود ہیں اور کام بالکل نہیں ہوتے کسی طرح نہیں ہوتے سمجھ لیجئے اور یقین کر لیجئے کہ یہ رب العالمین کے ہماری آنکھوں سے او جھل نظام ربوبیت کی کار فرمائی اور کرشمہ سازی ہے اور پہلی صورت میں فوراً اس رب العالمین کا شکر ادا کیجئے تاکہ اسی طرح بلا اسباب و وسائل سارے کام بنتے رہیں اور دوسری صورت میں فوراً توبہ و استغفار کیجئے تاکہ رب غفور و رحیم کی ناراضگی اور خفگی دور ہو اور اسباب ساز گار ہو جائیں ہم خود ہماری یہ دنیا اور اس دنیا میں کار فرمایہ نظام اسباب سب مشاہد مخلوق ہیں اور یہ عالم عالم شہادت ہے اس لئے ہم اس نظام اسباب کی ایک ایک جزئیات اور تفصیلات سے واقف ہیں اسی لئے ان اسباب و وسائل اور تدابیر و مساعی کو اختیار کرنے کے مامور بھی ہیں اور مکلف بھی اس کے برعکس نظام ربوبیت ہماری آنکھوں سے او جھل اور دست رس سے بالاتر ہے اور عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے متعلق ہم اتنا ہی جان سکتے اور بتلا سکتے ہیں جتنا ہمارے رب رحمٰن و رحیم یا اس کے رسول رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے یا خدا شناس عقل ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

ربوبیت کے اہم تقاضے رب سے متعلق

اب ہم رب العالمین کی ربوبیت کے چند اہم تقاضوں پر متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ایک مسلمان اپنی زبان سے ربنا کہنے کی ذمہ داری کو محسوس کرے (ا) ایک بہی خواہ اور مہربان پرورش کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زیر پرورش شخص یا اشخاص کی ضروریات اپنے علم و حکمت کے مطابق پوری کرے نہ کہ اس کی طلب اور خواہش کے مطابق اس لئے کہ اس کو خود اپنی منفعت و مضرت اور مصالح زندگی کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ بعض اوقات ان چیزوں کو طلب کرتا ہے جو اس کے لئے مضرت رساں اور مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں اور ان چیزوں سے بھاگتا بلکہ انکار کرتا ہے جو اس کے لئے منفعت رساں اور اس کی مصالح کا تقاضا ہوتی ہیں اس لئے مہربان پرورش کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو وہی چیزیں دے اور وہی خواہش پوری کرے جو اس کے لئے مفید اور مصلحت کے مطابق ہوں خواہ وہ ان سے کتنا ہی بھاگے اور انکار کرے اور وہ چیزیں ہرگز نہ کرے جو اس کے لئے مضر اور خلاف مصلحت ہوں چاہے وہ ان کے لئے کتنا ہی اصرار اور منت و خوشامد کرے یہی مطلب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم

تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم ایک چیز کو برا اور ناگوار سمجھو' حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر اور مفید ہو۔

وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم
اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ تم ایک چیز کو دوست رکھو اور پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہت بری اور مضر ہو۔
واللہ یعلم وانتم لاتعلمون
اللہ ہی (چیزوں کے بہتر و بدتر اور مفید و مضر ہونے کو) جانتا ہے اور تم (کچھ) نہیں جانتے (اس لئے اسی کا کہا مانو اسی میں تمہاری خیر ہے)
اور یہی ہوتی ہیں ہماری وہ دعائیں جو اللہ رب العالمین کے اس وعدہ کے باوجود۔
ادعونی استجب لکم...... تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔
قبول نہیں ہوتیں اس لئے جب آپ کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو یقین کیجئے کہ یہ ہمارے حق میں مضر ہے یا ہماری مصلحت کے خلاف ہے یہ دوسری بات ہے کہ مہربان پرورش کرنے والا از راہ لطف و کرم اس کی دل دہی کے لئے کوئی اور ایسی خوش آئند چیز جو اس کے لئے مضر یا خلاف مصلحت نہیں ہوتی دے کر بہلا دیتا ہے یہی معاملہ ہے رؤف ورحیم رب العالمین کا اپنے بندوں کے ساتھ جیسا کہ دعا کی قبولیت کی تفصیل سے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔
(۲) نیز خیر خواہ پروردگار کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ زیر پرورش فرد اگر اپنے پروردگار کی ان ہدایات واحکامات کی یہی ہدایات واحکام ہیں وہ احکام شرعیہ یعنی مامورات و منہیات جن کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے جو اسی کے فائدے کے لئے وہ دیتا ہے نافرمانی کرے تو اس کی خیر خواہی و پروردگاری کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس سے اپنی ناراضگی کا عملاً اظہار کرے یعنی اس سرتابی کے زائل ہونے تک نظر شفقت و رحمت اس سے پھیر لے یا عبادات کے ثمرات و برکات سے محروم کر دے یا ضروریات پورا کرنے میں بطور سزا کچھ کمی کر دے یا اور کوئی جسمانی سزا دے۔ دکھ مصیبت میں گرفتار کر دے اور جب وہ حسب مصلحت قولاً اور فعلاً فرمانبرداری کا اظہار کرے تو کچھ انعام وغیرہ دے کر حوصلہ افزائی کرے یہی راز ہے انسان کے رزق کی تنگی یا دکھ بیماری یا آفات و مصائب وغیرہ میں گرفتار ہونے کا اور اس کے توبہ واستغفار کرنے کے بعد رزق کی وسعت، خوشحالی، دولت مندی، عزت و جاہ کے میسر آنے کا جن سے انسان اپنی زندگی میں وقتاً فوقتاً دوچار ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیرو مآ انتم بمعجزین فی الارض ومالکم من دون اللہ من ولی ولانصیر.

اور جس مصیبت میں بھی تم گرفتار ہوتے ہو وہ تمہاری ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے اور وہ (ارحم الراحمین) بہت سی تمہاری کرتوتوں سے تو درگزر کرتا رہتا ہے اور تم روئے زمین میں (کہیں بھی) اس کے قابو سے باہر نہیں ہو اور (یاد رکھو) اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی ولی (سرپرست) ہے نہ مددگار۔

اسی طرح ایک رحمٰن ورحیم پروردگار کی ربوبیت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کی زیر پرورش مخلوق یعنی بندوں میں سے جو لوگ برملا اس کی ربوبیت کا انکار کریں یا اس کے علاوہ وہ کسی بھی دوسرے کو اپنا رب کہیں اور زندگی بھر اسی انکار وعناد 'کفر وشرک' پر اڑے رہیں انہیں اس دائمی انکار وعناد کی ابدی سزا بھی دے یعنی ہمیشہ ہمیشہ انہیں اپنے قہر وغضب کی آگ نار جہنم میں اس طرح جلائے کہ **لایموت ولایحییٰ** نہ مرے نہ جئے یہی معنی ہیں مذکورہ ذیل آیات کے:

(۱) ان الله لایغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشآء

بیشک اللہ اس کو تو معاف نہیں کرے گا کہ اس کا ساتھ کسی اور کو شریک مانا جائے (یعنی شرک اور کفر کو توبہ کئے بغیر ہرگز معاف نہیں کریگا اس سے کم درجہ کے گناہوں کو جس کیلئے چاہے گا (اور مناسب جانے گا) معاف کردیگا۔

(۲) وان ربك لذو مغفرة وذو عقاب الیم

اور بیشک تمہارا پروردگار (بڑا ہی) مغفرت کرنے والا اور (بڑا ہی) دردناک عذاب دینے والا ہے۔

(۳) ان بطش ربك لشدید

بیشک تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت ہی سخت ہے۔

دیکھئے آخری دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم صفت رب ہی واقع ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ **بطش شدید** اور عقاب الیم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی کے تقاضے ہیں ان دونوں کی رب العالمین نے قرآن عظیم میں بڑی تفصیل کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے تاکہ ان تفصیلات کو پڑھ کر یا سنکر ان فریب خوردہ اپنی جان کے دشمن انسانوں کی آنکھیں کھل جائیں اور کم از کم مرنے سے پہلے تو اس پر اور اس کی ربوبیت پر ایمان لے آئیں جو مکار نفس اور شیاطین جن وانس کے دام فریب اور خواہشات ولذات نفس کے سبز باغ سے دھوکا کھا کر اندھے بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں اور رب العالمین کا اسکی ربوبیت کا جس کی بدولت وہ دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس کی ہدایات وتعلیمات کا جو انہی کے فائدے اور مصلحت کی غرض سے اس نے دی ہیں انکار کر رہے ہیں اور کند چھری سے اپنی انسانیت کا گلا کاٹ رہے ہیں اور محرمات ومنہیات کے مہلک زہر کے پیالے پر پیالے چڑھائے جارہے ہیں

ربوبیت کے اہم ترین تقاضے زیر پرورش مخلوق سے متعلق

اب تک آپ نے ربوبیت یعنی پرورش کے ان تقاضوں کا بیان پڑھا ہے جو رب پرورش کرنے والے سے تعلق رکھتے ہیں ان کے علاوہ ربوبیت کے کچھ تقاضے ایسے بھی ہیں زیر پرورش شخص یا اشخاص سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً

پرورش کی مذکورہ بالا تفصیل وتشریح پڑھ کر اس بات میں تو کسی صحیح العقل انسان کو ذرہ برابر شک وشبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ اللہ رب العالمین کی یہ عالمگیر اور ہمہ گیر پرورش جو بندوں کے کفر وشرک 'انکار وعناد' سرکشی وسرتابی' فسق وفجور کے باوجود جاری رہتی ہے اتنا بڑا احسان عظیم ہے کہ بندہ اس کے سوا اور کسی طرح اس انعام واحسان کا شکر ادا کر ہی

نہیں سکتا کہ اپنی تمام تر ہمت اور عملی قوت اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے میں یعنی اس کی مقرر کردہ عبادات اخلاص کے ساتھ ادا کرنے میں صرف کرے اور ثابت قدمی کے ساتھ مرتے دم تک ان عبادتوں کے ادا کرنے پر قائم رہے جو اس نے فرض کی ہیں کہ کیونکہ یہ عبادت پر استقامت ایک طرف اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور انعام واحسان کا شکر ادا کرنے کی واحد صورت ہے دوسری طرف اس کے وعدے۔

لئن شکرتم لازیدنکم ...... اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

کے بموجب زیادہ سے زیادہ اس کے انعام واحسان حاصل کرنے کا وسیلہ ہے بندہ جتنا زیادہ یہ شکر نعمت یعنی عبادات ادا کرے گا اتنا ہی اس کے انعام واحسان میں اضافہ ہوگا اتنی ہی پرورش اور روحانی وجسمانی' ظاہری وباطنی نشوونما زیادہ تر اور بہتر ہوگی اس لحاظ سے اس عبادت گزاری کی عظیم تر منفعت بھی اسی عبادت گزار بندے کو نصیب ہوگی اور وہ کامل سے کامل تر انسان بن سکے گا۔

اس کے برعکس اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ادا کرنے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی کی یا بالکل ہی ترک کر بیٹھا تو ایک طرف تو اس ناشکری اور نمک حرامی کی کمینگی کی بنا پر اشرف المخلوقات کے مقام عظمت ورفعت سے گر کر جانوروں سے بھی گیا گزرا ہو جائے گا یہی مطلب ہے آیت کریمہ:

اولئك کا لانعام بل ھم اضل

وہ (کافر و منکر) تو جانوروں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے اس لئے کہ جانور بھی اپنے چارہ ڈالنے والے مالک کو پہچانتا اور اس کے سامنے سر جھکاتا ہے دوسری طرف کفران نعمت یعنی ناشکری اور نمک حرامی کے شدید ترین جرم کا مرتکب ہوگا اور آیت کریمہ ذیل کے بموجب اس کی دردناک سزا بھگتنی ہوگی ارشاد ہے:

ولئن کفرتم ان عذابی لشدید

اور اگر تم نے ناشکری (اور نمک حرامی) کی تو میرا عذاب بہت سخت ہے

اور انسانیت کا چہرہ مسخ ہو جانے کی وجہ سے' روحانی نشوونما کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا وہ الگ رہا۔

اس لحاظ سے پرورش کی تکمیل اور رب العالمین کی ربوبیت سے کماحقہ' بہرہ یاب ہونے کے لئے زیر پرورش بندوں کا اپنے ولی نعمت آقا اللہ رب العالمین کی فرض کردہ عبادتوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے پر قائم رہنا انسانی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور عقل وخرد کا تقاضا بھی ہے اور ربوبیت الٰہیہ سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کا تقاضا تو ہے ہی۔

(۲) اسی طرح پرورش کی تشریح کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ پرورش کے لازمی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ پرورش کرنے والا محض زیر پرورش مخلوق کی منفعتوں اور مضرتوں کی اور مصالح ومفادات کی حفاظت اور نگرانی کی غرض سے ضروری ہدایات واحکامات دے یعنی جسمانی یا روحانی مضرت رساں چیزوں

یا کاموں کے اختیار کرنے سے منع کرے اور منفعت رساں چیزوں یا کاموں کے اختیار کرنے کا حکم دے انہی ہدایات و احکامات کا نام منہیات و مامورات شرعیہ یا احکام الٰہیہ ہے ظاہر ہے کہ ان احکام شرعیہ کی خلاف ورزی یا نافرمانی اپنی پرورش کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانے بلکہ تباہ کرنے کے مرادف ہے پرورش کرنے والے رب العالمین کی ناراضگی عقاب' وعذاب دنیوی الگ رہا اس لئے زیر پرورش بندوں کا انتہائی ضروری فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ پوری پابندی کے ساتھ زندگی بھر احکام دینیہ کی پابندی پر قائم رہیں اور اگر از راہ غفلت یا نادانستہ طور پر کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو اسی رب غفور کے بتلائے ہوئے طریق پر یعنی توبہ واستغفار کے ذریعہ جلد از جلد اس کی تلافی کریں تاکہ جسمانی یا روحانی نشوونما میں خلل نہ پڑے۔

ربنا اللہ کہنے کے اور اس پر استقامت کے معنی

ربوبیت کی اس تمام تر تفصیل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد سمجھئے کہ ربنا اللہ کہنے کے جس کا ذکر قرآن عظیم کی آخری دو آیتوں میں آیا ہے کیا معنی ہیں اور اتنی سی بات کہنے اور ساری عمر اس بات پر قائم رہنے سے کس طرح ایک انسانی تصور سے بالاتر جنت اور نعیم جنت کا جن کے متعلق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاعین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر:
نہ کسی آنکھ نے (وہ جنت) دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال گذرا۔
مستحق اور مالک کیونکر بن جاتا ہے۔

مثالیں:

دیکھئے جس طرح کسی ملک میں رہنے والا جب اپنی زبان سے کہتا ہے میں اس ملک کا شہری ہوں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس ملک کی حکومت کے تمام قوانین واحکام کی پابندی اپنے ذمہ لیتا ہے اور ان میں سے کسی ایک قانون یا حکم کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں اپنے مجرم اور مستحق سزا ہونے کا اقرار کرتا ہے اور خدا نہ کرے ایسی صورت پیش آجائے تو خود کو خواہی نخواہی سزا کے لئے پیش کر دینے کی ذمہ داری بھی لیتا ہے۔

اسی طرح کسی شخص یا محکمہ کا ملازم جب اپنی زبان سے یہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص یا محکمہ کا ملازم ہوں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس شخص یا دفتر کی مفوضہ خدمات' جن کاموں کے لئے وہ ملازم رکھا گیا ہے کسی کوتاہی یا خیانت کے بغیر پابندی کے ساتھ انجام دینے اور اس شخص یا دفتر کے ان خدمات سے متعلق احکامات کی تعمیل کرنے کو اپنے ذمہ لیتا ہے اور اگر دانستہ یا نادانستہ کوئی کوتاہی' خلاف ورزی یا خیانت سرزد ہو جائے تو اس کی پاداش میں سزا کو قبول کرنے کے لئے آمادگی کا بھی اقرار کرتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی عورت کسی مرد کے متعلق اپنی زبان سے کہتی ہے کہ یہ مرد میرا شوہر ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ عورت اس مرد کے تمام حقوق زوجیت ادا کرنے اپنے اوپر اس کو قدرت دینے اور ان حقوق سے متعلق اس کے احکامات کی اطاعت کرنے کی ذمہ دار بنتی ہے اگر دانستہ یا نادانستہ طور پر کبھی کوئی حق تلفی یا خلاف ورزی سرزد ہو جائے تو اس کی مقررہ پاداش بھگتنے کے لئے آمادگی کا بھی اقرار کرتی ہے۔

اسی طرح جب کوئی مرد کسی عورت کے متعلق کہتا ہے کہ یہ عورت میری بیوی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ مرد اس عورت کے مقررہ نفقات ضروریات زندگی اور اخراجات کی کفالت کا اور اس کے علاوہ دوسرے ازدواجی حقوق کے ادا کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے اگر ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوتاہی ہو یا بالکل ہی پورا نہ کرے تو وہ اس کی پاداش میں عورت کے عدالتی چارہ جوئی کرنے اور فیصلہ کی صورت میں خواہی نخواہی اس کو فارغ خطی لکھ دینے اور ازدواجی رشتہ سے آزاد کر دینے کے لئے آمادگی کا بھی اقرار کرتا ہے۔

یہ مثالیں صرف سہولت فہم اور آسانی سے سمجھنے کی غرض سے ذکر کی گئی ہیں کہ ذرا سی زبان سے کہی ہوئی بات کے معنی اور مصداق میں کتنی وسعت اور اہمیت رکھی ہوتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مقدس صفات کی تو کوئی مثال ہے ہی نہیں لیس کمثله شيء اس جیسی کوئی بھی چیز نہیں یہ اس کا اپنی اور اپنی صفات کے متعلق اعلان ہے اس لئے آپ رب اور ربوبیت سے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر یوں سمجھئے کہ جب ایک عاقل و بالغ انسان بقائمی ہوش و حواس دل سے مانتا اور زبان سے کہتا ہے ربی اللہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے تو وہ پورے اخلاص کے ساتھ محض اللہ رب العالمین کی رضا اور خوشنودی کی غرض سے اس کے بیان فرمودہ تمام عقائد پر یقین و ایمان رکھنے کا اس کی فرض کردہ تمام عبادتوں کے مقدور بھر ادا کرنے کا اور اس کے تمام احکامات ماموارت و منہیات کی تابمقدور اطاعت کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے اور استقامت سے متعلق تمام مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر ثم استقاموا کے معنی یہ سمجھئے کہ عقائد حقہ کے یقین و ایمان پر ساری زندگی اس طرح قائم رہے کہ کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں ذرہ برابر شک و شبہ یا تذبذب و تردد اس یقین و ایمان میں راہ نہ پاسکے اور مقدور بھر عبادات ادا کرنے پر ساری عمر اس پختگی کے ساتھ قائم رہے کہ عذر شرعی کے علاوہ کبھی بھی عمداً اور دانستہ کوئی فرض عبادت نہ چھوڑے اور حد اعتدال میں رہ کر نفلی عبادتیں بھی پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے اگر بتقاضا بشریت نادانستہ یا غفلت سے کبھی کوئی عبادت چھوٹ جائے فوراً اس کی قضا کرلے اور توبہ و استغفار کر کے سہو یا غفلت کی تلافی کر دے اور احکام شرعیہ کی تابمقدور اطاعت اس طرح کرے کہ کسی بھی امر ماموربہ کو دانستہ کبھی نہ چھوڑے اور کسی بھی امر منہی عنہ کے دانستہ پاس تک نہ جائے اگر کبھی کوئی امر ماموربہ غفلت سے چھوٹ جائے یا غفلت سے امر منہی عنہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو فوراً توبہ و استغفار کے ذریعہ اس کی تلافی کر دے ساری زندگی پختگی اور پائیداری کے ساتھ اسی معمول پر قائم رہے اسی پر جئے اسی پر مرے۔

ایسے فرشتہ صفت بلکہ فرشتوں سے بھی افضل ارباب عزیمت اور اصحاب استقامت انسان یقیناً اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور مقرب ترین بندے ہیں اور یہی جنت نعیم کے مالک ہیں بلکہ دراصل جنت انہی کے لئے ہے اور باقی ان سے کم درجہ کے مسلمان توان کے طفیل میں جنت میں جائیں گے اس لئے کہ وہ بھی کسی نہ کسی حد تک انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے اور رات دن دعا مانگتے رہے ہیں۔

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم:

(اے رحمٰن ورحیم رب العالمین) تو ہمیں سیدھی راہ پر چلا ان لوگوں کی راہ پر جن پر تونے انعام فرمایا ہے۔

ارحم الراحمین سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے انہی اصحاب استقامت ربنا اللہ کہنے والے مومنین' کے زمرہ میں قارئین کتاب کو بھی اور ہمیں بھی شامل فرمالیں آمین بحرمۃ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

استقامت سے متعلق احادیث

اسلام کیا ہے؟

وعن أبي عمرو ، وقيل : أبي عَمرة سفيان بن عبد الله رضي الله عنه ، قَالَ :قُلْتُ : يَا رَسُول الله ، قُلْ لي في الإسْلامِ قَولاً لاَ أسْأَلُ عَنْهُ أحَداً غَيْرَكَ . قَالَ : " قُلْ : آمَنْتُ بِاللهِ ، ثُمَّ استَقِمْ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو عمرہ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: (ایک دن) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ مجھے اسلام کے متعلق ایسی (تسلی بخش) بات بتلادیجئے کہ پھر مجھے کسی سے اسلام کے متعلق سوال نہ کرنا پڑے" نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم (دل سے) آمنت باللہ کہہ لو اور پھر پختگی کے ساتھ (زندگی بھر) اس پر قائم رہو (بس یہی اسلام ہے)

آمنت باللہ کے معنی

تشریح: آمنت باللہ دراصل ایک معاہدہ ہے اس امر کا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو اور اس کے ہر حکم کو مان لیا اور اس پر عمل کرنا اپنے ذمہ لے لیا اس لئے آمنت باللہ ’میں اللہ پر ایمان لے آیا کے معنی یہ ہوئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین اسلام پر یعنی اسلامی عقائد پر‘ عبادات پر‘ اور احکام پر ایمان لے آیا دل وجان سے ان کو برحق مان لیا اور ان پر عمل کرنے کا ذمہ دار بن گیا لہٰذا آمنت باللہ کہنے کے بعد جو شخص اسلام کے کسی بھی عقیدہ کو یا کسی بھی عبادت کو یا کسی بھی حکم کو نہ مانے اور اس کا سرے سے انکار کردے یا اس کے کوئی ایسے معنی اور مراد بتلائے جو نہ اللہ تعالیٰ نے بتلائے نہ رسول نے‘ نہ ہی اس چودہ صدیوں کے عرصہ میں کسی صحابی نے امام نے مجتہد نے یا کسی بھی مسلم ومستند عالم نے بیان کئے تو اس نے خود اپنی زبان سے اپنے قول آمنت باللہ کی تردید وتکذیب کردی معاہدہ کو توڑ دیا اور اسلام سے خارج اور کافر ومرتد ہو گیا اس لئے کہ اسلام نام ہے مجموعہ عقائد وعبادات واحکام کا ان تینوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار یعنی کسی بھی عقیدہ کا انکار کسی بھی عبادت کا انکار‘ یا کسی بھی حکم کا انکار‘ اسلام کا انکار ہے چنانچہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک حکم یعنی لڑائی میں اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرنے کا خلاف کیا تھا تو اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

افتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض فماجزآء من یفعل ذلك منکم الاخزی فی الحیوۃ الدنیاویوم القیمۃ یردون الی اشدالعذاب (بقرہ:ع ۱۰)

توکیاتم (آسمانی) کتاب (تورات) کاایک حکم مانتے ہوایک کو نہیں مانتے؟ توتم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کی سزاتودنیاکی زندگی میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

یہ بالکل ایساہی ہے جیسے کسی شخص کاکسی حکومت کوتسلیم کرناایک معاہدہ ہوتاہے اس امر کاکہ میں نے اس حکومت کے تمام قوانین واحکام کومان لیااوران پر عمل کرنے کاذمہ دار بن گیااوراس کے بعد اگر وہ حکومت کے کسی ایک قانون کو بھی نہ مانے خواہ وہ فوجداری کاقانون ہویادیوانی کاتووہ اس حکومت کاباغی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کوخطاب کرکے فرماتے ہیں۔

یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفة ولا تتبعوا خطوت الشیطان انه لکم عدو مبین

اے ایمان والوتم پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو (کہ کوئی بات تومانواور کوئی نہ مانو) بیشک وہ شیطان تمہاراکھلاہوادشمن ہے۔

لہٰذاجو شخص خاتم النبیین کوآخری نبی نہ مانے یااس میں کوئی تاویل کرےاور آپ کے بعد کسی بھی شخص کوکسی بھی طرح کانبی مانے یاقرآن عظیم کواللہ تعالیٰ کاکلام نہ مانے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاحالت جذب واستغراق یعنی توسیع ذات میں کہاہواکلام کہے یانماز کوعبادت نہ مانےاور کہے یہ تواس زمانے کے فوجی تنظیم (ڈسپلن) سے ناواقف مسلمانوں کوفوجی تربیت دینے کی ایک مشق (پریڈ) تھی ہمارے زمانہ میں فوجی تعلیم وتربیت کی باضابطہ درس گاہیں کھل گئی ہیں اب نماز کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی یاز کوٰۃ کومالی عبادت ماننے کے بجائے اسلامی حکومت کاٹیکس قرار دے اور کہے کہ جس شخص نے سرکاری ٹیکس دے دیااس کی زکوٰۃاداہوگئی اسی طرح حج کوعبادت نہ مانے بلکہ اس زمانے کے مسلمانوں کی ایک سیاسی کانفرنس بتلائے جوآپ نے مکہ میں بلائی تھی کاروباری سود کوتجارتی منافع کہہ کرحلال اور جائز بتلائے باہمی رضامندی کے ساتھ زناکوجائز قرار دے شراب اتنی جس سے نشہ نہ ہویابیر وغیرہ شرابوں کوحلال کہے غرض اسی طرح تمام شرعی احکام کایہ کہہ کرانکار کردے کہ یہ احکام اب سے چودہ سوبرس پہلے عرب معاشرہ کے تقاضا کے مطابق دیئے گئے تھے اب نہ وہ زمانہ ہے نہ وہ معاشرہ اب ان کے بجائے قانون سازاسمبلیوں کے بنائے ہوئے قوانین اور برسراقتدار حکومت کے احکام کی پابندی فرض ہے یہ اوراسی قسم کے نام نہاد مسلمان اپنی زبان سے خوداپنے ایمان واسلام سے خارج ہونے پر مہر تصدیق ثبت کررہے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ اوراس کے دین پرایمان لانے کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے کھلے ہوئے دشمن یہودی اور نصرانی مستشرقین اوران کی تحقیقات پرایمان لائے ہیں انہی شیاطین کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ان کواسلام سے دور کابھی واسطہ نہیں۔

باقی جولوگ مانتے سب کچھ ہیں مگر عمل کسی ایک چیز پر بھی نہیں کرتے نہ کبھی نماز پڑھتے ہیں نہ کبھی روزہ رکھتے ہیں مالدار ہونے کے باوجود نہ زکوٰۃ دیتے ہیں نہ حج کرتے ہیں اس کے برعکس مذکورہ بالااوران کے علاوہ تمام حرام

کاریوں میں اور کافروں مشرکوں جیسے کاموں میں شب و روز زندگی بسر کرتے ہیں تہذیب میں تمدن میں غرض ہر چیز میں انہی جیسا بننے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں ایسے لوگ بھی اپنے عمل سے اپنی زبان کی یعنی آمنت باللہ کی تردید و تکذیب کرتے ہیں اگر ایسے لوگ مرنے سے پہلے صحیح معنوں میں سچے دل سے توبہ نہ کریں گے اور کلی طور پر اسلام کے عقائد عبادات و احکام کی پابندی نہ اختیار کریں گے تو ان تمام سزاؤں اور جہنم کے عذاب کے مستحق ہوں گے جو قرآن و حدیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور ان کفار مشرکین کے ساتھ ہی ان کا حشر ہوگا جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مریں گے اور اگر کچھ عبادتیں تو ادا کرتے ہیں کچھ نہیں یا کبھی ادا کرتے ہیں کبھی نہیں اسی طرح شریعت کے بقیہ احکام میں سے کچھ پر عمل کرتے ہیں کچھ پر نہیں یا کبھی عمل کرتے ہیں کبھی نہیں تو یہ استقامت کے خلاف اور منافی ہے اس لئے ان لوگوں کا ایمان و اسلام پکا اور پختہ نہیں ہے جو عبادتیں ترک کی ہیں ان کی قضا نہ کی یا جو گناہ اور نافرمانیاں کی ہیں مرنے سے پہلے ان سے توبہ نہ کی تو اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کی سزا عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے آخری دونوں قسم کے لوگ مسلمان تو کہلائیں گے مگر فساق و فجار کے زمرہ میں داخل ہوں گے اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف نہ کیا تو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے بقدر جہنم کی آگ میں ضرور جلیں گے اس پورے بیان کے ایک ایک فقرہ کے ثبوت اور دلیل میں قرآن کریم کی صریح آیات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث موجود ہیں طوالت سے بچنے کی غرض سے ہم نے ذکر نہیں کیا ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ ملحدوں اور بے دینوں کا ایک مخصوص فرقہ اپنے مخصوص مشن کے تحت اسلام کے نام پر اسلام کے عقائد عبادات اور احکام کی بیخ کنی پر تلا ہوا ہے اور "ماڈرن اسلام" تیار کرنے کے درپے ہے اس لئے آمنت باللہ کی تشریح میں ہم نے مذکورہ بالا تفصیلات کا بیان کرنا ضروری سمجھا تاکہ کتاب کے قارئین ان دشمنان اسلام یہودیوں اور نصرانیوں کے مہروں کی شاطرانہ چالوں میں نہ آئیں اور اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو آمنت باللہ پر استقامت کی توفیق عطا فرمائیں آمین بحرمة سيد المرسلين خاتم النبيين صلى الله عليه وسلم.

ایک اہم نکتہ آمنت باللہ اور ربنا اللہ کا باہمی ربط

اللہ تعالیٰ کی ذات اس تمام کائنات سے ماوراء انسانی نظر و فکر اور عقل و فہم کی دسترس سے بالکل ہی وراء الوراء دور سے بہت دور ہے ہمارے لئے اس کے علم و معرفت کا جو اس پر ایمان لانے کے لئے از بس ضروری ہے ذریعہ اس کے سوا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ یا جو خود اس نے اپنے کلام قرآن عظیم میں اپنا تعارف کرایا ہے اس کے ذریعہ اس کا علم حاصل کریں یا پھر اس کی جن صفات و شیون شانوں کو ہم اپنی ذات و صفات اور اپنی زندگی میں کار فرما پاتے ہیں ان کے ذریعہ اس کا علم حاصل کریں۔

علم و معرفت الٰہی کے انہی دونوں ذریعوں میں کامل غور و فکر اور تلاش و جستجو کے بعد اہل ایمان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اللہ تو اس کا اسم جلالت یعنی علم شخصی اور ذاتی نام ہے چنانچہ علماء اسلام نے اللہ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اللہ اس ذات کا ذاتی نام ہے جس میں وہ تمام تر کمالات جو تصور میں آسکتے ہیں اعلیٰ درجہ پر بیک وقت موجود اور بر قرار ہیں اور وہ ان تمام عیوب، نقائص اور کمزوریوں سے بالکل پاک اور مبرا ہے جو اس کی شان کے منافی ہیں اور اس کے علاوہ بقیہ تمام نام جو اس نے قرآن عظیم میں ذکر فرمائے ہیں اور صاحب وحی والہام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم' نے ان کی تعداد ننانوے بتلائی ہے وہ سب اسماء حسنیٰ 'اچھے نام' یعنی صفاتی نام ہیں ان اسماء حسنیٰ میں سب سے زیادہ محسوس و مشاہد اور اہم نام جس کو ہم اپنی شب و روز کی زندگی میں ہر قدم پر محسوس اور کار فرما پاتے ہیں جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں وہ رب ہے اس لئے کہ ہر عاقل و بالغ انسان جب اس فطری سوال کو حل کرنے کے لئے کہ ہمیں کس نے پیدا کیا ہے اور کون پیدا ہونے سے لیکر مرتے دم تک ہماری تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اپنے ماحول اور اس پورے عالم اسباب کا بنظر غائر جائزہ لیتا ہے تو اس کو نہ صرف اپنی زندگی بلکہ پورے عالم اسباب میں کار فرما (کنٹرول کرنے والی) عظیم غیر مرئی طاقت کا اور اس کی حاجت روائی کار برآری اور کارسازی کا احساس ہوتا ہے اور فطری طور پر اس کی معرفت اور اس تک رسائی حاصل کرنے کا ایک زبردست داعیہ جذبہ اور جستجو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اسی اثناء میں ایک داعی حق یعنی قرآن عظیم کی آواز اس کے دل کے کانوں میں آتی ہے اور وہ قرآن کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے مطالعہ سے اس کو علم ہوتا ہے کہ وہ غیر مرئی طاقت ہمارا رب پرورش کرنے والا ہے اور اس کا نام اللہ ہے وہ سچے دل سے فوراً اس پر ایمان لے آتا ہے لہٰذا انسان سب سے پہلے اور سب سے زیادہ یقینی طور پر جس صفت سے متعارف ہوتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے وہ رب اور اس کی صفت ربوبیت ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ سب سے پہلے بے ساختہ جو کلمہ ایک حق کے متلاشی انسان کی زبان سے اس تمام کائنات کا جائزہ لینے کے بعد نکلتا ہے وہ ربنا اللہ ہے اور اس کے بعد فوراً جو کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ آمنت باللہ ہے لہٰذا خدا کی معرفت کا پہلا قدم یا پہلا زینہ ربنا اللہ ہے اور دوسرا قدم یا زینہ آمنت باللہ ہے چنانچہ قرآن عظیم بندوں کی زبان سے ہی بیان فرماتا ہے۔

ربنآ اننا سمعنا منا دیاً ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و کفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار (آل عمران:ع ۲۰)

اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے ایک منادی کرنے والے کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے سنا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے پس (اب تو) اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے (اس لئے کہ تو رب غفور ہے) اور ہماری تمام برائیوں کا کفارہ کردے اور نیکو کاروں کے ساتھ ہمیں (دنیا سے) اٹھائیو۔

اس آیت کریمہ اوراس کے ترجمہ پر غور کیجئے دیکھئے: ربنآ اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا میں اللہ کو بار بار ربنا سے پکارنااور رب پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہمارے اس بیان کی صاف تائید کررہاہے کہ انسان کااللہ تعالیٰ سے سب سے پہلا تعارف اس کے وصف ربوبیت کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہی تعارف انسان کے دل میں ایمان لانے کاداعیہ اور جذبہ پیدا کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور آمنت باللہ کہتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے وجود کی فطری دلیل ہے ہم نے طوالت کے خوف سے اس آیت کریمہ سے پہلے ان فی خلق السموات والارض سے لے کر انك لاتخلف المیعاد تک کی تمام آیات کو نقل نہیں کیا ہے آپ ان تمام آیات کواوران کے ترجمہ کو پڑھئے آپ ان شاءاللہ بڑااطمینان وسکون محسوس کریں گے۔

امنت باللہ کی تفصیل

اس امنت باللہ کی تفصیل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ' نے ذیل کی حدیث میں فرمائی ہے۔

رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولاً ونبیاً

میں نے اللہ کو رب مان لیااور اسلام کو اپنادین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم 'کو اپنا پیغمبر اور نبی (مان لیا)

یہ تفصیل ہمارے اس بیان کی تائید کرتی ہے جو ہم نے آمنت باللہ کے معنی کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

امنت باللہ کی مسلمانوں میں اہمیت

آمنت باللہ کی مسلمانوں کے نزدیک اہمیت کااندازہ اس سے کیجئے کہ اسلامی مکتبوں میں اسکولوں میں نہیں کہ ان کے سربراہوں کا مقصد تو مسلمان بچہ کے کانوں کوان چیزوں سے ناآشنا رکھنا ہی ہے ہر مسلمان بچے کواسلام کے پانچ کلموں کے ساتھ ایمان مجمل کے عنوان سے یاد کرایا جاتا ہے۔

امنت باللہ کماھو باسمآء ہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ

میں اللہ پر جیساوہ ہے اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ایمان لے آیااوراس کے تمام احکام قبول کرلئے

اور ایمان مفصل کے عنوان سے یاد کرایا جاتا ہے:

امنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعدالموت.

میں ایمان لے آیا اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے پیغمبروں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر جو اچھی ہو یا بری اللہ کی جانب سے ہے اور مرنے کے بعد زندہ اٹھنے پر۔

اسی کانتیجہ ہے کہ ان مکتبوں میں پڑے ہوئے بچوں کے دل پر یہ امور جو اسلامی معتقدات کانچوڑ ہیں پتھر کی لکیر کی طرح نقش ہوجاتے ہیں اور ساری عمر نہیں مٹتے۔

اعتدال اور استقامت کا حکم اور نجات کا ذریعہ

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " قَارِبُوا وَسَدِّدُوا ، وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَنْ يَنْجُوَ أَحَدٌ مِنْكُمْ بعَمَلِهِ " قالُوا : وَلا أَنْتَ يَا رَسُول الله ؟ قَالَ : " وَلاَ أنا إلاَّ أنْ يَتَغَمَّدَني الله برَحْمَةٍ مِنهُ وَفَضْلٍ " رواه مسلم . وَ" المُقَارَبَةُ " : القَصدُ الَّذِي لا غُلُوَّ فِيهِ وَلاَ تَقْصيرَ ، وَ" السَّدَادُ " : الاستقامة والإصابة . وَ" يتغمَّدني " : يلبسني ويسترني . قَالَ العلماءُ : مَعنَى الاستقامَةِ لُزُومُ طَاعَةِ الله تَعَالَى ، قالوا : وهِيَ مِنْ جَوَامِعِ الكَلِم ، وَهِيَ نِظَامُ الأُمُور ؛ وباللهِ التَّوفِيقُ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم (دینی اور دنیوی) تمام کاموں میں درمیانی راہ اعتدال کو اختیار کرو اور (ساری عمر اس پر) سختی کے ساتھ قائم رہو اور یاد رکھو تم میں سے کوئی شخص بھی (محض) اپنے عمل کی وجہ سے ہر گز نجات نہیں پائے گا صحابہؓ نے عرض کیا اور نہ آپ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا: اور نہ میں بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت (کی پناہ میں) اور فضل (وانعام کے دامن) میں چھپالے۔

مقاربۃ کے معنی ہیں ایسی میانہ روی جو غلو اور تقصیر سے خالی ہو، سداد کے معنی استقامت اور درستگی کے ہیں، یتغمدنی مجھے پہنائے اور مجھے ڈھانپ لے، علماء فرماتے ہیں کہ استقامت کے معنی لزوم طاعت کے ہیں اور فرمایا کہ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے کہ امور دینی کا نظم اسی پر استوار ہے۔ وباللہ التوفیق

تشریح: اس حدیث کے پہلے حصہ میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی اور دنیوی امور میں کامیابی وکامرانی کے دو عظیم اصولوں کو بیان فرمایا ہے ایک اعتدال دوسرے استقامت ان دونوں اصولوں کی سیر حاصل تشریح آپ پڑھ چکے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان دونوں اصولوں پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما دیں یقیناً وہ قرآن اور حدیث کی تصریحات کے مطابق دنیا میں بھی سرخروئی کی زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں تو جنت اور نعیم جنت کا اس کے لئے وعدہ ہے ہی چونکہ مکار نفس ہر وقت اس کو دینی فوز وفلاح سے محروم کرنے کی گھات میں لگا رہتا ہے اس لئے اس اعلیٰ درجہ کی دینداری اور خدا پرستی کو بھی وہ اپنے ہتھکنڈوں سے انسان کی ہلاکت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ ان ہتھکنڈوں میں سے ایک ہتھکنڈہ ہے عجب نفس جس کو اردو محاورہ میں خود پرستی کہتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کسی خدا کے بندے کو اس کی رحمت سے اعتدال اور استقامت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے تو وہ نفس کے بہکائے میں آکر خود کو بہت بڑا خدا پرست اور مقرب بارگاہ الٰہی سمجھنے لگتا ہے رفتہ رفتہ یہ عجب نفس تکبر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور دوسرے مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے لگتا ہے اور پھر پورا

شیطان بن جاتا ہے اور بقول شیخ سعدیؒ تکبر عزازیل راخوار کرد۔ بزندان لعنت گرفتار کرد۔ تکبر ہی نے شیطان کو ذلیل وخوار کیا لعنت اور پھٹکار کے زندان میں گرفتار کردیا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردود وملعون بن جاتا ہے۔

سر تا پا شفقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم 'انسانی فطرت کے خصوصاً اپنی اُمت کے سب سے بڑے نبض شناس ہیں اس لئے آپ نے اعتدال اور استقامت کی تعلیم دینے کے فوراً بعد اس گمراہی کے خطرہ کا سد باب فرمادیا کہ دیکھنا کہیں اپنے اس حسن عمل پر گھمنڈ مت کر بیٹھنا نجات ان اعمال سے نہیں ملے گی نجات کا مدار تو صرف اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت میں پناہ ملنے پر ہے اور اسکا پتہ قیامت کے دن ہی چلے گا کہ اس کی رحمت کی پناہ ملی یا نہیں ملی؟ اس لئے نیکوکاری کے کتنے ہی اعلیٰ درجہ پر کیوں نہ پہنچ جاؤ کبھی اپنے اعمال صالحہ پر بھروسہ مت کرنا بلکہ خدا سے ڈرتے اور گڑگڑا کر رحمت ومغفرت کی دعائیں اس سے مانگتے رہنا پھر از راہ شفقت ورحمت صحابہؓ کے سوال کے جواب میں اپنی ذات معصوم عن الخطا قصداً خطاء سے محفوظ ذات 'کو بھی رحمت وفضل خداوندی کے محتاج لوگوں کے زمرہ میں شامل فرمادیا یہی راز ہے اس کا کہ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم 'اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کے باوجود کہ اللہ نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیئے دن میں کم از کم سو مرتبہ یعنی بکثرت توبہ واستغفار کرتے تھے جس کی تفصیل آپ توبہ واستغفار کے باب میں پڑھ چکے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ اس بیان کو پڑھ کر حدیث شریف کے دونوں حصوں میں ربط وتعلق بخوبی واضح ہو گیا ہوگا ان شاء اللہ العزیز۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

باقی اس حدیث شریف میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تو آیت کریمہ نمبر (۵) میں جزآء بما کانوا یعملون کی تصریح فرمارہے ہیں علاوہ ازیں قرآن عظیم میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن میں عذاب جہنم سے نجات پانے اور جنت میں داخل ہونے کی اعمال صالحہ کی جزا قرار دیا ہے پھر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ' اعمال صالحہ کو نجات کا ذریعہ سمجھنے سے کس طرح منع فرمارہے ہیں اور نجات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل وانعام پر کیونکر موقوف فرماتے ہیں؟

اس شبہ کے ازالہ کے لئے اگرچہ جو کچھ حدیث شریف کی تشریح اور اس کے دونوں حصوں میں باہمی ربط اور تعلق کے سلسلہ میں عرض کیا گیا ہے وہ ہی بہت کافی ہے کہ آپ کا منشا اعمال پر بھروسہ کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بھول جانے یا اس سے بے نیاز ہوجانے سے روکنا اور منع فرمانا ہے جو عبدیت اور شکر نعمت کے قطعاً منافی ہے اور خسران عظیم کا موجب ہے تاہم جزاء اعمال اور ذریعہ نجات کے مسئلہ میں چند اہم امور پیش نظر رکھنے ضروری ہیں

(۱) اول یہ کہ قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اعمال صالحہ اور ان پر استقامت کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل واحسان پر ہی موقوف ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

ان هو الا ذکر للعالمین لمن شآء منکم ان یستقیم وما تشآؤن الا ان یشآء اللہ رب العالمین:

یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے لئے صرف نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہیں اور (یاد رکھو) تم (سیدھی راہ پر چلنا) اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر نہیں چاہ سکتے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل و کرم اگر (العیاذ باللہ) بندے کی دستگیری نہ کرے اور اس کے شامل حال نہ ہو تو اعمال صالحہ اور ان پر استقامت اور اس کے نتیجہ میں نجات بندے کو نصیب ہو ہی نہیں سکتی اس لئے اصل مدار نجات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل پر ہوا نہ کہ اعمال صالحہ پر۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ اپنے کسی بھی عمل صالح کے متعلق کبھی یقین کے ساتھ کہہ ہی نہیں سکتا کہ میرے اس عمل میں کوئی بھی ظاہری یا باطنی، محسوس یا غیر محسوس نقص یا کوتاہی مطلق نہیں ہے اور یہ قطعی طور پر جزا کے لائق ہے دیکھئے کسی بھی عبادت یا طاعت میں اگر ذرا بھی توجہ الی اللہ سے غفلت ہو جائے تو وہ جزا کے لائق نہیں رہتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل واحسان سے اسے قبول فرمالیں اور اس پر جزا دے دیں علاوہ ازیں بہت سی کوتاہیاں تو ایسی ہو جاتی ہیں کہ ان کا عبادت کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا پھر کس طرح نجات کے معاملہ میں ان عبادات و طاعات پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ عبادت گزار بندے بھی جو ساری ساری رات مصلے پر گزار دیتے ہیں وہ بھی اس عبادت گزاری کے ساتھ ساتھ عذاب جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ برابر مانگتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے مقرب ترین بندوں عباد الرحمٰن کی صفات کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں۔

والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیاماً: والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراماً انھا ساء ت مستقراً ومقاماً (الفرقان:ع ۶)

اور وہ لوگ جو رکوع و سجود اور قیام کی حالت میں (یعنی نماز میں) ساری رات گزار دیتے ہیں اور وہ لوگ جو (اس کے باوجود) کہتے رہتے ہیں اے ہمارے رب تو جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو بیشک جہنم کا عذاب تو بہت سی سخت ہے (اور) بیشک جہنم تو بہت ہی بری جگہ اور برا مقام ہے۔

اور ان عبادت گزار بندوں کے متعلق جن کے پہلو راتوں کو بستر پر نہیں ٹکتے ارشاد ہے:

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً

ان کے پہلوان کی خواب گاہوں (بستروں) سے دور بھاگتے ہیں وہ (رات بھر) اپنے رب کو (اس کے عذاب کے) خوف کی وجہ سے اور (اس کی رحمت کی) طمع کی وجہ سے پکارتے (اور دعائیں مانگتے) رہتے ہیں۔

دیکھئے یہ اللہ تعالیٰ کے شب بیدار عبادت گزار عباد الرحمٰن بھی رات رات بھر عبادت کرنے کے باوجود کس قدر جہنم کے عذاب سے نجات کے لئے فکر مند اور مضطرب ہیں اور اپنے رب کے خوف و دہشت اور اس کی

رحمت کی طمع اور لالچ میں کس قدر گریہ وزاری اور عاجزی و نیاز مندی کے ساتھ دعائیں مانگنے میں مصروف رہتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ جب تک اس رحمٰن ورحیم پروردگار کی رحمت بندوں کی دستگیری نہ کرے اور وہ ارحم الراحمین اپنے بندوں کی عبادتوں اور طاقتوں کی کوتاہیوں سے چشم پوشی اور صرف نظر نہ فرمائے بندوں کے اعمال جزا کے لائق اور اس کے نتیجہ میں نجات کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتے اس لئے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

کس نتواند کہ سزاوار خداوندیش شکر بجا آورد

بندہ ہماں بہ کہ نہ تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آور

اس کی خداوندی کے شایان شان اس کا شکر کوئی نہیں ادا کر سکتا

بندہ کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اپنی عاجزی کا اقرار کرے

(۳) سوم یہ کہ نجات کے لئے صرف عبادتوں کو ادا کرنا اور اعمال صالحہ کو اختیار کرنا ہی کافی نہیں بلکہ گناہوں‘ خطاؤں اور برے کاموں سے بچنا اور روحانی و جسمانی گندگی سے پاک وصاف ہونا بھی از بس ضروری ہے اور ان گناہوں‘ خطاؤں اور برے کاموں میں بیشمار ایسے گناہ خطائیں اور برے کام ہیں کہ انسان کو ان کا پتہ ہوتا ہی نہیں اسی لئے ادعیہ مسنونہ میں جن گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے ان میں گناہوں کی ایک مستقل قسم وہ بیان فرمائی ہے جس کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے بندے کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ مجھ سے یہ گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں چنانچہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ذیل دعاء مغفرت نمازوں کے سجدوں میں پڑھنے کی تعلیم دی ہے آپ بھی یاد کر لیجئے اور پابندی سے پڑھا کیجئے۔

اللھم اغفرلی ذنوبی جمیعاً ما قدمت ومآ اخرت ومآ اعلنت ومآ اسررت ومآ انت اعلم بہ منی انك انت الغفور الرحیم:

اے اللہ تو میرے سب گناہ معاف کر دے وہ بھی جو میں نے پہلے کئے اور وہ بھی جو بعد میں کئے وہ بھی جو میں نے علانیہ کئے اور وہ بھی جو میں نے چھپ کر کئے اور وہ بھی جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بیشک تو ہی تو بہت بڑا مغفرت کرنیوالا مہربان (خدا) ہے۔

گناہوں‘ خطاؤں اور برے کاموں سے بالکل تو انسان بچ ہی نہیں سکتا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کوئی انسان معصوم ہو ہی نہیں سکتا ارحم الراحمین پیدا کرنے والے خدا نے ان کے تدارک اور تلافی کے لئے توبہ واستغفار کا نہایت وسیع اور طویل وعریض دروازہ جس کی تفصیل آپ توبہ کے باب میں پڑھ چکے ہیں کھول دیا ہے مگر توبہ اور استغفار کے گناہوں کی مغفرت کے لئے مفید اور کارآمد ہونے کی اتنی کڑی اور کٹھن شرطیں ہیں جن کی کچھ تفصیل آپ توبہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ ان کا پورا کرنا بڑا ہی دشوار کام ہے اسی لئے ایک فارسی شاعر کہتا ہے۔

ہست استغفار ما محتاج استغفار ما...... ہماری تو دعائے مغفرت خود مغفرت کی محتاج ہے

یعنی ہماری تو توبہ واستغفار بجائے خود ایک گناہ ہے جس سے توبہ کرنے اور مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہے صرف اس لئے کہ ہم نے توبہ واستغفار کو بھی ایک کھیل بنا رکھا ہے جن گناہوں سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے ان سے توبہ بھی کر رہے ہیں اور وہ گناہ بھی کر رہے ہیں جن گناہوں سے مغفرت چاہ رہے ہیں وہ گناہ بھی کئے جا رہے ہیں اور مغفرت بھی چاہ رہے ہیں یا زبان سے توبہ واستغفار کر رہے ہیں اور دل کو اس کی خبر تک نہیں کہ زبان کیا کہہ رہی ہے وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں کھویا ہوا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں یہی ہماری عام حالت ہے اسی لئے وہ شاعر کہتا ہے کہ ہمیں تو اپنی توبہ واستغفار سے توبہ کرنی چاہئے کہ ہم یہ تو نہیں کر رہے ہیں بلکہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اللهم انی استغفرك من كل ذنب واتوب اليك:

اے اللہ! میں تجھ سے ہر گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں آپ بھی پڑھئے۔

ایسی صورت میں گناہوں' خطاؤں اور بُرے کاموں کے عذاب سے نجات پانے کا تو اس کے سوا کوئی امکان ہی نہیں کہ ہمارا رحمٰن ورحیم پروردگار اپنی رحمت اور کریمی سے ہماری ان ٹوٹی پھوٹی توباؤں اور ادھورے سدھورے استغفاروں پر ہی ہمیں معاف کر دے اور جہنم کے عذاب سے نجات دے دے دیکھئے کس قدر سچ فرمایا ہے اصدق القائلین سب سے بڑے سچے انسان صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی بھی اپنے اعمال سے نجات ہرگز نہیں پا سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے سایہ میں چھپا لے۔

(۴) چہارم یہ کہ اعمال کی جزا دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں لہٰذا بندوں کے اعمال صالحہ اسی وقت لائق جزا ہو سکتے ہیں جب وہ ان کو قبول فرمالیں اور یہ قبول فرمالینا ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت ورافت اور فضل وانعام ہے اس لئے کہ اول تو بندے ہیں انسانی عقل وادراک اور وہم وخیال سے بالاتر معبود کی شایان شان عبادت وطاعت سے قاصر ہی ہیں اس لئے کہ کماحقہ عبادت وطاقت کی کماحقہ علم ومعرفت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

علاوہ ازیں بندے اپنی بساط کے مطابق اس وحدہ لاشریک لہ کی جو کچھ بھی عبادت اور اطاعت کر کے عبدیت کا فرض اور اس کی ربوبیت کا شکر نعمت ادا کرتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو معبود حقیقی کی نافرمانی اور ناشکری کے مجرم ہوں یہ اس غفور ورحیم پروردگار کی کریمی ہے کہ وہ اس اداء فرض پر جنت اور نعیم جنت کے سرفراز کر دیتا ہے۔

(۵) پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ عبدیت کا تقاضا بذات خود یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کی رضا اور خوشنودی اور رحم وکرم سے کبھی بھی صرف نظر نہ کرے اور اپنے اعمال وغیرہ دوسرے وسائل حتیٰ کہ اس کے وعدوں کو بھی خاطر میں نہ لائے بلکہ صرف اس کی رحمت اور فضل کو ہی اپنا آخری سہارا سمجھے اور ہمہ وقت اس کی عبادت گزاری اور شکر گزاری میں ہمہ تن مصروف رہے اور ہر وقت خود کو کوتاہ کار اور قصوروار اور اپنے اعمال' عبادات وطاعات کو حقیر وہیچ سمجھتا رہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے کثرت استغفار کے جواب میں۔

افلا اکون عبداً شکوراً...... کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔
فرما کر اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ عبدیت اور شکر نعمت کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ خود کو اپنے اعمال کو حتیٰ کہ مغفرت کے وعدے کو بھی خاطر میں نہ لائے اور زیادہ سے زیادہ رحمت کی دعائیں اور توبہ واستغفار کرتا رہے اس کی تفصیل بھی توبہ کے باب میں گزر چکی ہے کسی اردو کے شاعر نے بھی اسی حقیقت کو ذیل کے شعر میں ادا کیا ہے:
جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی......... حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
مختصر یہ ہے کہ عبادات وطاعات وغیرہ اعمال صالحہ اختیار کرنے اور گناہوں معصیتوں وغیرہ سے بچنے کی خواہش طلب اور جذبہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ور حمت پر موقوف ہے ان پر عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے اور ان کو قبول فرمانا بھی اسی ارحم الراحمین کی رحمت پر موقوف ہے لہٰذا عذاب جہنم سے نجات پانا بھی اسی رحمٰن ورحیم کی رحمت وشفقت اور فضل وانعام پر موقوف ہے ابتداء میں بھی رحمت درمیان میں بھی رحمت اور آخر میں بھی رحمت غرض بندے کی دنیا اور آخرت کی پوری زندگی میں رحمٰن ورحیم پروردگار کی رحمت ہی رحمت اور فضل ہی فضل کار فرما ہے۔ یہی مطلب ہے آیت کریمہ نمبر (۴) کے روح پرور' انسانیت نواز فقرہ کا:

نحن اولیآء کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ

ہم ہی تمہارے ولی ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔
بندے کے اعمال صالحہ اور توبہ واستغفار تو محض ارحم الراحمین کی رحمت کا ایک وسیلہ بلکہ بہانہ ہیں فارسی شاعر نے خوب کہا ہے:؎

رحمت حق بہا نمی جوید...... رحمت حق بہانہ' می جوید

خدا کی رحمت قیمت (عوض) کا مطالبہ نہیں کرتی خدا کی رحمت تو بہانہ ڈھونڈتی ہے۔
بندوں کی حوصلہ افزائی بلکہ عزت افزائی کے لئے قرآن عظیم میں جنت اور نعیم جنت کو "جزاء اعمال" سے تعبیر فرمادیا ہے۔

اعمال صالحہ کی اہمیت اور شدید ضرورت

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل وانعام پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائے اور اعمال صالحہ عبادات وطاعات کو بے کار وبے فائدہ سمجھ کر چھوڑ بیٹھے یا ان میں کوتاہی کرے کہ یہ تو کھلی ہوئی سرکشی' نافرمانی اور ناشکری وناسپاسی ہے اور شدید ترین جرم ہے اس کی لازمی سزا جہنم اور عذاب جہنم ہے اس لئے کہ اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین اور ذوالفضل العظیم ہیں تو دوسری طرف قہار ومنتقم اور ذو عقاب شدید بھی ہیں یہ محض شیطان کا ایک فریب ہوتا ہے کہ وہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم اور فضل وانعام کے

سبز باغ دکھا کر اپنی طرح مقہور و مغضوب اور ملعون و مردود بنا دیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو شیطان کے اس دام فریب سے ہوشیار رہنے کی غرض سے شدید تنبیہ فرماتے ہیں۔

فلا تغرنكم الحيوة الدنيا ولا يغرنكم بالله الغرور (لقمان:ع ۴)

دنیا کی زندگی تم کو (اللہ تعالیٰ کے متعلق) دھوکہ میں ہرگز نہ ڈالے اور نہ فریبی شیطان ہی تم کو اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکہ میں ڈالے۔

یعنی دو شیطانی فریب اور دھوکے ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت یعنی اعمال صالحہ سے روکتے اور محروم کر دیتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جیسے دنیا میں بے نیاز پروردگار بندوں کی نافرمانیوں' بداعمالیوں اور سرکشیوں کے باوجود ان کو سب کچھ دے رہا ہے ایسے ہی وہ آخرت میں بھی جنت اور اس کی نعمتیں ضرور دے گا۔

(۲) دوسرے یہ کہ خدا تو بڑا غفور و رحیم ہے اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے ایسے ہی آخرت میں بھی ضرور معاف کرے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ مختلف عنوانات سے ان دونوں شیطانی فریبوں کا پردہ چاک کیا ہے ذیل کی آیت کریمہ میں نہایت مشفقانہ اور ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے:

يايها الانسان ما غرك بربك الكريم

ارے او انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کرم کرنے والے رب کے متعلق دھوکے میں ڈالا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں کو انسان کے لفظ سے بطور ندا خطاب فرما کر متنبہ کیا ہے کہ تو تو انسان ہے پیدا کرنے والے اور پرورش کرنیوالے سب سے بڑے محسن و مربی پروردگار کے سامنے سر جھکانا۔ اس کی اطاعت و عبادت کرنا تو تیری انسانیت کا تقاضا اور فریضہ ہے تجھے تو طبعی اور فطری طور پر اپنے رب کی اطاعت و عبادت کرنی تھی چہ جائیکہ تو اس رب کریم کے بارے میں جو محض اپنے لطف و کرم سے تجھے اس دنیا کی زندگی میں تیری بداعمالیوں اور نافرمانیوں کے تدارک اور تلافی کے موقع دے رہا ہے اور محض اپنی رحمت کے تقاضا کی بنا پر تیری نافرمانیوں اور بدکاریوں کی ہاتھ کے ہاتھ سزا نہیں دیتا اور درگزر فرماتا ہے صرف اس لئے کہ شاید یہ ظلوم و جہول انسان اب بھی ہوش میں آجائے اور اس کی خفتہ انسانیت زندگی کے آخری لمحات میں ہی بیدار ہو جائے تو ایسے مہلک فریب اور ایسے تباہ کن دھوکے میں گرفتار رہے اس کے معنی تو یہ ہیں کہ تو مجسم شیطان بن گیا ہے ذرا ہوش میں آ اور دیکھ یہ رب کریم کون ہے اور کیسے کیسے عظیم احسان اس کے تجھ پر ہیں اور کتنے اہم حقوق اس کے تیری گردن پر ہیں یہ وہ رب کریم ہے الخ باقی آیات اور ان کا ترجمہ قرآن کریم سے پڑھئے ہم طوالت کے خوف سے آگے بڑھتے ہیں۔

بہر حال یہ دنیا عالم اسباب ہے رب العالمین نے انسانی زندگی کے ہر قدم پر' خواہ وہ دنیوی ہو یا دینی کامیابی وکامرانی کے اسباب ووسائل تجویز فرما کر انسان کو طبعاً' فطرتاً عقلاً شرعاً غرض ہر حیثیت سے ان کا مکلف بنایا اور مامور فرمایا ہے لہٰذا انسان کے خدا تک پہنچنے یعنی اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا جو اس کا فطری تقاضا ہے واحد وسیلہ اعمال صالحہ ہیں جس طرح دستر خوان پر رکھے ہوئے کھانے کا لقمہ انسان کے ہاتھ ہلائے بغیر منہ میں نہیں پہنچ سکتا اور منہ چلائے بغیر پیٹ میں پہنچ کر بھوک کو دور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خود انسان' اعمال صالحہ عبادات وطاعات الٰہیہ کو اختیار کئے بغیر خدا کا قرب اور اس کی رضا وخوشنودی کو جس کا حاصل کرنا بندہ کی عبدیت کا تقاضا ہے ہر گز ہر گز حاصل نہیں کر سکتا لہٰذا اعمال صالحہ کا اختیار کرنا اور ادا کرنا انسان کی روحانی بھوک کی تسکین کیلئے ایسا ہی لابدی اور ناگزیر ہے جیسے دستر خوان پر رکھے ہوئے کھانے کے لقمے بنا کر منہ میں رکھنا اور منہ چلانا پیٹ بھرنے کیلئے اس لئے انسان بشر طیکہ وہ انسان ہو انسان کے روپ میں شیطان نہ ہو مقدور بھر اعمال صالحہ سے صرف نظر ہر گز نہیں کر سکتا باوجود اس کے کہ نجات کا مدار صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل پر ہے۔

آپ اسباب ووسائل کی تفصیلی بحث میں پڑھ چکے ہیں کہ بندے اپنے مقاصد میں مطلوب نتائج حاصل کرنے کے لئے اسباب ووسائل اختیار کرنے کے محتاج بھی ہیں اور مامور ومکلف بھی لیکن مسبب الاسباب یعنی رب العالمین اسباب ووسائل سے بالکل مستغنی اور بے نیاز ہیں وہ بغیر اسباب ووسائل کے جو چاہیں کر سکتے ہیں اسی اصول کے تحت اعمال صالحہ کی اہمیت کو سمجھئے کہ بندے نجات حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحہ کے محتاج بھی ہیں مامور بھی ہیں مکلف بھی ہیں لیکن ارحم الراحمین کو اپنے کسی مومن بندے کو نجات دینے کے لئے اعمال صالحہ کی قطعاً ضرورت نہیں صرف ان کے رحم وکرم اور فضل وانعام کا اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لینا کافی ہے۔

طول بیان کی معذرت اور وجہ

استقامت کی تشریح وتوضیح کے سلسلہ میں قارئین کو ہمارا یہ بیان بہت دراز محسوس ہو رہا ہو گا اور اس کے لئے ہم ان سے معذرت خواہ بھی ہیں لیکن اگر وہ بنظر غائر اسے پڑھیں گے اور غور فرمائیں تو محسوس کریں گے کہ کتاب "ریاض الصالحین" کے گذشتہ ساتوں اہم ترین ابواب اور ان میں بیان شدہ دین کے بنیادی مسائل کی دینی اور دنیوی افادیت اور منفعت کا تمام تر دار ومدار استقامت پر ہے اگر ان امور میں سے کسی ایک امر پر بھی استقامت نہ ہو تو نہ اس کا کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی دیکھئے نہ چند روزہ توبہ واستغفار واخلاص کار آمد ہے نہ چند روزہ صبر وصدق' نہ چند روزہ تقویٰ اور پرہیزگاری نتیجہ خیز ہے نہ ہی چند روزہ مراقبہ اور محاسبہ اعمال نہ ہی چند روزہ یقین وتوکل کا کوئی فائدہ ہے ان تمام اہم ترین دینی امور کی دنیوی اور اخروی برکات وثمرات اور انسانی زندگی میں ملکوتی صفات پیدا کر دینے والے

اثرات اسی صورت میں مرتب ہو سکتے ہیں کہ جب ان پر کماحقہ استقامت پائی جائے پھر استقامت بھی نہ صرف عبادات میں ہی ضروری ہے بلکہ ایک طرف عقائد حقہ پر استقامت ناگزیر ہے تو دوسری طرف معاملات وغیرہ احکام شرعیہ پر استقامت بھی ناگزیر ہے بالفاظ دیگر جب تک پوری انسانی زندگی کے دینی اور دنیوی امور پر استقامت نہ ہو اس وقت تک استقامت بھی کار آمد اور نتیجہ خیز نہ دینی اعتبار سے ہو سکتی ہے نہ دنیوی اعتبار سے۔

اس لئے استقامت کی مکمل تشریح اور تفصیل بیان کرنا ہمارے لئے ناگزیر تھا اور اسی لئے ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق پر بھروسہ کر کے اگر یہ کہیں کہ اس طول طویل بیان کا ایک فقرہ (پیراگراف) بھی دینی اور دنیوی فائدہ اور دینی معلومات میں اہم اضافہ سے خالی نہیں ہے تو بے جانہ ہو گا وباللہ التوفیق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولہ الحمد فی الاولیٰ والآخرہ۔ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق کا یہ نتیجہ ہے اور کسی بھی کام کی طاقت وقوت اللہ تعالیٰ کے دیئے بغیر میسر نہیں اسی کی حمد وثنا اور شکر وسپاس ہے اول میں بھی آخر میں بھی۔

نواں باب

اللہ کی عظیم مخلوقات میں غور و فکر، فنائے دنیا، اہوال آخرت اور دیگر امور میں تفکر نفس کی کوتاہی اور اس کی تہذیب اور اسے آمادہ استقامت کرنے کا بیان

(۱) اللہ تعالیٰ کی گوناگوں عظیم مخلوقات کے بارے میں اور پھر تمام دنیا کے فنا ہونے کے بارے میں غور و فکر کرنا نیز آخرت کے ہولناک واقعات اور تمام امور آخرت کے بارے میں غور و فکر کرنا۔

(۲) پھر اپنے نفس کی کوتاہیوں اور اس کی اصلاح و تہذیب کے بارے میں اور استقامت پر اس کو آمادہ کرنے کی ترغیب کے بارے میں غور و فکر کرنا۔

نوٹ: امام نووی رحمہ اللہ عنوان باب کو ثابت کرنے کے لئے پوری آیت نہیں لاتے بلکہ صرف وہ ٹکڑا نقل کر دیتے ہیں جس سے باب ثابت ہو ان کے زمانے میں یہ کافی تھا لیکن ہمارے زمانہ میں تو نہ صرف پوری آیت نقل کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اردو ترجمہ اور تشریح کی بھی اسی لئے ہم نے پوری پوری آیتیں اور ان کے ترجمے بھی نقل کئے ہیں اور تشریح بھی کی ہے تا کہ عام اردو پڑھے لکھے مسلمان بھی فائدہ حاصل کر سکیں۔

قرآن کریم کی آیات اور ان کے ترجمے اور تشریح

ا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل انمآ اعظکم بواحدة ان تقوموالله مثنی وفرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنة ان هو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید: (سورۃ سباء آیت ۴۶)

(اے نبی) تم (ان سے) کہو، میں تم کو ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو (ملکر) اور تنہا تنہا اُٹھ کھڑے ہو پھر (ٹھنڈے دل سے) غور کرو تمہارے اس رفیق (نبی) کو سودا نہیں ہے یہ تو صرف تم کو ایک شدید عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے والا ہے

(۲) نیز ارشاد ہے:

ان فی خلق السموات والارض، واختلاف الیل والنهارلایت لاولی الالباب، الذین یذکرون الله قیاماً وقعودًا وعلی جنوبهم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلاًج سبحنك فقناعذاب النار (ال عمران آیت ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱)

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات (کے بعد دن) اور دن (کے بعد رات) کے آنے

جانے میں البتہ (خدا کی یکتائی اور قدرت و حکمت کی بہت سی نشانیاں (موجود) ہیں ان عقلمندوں کے لئے جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) (غرض ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں غور و فکر کرتے رہتے (اور بے ساختہ کہہ اٹھتے) ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے اس (تمام دنیا) کو بے کار (اور بے مقصد) نہیں پیدا کیا (بلکہ ہمارے غور و فکر اور عبرت کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہم اس کو دیکھ کر تیری وحدانیت و قدرت پر ایمان لائیں اور تیری ہی عبادت کریں) تو تو پاک ہے (اس سے کہ بے کار اور بے مقصد کوئی کام کرے) پس تو ہماری کوتاہیوں کو بخش دے اور) ہم کو جہنم کی آگ سے بچا لے۔

(۳) نیز ارشاد ہے:

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس ومآانزل الله من السمآء من مآء فاحیابه الارض بعد موتھا وبث فیھا من كل دآبة وتصریف الریح والسحاب المسخر بین السمآء والارض لایت لقوم یعقلون (سورۃ بقرہ آیت ۱۶۴)

ترجمہ۔ بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات (کے بعد) دن (اور دن کے بعد رات) کے آنے جانے میں اور ان کشتیوں (اور جہازوں) میں جو لوگوں کے لئے کار آمد چیزوں کو (اور خود لوگوں کو) لے کر سمندر میں چلتی (اور سفر کرتی) ہیں اور (بارش کے) اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے برسایا اور پھر اس پانی سے زمین کو اس کے خشک (اور بنجر) ہو جانے کے بعد سر سبز و شاداب کر دیا اور اس زمین میں ہر قسم کے جانوروں (کی نسل) پھیلا دی اور (گرم و سرد و خشک و تر) ہواؤں کو (شرقاً غرباً جنوباً شمالاً) ادلنے بدلنے میں اور آسمان و زمین کے درمیان معلق بادلوں میں البتہ (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کی) بے شمار دلیلیں (موجود) ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں۔

(۴) نیز ارشاد ہے:

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت: والی السمآء کیف رفعت○والی الجبال کیف نصبت○والی الارض کیف سطحت○فذکر انمآ انت مذکر○ لست علیھم بمصیطر○ (پارہ نمبر ۳۰ سورۃ الغاشیہ آیت نمبر ۱۷، ۲۲)

ترجمہ۔ تو کیا وہ (پہاڑوں سے گھرے ہوئے ریگستانوں کے درمیان سفر کرتے وقت اپنی سواری کے) اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسا (عجیب و غریب اور بے مثل جانور) پیدا کیا گیا ہے اور (سر اٹھا کر) آسمان کی طرف (نہیں دیکھتے) کہ وہ کیسے (زمین کی چھت کی طرح) بلند کیا گیا ہے اور (بلند و بالا) پہاڑوں کی طرف (نہیں دیکھتے کہ وہ میخوں کی طرح زمین پر) کیسے نصب کئے گئے ہیں اور (اپنے پیروں کے نیچے بچھی ہوئی) زمین کی طرف (نہیں

دیکھتے کہ وہ باوجود گیند کی طرح گول ہونے کے) کیسے (فرش کی طرح) ہموار بچھی ہوتی ہے (پس اے نبی) تم ان کو (خدا کی بے مثل نعمتیں) یاد دلایا کرو (اس لئے کہ) تم تو بس یاد دلانے والے ہی ہو (ایمان لانا اور احسان ماننا ان کا فرض ہے) تم ان پر مسلط نہیں ہو (کہ زبردستی ان سے منواؤ)

(۵) نیز ارشاد ہے:

افلم یسیروافی الارض فینظرواکیف کان عاقبة الذین من قبلهم کانوا اکثر منهم واشدقوة واثارًا فی الارض فمآاغنی عنهم ماکانوا یکسبون ٥ (پارہ ۲۴ س: المومن آیت ۸۲)

ترجمہ۔ کیا ان منکروں نے (کبھی روئے) زمین کے سفر نہیں کئے کہ دیکھیں (اور غور کریں) کہ کیا انجام ہوا ان قوموں کا جو ان سے پہلے (گذر چکی) ہیں وہ تو (تعداد میں بھی) ان سے زیادہ تھے اور طاقت میں بھی اور روئے زمین پر یادگاریں قائم کرنے میں بھی (ان سے بڑھ کر تھے) پس (دیکھو اور عبرت پکڑو) انکا سب کچھ کیا کرایا ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

آیات کی تفسیر

اسی طرح قرآن کریم کی اور بہت سی آیات کریمہ اس غافل اور دنیا کی الجھنوں میں گرفتار انسان کو خاص طور پر اس غور وفکر اور تفکر و تدبر کی دعوت دیتی ہیں اور یگانہ ویکتا پروردگار کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اسی کی عبادت واطاعت میں مصروف رہنے کی طرف متوجہ کرتی ہیں

احادیث کے ذخیرہ میں سے سابق ابواب میں ذکر شدہ (باب المراقبہ کی ساتویں) حدیث ذیل خاص طور پر توجہ کے لائق ہے۔

حضرت ابویعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: زیرک وہ شخص ہے جس نے خود اپنے نفس کا محاسبہ کیا (اور اپنے اعمال کا جائزہ لیا) اور مرنے کے بعد (کی زندگی) کے لئے عمل کیا اور عاجز وناکارہ وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو خواہشات نفس کے حوالے کر دیا اور اللہ تعالیٰ پر (بے سروپا) آرزوئیں باندھتا رہا (کہ اللہ کریم ہے سب گناہ معاف کردے گا)

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے (اس حدیث پر تفصیل بحث مراقبہ کے بیان میں گذر چکی ہے ضرور دیکھئے)

الفاظ کے معنی! امام ترمذی وغیرہ علماء حدیث نے دان نفسه کے معنی حاسبها بیان کئے ہیں یعنی اپنے نفس (اور اس کے اعمال وافعال) کا جائزہ لیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ نے اس باب کے تحت قرآن کریم کی پانچ مختلف آیات نقل کی ہیں جن میں سب سے زیادہ جامع اور اہم دوسری آیت کریمہ ہے اس لئے ہم اسی کی تشریح مناسب سمجھتے ہیں۔

ذکر اللہ

وہ ارباب عقول جن کے لئے آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آمد و رفت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی عظیم نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے کچھ اوصاف بیان کئے ہیں انہی اوصاف سے انکی تشخیص و تعیین فرمائی ہے ان اوصاف میں پہلا وصف یہ ہے ارشاد ہے:

الذین یذکرون اللہ قیماً وقعودًا وعلی جنوبھم (پارہ ۴ س.ال عمران' آیت ۱۹۱) وہ لوگ جو کھڑے بیٹھے اور پہلو پر لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

یعنی ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اس لئے کہ انسان کی عام اوقات میں یہی تین حالتیں ہوتی ہیں یا وہ کھڑا یا بیٹھا ہوتا ہے یا لیٹا ہوتا ہے لہٰذا ان اصحاب عقول کی ایک شان تو یہ ہوئی کہ وہ ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی صحیح حدیث میں آیا ہے۔

کان یذکر اللہ فی کل احیانہ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اگرچہ عام طور پر قرآن کریم اور صحیح احادیث میں ذکر لسانی (زبان سے اللہ اللہ کرنا) ہی آتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: **الابذکر اللہ تطمئن القلوب** (پ ۱۳ سورۃ رعد آیت ۲۸)

سن لو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

عام مفسرین رحمہم اللہ نے اس ذکر کا مصداق تلاوت قرآن عزیز اور وہ تمام مسنون اذکار قرار دیئے ہیں جو صحیح احادیث میں آتے ہیں لیکن تلاوت کلام اللہ کے بعد دوسرا مصداق اس ذکر کا زبان سے اللہ اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنا ہے چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

افضل الذکر لاالہ الااللہ۔ سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔

عربی زبان میں بھی ذکر کے معنی زبان سے ذکر کرنے کے آتے ہیں

لیکن اس آیت کریمہ میں ہر حالت اور ہر وقت کا مفہوم بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انسان کی بہت سی ایسی حالتیں ہیں جن میں زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر مکروہ یا خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ ہے حوائج ضروریہ میں مصروف ہونے کے وقت مکروہ ہے اور قرآن وحدیث کا درس دیتے وقت یا وعظ کہتے وقت یا فقہی مسائل بیان کرتے وقت ضروری ہے کہ زبان قرآن وحدیث کے معانی و مطالب کے یا دینی مسائل کے یا پند و موعظت کے مضامین بیان کرنے میں مصروف ہونی چاہیئے نہ کہ اللہ اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری دینی امور بیان کرنے یا غزوات وغیرہ کے بارے میں مشورہ کرنے کے وقت صحابہ

کرامؓ سے ہی گفتگو کرنے میں مصروف رہتے تھے بہر حال ظاہر یہ ہے کہ ہر حالت اور ہر وقت زبان سے ذکر اللہ نہیں کیا جاسکتا ہاں ذکر قلبی (دل سے) اللہ اللہ کہنا مراد ہو تو ہر وقت اور ہر حالت میں کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے اسی بنا پر علماء محققین اور صوفیائے کرام اس ذکر کا مصداق جو ہر وقت اور ہر حالت میں کیا جاسکے ذکر قلبی ہی قرار دیتے ہیں اور یہی مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث میں مراد لیتے ہیں۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ اور حدیث کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے کہ خالی اوقات اور تنہائی میں زبان سے اللہ اللہ کیا کرتے ہیں اور مشغول و مصروف اوقات میں دل سے اللہ اللہ کیا کرتے ہیں صوفیاء کرام بھی سالک کو ابتداء میں ذکر لسانی ہی کی تعلیم دیتے ہیں۔

بہر حال ان اصحاب عقول کا ایک وصف تو یہ ہوا دوسرا وصف یہ ہے:۔

ویتفکرون فی خلق السموات والارض (پارہ ۴، س:ال عمران آیت ۱۹۱)

اور غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں۔

تفکر

از روئے لغت تفکر کے معنی ہیں غور و فکر کرنا، غور گذشتہ امور پر کیا جاتا ہے اور فکر آئندہ امور کی جاتی ہے یہ دونوں امور ہر صورت میں مشاہد و محسوس نہیں ہوتے بلکہ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں ان دونوں لفظوں کے ساتھ ہی ایک اور لفظ تدبر بھی آتا ہے۔ جس کے معنی ہیں انجام پر غور کرنا خواہ گذشتہ امور کا انجام ہو خواہ آئندہ کے امور کا، گویا یہ ماحصل اور فائدہ ہوتا ہے غور و فکر کا اسی لئے یہ تینوں چیزیں تفکر کے تحت آتی ہیں یہ تو ہوئے تفکر کے لغوی معنی اور مدلول۔ اس تفکر کے موضوعات یعنی جن امور پر انسان غور فکر کرتا ہے امور دنیوی بھی ہوتے ہیں اور غیر دنیوی بھی۔

اسی لئے یہ تفکر کسی خاص قوم یا خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر انسان کی خلقی عقلیت کا فطری تقاضا ہے یہ ہوئے تفکر کے موضوعات باقی زیر بحث آیت کریمہ میں ان ارباب عقول کے اوصاف میں سے دوسرا وصف جیسا کہ ہم بیان کر چکے یہ ہے ارشاد ہے:

ویتفکرون فی خلق السموات والارض. (پ ۴، آیت نمبر ۱۹۱)

اور وہ غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں۔

گویا اللہ کا مسلسل ذکر ان کو آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں غور کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اس آیت کریمہ میں موضوع تفکر کا ذکر اجمالاً فرمایا ہے تیسری آیت میں تفصیلی طور پر بیان فرمایا ہے بہر حال اس تفکر کے مختلف مدارج و مراتب ہیں اعلیٰ مرتبہ اور یہی مطلوب ہے یہ ہے۔

گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر دل کو ماسویٰ اللہ کے خیال اور تصور سے پاک وصاف اور فارغ (خالی) کر کے اللہ تعالیٰ کی صفات' اسماء اور شیوں میں اور کائنات میں جو ان کے مظاہر ہیں ان کے تصور میں اس طرح مستغرق اور محو ہو جائے کہ اپنی ہستی کا احساس وشعور ہی نہ رہے جیسے آفتاب نکل آنے کے بعد ستارے محو ہو جاتے ہیں اس طرح محو ہو جائے یقیناً یہ محویت مسلسل ذکر اللہ کی ریاضت کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے اسی تصور اور محویت کا نام تفکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء وشیوں مختلف ہیں ابتدائی طور پر صفات اور اسماء وشیوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا جاتا ہے (۱) ایک اسماء وصفات رحمت وجمال (۲) دوسرے اسماء وصفات قہر وجلال۔ پہلی قسم کے مظاہر کائنات میں تمام خیر وصلاح کے اسباب کی آفرینش ہے مثلاً آدم علیہ السلام کو اور انکی ذریت کو پیدا کرنا انبیاء ورسل کو بھیجنا آسمانی کتابوں اور صحیفوں کو نازل فرمانا ایمان والوں اور فرمانبرداروں کو جنت اور نعیم جنت عطا فرمانے کا وعدہ اور اس کا تفصیلی بیان' دوسری قسم کے مظاہر کافر ومشرک اور نافرمان قوموں اور افراد کو دنیا میں مختلف قسم کے عذابوں سے ہلاک کرنا یا آخرت میں ان کے لئے گوناگوں ہولناک عذابوں کا تیار فرمانا وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ انسان کے لئے یہ اعلیٰ درجہ کا تفکر ہے مگر اس کی ریاضت بے حد دشوار اور مشکل کام ہے اس کے لئے کافی عرصہ مسلسل ذکر اللہ کرنے کے باوجود مکمل تنہائی اور یکسوئی حاصل کرنے کی غرض سے بستیوں اور آبادیوں سے دور خانقاہوں یا قدرتی خانقاہوں یعنی پہاڑوں کے غاروں یا سنسان جنگلوں میں چلہ کشی یعنی خلوت نشینی کرنی پڑتی ہے مگر ہے بے حد مفید اور یہ کام ابتداء میں تو ترک مالوفات (مانوس چیزوں کو چھوڑنے) کی وجہ سے کٹھن معلوم ہوتا ہے مگر کچھ دن بعد ہی روحانی لذت اور کیف وسرور حاصل ہونے کی وجہ سے اس گوشہ نشینی سے بے حد محبت ہو جاتی ہے۔

تفکر وتدبر عظیم عبادت ہے

یہ تفکر وتدبر ایک عظیم الشان عبادت ہے ہمہ وقت توجہ الی اللہ میسر آتی ہے اور تزکیہ نفس اور تصفیہ روح کے لئے تریاق اعظم کا درجہ رکھتا ہے ان مراحل سے گذرنے کے بعد انسان تمام خلقی رذائل وذمائم سے خواہ عملی ہوں خواہ اخلاقی یا اعتقادی بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے اور انوار وتجلیات سے آراستہ وپیراستہ ہو کر سر تاپا نور بن جاتا ہے۔

تفکر کے عبادت ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث سے

قرآن کریم توجگہ جگہ **لعلهم يتفكرون** اور **لعلكم تتفكرون** اور **افلا يتدبرون** کے ذریعہ اس تفکر وتدبر کی دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ جس چیز کی دعوت دیں وہ عبادت نہ ہو' محال ہے خصوصاً تفکر کا وہ اعلیٰ مرتبہ جس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں وہ تو عبادت عظمیٰ ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعثت سے پہلے غار حرا میں خلوت نشینی اور چلہ کشی فرمایا کرتے تھے ہفتہ عشرہ کا سامان خورد و نوش یعنی ایک تھیلا کھجوروں کا اور ایک چھاگل پانی کا لے جاتے اور رات دن اسی تفکر و تدبر میں مصروف رہتے کہتے ہیں کہ غار حرا میں ایک سوراخ (موکھ) تھا وہاں سے بیت اللہ صاف نظر آتا تھا وہیں آپ بیٹھتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بدء الوحی (ابتداء وحی) کی طویل حدیث میں بیان کرتی ہیں۔

"پھر (رویائے صادقہ کے بعد) آپ کو خلوت نشینی سے محبت ہوگئی چنانچہ آپ غار حرا کے اندر کئی کئی رات (دن) تنہائی میں عبادت کے اندر مصروف رہتے"

اس عبادت کا مصداق اس زمانے میں کہ ابھی وحی کا سلسلہ بھی نہیں شروع ہوا جس سے شرائع وعبادات کا علم ہو یہی اسماء اور صفات الٰہیہ اور کائنات میں ان کے مظاہر پر غور و فکر میں استغراق اور ان کے اندر محو ہو جانا تھا جس کے علم کے لئے آپ کی فطرت سلیمہ اور دنیا کی آلائشوں سے پاک وصاف دل کافی تھا۔

حدیث کے الفاظ میں یتحنث وھو التعبد (آپ ہر خدا سے غافل کر دینے والی چیز سے دور رہتے اور یہی تعبد ہے) آتا ہے یہ ثبوت ہے تفکر کے عظیم ترین عبادت ہونے کا، بہر کیف آپ کی اس خلوت نشینی اور اس کے اندر اس تفکر نے ہی آپ کی روحانی قوت یعنی ملکی قوت کو اتنا قوی کر دیا کہ آپ حامل وحی فرشتے یعنی حضرت جبرائیلؑ سے اس کلام اللہ کو اخذ کر سکے اور حامل بن گئے جس کا حال یہ ہے:

لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیة اللہ (پ ۲۸ س: الحشر آیت ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ پہاڑ اللہ کے خوف سے لرزنے لگتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

یہ روحانی قوت میں عظیم اضافہ اس تفکر کا بے مثال فائدہ ہے اسی لئے صوفیاء کرام بھی لسانی ذکر اللہ کی ریاضت کے بعد ذکر قلبی اور اسی تفکر و تدبر کی تعلیم دیتے ہیں جس کو ان حضرات کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں جس کا کچھ بیان آپ مراقبہ کے باب میں پڑھ چکے ہیں مزید تفصیل تصوف کی کتابوں میں دیکھئے۔

اس تفکر و تدبر کا حاصل اور نتیجہ

انہی ارباب عقول کے متعلق ذکر اللہ اور تفکر کے بعد ارشاد ہے:

ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحنک فقنا عذاب النار. پ ۴ آیت ۱۹۱

اے ہمارے پروردگار (ہم اقرار کرتے ہیں) کہ تونے اس (آسمان و زمین (اور اس کے درمیان بسنے والی مخلوقات) کو بے مقصد نہیں پیدا کیا تو پاک ہے (اس سے کہ بے مقصد کام کرے) پس تو ہم کو جہنم کی آگ سے بچالے۔

یعنی اسماء و صفات الٰہیہ اور ان کے مظاہر میں غور و فکر کرنے کے بعد بیساختہ اور بلا اختیار کہہ اٹھتے ہیں:

اے ہماری پرورش کرنے والے ہمیں یقین ہے کہ تو نے اس تمام کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ان کی آفرینش کا ایک عظیم مقصد ہے جو تو ہی ہمیں اپنی رحمت وربوبیت کے تقاضے سے بتلاتا ہے وہ یہ ہے۔

وماخلقت الجن والانس الالیعبدون (پارہ ۲۷:سورۃ ذاریات آیت ۵۶)

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس پر بھی ہم ایمان لاچکے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس عبادت میں ہم سے ضرور کوتاہیاں اور نافرمانیاں ہوں گی پس تو ہماری کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو معاف فرمادے اس لئے کہ تو ہمارا رب ہے تو معاف نہیں کرے گا تو کون معاف کرے گا اور تو ہم کو جہنم کے ہولناک عذاب سے بچالے۔

خلاصہ:

حاصل غور وفکر چار چیزیں ہیں۔(۱) ایک اعتراف ربوبیت (۲) دوسرے مقصد تخلیق پر ایمان (۳) تیسرے اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں کا اقرار (۴) چوتھے کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو بخش دینے اور جہنم کے عذاب سے بچانے کی دعا۔

تقریباً یہی چار چیزیں تفکر کے باب کا عنوان ہیں اس لئے اس باب تفکر کے اثبات کے لئے یہ آیت کریمہ جامع ترین آیت ہے باقی آیتوں میں مظاہر رحمت یا مظاہر نقمت (وعذاب) میں تفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

اس پُرفتن زمانے میں ہماری حالت

ہم تو اس پُر آشوب زمانے میں ایسے دنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے اور الجھنوں میں گرفتار ہیں کہ ہر وقت اور ہر حالت میں ہوس زراندوزی اور فراوانی مال ودولت کی طمع ہمارے دل ودماغ پر مسلط ہے اسی میں ہم محو ہیں خالی اوقات اور تنہائیوں میں بھی زیادہ سے زیادہ مال ودولت حاصل کرنے کی تدبیروں میں ہی غور وفکر کرتے ہیں سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے۔

بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا (پ ۳۰ س:الاعلیٰ آیت ۱۶)

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دیتے اور پسند کرتے ہو۔ حالانکہ ہمارے محبوب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت ورأفت خبردار فرمادیا ہے۔

فواللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم الدنیا اذا ھی حیزت لکم فتنافسوا فیھا کما تنافس من کان قبلکم فتھلکم کما اھلکت من کان قبلکم:

پس خدا کی قسم تنگدستی اور افلاس سے مجھے تمہارے متعلق کوئی ڈر نہیں بلکہ مجھے ڈر لگتا ہے دنیا (کی دولت) سے جبکہ وہ تمہارے لئے سمیٹ دی جائیگی پھر تم اس مال ودولت کے سمیٹنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کروگے جیسے تم سے پہلی قوموں نے کیا اور پھر وہ دنیا (کی طمع) تم کو ایسے ہی ہلاک کرڈالے گی جیسے ان قوموں کو ہلاک کیا۔

مگر افسوس، صد افسوس! ہم میں سے بیشتر لوگوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشفقانہ تنبیہ کو بھی پس پشت ڈال دیا اور مال و دولت سمیٹنے میں ایسے لگے ہیں کہ نہ صرف خدا اور رسول اور آخرت کو بھول گئے بلکہ اپنے آپ کو بھی بھلا بیٹھے اور علانیہ غیر قانونی کاروبار کر رہے ہیں سزائیں کاٹتے ہیں لیکن جیل سے باہر آکر پھر وہی خلاف قانون کاروبار کرتے ہیں حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا ذکر ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ بڑے غفور الرحیم ہیں اپنے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے ہماری حالت پر رحم فرمائیں اس زر پرستی کے جہنم سے نکال کر خدا پرستی کی توفیق عطا فرمائیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی یہ دعا معنی سمجھ کر مانگا کیجئے۔

اللھم لاتجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا.

اے اللہ! تو دنیا کو ہمارا سب سے بڑا فکر نہ بنائیو اور نہ (دنیا کو) ہمارا منتہائے علم (مقصد علم) بنائیو اور نہ دنیا کو ہماری مرغوب چیز بنائیو۔

ہمت کیجئے اور کسی نہ کسی وقت تنہائی میں کسی نہ کسی درجہ میں تفکر، اسماء و صفات الٰہیہ پر غور و فکر ضرور کیجئے۔

فی المبادرة الی الخیرات وحث من توجه لخیر علی الاقبال علیه بالجد من غیر تردد

نیک کام میں جلدی کرنا اور طالب خیر کو شوق سے اور بلا تردد نیکی پر آمادہ کرنا

ا۔ نیک کاموں کے انجام دینے میں عجلت اختیار کرنے کا۔

۲۔ اور جو شخص کسی خاص کار خیر کا ارادہ کرے اس کو بلا تاخیر' اور تردد کے بغیر' پورے اہتمام کے ساتھ انجام دے لینے پر برانگیختہ کرنے اور ترغیب دینے کا بیان۔

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ﴾ [البقرة : ١٤٨] ، وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ [آل عمران : ١٣٣]

نوٹ: امام نووی رحمۃ اللہ نے کتاب کی طوالت کے خوف سے قرآن کریم کی بڑی بڑی آیات میں سے صرف وہ حصہ لیا ہے جس سے ترجمۃ الباب (عنوان باب) ثابت ہوتا ہے ہم نے پوری پوری آیات مع ترجمہ و تشریح کے نقل کر دی ہیں تاکہ کتاب پڑھنے والے کامل نفع حاصل کر سکیں۔

قال اللہ تعالیٰ.......... اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں۔

ولکل وجھة ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات' این ماتکونوا یات بکم اللہ جمیعاً ان اللہ علی کل شیء قدیر (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۸)

(اے مسلمانو تم قبلہ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے جھگڑے میں اپنا وقت ضائع مت کرو بلکہ) نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو (کیونکہ) جہاں بھی تم ہوگے اللہ تم سب کو (وہیں سے میدان حشر میں) لے آئے گا (اور پھر نیک کاموں کی جزا اور برے کاموں کی سزا دے گا لہٰذا اس دن کی فکر کرو اور زیادہ سے زیادہ کارہائے خیر کر لو وقت بالکل ضائع نہ کرو) بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تشریح! اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو اعمال صالحہ اور کارہائے خیر میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے اور آگے نکل جانے کی ترغیب دی گئی ہے یہی ترجمۃ الباب (عنوان باب) کا پہلا جزو ہے۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وسارعوا الی مغفرة من ربکم وجنة عرضھا السموات والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون فی السرآء والضرآء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس' واللہ یحب المحسنین' والذین اذافعلوا فاحشة اوظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الااللہ ولم

یصرواعلیٰ مافعلواوھم یعلمون‘ اولئک جزآؤھم مغفرۃ من ربھم وجنت تجری من تحتھاالانھر خلدین فیھا‘ونعم اجر العملین (سورۃ ال عمران آیت ۱۳۳تا۱۳۶)

ترجمہ۔اور تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو (اور عجلت کرو) اور اس جنت کی جانب (دوڑو) جس کا عرض ہے آسمانوں اور زمین (کے برابر اور طول کا حال تو خدا ہی جانتا ہے کتنا ہوگا) تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے جو خوشحالی اور تنگدستی (دونوں حالتوں میں اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرتے ہیں اور جو غصہ کو دبالیا کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیا کرتے ہیں اور اللہ ایسے ہی نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ جو جب بھی کوئی فحش کام کرتے ہیں یا اپنے حق میں کوئی براکام (گناہ) کر بیٹھتے ہیں تو (فوراً) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں اور ہے کون اللہ کے سوا جو گناہوں کو معاف کرے؟ اور وہ اپنے کئے ہوئے (برے کاموں) پر اڑے نہیں رہتے (بلکہ) وہ جانتے ہیں (کہ ہم نے فلاں فلاں گناہ کئے اور ان سے توبہ کی ہے ایسا نہ ہو کہ دوبارہ کر بیٹھیں) ان ہی لوگوں کی جزا اُن کے رب کی جانب سے (تمام گناہوں کی) مغفرت ہے اور ایسے (سرسبز وشاداب) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (یہ) کتنا اچھا صلہ ہے ان عمل کرنے والوں کا۔

تفسیر

اس آیت کریمہ میں اعمال صالحہ اور کارہائے خیر کے انجام دینے میں عجلت اور جلدی کرنے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ ان کے اجر عظیم کا‘ نیز اہم ترین اعمال فاضلہ کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اسی باب سے متعلق ایک اہم ترین آیت اور اس کے ترجمہ و تشریح کا اضافہ مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے

۳۔ قال اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھاالذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ماقدمت لغد واتقوااللہ‘ ان اللہ خبیر بما تعملون

(پ ۲۸ سورۃ الحشر آیت ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو چاہئے کہ وہ غور کیا کرے کہ اس نے کل (قیامت کے دن) کے لئے پہلے سے کیا کچھ تیار کیا ہے؟ اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب اچھی طرح باخبر ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ایک مسلمان کو خدا کے خوف اور آخرت کی فکر سے غافل نہ ہونا چاہئے اور اپنے اعمال وافعال پر کڑی نظر رکھنی چاہئے اگر کوئی نافرمانی اور گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ کرلینی چاہئے ایسا نہ ہو کہ غفلت میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور توبہ کا خیال بھی نہ رہے تو

قیامت کے دن مجرم کی حیثیت سے خدا کے سامنے پیش ہونا پڑے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو ان تینوں آیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین یارب العالمین۔

انتہائی خطرناک اور تاریک ترین فتنوں کا زمانہ آنے سے پہلے نیک کام کر لینے میں عجلت کیا کرو

وأما الأحاديث : فالأولُ : عن أبي هريرة رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " بَادِرُوا بالأعْمَال فتنناً كقطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ ، يُصْبحُ الرَّجُلُ مُؤْمِناً وَيُمْسِي كَافِراً ، وَيُمْسِي مُؤمِناً ويُصبحُ كَافِراً ، يَبيعُ دِينَهُ بعَرَضٍ مِنَ الدُّنيا " رواه مسلم .

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نیک کام کرنے میں عجلت کیا کرو (آج کل پر مت رکھا کرو) اس لئے کہ عنقریب اندھیری رات کے ٹکڑوں (حصوں) کی طرح (ایسے) فتنے رونما ہوں گے کہ آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا صبح (ہوتے ہوتے) کافر ہو جائے گا اپنے دین کو متاع دنیا کے بدلے بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان تاریک فتنوں کے زمانے میں ایمان و کفر حق و باطل اور حلال و حرام میں اتنا شدید اشتباہ والتباس ہو جائے گا کہ دونوں میں فرق کرنا اور کفر سے باطل سے اور حرام سے بچنا بے حد دشوار ہو جائے گا چنانچہ ایک مسلمان مومن دنیاوی معاملات اور کاروبار کو ایمان واسلام کے مطابق اور برحق و حلال سمجھ کر کرے گا حالانکہ وہ سراسر حرام باطل اور اسلام کے منافی ہوگا اور نفس کے دھوکے اور فریب میں آکر اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور کافر ہو جائے گا اس لئے کہ حرام کو حلال جاننا اور باطل کو حق سمجھ لینا یقیناً کفر ہے اسی طرح مال یا جاہ و منصب کی خاطر یا کسی اور منفعت کی طمع میں شعوری یا غیر شعوری طور پر گرفتار ہو کر اس کو حق سمجھ کر اختیار کرلے گا اور کسی بھی باطل عقیدہ کو حق سمجھ لینا کفر ہے اور اسلام سے خارج ہونے کا موجب ہے اور ظاہر ہے کہ حالت کفر میں کیا ہوا کوئی بھی اچھے سے اچھا عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہو سکتا اور آخرت میں کام نہیں آسکتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعاً (سورۃ کہف آیت ۱۰۳، ۱۰۴)

(اے نبی) تم کہہ دو! آؤ تمہیں اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ میں رہنے والوں سے آگاہ کریں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا کی زندگی میں کی ہوئی تمام تر کوششیں (اور اعمال) رائیگاں اور بیکار گئیں اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

لہٰذا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم متنبہ فرماتے ہیں کہ ایسا وقت اور ایسا پُر فتن زمانہ آنے سے پہلے جس قدر بھی اعمال صالحہ اور کارہائے خیر کر سکتے ہو کر لو ٹال مٹول اور تاخیر ہر گز مت کرو یہی ترجمۃ الباب (عنوان باب) کا دوسرا جزو ہے۔

اِس پُر فتن زمانہ میں کفر سے بچنے کی تدبیر

اس پر فتن زمانے میں اس غیر شعوری یا شعوری کفر سے بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اول تو انتہائی کوشش کرے کہ ایسے مشتبہ امور و معاملات اور دنیوی کاروبار سے حتی الامکان بچے اور دور رہے اسی طرح کسی بھی دنیوی منفعت یا مالی وجاہی فائدہ کے عوض مجمع علیہ عقائد حقہ سے کسی بھی قیمت پر دستبردار نہ ہو بلکہ دینی عقائد کی حفاظت میں بڑے سے بڑا دنیاوی نقصان اٹھانے کے لئے بخندہ پیشانی تیار اور آمادہ رہے اور ہر دنیاوی منفعت حاصل کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کر لے کہ یہ منفعت مجھے میرے دین کے بدلے میں تو حاصل نہیں ہو رہی؟ اسی طرح اگر پاک وصاف اور حلال روزی خواہ کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو میسر آسکتی ہے تو اسی پر اکتفا کرے اور جیسے تیسے اس چند روزہ زندگی کو گزار دینے پر قناعت کرے اور اگر اضطرار کی حالت پیش آجائے اور فاقہ کشی کی نوبت پہنچ جائے تو اکل میتہ (مردار جانور کھانے) کے درجہ میں اس کو حرام جانتے ہوئے پیٹ کی آگ بجھائے اور زندہ رہنے کے بقدر اس روزی پر اکتفا کرے اور اللہ تعالیٰ سے برابر توبہ واستغفار کرتا رہے اور حلال روزی عطا کرنے کی دعائیں مانگتا رہے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس پر حلال روزی کے راستے ضرور کھول دیں گے۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لایحتسب (سورۃ طلاق آیت ۳)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کی نافرمانی سے) ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ضرور کوئی راستہ نکال دیں گے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیں گے جہاں سے ملنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔

بہر حال ایک مومن مسلمان کو دین پر دنیا کو ترجیح اور فوقیت ہر گز نہ دینی چاہئے کہ یہ تو کفار کا شیوہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقیٰ (سورۃ اعلیٰ آیت ۱۶، ۱۷)

بلکہ تم تو دنیا کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت (کی زندگی دنیا کی زندگی سے) بہت بہتر اور پائیدار ہے۔

اسی بنا پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو حسب ذیل دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

اللھم لاتجعل مصیبتنا فی دیننا ولاتجعل الدنیا اکبر ھمنا ولامبلغ علمنا.

اے اللہ! تو ہمارے دین کو ہمارے لئے مصیبت نہ بنائیو اور دنیا کو ہمارا سب سے بڑا فکر اور غم نہ بنائیو اور نہ منتہائے علم (مقصد علم) بنائیو۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مذکورہ ذیل حدیث میں ان مشتبہ امور سے بھی بچنے اور دور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے جو نہ قطعی طور پر حرام ہوں اور نہ قطعی طور پر حلال' حدیث میں آتا ہے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے حلال بھی بالکل ظاہر ہے اور حرام بھی بالکل ظاہر ہے ان دونوں (حلال و حرام) کے درمیان کچھ مشتبہ امور بھی ہیں جن کو بیشتر لوگ نہیں جانتے (کہ وہ حرام ہیں یا حلال) پس جو شخص ان مشتبہ امور سے بچا (اور دور رہا) اس نے تو اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کر لیا (نہ خدا کی ناراضگی کا اندیشہ رہا اور نہ لوگوں میں بدنام ہوا) اور جو ان مشتبہ امور میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو محفوظ و ممنوع چراگاہ کے آس پاس اپنے مویشی چراتا ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی ممنوع چراگاہ میں ضرور جا گھسے گا۔ یاد رکھو ہر بادشاہ کی ایک محفوظ (سرکاری) چراگاہ ہوتی ہے اچھی طرح سن لو اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ (روئے زمین پر) وہ امور ہیں جن کو اس نے حرام کیا ہے (جو کوئی بھی ان میں سے کسی بھی حرام کام کا ارتکاب کرے گا ضرور سزا کا مستحق ہوگا) اور مشتبہ امور کا ارتکاب کرنے والا کسی نہ کسی دن حرام کام کر بیٹھے گا (رواہ البخاری جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۳)
چہ جائیکہ قطعی طور پر حرام امور کہ ان کا ارتکاب تو اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی بلکہ بغاوت ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ (خدا تعالیٰ ہمیں بچائے آمین)

موجودہ زمانہ اور چارۂ کار

لیکن ہمارے اس تاریک ترین پر فتن زمانہ میں کہ تمام ضروریات زندگی کا کاروبار خواہ ملکی پیداوار ہو خواہ غیر ملکی درآمد شدہ اشیا ہوں' خواہ خام پیداوار ہو خواہ مصنوعات ہوں سب سود اور بیمہ کی بنیاد پر ہو رہا ہے جو از روئے شرع قطعاً حرام ہے اس لئے نہ پیٹ بھرنے کو روٹی میسر آسکتی ہے نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا جائز اور حلال میسر آسکتا ہے ایسی صورت میں حدیث میں مذکورہ کفر سے بچنے کی صورت میں صرف یہی ہے کہ انسان کم سے کم ضروریات زندگی پر اکتفا کرے اور اس کو بھی حلال اور جائز ہرگز نہ سمجھے بلکہ بدرجہ مجبوری اکل میتۃ (مردار کھانے) کے درجہ میں سمجھے اور توبہ واستغفار کے ساتھ ساتھ حلال ضروریات زندگی میسر آنے کی دعائیں بھی کرتا رہے اور کوشش بھی جاری رکھے تو ان شاء اللہ حرام کو حلال سمجھنے اور باطل کو حق سمجھنے کے کفر سے بچ جائے گا واللہ ہو الموفق (اللہ توفیق بخشنے والا ہے)

ایک منٹ کی تاخیر کے بغیر مستحقوں کا مال ان کو پہنچا دینے کی ہدایت

الثَّاني : عن أبي سِروْعَة بكسر السين المهملة وفتحها عُقبةَ بن الحارث رضي الله عنه ، قَالَ : صَلَّيتُ وَرَاءَ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالمَدِينَةِ العَصْرَ ، فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعاً ، فَتَخطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بعضِ حُجَرِ نِسَائِهِ ، فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ ، فَخَرَجَ عَلَيهِمْ ، فَرأى أَنَّهمْ قَدْ عَجِبُوا مِنْ سُرعَتهِ ، قَالَ : " ذَكَرتُ شَيئاً مِنْ تِبرٍ عِندَنَا فَكَرِهتُ أَنْ يَحْبِسَنِي فَأَمَرتُ بِقِسْمَتِهِ "[۳] رواه البخاري . وفي رواية لَهُ: " كُنتُ خَلَّفتُ فِي البَيْتِ تِبراً مِنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهتُ أَنْ أُبَيِّتَهُ " . " التِّبْرُ " : قِطَعُ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ .

ترجمه: حضرت ابو سروعہ عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی تو آپ سلام پھیرنے کے بعد (خلاف معمول فوراً) کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے بڑی تیزی سے ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے تو جب (زنان خانہ سے) باہر (صحابہؓ کے پاس) تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ آپ کی اس عجلت پر تعجب کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: کچھ سونے کے ٹکڑے مجھے (گھر میں رکھے ہوئے اچانک) یاد آ گئے تو مجھے ان کی (اپنے گھر میں) موجودگی اچھی نہیں معلوم ہوئی اس لئے میں (فوراً گھر گیا اور) اس کو (حاجتمندوں میں) تقسیم کر دینے کے لئے کہہ دیا یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ میں گھر میں صدقہ کے کچھ سونے کے ٹکڑے چھوڑ آیا تھا تو رات بھر ان کو اپنے گھر میں رکھنا مجھے برا معلوم ہوا اور میں نے یاد آتے ہی فوراً (گھر جا کر) ان کو (مستحقین میں) تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۔ بخاری شریف تبر سونے یا چاندنی کے (بغیر سکہ لگے) ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو عملی طور پر جس کار خیر کا ارادہ کیا ہو اس کو بلا تاخیر اور بلا تردد جلد از جلد کر لینے کی تعلیم و ترغیب فرمائی ہے۔

انسانی زندگی کے واقعات و تجربات شاہد ہیں کہ انسان بسا اوقات آج کل اور ٹال مٹول کی بنا پر بعض کارہائے خیر سے محروم رہ جاتا ہے جو اگر سازگار حالات میں جبکہ اس نے ارادہ کیا تھا بلا تاخیر انجام دے لیتا تو ہو جاتے اور دنیا و آخرت دونوں میں کام آتے لیکن بلا وجہ تاخیر کی بنا پر نہیں کرتا اور پھر ساری عمر اپنی اس کوتاہ کاری پر کف افسوس ملتا رہتا ہے کہ کاش جب میں نے ارادہ کیا تھا اسی وقت یہ کام کر لیتا اور ٹال مٹول نہ کرتا تو آج کام آتا اسکی وجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں سازگار حالات ہمیشہ برقرار نہیں رہتے جو شخص بھی اپنی زندگی کے نشیب و فراز پر غور کرے گا اسے ضرور اسے کارہائے خیر یاد آئیں گے جن کو بروقت نہ انجام دینے پر افسوس اور محرومی کا احساس ہو گا۔

ظاہر ہے کہ حدیث ترجمۃ الباب (عنوان باب) کے دوسرے جزو سے متعلق ہے۔

جنت یقینی طور پر ملتی ہو تو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر حاصل کر لو

الثالث: عن جابر رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رجل نلنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يومَ أُحُد: أَرَأيتَ إنْ قُتِلتُ فَأيْنَ أنَا؟ قَالَ: " في الجنَّةِ " فَألْقَى تَمَرَاتٍ كُنَّ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک آدمی نے جنگ "اُحد" کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر میں قتل کر دیا گیا تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے جواب دیا جنت

میں' تو یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ اسی وقت زمین پر ڈال دیں اور پھر جنگ کے میدان میں کود پڑا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا اور شہید ہو گیا (اور سیدھا جنت میں پہنچ گیا) (بخاری و مسلم)

تشریح: ان صحابی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ سبق آموز واقعہ 'حیات بعد الموت اور آخرت پر ایمان کامل اور یقین محکم کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے فی الجنۃ کا جواب سن کر شوق شہادت میں سرشار صحابی نے اتنی تاخیر بھی گوارہ نہ کی کہ ہاتھ میں لی ہوئی کھجوریں ہی کھا لیتے اور پیٹ کی آگ بجھا لیتے بلکہ اس زندگی اور اس کے تقاضوں سے بے نیاز و بالاتر ہو کر ہاتھ کے ہاتھ جنت میں پہنچ گئے۔

ایک ایسے ہی کفار و مشرکین کے ہاتھوں شہید ہونے والے جانباز و سر فروش بندہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

انی امنت بربکم فاسمعون قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین (سورۃ یٰسین آیت ۲۵ تا ۲۷)

بلاشبہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا کان کھول کر سن لو (تو فوراً کافروں نے اس کو رب جلیل پر ایمان لانے کے جرم میں قتل کر دیا) تو رب جلیل کی جانب سے (اسی وقت اس سے) کہہ دیا گیا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ (اس پر اس سر فروش غازی) نے کہا کاش کہ میری قوم کو علم ہو جاتا کہ میرے رب نے میری (عمر بھر کی) خطاؤں کو معاف کر دیا اور مجھے اپنے مقرب و معزز بندوں (شہداء) میں شامل کر لیا۔

حدیث کا حاصل یہی ہے کہ کسی بھی کار خیر میں تردد و تذبذب اور تاخیر نہ کرنی چاہئے بلکہ جب موقع ہاتھ آئے فوراً کے فوراً اس کام کو انجام دے لینا چاہئے خواہ وہ جان دینا اور شہادت کا جام پینا ہو اور خواہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہو۔

مگر یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو آخرت پر یقین کامل ہو اور اس کی فکر میں بے چین ہو۔

ہماری حالت

افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہم تو سرے سے اس فکر آخرت سے ہی محروم ہیں آخرت کے لئے کچھ کرنا تو بڑی بات ہے ہم تو اسی ہیچ و پوچ دنیا اور فانی زندگی اور اس کے لوازمات مہیا کرنے میں اس طرح سرگرداں ہیں کہ اور کسی بات کا ہوش ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کتنے واضح الفاظ میں متنبہ کیا ہے۔

بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا (سورۃ اعلیٰ آیت ۱۶)

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دیتے ہو۔

مگر وائے محرومی کہ ہم شب و روز قرآن کریم میں اس قسم کی آیات تلاوت کرتے اور پڑھتے ہیں مگر ہم دیوانگان دنیا پر مطلق اثر نہیں ہوتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس دیوانگی کے انجام سے بھی آگاہ فرما دیا ہے۔

فامامن طغی واثر الحیوۃ الدنیافان الجحیم ھی الماویٰ (پ ۳۰ سورۃ النزعت آیت ۳۷ تا ۳۹)

باقی جس نے سر تابی و سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بلا شبہ جہنم ہی اس کا ابدی ٹھکانا ہے۔
اسی سلسلہ کی مسنون دعائیں اس سے پہلی حدیث کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں آپ بھی دعائیں مانگا کیجئے اللہ پاک کا وعدہ ہے وہ ضرور قبول فرمائیں گے۔

آفتوں کے آنے سے پہلے صدقہ کرنا اصل صدقہ ہے

الرابع : عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : جاءَ رَجُلٌ إلَى النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رسولَ الله ، أيُّ الصَّدَقَةِ أعْظَمُ أجْرَاً ؟ قَالَ : " أنْ تَصَدَّقَ وَأنتَ صَحيحٌ شَحيحٌ ، تَخشَى الفَقرَ وتَأمُلُ الغِنَى ، ولاَ تُمهلُ "۳" حَتَّى إِذَا بَلَغتِ الحُلقُومَ قُلْتَ لِفُلانٍ كذا ولِفُلانٍ كَذا ، وقَدْ كَانَ لِفُلانٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ."
الحُلقُومُ " : مَجرَى النَّفَس . وَ" المَرِيءُ " : مجرى الطعامِ والشرابِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس صدقہ کا اجر سب سے بڑا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ صدقہ جو تم اس حالت میں کرو کہ تم تندرست بھی ہو (جس کی بنا پر زندہ رہنے کی بجا طور پر اُمید رکھتے ہو پس انداز کرنے کی غرض سے پیسہ) خرچ کرنے میں بخیل بھی ہو تنگدستی سے ڈرتے بھی ہو مالدار بننے کی امید بھی رکھتے ہو (اور ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقہ کرو) نہ کہ وہ صدقہ جس کو تم ٹالتے رہو ٹالتے رہو یہاں تک کہ جب دم نکلنے لگے تو کہو کہ فلاں کو اتنا دے دو) فلاں کو اتنا حالانکہ اب تو (وہ مال آپ سے آپ فلاں اور فلاں کا ہو گیا (دم نکلتے ہی وہ مال خود بخود اوروں کا ہو جائے گا) متفق علیہ
حلقوم۔ سانس لینے کی نالی۔ والمرئی کھانے پینے والی۔

تشریح: ایک تندرست اور اچھی صحت والا شخص زندہ رہنے اور عمر طبعی کو پہنچنے کی بجا طور پر امید کرتا ہے اور زندگی بسر کرنے کے لئے مال کی ضرورت ظاہر ہے اور ناگہانی مصائب کے وقت فقر و فاقہ سے بچنے کے لئے کچھ مال پس انداز کرنا بھی ضروری ہے جس کے لئے کفایت شعاری اور جزرسی لازمی ہے اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے لئے جائز طریقہ پر دولت مند بننے کی کوشش کرنا بھی کچھ بری بات نہیں ہے یہ سب انسان کے فطری تقاضے ہیں لہٰذا ان حالات میں صدقہ خیرات کرنا بڑی جوان ہمتی کا کام ہے اور نفس انسانی پر انتہائی شاق ہے اسی لئے اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے برعکس اس کے ایک بیمار اور زندگی سے مایوس انسان یا اتنا مالدار جس کو تنگدستی کا اندیشہ نہ ہو کہ ان دونوں شخصوں کا صدقہ خیرات کرنا کوئی خاص کارنامہ نہیں ہے نہ ہی ان کے نفس پر شاق ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اشق الاعمال اکثرھاثواباً

جواعمال انسان پر جتنے زیادہ شاق ہوتے ہیں ان کا ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔

مگراس صدقہ وخیرات کی جرأت ان فطری موانعات کے باوجود وہی شخص کرتا ہے جسے آخرت کی فکراور خدا کا خوف ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وامامن خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی (پ۳۰ سورۃ النزعت آیت ۴۰،۴۱)

باقی جو شخص اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو اسکا (ابدی) ٹھکانا جنت ہی ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہماری حالت

مگر ہماری حالت تو اس فتنہ پرور زمانہ میں اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کا فرق کئے بغیر نفسانی خواہشات یا کہیئے نفس پروری میں اس قدر منہمک اور سرگرداں ہیں کہ خدا کے سامنے پیش ہونے کا خوف تو کیا خیال بھی نہیں آتا کہ ہم اس نفس امارہ کو اس کی ناجائز خواہشات سے باز رکھ کر آخرت کے لئے کوئی کام کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الایظن اولئك انهم مبعوثون ليوم عظيم يوم يقوم الناس لرب العلمين (سورۃ المطففین آیت ۴،۶)

کیا یہ لوگ کبھی نہیں سوچتے کہ ان کو ایک عظیم دن (قیامت کے دن) کے لئے ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا جس دن تمام مخلوق رب العالمین کے سامنے پیش ہوگی۔

لیکن وائے برماوبرحال ما (افسوس ہم پراور ہمارے حال پر)

بہر حال نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ کارہائے خیر کے انجام دینے میں تاخیر اور ٹال مٹول نہ کرنی چاہئے جو بھی بن پڑے حالات کی پرواہ کئے بغیر آخرت کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرتے رہنا چاہئے اللہ پاک ہر مسلمان کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

تلوار کا حق ادا کرنے کے مطالبہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابودجانہ کا تلوار قبول کرنا

الخامس : عن أنس رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أخذ سيفاً يومَ أُحُدٍ ، فَقَالَ : " مَنْ يَأْخُذُ مني هَذَا ؟ " فَبسطُوا أيدِيَهُمْ كُلُّ إنسَانٍ مِنْهُمْ يقُولُ : أنَا أنَا . قَالَ : " فَمَنْ يَأْخُذُهُ بحَقِّه ؟ " فَأَحْجَمَ القَوْمُ فَقَالَ أَبُو دُجَانَةَ رضي اللهُ عنه : أنا آخُذُهُ بحَقِّهِ ، فأخذه فَفَلَقَ بِهِ هَامَ المُشْرِكِينَ . رواه مسلم . اسم أبي دجانةَ : سماك بن خَرَشة . قوله : " أحجَمَ القَوْمُ " : أي توقفوا . وَ" فَلَقَ بِهِ " : أي شق . " هَامَ المُشرِكينَ " : أي رُؤُوسَهم .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار دست مبارک میں لی اور فرمایا اس تلوار کو کون لیتا ہے تو سب نے ہاتھ پھیلا دیئے اور ہر شخص نے کہا میں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا: تو جو اس تلوار کو لے گا اس کو اس کا حق بھی ادا کرنا ہوگا تو سب پیچھے ہٹ گئے (اور پھیلے ہوئے ہاتھ سکڑ گئے) تو ابو دجانہ رضی اللہ عنہ) (آگے بڑھے اور) انہوں) نے عرض کیا میں اس تلوار کو لیتا ہوں اور اس کے حق ادا کرنے کا ذمہ بھی لیتا ہوں چنانچہ ابو دجانہ نے وہ تلوار لے لی اور خوب مشرکین کی کھوپڑیاں اس سے پھاڑیں اور گردنیں کاٹیں۔ صحیح مسلم

ابو دجانہ کا نام سماک بن خرشہ ہے، احجم القوم کے معنی ہیں رک گئے۔ فلق بہ سر پھاڑ دیا، ھام المشرکین، مشرکین کی کھوپڑیاں۔

تشریح: یہ بات نہیں کہ دوسرے ہاتھ پھیلانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشرکین سے جنگ کرنے اور جام شہادت پینے کی خواہش نہ تھی یا ان میں سر فروشی کا جذبہ نہ تھا بلکہ وہ مناسب وقت اور موقعہ کے منتظر تھے بلا تاخیر جانبازی و سر فروشی کے لئے تیار نہ تھے اس کے برعکس ابو دجانہؓ کا جذبہ سر فروشی و جانبازی اور شہادت کی تڑپ کسی بھی تاخیر کی متحمل نہ تھی انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور پورے عزم کے ساتھ فوراً ہی تیار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر کے تلوار لے لی اور اس کا حق ادا کر دیا سبحان اللہ!

اسی مقصد کی بنا پر امام نوویؒ نے اس حدیث کو اس باب کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ کسی بھی کار خیر کے انجام دینے کا جو موقع بھی میسر آجائے اسے غنیمت سمجھنا چاہئے اور بلا تردد تاخیر اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے کیا خبر ہے پھر موقع ہاتھ آئے یا نہ آئے۔

بد سے بد تر زمانے آتے رہیں گے یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو گے

السادس : عن الزبير بن عدي ، قَالَ : أتينا أنسَ بن مالك رضي الله عنه فشكونا إلَيْه مَا نلقى مِنَ الحَجَّاجِ . فَقَالَ : " اصْبِرُوا ؛ فَإنَّهُ لا يَأتِي زَمَانٌ إلاَّ والَّذِي بَعدَهُ شَرٌّ مِنهُ حَتَّى تَلقَوا رَبَّكُمْ " سَمِعتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . رواه البخاري .

ترجمہ: زبیر بن عدی بیان کرتے ہیں کہ: (ایک مرتبہ) ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے (اثناء گفتگو میں) حجاج بن یوسف (مبیر اُمت) کے ان مظالم کی شکایت کی جو ہم (مسلمانوں) پر شب و روز توڑے جا رہے تھے تو انہوں نے فرمایا (بھائی) صبر کرو صبر اس لئے کہ جو زمانہ بھی آتا ہے اس کے بعد کا زمانہ اس سے بھی زیادہ بُرا (اور بدتر) ہوتا ہے (اسی طرح بد سے بد تر زمانے آتے رہیں گے) یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو گے (یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا) تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے اسی طرح سنا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: یاد رکھئے! خیر القرون کا سا خیر وصلاح اور امن وامان کا زمانہ تو اب آنے سے رہا وہ تو نبوت کے انوار وبرکات تھے جو آفتاب رسالت کے غروب ہونے کے بعد اسی طرح کچھ عرصہ قائم رہے جیسے سورج غروب ہونے کے بعد کچھ دیر تک اس کی روشنی شفق کی صورت میں باقی رہتی ہے اس کے بعد تو بس اندھیرا ہی اندھیرا رہ جاتا ہے اور دنیا تاریک سے تاریک تر ہوتی جاتی ہے روشنی کی توقع حماقت ہے اسی طرح امت عہد رسالت سے جس قدر دور ہوتی جاتی ہے اسی قدر شر وفساد کی تاریکیوں میں ڈوبتی جاتی ہے اس مبیر اُمت حجاج بن یوسف کے نامبارک عہد میں اگرچہ مسلمانوں کے جان ومال پر ظلم وجور کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے بے گناہوں کے معصوم خون کی ندیاں ہر طرف بہہ رہی تھیں مگر دین وایمان کا سرمایہ قطعاً محفوظ رہا اس کے بعد آنے والے زمانوں میں دین وایمان پر بھی ڈاکے ڈالے گئے چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ عہد رسالت سے جس قدر مسلمان دور ہوتے چلے گئے دین وایمان میں اضمحلال آتا چلا گیا۔ نت نئے فرقے پیدا ہوتے اور پھولتے پھلتے رہے اور اسلامی عقائد میں ملحدوں اور بے دینوں کی رخنہ اندازیاں برابر بڑھتی چلی گئیں اور مذہب کی گرفت ڈھیل ہوتی چلی گئی اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو آگاہ کر دیا تھا۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم

بہترین عہد میرا (یعنی صحابہ کا) عہد ہے پھر ان لوگوں کا عہد بہتر ہے جو ان (صحابہ) کے قریب ہیں (کبار تابعین) پھر ان لوگوں کا عہد جو ان (کبار تابعین) سے قریب ہیں (تبع تابعین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اب تو زاد آخرت جو کچھ جمع کرنا ہے یعنی کارہائے خیر جو بھی کرنے ہیں اسی ظلم وجور اور فتنہ وفساد کے ہنگاموں میں کرنے پڑیں گے زندگی کی رفتار ایک لمحہ کے توقف کے بغیر منزل فنا کی طرف بڑھ رہی ہے اور موت کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جارہا ہے ایسی صورت میں اگر تم خیر وصلاح کا زمانہ آنے کے انتظار میں بیٹھے رہے تو یہ چند روزہ زندگی ختم ہو جائے گی اور تمہیں زاد آخرت یعنی اعمال صالحہ سے تہی دامن سفر آخرت کرنا پڑے گا اور رب العلمین کے سامنے جب کہ **لتسئلن یومئذ عن النعیم** (پ ۳۰ سورۃ التکاثر' آیت ۸) اس دن ضرور سوال کیا جائے گا تم سے نعمتوں کے بارے میں ' کے تحت سوال ہوگا کہ اتنی طویل زندگی کی نعمت اور کارہائے خیر انجام دینے کی صلاحیت وقدرت ہم نے عطا کی تھی بتلاؤ تم نے اس کو کہاں صرف کیا اور ہمارے سامنے پیش کرنے کے لئے کیا لائے ہو؟ تو تمہارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور جنت النعیم سے محرومی اور جحیم (جہنم) کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔

لہٰذا خیر وصلاح کے زمانے اور امن وامان کے وقت کا انتظار کئے بغیر بلا توقف اور بلا تذبذب وتردد جو بھی نیک کام کر سکتے ہو کرتے رہو یاد رکھو تمہاری زندگی کا ایک ایک دن بیش بہا سرمایہ ہے اسے سازگار حالات کے

انتظار میں ہرگز ضائع نہ کرو دراصل یہ تمہارے سب سے بڑے دشمن مکار نفس کا ایک حربہ ہے جو تمہیں زاد آخرت سے محروم رکھنے کی غرض سے تمہارے خلاف استعمال کرتا ہے تمہارا فرض ہے کہ تم اس دشمن اور اس کے حربوں کو پہچانو اور اس کو ناکام اور اس کے حربوں کو ناکارہ بنا دو۔

حاصل حدیث یہ ہے کہ خیر و صلاح اور امن و امان کے زمانے کا انتظار شیطانی فریب ہے اس دھوکہ میں ہرگز نہ آؤ اور جو بھی کارہائے خیر کر سکتے ہو بلا توقف و تردد کر لو یاد رکھو۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

اسی غرض سے امام نوویؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

قیامت اور خروج دجال سے پہلے کارہائے خیر کر لینے کی تاکید

السابع : عن أبي هريرة رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " بادِرُوا بالأَعْمَال سَبْعاً ، هَلْ تَنْتَظِرُونَ إلاَّ فَقراً مُنسياً ، أَوْ غِنىً مُطغِياً ، أَوْ مَرَضاً مُفسِداً ، أَوْ هَرَماً مُفْنداً ، أَوْ مَوتاً مُجْهزاً ، أَوْ الدَّجَّالَ فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ ، أَوْ السَّاعَةَ فالسَّاعَةُ أدهَى وَأَمَرُّ "" رواه الترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات چیزوں کے پیش آنے سے پہلے جو بھی کارہائے خیر کر سکتے ہو کر لو آخر تم کس چیز کا انتظار کرتے ہو کیا اس تنگدستی (اور فقر و فاقہ) کا جو سب کچھ بھلا دیتی ہے یا اس دولت مندی کا؟ جو (دولت کے نشہ میں مست اور) سرکش بنا دیتی ہے یا اس بیماری کا' جو ہوش و حواس بھی تباہ کر دیتی ہے یا اس عقل و خرد کو خراب کر دینے والے) بڑھاپے کا؟ جس میں اچھی بری بات کی خبر ہی نہیں رہتی یا دنیا سے رخصت کر دینے والی موت کا؟ یا خروج دجال کا کہ وہ (آنکھوں سے) پوشیدہ ایک ایسا شر ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے (کہ اب آیا اور جب آیا) یا قیامت کا انتظار کر رہے ہو حالانکہ قیامت تو سب سے بڑی مصیبت اور سب سے زیادہ تلخ حقیقت ہے (جس کی ہوش ربا تفصیل قرآن کریم میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے) (ترمذی)

تشریح: یہ ظاہر ہے کہ آخرت کی فکر اور اس کے لئے کارہائے خیر انجام دینے کی ضرورت کا احساس اور وقت ان ساتوں چیزوں کے پیش آجانے کے بعد نہیں رہ سکتا اور ان کا پیش آنا یقینی ہے جلد ہو یا دیر سے موت اور قیامت کے بعد تو عمل کا وقت ہی نہیں رہتا دجال کا فتنہ جس کا کھٹکا ہر وقت لگا رہتا ہے انسان کی عملی قوت کو مفلوج کر دینے میں قیامت سے کچھ کم نہیں ہے باقی چار چیزوں ا۔ فقر ۲۔ غنا ۳۔ مرض ۴۔ عقل و خرد کو مفلوج کر دینے والا بڑھاپا۔ کے متعلق انسانی زندگی کے تجربات و واقعات شاہد ہیں کہ ان حالات میں بھی انسان کو ہوش باقی نہیں

رہتا اور نہ ہی آخرت کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہے اور یہ چاروں حالات بھی ایسے ہیں کہ انسان کسی وقت بھی ان کے پیش آجانے کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا ہر وقت ان کے پیش آنے کا کھٹکا لگا رہتا ہے لہٰذا اس سے پہلے کہ اس قسم کے حالات پیش آئیں انسان کو آخرت کے لئے جو کچھ کرنا ہے بلا تاخیر کر لینا چاہئے اور اس وقت اور فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے یہی حدیث شریف کا منشا ہے اور یہی ترجمۃ الباب (عنوان باب) ہے۔

اللہ اور رسول کی زبان سے محبت کی تصدیق اور فتح کی بشارت، حضرت عمرؓ کا جذبہ شہادت

الثامن : عَنْهُ : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ يومَ خيبر : " لأُعْطِيَنَّ هذِهِ الرَّايَةَ رَجُلاً يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَفتحُ اللهُ عَلَى يَدَيهِ " قَالَ عُمَرُ رضي الله عنه : مَا أحبَبْتُ الإمَارَةَ إلاَّ يَومَئِذٍ ، فَتَسَاوَرتُ لَهَا رَجَاءَ أنْ أُدْعَى لَهَا ، فَدَعا رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عليَّ بن أبي طالب رضي الله عنه فَأعْطَاهُ إيَّاهَا ، وَقالَ : " امْشِ وَلا تَلتَفِتْ حَتَّى يَفتَحَ اللهُ عَلَيكَ " فَسَارَ عليٌّ شيئاً ثُمَّ وَقَفَ ولم يلتفت فصرخ : يَا رَسُول الله ، عَلَى ماذا أُقَاتِلُ النَّاسَ ؟ قَالَ : " قَاتِلْهُمْ حَتَّى يَشْهَدُوا أنْ لا إله إلاَّ اللهُ ، وَأنَّ مُحَمداً رسولُ الله ، فَإذَا فَعَلُوا فَقَدْ مَنَعوا مِنْكَ دِمَاءهُمْ وَأمْوَالَهُمْ إلاَّ بحَقِّهَا ، وحِسَابُهُمْ عَلَى الله " رواه مسلم . " فَتَسَاوَرْتُ " هُوَ بالسين المهملة : أي وثبت متطلعاً .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر (ایک دن) فرمایا: (آج) میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے (عمر میں) کبھی (لشکر کی) امارت (وقیادت) کی خواہش نہیں کی سوائے اس دن کے چنانچہ میں آگے بڑھا (اور سامنے آیا) اس امید پر کہ مجھے اس امارت کے لئے بلایا جائے گا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب کو بلایا اور وہ جھنڈا ان کو دیا اور فرمایا جاؤ اور پیچھے مڑ کر مت دیکھنا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا فرمائیں چنانچہ حضرت علیؓ (آپ کے دست مبارک سے جھنڈا لے کر) تھوڑی دور چلے پھر ٹھہر گئے مگر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور بلند آواز سے پکارا یا رسول اللہ! میں ان لوگوں سے کس بات پر جنگ کروں؟ آپ نے فرمایا: اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ اس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں جب وہ ایسا کر لیں گے (یعنی یہ شہادت دے دیں گے) تو (وہ مسلمان ہو جائیں گے اور) ان کی جانیں اور مال تمہاری دستبرد سے محفوظ ہو جائے گا سوائے اسلام کے حق کے (یعنی اگر وہ کوئی ایسا جرم کریں گے جس کی سزا اسلام میں قتل ہو تو دوسرے

مسلمانوں کی طرح وہ بھی قتل کئے جائیں گے) باقی ان (کے دلوں) کا حساب اللہ کے سپرد ہے (کہ وہ دل سے مسلمان ہوئے یا نہیں؟ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لہٰذا اس کا حساب بھی وہی لے گا) (صحیح مسلم)

فتساورت۔ یعنی میں نے اس کی خواہش رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اونچا کیا۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت عمرؓ کا اقدام ترجمۃ الباب (عنوان باب) کے تحت آتا ہے کہ نہ صرف فتح خیبر کا کارنامہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کی شہادت کا حصول ایک ایسا کار خیر ہے کہ اس کو انجام دینے کے لئے بغیر کسی جھجک اور تاخیر کے ان کا آگے بڑھنا اعمال صالحہ کی طرف مبادرت (عجلت) اور سبقت کی اہم ترین مثال ہے ساتھ ہی حب جاہ و منصب کی غلط فہمی کی تردید بھی فرما دی کہ اس دن کے علاوہ میں نے ساری عمر کبھی امارت جیش کی خواہش نہیں کی۔

بہر حال حضرت عمرؓ نے اپنے مخلصانہ جذبے کے اظہار میں مطلق کوتاہی نہیں کی یہ دوسری بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منشائے خداوندی کے تحت حضرت علیؓ کو فتح خیبر کی سعادت حاصل کرنے کا موقع دیا اور انہوں نے کماحقہ شجاعت و سر فروشی کا مظاہرہ کیا (تفصیل کیلئے کتب مغازی میں فتح خیبر کے حالات ملاحظہ کیجئے)

باب في المجاهدة

مجاہدہ

قرآن کریم کی آیات اوران کا ترجمہ و تشریح

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [العنكبوت: ٦٩]

ترجمہ ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ ہمارے واسطے مشقتیں اٹھاتے ہیں ان کو ہم اپنے راستے سمجھا دیتے (بتلا دیتے) ہیں اور بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۲. وجاهدوا في الله حق جهاده هو اجتبكم وما جعل عليكم في الدين من حرج' ملة ابيكم ابراهيم (سورۃ حج آیت ۷۸)

اور مشقتیں اٹھاؤ اللہ تعالیٰ کے لئے جیسی اس کے واسطے مشقتیں اٹھانی چاہئیں اس نے تم کو (اس کام کے واسطے) انتخاب کیا ہے اور اس نے (اس) دین میں ذرا بھی دشواری نہیں رکھی (یہ) تمہارے باپ ابراہیم (جد اعلیٰ) کی ملت ہے۔

تفسیر: قرآن وحدیث میں عام طور پر دو لفظ آتے ہیں ا۔ ایک جہاد ۲۔ دوسرے مجاہدہ۔ جہاد اللہ تعالیٰ کے دین کے دشمنوں یعنی کافروں' مشرکوں اور بے دینوں کے ساتھ کیا جاتا ہے خواہ تلوار کے ذریعہ ہو خواہ زبان کے' خواہ قلم کے ذریعہ' مجاہدہ خود اپنے نفس امارہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ انسان کا سب سے بڑا اور خطرناک دشمن ہے اسکی صورت یہ ہے کہ نفس کی خواہشات اور رغبت کے خلاف اس کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت میں مسلسل شدید ترین مشقتیں اٹھائی جاتی ہیں نفس کی خواہش کے خلاف احکام شرعیہ پر پورا پورا عمل کیا جاتا ہے یہاں تک کہ نفس مخالفت اور سرکشی سے باز آجائے اور کلی طور پر اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تابعدار بن جائے احکام شرعیہ پر اگرچہ اس کی خواہش کے خلاف ہوں عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے مگر شرط یہ ہے کہ یہ مشقتیں قرآن وحدیث کی تعلیمات اور ہدایات کے مطابق اٹھائی جائیں جیسا کہ لنهدينهم سبلنا میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور اس باب کی حدیثوں میں ان مشقتوں کی تفصیل مذکور ہے اسی مشقت کشی کو مجاہدہ کہتے ہیں یہی عنوان باب ہے جو ان دونوں آیتوں سے ثابت ہے احسان کی حقیقت آپ حضرت جبرئیل کی حدیث کے ذیل میں (مراقبہ کے بیان میں) پڑھ چکے ہیں پھر پڑھ لیجئے۔

نفس امارہ کی اس دشمنی کا ثبوت قرآن وحدیث سے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام جیسے پاک دامن نبی کی زباں سے کہلواتے ہیں۔

وماابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوءِ الامارحم ربی ان ربی غفوررحیم (سورۃ یوسف آیت ۵۳)

میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا (صفائی نہیں پیش کرتا) بلاشبہ نفس تو بری ہی باتوں کا کثرت سے حکم کرنے (اور اُبھارنے) والا ہے بجز اس کے کہ میرا رب رحم فرمائے (اور اس کے شر سے بچائے) بے شک میرا رب بہت زیادہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

از روئے شریعت ممنوع اور حرام چیزوں اور لذتوں کے سبز باغ دکھا کر دعوت گناہ دینا اور خدا اور رسول کے احکام پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا اور روڑے اٹکانا تو اس نفس امارہ کا ہر وقت کا مشغلہ ہے ہی جیسا کہ قرآن کریم کے لفظ امارۃ بالسوءِ سے ظاہر ہے اور احادیث میں اس کی تفصیل آ رہی ہے لیکن اس نفس کی سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن دشمنی یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے عبادتیں اور ریاضتیں کرنے والوں کے دلوں میں غیر محسوس طریقے پر ریاکاری خود نمائی اور خود پرستی کے زہر ملا کر انہیں برباد کر دیتا ہے ایک اعلیٰ درجہ کے جانباز غازی کو' ایک اعلیٰ درجہ کے واعظ اور خطیب کو' ایک اعلیٰ درجہ کے صاحب قلم انشاء پرداز کو' ان ہی ریاکاری' شہرت پسندی اور خود نمائی وغیرہ کے خفیہ اور زیر زمین حربوں سے ہلاک اور ان کے جہاد فی سبیل اللہ کو برباد کر دیتا ہے اور ان کو پتہ بھی نہیں چلتا اسی طرح ایک عابد شب زندہ دار اور ایک تارک لذات و شہوات پرہیزگار کی ساری محنتوں اور مشقتوں کو انہی حربوں سے تباہ کر دیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کریمہ میں "احسان" کی شرط لگائی۔ اور دوسری آیت کریمہ میں حَقَّ تُقَاتِهِ کا اضافہ فرمایا اور آیتِ کریمہ ذیل میں اس ریا سمعہ و عجب کو شرک فی العبادت قرار دیا اور اس سے منع فرمایا ارشاد ہے۔

فمن کان یرجوا لقآءَ ربه فلیعمل عملاً صالحاً ولایشرك بعبادة ربه احدًا (سورۃ کہف آیت ۱۱۰)

اور جو شخص اپنے رب سے ملنے کی اُمید رکھے اس کو چاہئے کہ (زیادہ سے زیادہ) نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی (چیز) کو شریک نہ کرے۔

اس لئے اور کافروں' مشرکوں سے پہلے اس مار آستین دشمن کو مارنا یعنی نفس کشی کرنا ضروری ہے اسی کا نام مجاہدہ ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ (جنگ) سے واپس آئے مدینہ کے قریب پہنچ کر صحابہ کرامؓ کے رویہ میں نفس کی خباثت کے کچھ آثار محسوس فرمائے تو آپ نے کسی صحابی کو خطاب کر کے فرمایا:

رجعنامن الجهادالاصغرالی الجهادالاکبرفان اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ رہے ہیں اس لئے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس

ہے جو تمہارے پہلوؤں کے درمیان (چھپا بیٹھا) ہے (اور ہر وقت اور ہر حالت میں دشمنی میں لگا رہتا ہے اور تمہاری جڑیں کاٹتا رہتا ہے)

انسان کا سب سے بڑا دشمن

بہر حال انسان کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ خطرناک دشمن خود انسان کا نفس ہے یہی انسان کو لذت و آسائش کے سبز باغ دکھا کر طرح طرح سے ہر کار خیر سے روکتا ہے اور گناہوں اور برے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اس کو مارنا اور اس کے علی الرغم (منشا کے خلاف) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کارہائے خیر میں لگا رہنا ہی مجاہدہ ہے۔

اسلامی مجاہدہ اور عیسائیوں کی "رہبانیت" اور ہندوؤں کے "یوگ" میں فرق

یہ مجاہدہ اور نفس کشی اس سے بالکل مختلف ہے جو عیسائی راہب اور ہندو سنیاسی کیا کرتے ہیں وہ لوگ تو جسم کی تمام قوتوں یا کسی خاص قوت کو بالکل ہی ناکارہ اور بے حس (سن) کر دیتے ہیں پھر وہ کوئی کار خیر بھی نہیں کر سکتا اور جو حقوق اللہ اور حقوق العباد اس پر فرض ہیں وہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔

اسلامی مجاہدہ اور نفس کشی شریعت کی حدود میں رہ کر صرف نفس انسانی کے تزکیہ (گناہوں سے پاک کرنے) اور روح انسانی کے تصفیہ (جسمانی الائشوں سے پاک وصاف کرنے) کے لئے کیا جاتا ہے جیسا کہ آپ آئندہ باب الاقتصاد فی العبادۃ کے ذیل میں پڑھیں گے یہی فرق ہے اسلامی مجاہدہ اور عیسائیوں کی "رہبانیت" اور ہندوؤں کے "یوگ" میں۔

۳. قال اللہ تعالیٰ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلاً (سورۃ مزمل آیت ۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور اپنے رب کا نام لیا کرو (نماز بسم اللہ سے شروع کیا کرو) اور ماسویٰ اللہ سے قطع تعلق کر کے اپنے رب کی طرف (کلی طور پر اس طرح) متوجہ ہو جایا کرو (کہ غیر اللہ کا خیال بھی دل میں نہ آئے)

٤. قال اللہ تعالیٰ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (سورۃ حجر آیت ۹۹)

اللہ فرماتے ہیں۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے پاس یقین (یعنی موت) آجائے۔

آیات کی تفسیر

آیت نمبر ۳ سورۃ مزمل کی آیت ہے جو نزول وحی کی آیات کے نزول کے بعد دوسری سورت ہے اس سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قم فانذر (اُٹھو پس خبردار کردو) کے ذریعہ انفرادی تبلیغ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دیتے ہیں اور سورۃ مزمل کی اس آیت میں تیار ہونے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ پہلے اپنے نفس کو سخت ترین عبادتوں اور ریاضتوں کے ذریعہ جو یقیناً تمہارے نفس پر شاق اور دشوار ہوں گی پامال کر کے اپنے دل کا تعلق ماسویٰ اللہ سے اس طرح منقطع کر لو کہ دل میں غیر اللہ کا خیال تک نہ

آئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو (یعنی بسم اللہ سے نماز شروع کیا کرو) اور ترتیل کے ساتھ (رُک رک کر اور سمجھ سمجھ کر نماز میں) قرآن پڑھا کرو۔

ان دونوں ریاضتوں میں شب بیداری اور ترتیل کیساتھ قرآن پڑھنے کا فائدہ ذیل کے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

ان ناشئة الیل هی اشدو طأواقوم قیلاً

بلاشبہ رات کا اٹھنا (شب خیزی) نفس کو پامال کرنے کے لحاظ سے بہت سخت (ریاضت) ہے اور (زبان سے نکلی ہوئی بات کو دل میں بٹھانے کے اعتبار سے) بہت محکم (طریقہ) ہے۔

یعنی آسائش پسند نفس پر خواب شیریں کو چھوڑ کر اٹھنا اور بیدار ہونا بہت زیادہ شاق اور دشوار ہے جب تم شب (میں) اُٹھ کر روزانہ عبادت کیا کرو گے تو وہ نفس بری طرح پامال ہو جائے گا اور نفس کی سرکشی اور سر تابی ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد یہ تیسری ریاضت یعنی ماسوائے اللہ سے اس طرح قطع تعلق کہ دل میں غیر اللہ کا خیال تک نہ آئے آسان ہو جائے گی۔

چنانچہ یہ مجاہدہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل ایک سال تک جاری رکھا رات کے اول حصہ میں ہی عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر مصلےٰ پر کھڑے ہو جاتے اور رات بھر محویت کے عالم میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھتے رہتے یہاں تک کہ رات ختم ہو جاتی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کیف و سرور میں سرشار ہو کر ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ساری رات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم (سورۃ مائدہ آیت ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بیشک تو سب پر غالب حکمران ہے۔

پڑھتے رہے اور جسم کی حالت یہ تھی کہ قدموں پر ورم آ گیا تھا اور پاؤں پھٹنے لگے تھے تب ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھ کر کہ اب آپ کے نفس کی سرکشی بالکل ختم ہو گئی ہے اور وہ نفس امارہ بالسوء کی پستی سے نکل کر نفس مطمئنہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہے اب اس کی رضا وہی ہو گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اب امتثال اوامر و مرضیات الٰہیہ ہی اس کے لئے وجہ طمانیت بن گئے ہیں تب اس مجاہدہ اور ریاضت میں تخفیف فرما دی ارشاد ہے۔

علم ان لن تحصوه فتاب عليكم فاقرءوا ماتيسر من القران علم ان سيكون منكم موضى واخرون يضربون فى الارض يبتغون من فضل الله واخرون يقاتلون فى سبيل الله فاقرءوا ماتيسر منه (سورۃ مزمل آیت ۲۰)

تمہارے رب کو علم ہے کہ تم (اس شب خیزی کا) احاطہ نہیں کر سکتے اس لئے تمہارے رب نے تم پر رحم فرمایا اب (پوری رات کے قیام کی بجائے) جتنا قرآن مجید آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (اور آپ کے ساتھ قیام

کرنے والوں کے متعلق بھی) اللہ کو علم ہے کہ ان میں سے بعض بیمار ہونگے اور بعض اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) حاصل کرنے کے لئے روئے زمین میں سفر بھی کرتے ہوں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جنگ بھی کیا کریں گے اس لئے جتنا آسان ہو قرآن پڑھ لیا کرو چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ الیل کے متعلق ذخیرہ احادیث میں آتا ہے کہ اس کے بعد آپ عام طور پر رات کے آخری چھٹے حصہ میں اٹھتے اور کبھی سات اور کبھی نو اور کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ رکعتیں وتر سمیت پڑھا کرتے تھے اور ساری عمر اس پر قائم رہے جیسا کہ آیت کریمہ نمبر ۴ میں مرتے دم تک اس عبادت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس مجاہدہ کا مقصد اور اس کی برکات

یہ مجاہدہ اور نفس کشی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اس لئے کرائی کہ آپ کے نفس کی خلقی سرکشی و سرتابی ختم ہو جائے اور وہ آپ کا تابعدار بن جائے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ نفس امارہ بالسوءِ کے ادنیٰ مرتبہ سے نکل کر نفس مطمئنہ کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہی اس کا منشاء اور اللہ کی رضامندی اس کی رضا بن جائے اور امتثال اوامر و مرضیات الٰہیہ ہی اس کے لئے وجہ طمانیت ہو جائے۔

چنانچہ اس سال بھر کے مجاہدہ کے بعد آپ کا نفس کلی طور پر آپ کے تابع ہو گیا کبھی بھی کسی نافرمانی یا بری بات کا خیال تک بھی نہ دن میں آپ کے دل میں آتا نہ رات میں اور آپ خالصتاً لوجہ اللہ نہایت کامیابی کے ساتھ انذار و تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکے ابتدا میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی تمام تر ایذار سانیوں اور انذار و تبلیغ کی راہ میں ان کی پیدا کردہ رکاوٹوں کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کیا اور اپنا کام کرتے رہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ طیبہ ہجرت اور قیام فرما کر انہی دشمنوں کے ساتھ نہایت کامیاب لڑائیاں لڑیں اور بڑے بڑے معرکے سر کئے حتیٰ کہ صرف دس سال کے عرصہ میں تمام جزیرۃ العرب مسلمان ہو گیا اور کفر و شرک کا نام لینے والا بھی کوئی نہ رہا۔

اور سب سے بڑا آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس قیام لیل کی ریاضت میں آپ کے ساتھ شرکت کرنے والے صحابہ یعنی مہاجرین اولین اور انصار کی ایک ایسی سر فروش غازیوں اور مبلغوں کی جماعت تیار کر دی جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کے دین کو روئے زمین کے چپہ چپہ پر پہنچا دیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

یہ ہیں اس مجاہدہ کے برکات و ثمرات جو آپ نے اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

وقال تعالیٰ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ

نیز فرمایا کہ "جس میں ذرہ بھر نیکی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔" (الزلزال:۷)

تفسیر: چوتھی آیت میں فرمایا جس نے ایمان کے ساتھ کوئی خیر کی ہو گی وہ اس کو اس کے ثواب اور جزاء کی شکل میں دیکھ لے گا، نیکی ایمان ہی کے ساتھ معتبر ہے بغیر ایمان نیکی کا اعتبار نہیں خود ایمان بہت بڑی نیکی ہے اس لئے صاحب

ایمان خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ وہ بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری، معارف القرآن)

۴۶. وقال تعالیٰ: ﴿وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا وأعظم اجراً﴾

مزید فرمایا کہ "اور جو تم اپنے لیے اچھائی آگے بھیجتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر اور صلہ میں بڑھا ہوا پاؤ گے۔" (المزمل:۲۰)

تفسیر: پانچویں آیت میں فرمایا کہ جو نیکی دنیا کی زندگی میں کرو گے اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا تو یہ نہ سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں یہیں ختم ہو جاتی ہے ایسا نہیں ہے یہاں سے تم جو نیکیاں آگے بھیج رہے ہو سب اللہ کے یہاں جمع ہو رہی ہیں اور ان میں اللہ سبحانہ کے فضل سے دس گنا اور سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

﴿وقال تعالیٰ وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم﴾ والایات فی الباب کثیرۃ معلومۃ

مزید فرمایا کہ

"اور نیکی کے کاموں میں جو مال خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو جانتا ہے" (البقرہ:۲۷۳)

غرض اس موضوع پر متعدد آیات قرآنی موجود ہیں۔

تفسیر: چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ جو مال تم دنیا میں خرچ کر گئے اسے اللہ کے ہاں بڑھا ہوا پاؤ گے کہ وہ دنیا میں کے مال سے کہیں بہتر اور اجر و ثواب میں عظیم تر ہو گا۔

احادیث اوران کی تشریح

اللہ تعالیٰ کے ولی سے عداوت رکھنے والوں سے اعلان جنگ اور محبوب خدا بننے کا طریقہ

وأما الأحاديث : فالأول : عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ : " إنَّ الله تَعَالَى قَالَ : مَنْ عادى لي وَلِيّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بالحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ إلَيَّ عَبْدِي بشَيءٍ أَحَبَّ إلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيهِ ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتقرَّبُ إلَيَّ بالنَّوافِلِ حَتَّى أحِبَّهُ ، فَإذَا أَحبَبتُهُ كُنْتُ سَمعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بهِ ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بهِ ، ويَدَهُ الَّتي يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا ، وَإنْ سَأَلَنِي أعْطَيْتُهُ ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لأُعِيذَنَّهُ " رواه البخاري . " آذَنتُهُ " : أعلمته بأني محارِب لَهُ . " اسْتَعَاذَني " روي بالنون وبالباء .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس کسی نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو (سمجھ لو) بلاشبہ میں نے اس سے جنگ کا اعلان کر دیا اور جو عبادتیں میں نے اپنے بندے پر فرض کی ہیں ان سے زیادہ مجھے کوئی چیز پسند نہیں کہ جس سے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرے اور میرا بندہ نفلوں کے ذریعہ مجھ سے قریب تر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور بخدا اگر وہ مجھ سے کچھ بھی مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ (کسی چیز سے) میری پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں۔ صحیح بخاری

اذنتہ: میں اس کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے میری جنگ ہے۔ استعاذنی: نون اور یاد کے ساتھ ہے۔

تشریح: اس حدیث قدسی کے تین جزو ہیں۔

ا۔ پہلے جزو میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے مرتبہ اور مقام کا اظہار فرمایا ہے کہ اللہ کے کسی بھی ولی سے عداوت رکھنا اور دشمنی کرنا اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے اس لئے کہ ان اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون (سورۃ النحل آیت ۱۲۸)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہیں اور وہ لوگ جو "احسان" کے رتبے والے ہوتے ہیں۔
تقویٰ کی تفصیل آپ اسی کتاب کے مستقل "باب تقویٰ" میں پڑھ چکے ہیں اور احسان کی تفصیل آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں دوبارہ پڑھ لیجئے تاکہ اس اعلان جنگ کی اہمیت واضح ہو جائے۔
اللہ تعالیٰ ان اولیاء کی تعیین بھی فرماتے ہیں ارشاد ہے۔

ان اولیآء ہ الاالمتقون (سورۃ الانفال آیت ۳۴)

اللہ کے ولی صرف پرہیز گار لوگ ہوتے ہیں۔
لہٰذا آج کل کے نام نہاد ولی جو ورع و تقویٰ کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں ہوتے اس حدیث کا مصداق ہرگز نہیں ہیں۔
اس حدیث قدسی میں اولیا اللہ سے عداوت رکھنے والوں اور دشمنی کرنے والوں سے اللہ پاک کا یہ اعلان جنگ ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں سودی لین دین ترک نہ کرنے والوں سے اعلان جنگ کیا گیا ہے ارشاد ہے۔

یایھاالذین امنوااتقوااللہ وذروامابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین ۰فان لم تفعلوافاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (سورۃ بقرہ آیت ۲۷۸، ۲۷۹)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور (جو سود تمہارا باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر تم (فی الواقع) مومن ہو اور اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔
اس کے معنی یہ ہوئے کہ اولیاء اللہ سے عداوت رکھنے والے اور دشمنی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے ہی کشتنی اور گردن زدنی ہیں جیسے ممانعت کے باوجود سودی کاروبار ترک نہ کرنے والے۔
۲۔ حدیث کے دوسرے جزو میں اللہ تعالیٰ نے ان محبوب ترین عبادات کی نشاندہی فرمائی ہے جن کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو سکتا ہے اور ولایت کے مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے اور وہ تمام فرض عبادتیں اور احکام شرعیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں خواہ وہ حقوق اللہ ہوں خواہ حقوق العباد' ظاہر ہے کہ کسی بھی فرض عبادات یا حکم شرعی کو ترک کرنا شدید ترین معصیت اور گناہ کبیرہ ہے جس کا ارتکاب کرنے والا فاسق و فاجر اور عذاب جہنم کا مستحق ہے تو بھلا ایسے شخص کو اللہ کے قرب سے کیا واسطہ یہی امتثال مامورات اور اجتناب منہیات (جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرنا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے دور رہنا) تقویٰ کا ابتدائی درجہ اور مرتبہ ولایت کی طرف پہلا قدم ہے۔
۳۔ حدیث کے تیسرے جزو میں اللہ تعالیٰ نے قرب الٰہی کے مراتب ومدارج اور آخری مرتبہ مقام رضا و تسلیم کی نشاندہی فرمائی ہے جس پر پہنچ کر بندہ محبوب الٰہی اور مستجاب الدعوات بن جاتا ہے اور اس ارتقاء و ترقی کے ذریعہ سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ کہ وہ ذریعہ کثرت نوافل ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

باب کی بارھویں حدیث میں اپنے قول فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود سے اس کی تصریح فرمائی ہے لیکن جس طرح نوافل (نفل نمازوں) کی کثرت اس ازدیاد قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اسی پر قیاس کر کے تمام نفل عبادتیں نفلی روزے، نفلی صدقات وانفاقات نفلی حج وعمرہ وغیرہ بھی ازدیاد قرب کا ذریعہ قرار دی جاسکتی ہیں اسی طرح تمام مستحبات ومندوبات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جیسا کہ ان فضائل سے متعلق احادیث سے ظاہر ہوتا ہے جو حدیثوں میں آتے ہیں تاہم اس میں شک نہیں کہ فوقیت اور ترجیح کثرت نوافل (نفل نمازوں کی کثرت) کو حاصل ہے۔

گویا فرض عبادتیں ادا کرنا تو بندہ کا فرض ہے ہی ان کے ترک پر تو مجرم 'گناہگار' سزا کا مستحق ہوگا لیکن خدا تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کی رغبت' طلب اور خواہش نفل عبادات بکثرت ادا کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ طلب کے بغیر تو کچھ ملتا ہی نہیں چہ جائیکہ غنی مطلق پروردگار کا قرب' فرض عبادات اور نوافل کا یہ فرق پیش نظر رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

تنبیہ: حدیث قدسی کے اس جزو میں مقام محبوبیت پر پہنچنے کے بعد بندہ جس رضا وتسلیم کے مرتبہ پر پہنچتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے جن کے ظاہری معنی سے ایک ملحد وزندیق' خدائے قدوس کی شان تقدیس سے ناآشنا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ دریدہ دہنی کرسکتا ہے کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ خدا العیاذ باللہ بندہ کے اندر حلول کر جاتا ہے اور خدا اور بندے میں کوئی مغایرت باقی نہیں رہتی اسی طرح ایک منکر صفات الٰہیہ معتزلی (عقلیت پرست) یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اعضاء وجوارح اور جسم وجسمانیات سے پاک ومنزہ ہیں ان کے کان' آنکھ' ہاتھ پاؤں نہیں پھر اس حدیث میں کیسے کہہ دیا گیا کہ میں اس کا کان' آنکھ' ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں لہٰذا یہ حدیث غلط اور گھڑی ہوئی ہے۔

درحقیقت یہ حدیث "متشابہات" میں سے ہے اور اس بندے کی آنکھ کان اور ہاتھ پاؤں بن جانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندہ رضاء وتسلیم کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اپنی آنکھوں سے صرف ان چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کے منشاء اور رضا کے مطابق ہوتا ہے کانوں سے انہی آوازوں کو سنتا ہے جن کو سننا اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ انہی چیزوں کو ہاتھ سے پکڑتا یا چھوتا ہے جن کو پکڑنا چھونا اللہ پاک پسند فرماتے ہیں قدم اسی طرف اٹھاتا اور چلتا ہے جس طرف قدم اٹھانا یا چلنا اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں بالفاظ دیگر وہ اپنی مرضی' اپنے ارادہ واختیار سے کلی طور پر دست بردار ہو جاتا ہے اس کی مرضی وہی ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے اس کی خواہش وہی ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا منشاء ہوتا ہے اسکا قصد وارادہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ گویا وہ اپنی ہستی کو فنا کر کے فنا فی اللہ کے مرتبہ پر پہنچ کر بقا باللہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے اسی لئے محبّ کے درجہ سے ترقی کر کے محبوبیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ فاذا احببتہ سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے اس لحاظ سے یہ تمام تفصیل کہ میں اس

کا کان، آنکھ ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں اسی مقام محبوبیت کا بیان ہے جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو فنا کر کے وہی کرتا، کہتا سنتا اور دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اب وہ خود اپنی ذات سے باقی ہے نہ اس کی کوئی خواہش باقی ہے نہ اس کا کوئی منشاء اور ارادہ ہے وہ تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی راہ میں قربان کر چکا اب تو اللہ ہی اللہ ہے اسی مقام کو مقام رضا و تسلیم یا مقام فنا فی اللہ و بقا باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بغیر مجاہدہ کے یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کے پاس دوڑ دوڑ کر آتے ہیں

الثاني : عن أنس رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فيما يرويه عن ربّه عز وجل ، قَالَ :" إِذَا تقربَ العَبْدُ إِلَيَّ شِبْراً تَقربْتُ إِلَيْه ذِرَاعاً ، وَإِذَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعاً تَقربْتُ مِنهُ بَاعاً ، وإِذَا أَتَانِي يَمشي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار عزوجل کا قول نقل کرتے ہیں کہ بزرگ و برتر پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس سے قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ (خراماں خراماں) چلتا ہوا آتا ہے تو میں لپکتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں۔ صحیح بخاری

تشریح: یہ حدیث قدسی بھی پہلی حدیث کی طرح متشابہات میں سے ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کی اللہ سے قریب ہونے اور اس کے پاس آنے کی رفتار کی بہ نسبت یگانہ و بے ہمتا پاک پروردگار کی بندے سے قریب تر ہونے اور اس کے پاس آنے کی رفتار دگنی ہے اس لئے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے قریب آنے کے لئے اپنے نفس کو مارنا اور فنا کی منزل سے گزرنا لابدی اور ضروری ہے جو بڑی ہی کٹھن منزل ہے اسی لئے حدیث شریف میں نفس کو مارنے کی جدوجہد کو جہاد اکبر سے تعبیر کیا ہے اور نفس کو انسان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجعنامن الجهادالاصغرالی الجهادالاکبر.فان اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك (اوكماقال النبی) صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے برعکس نہ صرف یہ کہ اللہ پاک کیلئے اپنے بندے سے قریب تر ہونے کیلئے کوئی مانع نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

ورحمتی وسعت کل شیء (میری رحمت تو ہر چیز پر محیط ہے۔) (س۔الاعراف ع:۱۹ آیت ۱۵۶)

بلکہ وہ ایک شفیق اور مہربان ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں (جیسا کہ آپ توبہ کے بیان میں بندہ کے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی فرحت و مسرت کا حال حدیث نمبر ۲ میں پڑھ چکے ہیں اس کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔

حق جل و علیٰ خود اپنے تقدس اور جسم و جسمانیات اور امارات حدوث و فنا سے منزہ ہونے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔**لیس کمثله شیء وهو السمیع البصیر** (اس جیسی کوئی بھی چیز نہیں ہے اور وہی) (سورۃ الشوریٰ آیت ۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور تمام سننے اور دیکھنے والے ایک طرف کانوں اور آنکھوں یعنی قوت سمع وبصر کے محتاج ہیں اور دوسری طرف خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اگر اسکی مشیت نہ ہو تو قوت سمع وبصر کے باوجود انسان نہ کچھ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اس کے برعکس اللہ تعالیٰ بذات خود سنتے اور دیکھتے ہیں نہ کسی قوت کے محتاج ہیں نہ کسی عضو کے اسی لئے ان کی صفت سمع وبصر ازلی وابدی ہے یہی حال ان کی تمام تر صفات کمال کا ہے اسی لئے ان جیسا اور کوئی نہیں ہے وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی وحدہ لاشریک لہ ہیں۔

تو (حقیقی معنی میں) سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ کا اپنے اس قرب کے طلب گار بندے کے پاس اس کی طلب کی بہ نسبت دوگنی رفتار سے آنے اور قریب تر ہونے کا مطلب اس بندہ کو اپنا محبوب و مطلوب بنالینا ہے جیسا کہ پہلی حدیث کے الفاظ **فاذا انا احببته** اس حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں ورنہ تو اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے تو اپنے تمام ہی بندوں کے ساتھ ہیں۔

وھو معکم اینما کنتم (سورۃ الحدید آیت ۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ تو تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔

الغرض اس حدیث کا حاصل اور اللہ تعالیٰ کی رفتار طلب کو بندہ کی بہ نسبت دوگنا ظاہر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرب خداوندی کا طلب گار بندہ اللہ تعالیٰ کی رفعت و عظمت اور کبریائی کے سامنے اپنی پستی، عاجزی اور کمتری کو دیکھ کر کہیں ہمت نہ ہار بیٹھے اور طلب سے دستبردار نہ ہو جائے سبحان اللہ کیا ذرہ نوازی اور حوصلہ افزائی ہے قربان جایئے ایسے پروردگار کے۔

مجاہدہ سے حدیث کا تعلق ظاہر ہے۔

دو نعمتیں جن سے نفع اٹھانے کے بجائے اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں

الثالث : عن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " نِعْمَتَانِ مَغبونٌ فيهما كَثيرٌ مِنَ النَّاس : الصِّحَّةُ ، وَالفَرَاغُ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو نعمتیں ہیں جن کے بارے میں بیشتر لوگ خسارہ میں ہیں ایک تندرستی دوسرے فارغ البالی (صحیح بخاری)

تشریح: حدیث سابق سے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے اور مقام رضا و محبوبیت تک پہنچنے کا واحد ذریعہ نفل عبادات خصوصاً نفل نمازوں میں انتہائی یکسوئی اور خلوص کے ساتھ مشغول ہونا ہے اور اس کے لئے اول صحت و تندرستی درکار ہے اور اس کے بعد فارغ البالی و بے فکری، ظاہر ہے کہ ایک مریض اور کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا انسان کے لئے تو فرض عبادتیں ادا کرنا ہی دوبھر ہوتا ہے چہ جائیکہ نفل عبادتیں خصوصاً

نفل نمازیں اور وہ بھی اس طرح دل لگا کر پڑھنا کہ ماسوی اللہ سے دل بالکل خالی اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے مناجات (سرگوشی) کر رہا ہے جیسا کہ آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں احسان کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔

حدیث جبرئیل کے الفاظ یہ ہیں: **ما الاحسان قال ان تعبدالله كانك تراه وان لم تكن تراه فانه يراك** (رواہ مسلم)

اس لئے انسان کی روح اور جسم کا تعلق چولی دامن کا ساتھ ہے ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس لئے ممکن نہیں کہ ایک بیمار آدمی کو نماز میں وہ یکسوئی اور توجہ الی اللہ میسر آجائے۔ جو ایک تندرست آدمی کو میسر آسکتی ہے اسی طرح فارغ البالی یعنی تمام خارجی پریشانیوں اور پریشان کن حالات و معاملات سے امن و تحفظ جس شخص کو حاصل ہو وہ جس قدر یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے ایک متفکر اور الجھنوں میں گرفتار پریشان حال شخص ہرگز ہمہ تن متوجہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا خاص طور پر معاشی پریشانیاں اور کاروباری الجھنیں یا لوگوں سے دوستی و دشمنی وغیرہ سے متعلق افکار اور پریشانیاں کہ یہ تو انسان کو نرم و گداز بستر پر بھی چین سے سونے نہیں دیتیں ساری ساری رات کروٹیں بدلتے گذر جاتی ہے اور نیند نہیں آتی چہ جائیکہ نماز پڑھنا اور وہ بھی دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اس لئے بڑا ہی بدنصیب اور محروم القسمت ہے وہ شخص جو ان دونوں نعمتوں کے میسر ہوتے اپنے محبوب و مطلوب پروردگار کا قرب حاصل کرنے اور اسکا محبوب بننے سے محروم رہے اس سے بڑھ کر بھی کوئی خسارہ اور محرومی ہو سکتی ہے نہ صرف یہ بلکہ یہ اعلیٰ درجہ کی ناسپاسی و ناشکری بھی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہی اس کا شکریہ ادا کرنا ہے چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہے:

واما بنعمة ربك فحدث (س: الضحی آیت ۱۱) باقی اپنی رب کی عطا کی ہوئی نعمت کا اظہار کیا کرو اس لئے اندیشہ ہے...... کہ اس ناسپاسی کی پاداش میں کہیں ان نعمتوں سے بھی محروم نہ کر دیا جائے ورنہ کم از کم قیامت کے دن ان نعمتوں پر باز پرس تو ضرور ہو گی ارشاد ہے:

ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم (س: التکاثر آیت ۸)

قیامت کے دن نعمتوں سے متعلق تم سے باز پرس ضرور ہو گی۔

اسی حقیقت کی طرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس مختصر سے مگر انتہائی بلیغ اور جامع ومانع حدیث میں توجہ دلائی ہے تاکہ جن لوگوں کو یہ دونوں نعمتیں میسر ہیں وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس سعادت اور خوش بختی یعنی محبوب رب العالمین اور مستجاب الدعوات بننے کا شرف حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور کثرت سے نوافل پڑھیں ورنہ اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہ ہو گا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں نعمتیں بھی دنیا کی تمام نعمتوں کی طرح ناپائیدار اور فنا پذیر ہیں بلکہ شب و روز کے

مشاہدات و تجربات شاہد ہیں کہ خاص طور پر یہ دونوں نعمتیں بے حد سریع الزوال ہیں آن کے آن میں انسان صحت اور فارغ البالی سے محروم ہو جاتا ہے اس لئے اس سے قبل کہ یہ دونوں نعمتیں ضائع ہوں ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالینا چاہئے ورنہ پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ہماری حالت

اس پُر آشوب زمانہ میں ہماری حالت تو اس قدر دگرگوں اور ناگفتہ بہ ہے کہ ہم ان دونوں نعمتوں تندرستی اور فارغ البالی سے قرب ورضاء الٰہی حاصل کرنے کے بجائے شب و روز دنیا کی بے حقیقت جائز و ناجائز اغراض وخواہشات پوری کرنے اور زیادہ سے زیادہ مال و جاہ حاصل کرنے میں بلکہ علانیہ نافرمانیوں اور گناہوں کا ارتکاب کرنے میں صرف کر رہے ہیں ہم نہ صرف یہ کہ ان نعمتوں سے جو فائدے اٹھانے چاہئے تھے وہ نہیں اٹھا رہے بلکہ ان سے ناروا فائدے اٹھا رہے ہیں اور صرف الشيء في غير محله (چیز کو بے محل استعمال) کر کے ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں اسی لئے مسنون دعاؤں میں ایک استغفار کے ذیل میں آیا ہے۔

واستغفرك للنعم التي تقويت بها على معصيتك

اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں ان نعمتوں (کے استعمال) پر جن سے میں نے تیری نافرمانی کرنے پر قوت حاصل کی۔

اس لئے ہمیں تو اس بدترین ناسپاسی' پر زیادہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرنا چاہئے اس لئے کہ کفران نعمت اور ناشکری و ناسپاسی کی اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دیتے ہیں ارشاد ہے۔

ولئن كفرتم ان عذابي لشديد (س: ابراہیم آیت ۷)

اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اور جن لوگوں کو یہ دونوں نعمتیں تندرستی و فارغ البالی حاصل ہیں انہیں بلا تاخیر نفل عبادات خصوصاً نفل نمازوں میں مصروف ہو کر قرب ورضاء الٰہی حاصل کرنا چاہئے کہ یہی ان نعمتوں کے شکریہ ادا کرنے کا طریقہ ہے اور اس عظیم خسران سے بچنا چاہئے واللہ یهدی الیٰ الحق حدیث کا تعلق مجاہدہ کے باب سے ظاہر ہے:

طویل قیام لیل (تہجد کی نماز) مغفرت کا ذریعہ بھی ہے اور ادا شکر بھی ہے

الرَّابع : عن عائشة رَضي الله عنها : أَنَّ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيلِ حَتَّى تَتَفطَّرَ قَدَمَاهُ فَقُلْتُ لَهُ : لِمَ تَصنَعُ هَذَا يَا رسولَ الله ، وَقَدْ غَفَرَ الله لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ؟ قَالَ: "أَفَلا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْداً شَكُوراً " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ، هَذَا لَفظ البخاري ونحوه في الصحيحين من رواية المغيرة بن شعبة .

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام (ابتداء میں) شب کو اتنا

طویل قیام فرماتے (اور نماز میں کھڑے کھڑے قرآن پڑھتے رہتے) کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا یہاں تک کہ پھٹنے لگتے تو (ایک دن) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں دراں حالیکہ بتحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تو کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں؟ (اور اس کے انعام واحسان کا شکریہ نہ ادا کروں) بخاری و مسلم صحیح بخاری (کی حدیث حضرت عائشہؓ) کے الفاظ ہیں مغیرہ بن شعبہ کی روایت بھی بخاری و مسلم میں اسی کے مانند آئی ہے۔

تشریح: یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ سورۃ مزمل کا صرف پہلا رکوع نازل ہوا تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے (نماز میں) طویل قیام اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا تھا چنانچہ ارشاد ہے:

یایھاالمزمل قم الیل الاقلیلانصفه اونقص منه قلیلاً اوزدعلیه ورتل القران ترتیلاً (سورۃ مزمل: آیت ا تا ۴)

اے کملی والے!

یہ کچھ حصہ یعنی (تہائی حصہ) نماز عشاء کے لئے ہے۔ تقریباً ایک سال تک آپ نے (اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی) اس حکم کے تحت تمام شب تہجد کی نماز اور اس میں قرآن پڑھنے میں گزار دی یہاں تک کہ آپ کے مبارک قدموں پر ورم آگیا اور پھٹنے لگے تو قیام لیل کی اس طویل اور پُر مشقت ریاضت اور مجاہدہ کے بعد دوسرا رکوع نازل ہوا.........

حصہ کے علاوہ پوری رات (نماز میں) کھڑے رہا کرو آدھی رات یا آدھی رات سے کچھ کم (ایک تہائی) یا کچھ زیادہ (دو تہائی) اور آہستہ آہستہ قرآن پڑھا کرو۔

ایک سال کے بعد از راہ شفقت و ترحم اس میں تخفیف کر دی گئی ارشاد ہے۔

ان ربك یعلم انك تقوم ادنی من ثلثی الیل ونصفه وثلثه وطآئفة من الذین معك' والله یقدر الیل والنهار'علم ان لن تحصوه فتاب علیکم فاقرء واما تیسر من القران (سورۃ مزمل ع: ۲ آیت ۲۰)

بتحقیق تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب یا آدھی رات یا ایک تہائی رات (نماز میں) کھڑے قرآن پڑھتے رہتے ہو اور تمہارے ساتھیوں کا ایک گروہ بھی (تمہاری پیروی کرتا ہے) اور اللہ ہی رات دن کے اندازے مقرر کرتا ہے (کبھی رات چھوٹی دن بڑا اور کبھی رات بڑی دن چھوٹا ہوتا رہتا ہے) اس نے جان لیا (یعنی ظاہر کر دیا) کہ تم اس کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکتے (یعنی تہجد کے وقت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے) اس لئے اس نے تمہاری حالت پر توجہ فرمائی (اور تمہاری مجبوری اور کمزوری پر ترس کھایا) بس اب جتنا تم سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو (تمام رات مشقت نہ اٹھایا کرو)

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک طویل حدیث میں سعد بن ہشام کے سوال کے جواب میں فرماتی ہیں۔
الست تقراء یایها المزمل
کیا تم (قرآن میں) سورۃ مزمل نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا۔
قلت بلی قالت فان الله عزوجل افترض قیام الیل فی اول هذه السورة فقام النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه حولاً وامسك الله خاتمتها اثنی عشر شهرًا فی السمآء حتی انزل فی اخرهذه السورة التخفیف (صحیح مسلم جلد ا ص ۲۵۶)
کیوں نہیں (ضرور پڑھتا ہوں) کہنے لگیں اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے اول حصہ میں قیام لیل کو فرض قرار دیا ہے چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک سال تک اس حکم کے تحت (تمام رات قیام لیل جاری رکھا) اور اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخری حصہ کو بارہ مہینے آسمان (بیت المعمور) میں روکے رکھا تاایں کہ اس سورۃ کے آخر میں (اس پوری رات کے قیام میں) اللہ تعالیٰ نے تخفیف نازل فرمائی۔
الغرض ایک سال تک اس طویل ریاضت اور کٹھن مجاہدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ تخفیف فرمادی لیکن آخر عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پچھلے تہائی حصہ یعنی چھٹے حصہ میں برابر قیام فرماتے اور نماز تہجد پڑھتے رہے ہیں محققین کے نزدیک یہ تخفیف شدہ قیام لیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی طور پر فرض تھا جیسا کہ ارشاد ہے۔
ومن الیل فتهجدبه نافلة لك عسی ان یبعثك ربك مقاماً محمودًا (سورۃ بنی اسرائیل ع:۹ آیت ۷۹)
اور شب کے ایک حصہ میں تم تہجد (کی نماز) میں قرآن پڑھا کرو یہ تمہارے لئے (پنجگانہ نمازوں پر) زائد ہے توقع ہے کہ تمہارا پروردگار تم کو مقام محمود (مقام شفاعت عظمیٰ) عطا فرمائے گا۔
باقی اُمت کے لئے مستحب بلکہ سنت موکدہ ہے۔
باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام کردہ وناکردہ گناہوں اور خطاؤں کی مغفرت کا اعلان فرمادیا تھا ارشاد ہے:
انافتحنالك فتحاً مبیناًلیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وماتاخر (سورۃ الفتح ع ا آیت ا)
بلاشبہ ہم نے تم کو فتح مبین عطا فرمائی ہے تاکہ اللہ تمہاری کردہ خطاؤں اور ناکردہ خطاؤں کو بھی معاف فرمادے (اور تمام گناہوں اور خطاؤں سے بری اور پاک ہونے کا اعلان کردیا ہے)
پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عمر تک اس قیام لیل کی مشقت برداشت کرنے پر از راہ محبت وشفقت آپ سے یہ سوال کیا اس لئے کہ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے اس سورۃ مزمل کے ختم پر **واستغفروا الله' ان الله غفور رحیم** فرمانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس قیام لیل کا مقصد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ہے تو آپ کے تو تمام کردہ وناکردہ گناہوں کی مغفرت کا اللہ تعالیٰ

اعلان فرما چکے اب آپ کو اس قدر مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس خیال کی اصلاح فرماتے ہیں کہ اے عائشہؓ اس قیام لیل کا مقصد جس طرح طلب مغفرت ہے اسی طرح شکر نعمت بھی اس کا مقصد ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا عظیم احسان فرمایا ہے کہ میرے تمام کردہ وناکردہ گناہوں کی معافی کا دنیا میں ہی اعلان فرمادیا اس عظیم انعام واحسان کا شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ میں اس کے بعد بھی اعتراف نعمت اور اظہار منت کے طور پر مرتے دم تک اس قیام لیل اور شب بیداری کے مجاہدہ پر قائم ہوں۔

یہی انعام عظیم' تمام کردہ وناکردہ خطاؤں کی مغفرت کا اعلان' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طغریٰ امتیاز ہے جس کی بنا پر محشر کے دن جبکہ اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب اپنی مخلوق پر اس درجہ پر پہنچا ہوگا کہ نہ اس طرح کبھی پہلے غضبناک ہوئے اور نہ آئندہ کبھی اس طرح غضب ناک ہونگے اور تمام انبیاء کرام آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اس ہولناک دن میں اس شفاعت عظمیٰ یعنی تمام مخلوق کی شفاعت کے لئے خود کو لست ہنا کم (میں اس کا اہل نہیں ہوں) کہہ کر اور اپنی اپنی خطاؤں کو یاد کر کے نفسی نفسی (مجھے تو اپنی پڑی ہے اپنی میں تمہاری سفارش کس منہ سے کروں) کہیں گے اور ہر نبی اپنے بعد کے نبی کے پاس بھیج دے گا تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں گے اور کہیں گے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام کردہ وناکردہ خطاؤں کی معافی کا اعلان فرما کر ہر طرح مطمئن کر دیا ہے وہی شفاعت کبریٰ کے اہل ہیں چنانچہ رحمت للعالمین تمام جہانوں کے لئے رحمت' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش عظیم کے سامنے سربسجود ہو کر شفاعت کی اجازت طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

ارفع رأسك سل تعطه اشفع تشفع

سجدہ سے سر اٹھاؤ مانگو (جو مانگو گے) دیا جائے گا سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔

اس اجازت کے بعد ہی آپ تمام اُمتوں کے لئے شفاعت (سفارش) فرمائیں گے یہی مقام وہ مقام محمود ہے جس کے عطا فرمانے کی بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے اسی قیام لیل کے حکم پر ساتھ ساتھ دی ہے ارشاد ہے۔

و من الیل فتهجدبه نافلة لك عسی ان یبعثك ربك مقاماً محموداً (سورۃ بنی اسرائیل:ع۹ آیت ۷۹)

اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کی بنا پر خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراف نعمت اور اظہار منت کے طور پر فرمایا ہے۔

اناسیدولدادم ولافخربیدی لواءُ الحمدولافخرادم فمن بعده تحت لواءِی ولافخر'

میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں فخر کے طور پر نہیں کہتا میرے ہاتھ میں حمد الٰہی کا جھنڈا ہوگا فخر کے طور پر نہیں کہتا' آدم اور ان کے بعد کے تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے فخر کے طور پر نہیں کہتا۔

اس تمام تفصیل کے بعد اندازہ کیجئے کہ یہ تمام عمر شب بیداری کی ریاضت اور استغفار پر مداومت آپ کے لئے کن عظیم رفعتوں پر پہنچنے کا باعث نبی ہے فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم

تنبیہ: یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق معصوم اور گناہوں سے پاک و محفوظ ہیں خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کا دامن تو برائے نام گناہوں سے بھی پاک ہے پھر اللہ تعالیٰ کس طرح ارشاد فرماتے ہیں۔

ليغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وماتاخر (س: الفتح آیت ۲)

تاکہ تمہارے کردہ وناکردہ (سب) گناہ معاف کردے۔

اس شبہ کا جواب ہم باب توبہ واستغفار کے ذیل میں حدیث نمبر ایک کے تحت دے چکے ہیں اس کو ضرور دوبارہ پڑھ لیجئے۔

رمضان کے آخری دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے

الخامس : عن عائشة رضي الله عنها ، أنَّها قالَتْ : كَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ العَشْرُ أَحْيَا اللَّيلَ ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ ، وَجَدَّ وَشَدَّ المِئْزَر . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .والمراد : العشر الأواخر مِنْ شهر رمضان . و" المِئْزَرُ " : الإزار ، وَهُوَ كناية عن اعتزال النساء . وقيلَ : المُرادُ تَشْمِيرُهُ لِلعِبَادةِ ، يُقالُ : شَدَدْتُ لِهٰذَا الأمْرِ مِئْزَري : أي تَشَمَّرْتُ وَتَفَرَّغْتُ لَهُ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں۔ جب (رمضان المبارک کا) آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی (تمام) رات بیدار (اور نماز یا تلاوت قرآن اور اس کے علاوہ ذکر واذکار میں مشغول) رہتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار فرماتے اور (عبادت میں) انتہائی محنت ومشقت برداشت کرتے اور تہبند کس لیتے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں تہبند کس لینے سے مراد ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرنا ہے (یعنی اس عشرہ میں ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس بھی نہ جاتے) اور بعض علماء نے کہا کہ تہبند کس لینے سے مراد عبادت کے لئے کمر کس لینا ہے چنانچہ محاورہ میں کہا جاتا ہے میں نے فلاں کام کے لئے کمر کس لی ہے اور خود کو فارغ کر لیا ہے (یہی دوسرے معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں کیونکہ آپ اس آخری عشر میں اعتکاف میں ہوتے تھے اس لئے ازواج مطہرات کے پاس جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ زمانہ اعتکاف میں بیوی کے پاس جانا بنص قرآن ممنوع ہے۔

تشریح: ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ماہ رمضان المبارک سال کے بارہ مہینوں میں سب سے زیادہ خیر وبرکت کا مہینہ ہے اس مہینے کے دن تمام سال کے دنوں سے افضل اور راتیں تمام سال کی راتوں سے افضل ہیں اس لئے کہ اسی ماہ مبارک کی راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر ہے جو قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اسی لئے اس ماہ مبارک میں رضاء خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے خیر البریۃ افضل الخلائق رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدہ اور عبادت الٰہی میں محنت و مشقت اٹھانے کے لئے خود بھی کمر کس لیا کرتے اور اہل خانہ کو بھی شب بیداری کی تلقین فرماتے ہیں جس کا اجمالی تذکرہ اس حدیث میں کیا گیا ہے اور رمضان المبارک کے شب و روز میں عبادات کی تفصیل کہ دن میں آداب صوم کی پوری پابندی کے ساتھ روزے رکھتے رات میں قیام لیل فرماتے آخر عشرہ میں اعتکاف مسنون کرکے تبتل تمام مخلوق بلکہ ماسوائے اللہ سے قطع تعلق اختیار فرماتے جس کی تفصیلات احادیث میں بھی مذکور ہیں اور آیات کی تشریح میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ مبارک کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی ہر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدعی کا فرض ہے یہی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ہو سکتا ہے ورنہ صرف زبانی دعوی اور خاص خاص اوقات و حالات میں بلند آواز سے درود و سلام پڑھنا اور میلاد کی محفلیں سجانا تو فریب نفس کے سوا کچھ نہیں۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کے اس حدیث کو باب مجاہدہ میں لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کا بہترین وقت رمضان المبارک کے روز و شب ہیں ایک لمحہ بھی اس زریں فرصت اور بابرکت مہینہ کا ضائع نہ کرنا چاہئے بلکہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس انمول فرصت کو کہ ماہ رمضان المبارک اس کو میسر آگیا اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم انعام و احسان سمجھ کر اس کا شکریہ اس طرح ادا کرے کہ بغیر کسی بھی قسم کی کوتاہی کے خود کو ہر چیز سے فارغ کر کے شب و روز عبادت میں مصروف رہے واللہ الموفق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)

بہرحال اس حدیث اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سال کے مبارک ترین ایام و لیالی میں قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے معمول سے زیادہ جدوجہد کرنا اور مشقت اٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ایسے ایام و لیالی کا منتظر رہنا اور نزول رحمت خداوندی کے اوقات اور فرصتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اس امت کا خصوصی شعار ہے۔

اسی شعار کو اختیار کرکے وہ دنیا کی دوسری قوموں اور ملتوں کیلئے لائق اقتداء نمونہ بن سکتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لتکونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيداً (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۳)

تاکہ تم لوگوں کیلئے (حق پرستی کے) گواہ بنو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اوپر (اقتداء سنت رسول کے) گواہ ہوں۔

کاش رحمۃ للعالمین کی امت خصوصاً اس زمانہ خدا فراموشی و خود فراموشی میں اپنے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس سنت پر عمل کر کے اپنے رب کی محبوب امت بن جائے جیسا کہ خود رب العالمین اس امت کو خطاب فرماتے ہیں۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله (سورۃ عمران ع:۱۲ آیت ۱۱۰)

تم بہترین اُمت ہو تم کو لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم (ازروئے شرع) بھلی بات (لوگوں کو) بتلاتے ہو اور (شرعاً) بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر (کماحقہ) ایمان لاتے ہو۔ اللہ الموفق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الایظن اولئك انهم مبعوثون ليوم عظيم يوم يقوم الناس لرب العالمين (سورۃ المطففین رکوع ا آیت ۴، ۵، ۶)

کیا یہ لوگ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کو ایک عظیم دن (قیامت کے دن) کے لئے ضرور ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا جس دن تمام مخلوق رب العالمین کے سامنے پیش ہو گی۔

لیکن وائے برما و بر حال ما (افسوس ہم پر اور ہمارے حال پر)

بہر حال نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ کارہائے خیر کے انجام دینے میں مطلق تاخیر اور ٹال مٹول نہ کرنی چاہئے جو بھی بن پڑے حالات کی پرواہ کئے بغیر آخرت کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرتے رہنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللہ کے نزدیک طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے
مصیبت کے وقت یہ نہ کہو کہ اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا

السادس : عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " المُؤْمِنُ القَويُّ خَيرٌ وَأَحَبُّ إلَى اللهِ مِنَ المُؤْمِنِ الضَّعيفِ وَفي كُلٍّ خَيرٌ . احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ ، واسْتَعِنْ باللهِ وَلاَ تَعجَزْ . وَإنْ أَصَابَكَ شَيءٌ فَلاَ تَقُلْ لَوْ أنّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا ، وَلَكِنْ قُلْ : قَدَرُ"[۳] اللّهِ ، وَمَا شَاءَ فَعلَ ؛ فَإنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيطَانِ " رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے طاقتور مومن بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے کمزور مومن سے اور خیر وخوبی تو سب ہی میں ہے جو امور تمہارے لئے مفید اور کار آمد ہیں ان (پر عمل کرنے) کی حرص (اور کوشش) کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیا کرو ناکارہ نہ بنو (جو کچھ بن پڑے کرتے رہو) اور اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو یوں مت کہو "اگر میں (فلاں تدبیر) کرتا تو ایسا ایسا ہوتا" بلکہ یوں کہا کرو یہ تقدیر خداوندی ہے (اسے کون بدل سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو چاہا کیا" اس لئے کہ (اگر) کا لفظ شیطان کی کارگزاری کا راستہ کھولتا ہے۔ مسلم نے روایت کیا۔

تشریح: اس ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو جزو ہیں اول جزو میں بندہ مومن کو جو بھی وہ حسب طاقت وقدرت عبادت وطاعت الٰہی رضاء خداوندی حاصل کرنے کے لئے کر سکتا ہے اس میں بلا تاخیر وتردد مصروف اور سرگرم عمل رہنے کی ترغیب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وفی ذلك فليتنافس المتنافسون (سورۃ المطففین ع:ا آیت ۲۶)

اور اسی (نیکوکاری) میں (ایک دوسرے سے) آگے نکلنے کی کوشش کرنے والوں کو کوشش کرنی چاہئے

اور اسی بنا پر طاقتور مومن کو کمزور مومن سے بہتر اور محبوب تر فرمایا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مشقت برداشت کر کے عبادت وطاعت خداوندی میں ہمہ تن مصروف رہ کر اس مقام محبوبیت پر پہنچتا ہے جس پر کمزور اپنی کمزوری کی وجہ سے نہیں پہنچ پاتا لیکن بہر حال ایمان اور عمل صالح کی دولت اس کے پاس بھی ہے اس کے ذریعے جنت یعنی مقام رضاء الٰہی میں وہ بھی پہنچ ہی جائے گا گو مومن قوی کا درجہ نہ پاسکے رحمت خداوندی سے مایوس کسی کو بھی نہ ہونا چاہئے۔ سبحان اللہ ارشاد ہے۔

رحمتی وسعت کل شیء (میری رحمت تو ہر چیز (اور ہر شخص) کیلئے عام ہے) (سورۃ الاعراف ع:۱۹ آیت ۱۲۶)

اسی لئے آخرت میں کام آنے والے اعمال پر عمل پیرا ہونے کی حرص اور رغبت وشوق ہر مومن میں ہونا چاہئے اور عمل کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرتے رہنا چاہئے کہ ہم کو ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ارشاد ہے۔

اياك نعبدواياك نستعين (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں) **(سورۃ فاتحہ)**

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (یہ حدیث بخاری ومسلم میں موجود ہے) قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ارشاد ہے۔

ولعبدی ماسئل ......اور میرے بندے کیلئے ہے جو اس نے مانگا۔

کاش کہ ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھتے یا امام سے سنتے وقت اس ایمان پرور دعا اور اس کی بشارت قبولیت کو کان لگا کر توجہ سے سنیں یا غور سے پڑھیں اور ہمارے ایمان تازہ ہوں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اپنے کمزور اور عاجز بندے کے شوق اور حرص کو دیکھ کر ضرور اس کی مدد کریں گے جیسا کہ ان کا وعدہ ہے اس لئے اس کمزور اور عاجز بندے کا اپنی کمزوری اور عاجزی کو بہانہ بنا کر ناکارہ اور مایوس ہو کر بیٹھ رہنا بہر صورت مذموم ہے کیونکہ یہ یقیناً انسان کے ازلی دشمن شیطان لعین یا سب سے بڑے دشمن نفس امارہ کا فریب ہے جس سے ہمہ وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا اور بچنا ہر مومن پر فرض ہے چنانچہ اسی شیطان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولاتتبعوا خطوات الشيطن انه لكم عدو مبين (بقرہ ع۲۱ آیت ۳۸)

شیطان کے نقش قدم کی پیروی ہرگز مت کرو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اور نفس امارہ کے متعلق ارشاد ہے۔

ان النفس لامارة بالسوءِ الامارحم ربی (سورۃ یوسف ع۷ آیت ۱۶۸)

بلاشبہ نفس تو بری باتوں کا ہی کثرت سے حکم دیتا ہے بجز اس کے کہ میرا پروردگار رحم فرمائے۔

اور دوسرے جزو میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو شیطان کو خفیہ دراندازی سے جس کا بے خبری میں اور

غیر شعوری طور پر ایک مرد مومن بھی شکار ہو جاتا ہے خبر دار کرتے ہیں کہ اگر تم کسی اچانک مصیبت یا ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جاؤ تو یوں ہر گز مت کہا کرو کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو تا شیطان تمہاری زبان سے یہ کہلوا کر تمہیں غیر شعوری طور پر تقدیر الٰہی کا منکر بنانا چاہتا ہے بلکہ یہ کہا کرو کہ تقدیر خداوندی یوں ہی تھی اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا یہ محض تمہارا خیال ہے اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو تا در حقیقت جو مشیت الٰہی تھی وہی ہوا ہے اور یوں ہی ہونا چاہئے تھا جیسا کہ باب مراقبہ کی تیسری حدیث میں جو حضرت علیؓ سے مروی ہے آپ پڑھ چکے ہیں اس حدیث کے بعض طرق کے الفاظ یہ ہیں۔

واعلم ان مآاخطئك لم یكن لیصیبك ومآاصابك لم یكن لیخطئك

اور یاد رکھو جو تمہارے ساتھ نہیں ہوا وہ ہو ہی نہیں سکتا تھا اور جو مصیبت تمہارے اوپر آئی وہ ٹل ہی نہیں سکتی تھی۔ اسی حدیث کے آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

رفعت الاقلام وجفت الصحف

(تقدیر لکھنے والے) قلم اُٹھ چکے (لکھ کر فارغ ہو گئے) اور تقدیر کے نوشتے خشک ہو گئے (اب نہیں مٹ سکتے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بار بار پڑھیئے بڑی ایمان افروز حدیث ہے اور تقدیر الٰہی پر ایمان تازہ کیجئے اس قسم کے شیطانی وسوسوں کی بیخ کنی کے لئے مسنون دعاؤں میں مندرجہ ذیل دعائیں آتی ہیں انہیں پڑھا کیجئے تا کہ شیطانی فریب اور وسوسے آپ کو گمراہ نہ کر سکیں ایک دعا یہ ہے۔

۱۔ اللھم ارضنی بقضآئك وبارك لی فیماقدرلی حتی لاأحب تعجیل مآ اخرت ولاتاخیر ماعجلت

اے اللہ! تو مجھے اپنے فیصلے پر راضی کر دے اور جو تو نے میرے لئے مقدر کیا ہے اس میں برکت عطا فرما تا کہ جو (کام) تو نے پیچھے کیا میں اس کو (جلدی) کرنے کی خواہش نہ کروں اور جو تو نے جلدی کر دیا میں اس کی تاخیر کی کوشش نہ کروں۔

۲۔ اللھم اجعل كل قضآئك لی خیرًا وعاقبته رشدًا

اے اللہ! تو اپنے ہر فیصلہ کو میرے لئے بہتر اور خیر کا باعث بنا اور اس کے انجام کو میرے لئے ہدایت و بہتری (کا) سبب بنا دے۔

۳۔ اللھم انی اسئلك الرضابعدالقضاء وبردالعیش بعدالموت ولذة النظر الی وجهك وشوقاً الی لقائك فی غیرضراء مضرة ولافتنة مضلة

اے اللہ میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے فیصلے کے بعد (اس پر) رضامندی کا اور مرنے کے بعد خوشگوار زندگی کا اور تیرے (بے کیف) چہرے کو دیکھنے کی لذت کا اور تیری ملاقات کے شوق کا جس میں کسی مضرت کی بدحالی اور کسی فتنہ کی گمراہی (کا اندیشہ) نہ ہو۔

تنبیہ: یاد رکھئے ان الفاظ "اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا" کے استعمال کرنے کی یہ ممانعت ایسے امور ماضیہ گزرے ہوئے امور کیساتھ مخصوص ہے جن میں عموماً انسان تقدیر کی شکایت کے طور پر اپنی کوتاہی کو نوشتہ تقدیر 'تقدیر کا لکھا

قرار دے کر خود کو کوتاہی کے الزام سے بری کرنا چاہتا ہے یا کسی دوسرے پر کوتاہی کا الزام رکھنا چاہتا ہے یا غیر ارادی طور پر اس قسم کے الفاظ اس کی زبان سے نکل جاتے ہیں جن سے ایمان بالقدر (تقدیر پر ایمان) کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ باب مراقبہ کی تیسری حدیث میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حسب ذیل الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

واعلم ان الامة لواجتمعت علی ان ینفعوك لم ینفعوك الابشیء قدکتبه الله لك وان اجتمعوا علی ان یضروك لم یضروك الابشیء قد کتبه الله علیك

اور یاد رکھو! کہ اگر پوری اُمت تم کو نفع پہنچانے پر متفق و متحد ہو جائے تو جو تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اس سے زیادہ نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم کو نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ورنہ تو امور مستقبلہ آنے والے امور کے متعلق بطور تنبیہ ان الفاظ کا استعمال خود کو تاہی سے بچنے یا دوسروں کو بچانے کیلئے بالکل درست اور جائز ہے قرآن وحدیث میں بھی اور شب وروز کی گفتگو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جنت مکروہات نفس میں اور جہنم خواہشات نفس میں گھری ہوئی ہے

السابع : عَنْهُ : أَنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " حُجِبَتِ النَّارُ بالشَّهَواتِ ، وَحُجِبَتِ الجَنَّةُ بِالمَكَارِهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي رواية لمسلم : " حُفَّتْ " بدل " حُجِبَتْ " وَهُوَ بمعناه : أي بينه وبينها هَذَا الحجاب فإذا فعله دخلها .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم (ناروا) خواہشات سے چھپادی گئی ہے (یعنی طبعاً مرغوب اور دلکش و دل آویز مگر شرعاً حرام وناجائز چیزوں میں چھپادی گئی ہے) اور جنت ناگوار (مگر شرعاً ضروری اور فرض وواجب عبادات ومامورات) میں چھپادی گئی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں

یہ تو بخاری اور مسلم دونوں کی روایت کے الفاظ ہیں اور مسلم کی روایت میں حجبت (چھپادی گئی ہے) کے بجائے حفت (گھیر دی گئی ہے) آیا ہے معنی دونوں لفظوں کے ایک ہی ہیں یعنی انسان کے اور جہنم یا جنت کے درمیان (مرغوب امور یا ناگوار امور کی) ایک دیوار حائل ہے پس جب ان میں سے کسی ایک پر عمل کرے گا تو اندر داخل ہوگا (یعنی اگر نفس کی ناجائز خواہشات ومرغوبات پر عمل کرے گا تو جہنم میں جائے گا اور اگر نفس کو ناگوار محسوس ہونے والے اور دشوار امور عبادات واحکام شرعیہ پر عمل کرے گا تو جنت میں جائے گا)

مفصل حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ

نے جب جنت کو پیدا فرمایا تو جبرئیل سے کہا جاؤ ذرا جنت کو دیکھو چنانچہ جبرئیل گئے اور جنت کو اور ان نعمتوں کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے تیار کی ہیں پھر واپس آئے اور عرض کیا اے میرے رب قسم ہے تیرے عزت و عظمت کی جو بھی کوئی اس جنت (اور نعیم جنت) کا حال سنے گا اس میں ضرور داخل ہو کر رہے گا" پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو ناگوار اور دشوار امور (احکام الٰہیہ کی پابندیوں سے) گھیر دیا (یعنی مامورات اور منہیات کے خارزار اس کے چاروں طرف بچھا دیئے) پھر ارشاد فرمایا اے جبرئیل (اب پھر) جاؤ اور جنت کو دیکھو جبرئیل گئے اور دیکھا تو واپس آکر عرض کیا اے میرے رب قسم ہے تیری عزت و عظمت کی بخدا مجھے تو ڈر ہے کہ اب تو کوئی بھی اس جنت میں داخل نہ ہونے پائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا کیا تو جبرئیل سے فرمایا اے جبرئیل جاؤ ذرا جہنم کو بھی جا کر دیکھو تو جبرئیلؑ گئے اور جہنم (اور اس کے ہولناک عذابوں) کو دیکھا تو واپس آکر عرض کیا اے میرے پروردگار! تیری عزت و عظمت کی قسم جو بھی اس جہنم کا حال سنے گا ہرگز اس میں داخل نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے جہنم کو مرغوبات سے گھیر دیا (یعنی ممنوع و محرم لذائذ اور آسائش و راحت کے دل آویز سبز باغ چاروں طرف لگا دیئے پھر جبرئیلؑ سے فرمایا اے جبرئیل جاؤ ذرا اب جہنم کو دیکھو جبرئیلؑ گئے اور جہنم کو (اور اس کے چاروں طرف مرغوبات و لذائذ کے مقناطیسی کشش رکھنے والے سبز باغوں کو) دیکھا تو واپس آکر عرض کیا اے میرے پروردگار! تیری عزت و عظمت کی قسم اب تو مجھے ڈر ہے کہ کوئی بھی جہنم میں جائے بغیر نہ رہ سکے گا۔ (ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے)

تشریح: اس حدیث کی تشریح سے پہلے نفس انسانی اور اس کی بلندی و پستی ارتقا و انحطاط' سعادت و شقاوت' فلاح و نکبت اور اس کے اسباب و موجبات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها قد افلح من زكها وقد خاب من دسها (سورۃ الشمس ع ۱)

اور قسم ہے نفس کی اور اس کو (خیر و شر کو قبول کرنے کیلئے) تیار کر دینے کی) پھر اس کو بدکاری اور پرہیزگاری سے آگاہ کر دینے کی پس بتحقیق جس نے اپنے نفس کو (بدکاری اور اس کے رجحانات سے) پاک کر لیا اس نے (دنیا اور آخرت دونوں میں) بلاشبہ فلاح پالی اور بلاشبہ جس نے اپنے نفس کو (بدکاریوں میں) دفن کر دیا وہ (دونوں جہان میں تباہ و برباد ہوا) اور محروم و ناکام رہا۔

اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے اپنی اس اُعجوبہ روزگار مخلوق کی یعنی نفس انسانی کی معجون مرکب فطرت سے آگاہ فرمایا ہے کہ اس ظلوم و جہول انسان کی خلقت اور فطرت میں ہم نے نیکوکاری اور بدکاری دونوں کے متضاد رجحانات پیدائشی طور پر ودیعت فرمائے ہیں اور خیر و شر کی تمیز کے لئے عقل و فہم بھی عطا فرمائی ہے۔ اور عقل و فہم کی رہنمائی کے لئے ہر زمانہ میں انبیاء و رسل بھی بھیجے ہیں اور ہر زمانہ کے تقاضے کے مطابق آسمانی

کتابیں اور صحیفے بھی نازل فرمائے ہیں مگر اسی کے ساتھ بدکاری اور گناہ کی طرف دعوت دینے والے شیاطین جن وانس بھی پیدا فرمائے ہیں اور مقناطیسی کشش رکھنے والی مرغوب ولذیذ اور جاذب ودلکش اشیاء بھی پیدا فرمائی ہیں جن کی طرف ہمہ وقت یہ شیاطین اور خود اس کا نفس امارہ دعوت گناہ دیتے رہتے ہیں اور اس رزمگاہ خیر وشر اور کارگاہ کفر وایمان میں ابتلاء اور آزمائش کی غرض سے انسان کو خیر وشر اور نیکوکاری وبدکاری ہر ایک کے اختیار کرنے کی قدرت بھی دیدی ہے اور بتلادیا ہے کہ اگر نیکوکاری اور پرہیزگاری کو اختیار کروگے تو امتحان میں کامیاب ہوگے اور فلاح دارین نصیب ہوگی اور اس کے صلہ میں جنت ملے گی جو مقام رضاء الٰہی ہے اور اگر اس کے برعکس فسق وفجور اور کفر وشرک اختیار کروگے تو امتحان میں ناکام ہوگے انسانیت زندہ درگور ہوجائے گی اور اس کی پاداش میں جہنم تمہارا ابدی ٹھکانہ ہوگا جو مقام قہر الٰہی ہے لیکن کچھ تو اصل فطرت کے اعتبار سے اور کچھ لذیذ و پرکشش چیزوں کی کشش کی بنا پر یہ نفس عموماً بدکاریوں اور فسق وفجور پر ہی ابھارتا اور اکساتا رہتا ہے اور عبادات وطاعات اور احکام الٰہیہ کی پابندی سے گریز کرتا ہے خصوصاً وہ عبادات شاقہ اور احکام شرعیہ جو خواہشات نفس اور راحت وآسائش کی راہ میں حائل ہوں اور ان پر عمل کرنے سے عموماً پہلو تہی کرتا اور بھاگتا ہے بجز اس شخص کے جس کو رحمت خداوندی اپنے سایۂ رحمت میں لے لے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسے پاک دامن وپاکباز نبی بھی اپنے نفس کی برأت سے قاصر نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرماتے ہیں

وما أبرئ نفسي ان النفس لامارة بالسوءِ الاما رحم ربي ان ربي غفور رحيم (پارہ ۱۳ سورۂ یوسف آیت ۵۳)

اور میں اپنے نفس کو (بداندیشی وبدکاری سے) بری قرار نہیں دیتا بلاشبہ نفس تو برائیوں پر بڑا ہی اُبھارنے والا ہے بجز اس کے کہ میرا رب ہی رحم فرمائے (اور اسکے شر سے محفوظ رکھے) درحقیقت میرا رب تو بے حد مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

لیکن یہی برائیوں اور بدکاریوں پر اکسانے والا نفس رحمت خداوندی کے شامل حال ہوجانے کے بعد اپنی بدکاریوں اور فسق وفجور پر نادم ہوکر خود کو ملامت بھی کرنے لگتا ہے اور خدا کے سامنے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے ہاتھ پھیلاتا اور آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہے اور ان ربی غفور رحیم کی بشارت کے تحت پروردگار اس کے گناہوں کو معاف بھی فرمادیتے ہیں۔

مگر اکثر وبیشتر نفسانی خواہشات کے غلبہ اور بیرونی محرکات گناہ کی کشش سے مغلوب ہوکر پھر گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اور پھر استغفار وتوبہ کرنے لگتا ہے۔

اس حالت میں اس کا پروردگار اس کو نفس لوامہ کے نام موسوم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لاأقسم بيوم القيمة○ ولاأقسم بالنفس اللوامة○ (پارہ ۲۹ سورۃ القیمۃ ع ۱ آیت ۱، ۲)

یوں نہیں ہیں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور یوں نہیں قسم کھاتا ہوں کثرت سے ملامت کرنے والے نفس کی (کہ تم ضرور دوبارہ زندہ اور اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے)

اگر رحمت الٰہی اسی طرح برابر اس پر سایہ فگن اور شامل حال رہتی ہے تو رفتہ رفتہ اس کو اپنی تمام تر خواہشات کو خدا اور رسول کے تابع کر دینے اور بیرونی محرکات یعنی نفسانی خواہشات کی کشمکش اور گرفت سے آزاد ہونے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے اور احکام الٰہیہ و مرضیات خداوندی پر عمل پیرا ہونے میں ہی سکون واطمینان نصیب ہو جاتا ہے تو اس مرحلہ پر اس کا رب کریم اس کو نفس مطمئنہ کے لقب سے سرفراز فرماتا ہے اور اسی لقب سے خطاب فرماتا ہے اور اس رزمگاہ خیر و شر اور جہان فسق و فجور سے کامیاب و کامران واپس آنے اور اپنے برگزیدہ بندوں کے زمرہ میں شامل ہونے اور جنت الخلد میں داخل ہونے کی دعوت اور بشارت دیتا ہے ارشاد ہے۔

یایتھاالنفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبدی وادخلی جنتیo

(سورۃ الفجر آیت ۲۷ تا ۳۰)

اے (عبادت وطاعت الٰہی پر) مطمئن نفس تو اپنے رب کی طرف واپس آ (اس شان سے کہ تو اپنے رب سے راضی اور تیرا رب تجھ سے راضی پھر میرے (برگزیدہ) بندوں (کے زمرہ) میں شامل ہو اور میری (خوشنودی) کی جنت میں داخل ہو جا۔

نفس انسانی ان تینوں مراحل سے گزرنے کے بعد ہی مقام رضاء الٰہی تک جس کا دوسرا نام جنت الخلد ہے پہنچ پاتا ہے لیکن اگر خدانا کردہ یہ نفس اپنے پہلے یا دوسرے مرحلہ میں ہی رہ جاتا ہے اور فسق و فجور اور کفر و شرک کے گورستان میں اپنی انسانیت کو زندہ درگور کر دیتا ہے تو جہنم جو مقام قہر الٰہی ہے اس کا ابدی ٹھکانہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فامامن طغیo واثر الحیوۃ الدنیاo فان الجحیم ھی الماویo (پارہ ۳۰ سورۃ النزعت ع ۲ آیت ۳۷ تا ۳۹)

باقی جس نے سرتابی و سرکشی اختیار کی اور دنیا کی (لذت آفرین مگر فانی) زندگی کو آخرت کی (سدا باقی رہنے والی ابدی) زندگی پر ترجیح دی تو بلاشبہ جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

وامامن خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویo فان الجنۃ ھی الماویo (النزعت ع ۲ آیت ۴۰، ۴۱)

باقی جو (قیامت کے دن) اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو بلاشبہ جنت ہی اس کا ابدی ٹھکانہ ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان کے جہنم رسید ہونے کا بنیادی سبب خوف خدا کا نہ ہونا اور اس کے نتیجہ میں احکام الٰہیہ سے سرتابی و سرکشی اختیار کرنا ہے اس کے برعکس خوف خداوندی کا غلبہ اور استیلاء اور اس کے نتیجہ میں احکام الٰہیہ کی پابندی، جن چیزوں کا حکم ہے ان پر عمل کرنا اور جن چیزوں کی شرعاً ممانعت ہے ان سے دور رہنا یعنی نفس کو ناجائز خواہشات و مرغوبات سے باز رکھنا جنت الخلد تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔

اسی حقیقت کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۃ الصدر حدیث نمبر ۷ میں وہ نہایت مختصر جملوں میں بیان فرمایا ہے۔
ا۔ جنت مکروہات نفس سے گھری ہوئی ہے ان مکروہات نفس (نفس کو بری لگنے والی چیزوں) کو برداشت کئے بغیر جنت میں پہنچنا محال ہے۔
۲۔ جہنم ناروخواہشات ناجائز مرغوبات نفس سے گھری ہوئی ہے ان خواہشات ومرغوبات کے بھنور میں پھنس کر رہ جانا جہنم رسید ہونے کا راستہ ہے۔
اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے مذکوۃ الصدر کریمہ میں انتہائی ایجاز کے ساتھ بیان فرمایا ہے ارشاد ہے۔
قد افلح من زکھاo وقد خاب من دسھاo (الشمس ع ۱)
بیشک فلاح پالی جس نے نفس کو پاک کرلیا اور بیشک برباد ہوگیا جس نے نفس کو زندہ درگور کردیا۔
یہ ہے اس رزمگاہ حیات اور جہاں کفر وایمان میں نفس انسانی کی بلندی وپستی عروج وزوال ترقی وتنزل اور سعادت وشقاوت فلاح ونکبت کی داستان اس تمام تر تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تنزل وانحطاط اور شقاوت ونکبت کا تمام تر مدار ناروا خواہشات ولذائذ یعنی شرعاً حرام وممنوع امور اور راحت وآسائش کے سبز باغ میں نفس کو بے لگام چھوڑ دینے پر ہے جس کو ایک فاسق وفاجر شاعران الفاظ میں تعبیر کرتا ہے۔

اب تو چین سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

اور عروج وارتقا' سعادت وفلاح کا تمام تر انحصار نفس کو بری لگنے والی چیزوں پر آمادہ کرنے اور عبادات وطاعات کا پابند بنانے یعنی نافرمان نفس کے شتر بے مہار کی ناک میں احکام الٰہیہ کی نکیل ڈالنے اور سرکش نفس کے منہ میں احکام شرعیہ کی لگام ڈالنے پر ہے۔
مکروہات: قرآن وحدیث میں نفس کو ناگوار اور دشوار محسوس ہونے والی تمام چیزوں کی متعدد اور مختلف طریقوں سے نشاندہی کی گئی ہے چنانچہ نماز جو پورے دین اسلام کا اساسی ستون ہے نفس پر اس کے شاق اور گران ہونے کا حال اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ذیل میں ظاہر فرمایا ہے ارشاد ہے۔
وانھالکبیرۃ الاعلی الخشعینoالذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ رجعونo
(پارہ ا سورۃ البقرہ ع ۵ آیت ۴۵' ۴۶)
اور بلاشبہ نماز پڑھنا (لوگوں پر) انتہائی شاق (اوگراں) ہے بجز (خدا سے) ڈرنے والے لوگوں کے جن کو یقین ہے کہ ہمیں (ایک نہ ایک دن) اپنے رب سے ملنا (اور اس کے سامنے پیش ہونا) ہے اور یہ کہ اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔
ظاہر ہے کہ بے نمازوں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو جہنم کا ایندھن ہیں ہی نمازی مسلمان کو بھی گرمیوں کی چھوٹی چھوٹی راتوں میں یا جاڑوں کی سرد اور ٹھٹھری ہوئی راتوں میں صبح سویرے بستر سے اُٹھ کر نماز کے لئے مسجد جانا

دشوار محسوس ہوتا ہے اسی طرح ملازم پیشہ اور کاروباری طبقہ کے لوگوں کے لئے بھی اپنی ڈیوٹی یا دکان یا کاروبار چھوڑ کر ظہر اور عصر کی نماز کے لئے مسجد جانا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا انتہائی گراں اور شاق گزرتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا یہ لوگ نمازیں بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں یا قضا پڑھتے ہیں یا ناوقت بلا جماعت ادا کرتے ہیں اور مکار نفس بہانہ یہ بناتا ہے کہ آخر روزی کمانا اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا بھی تو فرض ہے یا یہ فریب دیتا ہے کہ خدا کسی کو اس کی برداشت سے باہر چیز کا مکلف اور پابند نہیں بناتا اسی قسم کے دھوکے اور فریب میں گرفتار ہو کر رفتہ رفتہ بالکل ہی نماز جیسی اہم عبادت سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن جن مسلمانوں کے دلوں میں خوف خدا جاگزیں اور آخرت کے مواخذہ کا ڈر غالب ہوتا ہے ان کی شان خود اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں ارشاد ہے۔

رجال لاتلهيهم تجارة ولابيع عن ذكرالله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة يخافون يوماً تتقلب فيه القلوب والابصار○ (پارہ ۱۸ سورۃ نور: ع ۵ آیت ۳۷)

وہ ایسے مرد ہیں کہ نہ کوئی خرید و فروخت اور نہ ہی کوئی تجارتی کاروبار ان کو اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہے نہ نماز کو قائم کرنے سے نہ ہی زکوٰۃ ادا کرنے سے' وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (سینوں میں) دل (خوف ودہشت سے) اُلٹ پلٹ ہو جائیں گے اور آنکھیں بھی (دہشت کے مارے) پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

اسی ڈر اور خوف کی وجہ سے دنیا کے تمام معاشی کاروبار میں مصروف ہونے کے باوجود ان کا دل خدا کے ذکر سے ادائے فرائض دینیہ سے مطلق غافل نہیں ہوتا۔ بقول صوفیاء نقشبندیہ۔ ؎ "دست بکار دل بیار"

یہی وہ خدا ترس بندے ہیں جو شب میں نرم و گرم بستروں کو خارزار محسوس کرتے ہیں چین و آرام کی نیند کبھی نہیں سوتے رات بھر خدا کی یاد میں مصروف رہتے ہیں یعنی جب آنکھ کھلتی ہے خدا کا ذکر ان کی زبان پر ہوتا ہے اور نماز کا وقت ہوتے ہی بستر ان کو کاٹنے لگتا ہے اور فوراً اُٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں ان خدا ترس بندوں کا حال شب میں جو خدا نے آرام کے لئے بنائی ہے یہ ہوتا ہے ارشاد ہے۔

تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً وطعماً ومما رزقنهم ينفقون○

(پارہ نمبر ۲۱ سورۃ السجدہ ع: ۲ آیت ۱۶)

ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں (غفلت کی نیند نہیں سوتے) خوف ورجا اور امید و بیم کی حالت میں اپنے رب کو پکارتے (اور یاد کرتے) رہتے ہیں اور جو (مال ومنال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اور یہی وہ خدا ترس بندے ہیں جو کڑکڑاتے جاڑے میں ٹھٹھرے ہوئے یخ بستہ پانی سے پورے طور پر وضو کرتے ہیں اور مکار نفس کے اس فریب میں نہیں آتے کہ تیمّم سے نماز پڑھنا بھی تو جائز ہے اپنے آپ کو کیوں

ہلاکت میں ڈالتے ہو نمونیہ ہو جائے گا نہیں بلکہ وضو کرتے ہیں اور وضو بھی پورا اسی طرح مکان سے مسجد دور ہونے کی صورت میں نفس کہتا ہے اتنی دور کون جائے یہیں جماعت کئے لیتے ہیں نہیں بلکہ اس یقین کے ساتھ کہ نماز کے لئے اٹھنے والے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک خطا معاف کرتے ہیں اور ایک درجہ بلند فرماتے ہیں مسجد دور ہونے کے باوجود جاتے ہیں اور جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کا ایسے انتظار کرتے ہیں جیسے کسی محبوب کی آمد کا انتظار ہوتا ہے غرض دل برابر نماز میں لگا رہتا ہے۔

مکارہ: ایسے ہی نمازی بندوں کو عفو خطایا اور رفع درجات کی خوشخبری مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں دی ہے اور مکار نفس سے متنبہ فرمایا ہے اور مکارہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹاتے اور درجات کو بلند فرماتے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں (ضرور بتلایئے) آپ نے فرمایا ناگوار اوقات وحالات میں وضو کو پورا کرنا مسجدوں کی طرف زیادہ قدم اٹھانا (دور سے چل کر جانا) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہی تمہاری (دین کی) سرحدوں کی نگرانی (اور حفاظت) ہے یہی تمہاری سرحدوں کی نگرانی ہے (کہ مکار نفس تم کو اپنے مکر وفریب کے حملوں سے زیادہ سے زیادہ اجر وثواب حاصل کرنے سے محروم نہ کر دے۔

اسی طرح موقع بموقعہ قرآن وحدیث میں مختلف عنوانات سے مکروہات سے آگاہ کیا گیا ہے تفصیلات کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیجئے مختصر یہ ہے کہ جو بھی خدا اور رسول کا حکم نفس پر شاق ہو اور اس پر عمل کرنا یا اس کی پابندی کرنا ناگوار ہو وہ سب مکروہات میں شامل ہیں اس خارزار سے گذر کر ہی جنت میں داخل ہونا ممکن ہے۔

مرغوبات نفس

اللہ تعالیٰ بنیادی طور پر شہوات اور مرغوب ولذیذ چیزوں سے آگاہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

زين للناس حب الشهوات من النسآء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث' ذالك متاع الحيوة الدنيا' والله عنده حسن الماب○

(پارہ نمبر ۳ آل عمران ع: ۲ آیت ۱۴)

آراستہ کردی گئی ہے لوگوں کے لئے پسندیدہ چیزوں کی محبت عورتیں' اولاد' سونے چاندی کے جمع کردہ ذخیرے (اعلیٰ نسل کے) نشان لگے گھوڑے' مویشی' اور کھیتیاں یہ (سب) دنیا کی زندگی کا ساز وسامان ہے (اور دنیا اور اس کا تمام ساز وسامان ہیچ وپوچ اور فانی ہے) اور اللہ کے پاس خوب ترین ٹھکانہ (آخرت) ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر انسان کو مرغوب و مطلوب اور دلکش و دل آویز چیزوں کی جن سے انسان محبت کرتا ہے نشاندہی فرمائی ہے۔

کسی حکیم کا بھی قول ہے کہ تمام دنیا کا حاصل تین زے ہیں یعنی زن، زر، زمین باقی تمام چیزیں انہی کے لوازمات ہیں اگر مزید تجزیہ کیا جائے تو اصل اصول زن یعنی عورت ہے یہی شیطان کا سب سے زیادہ کارگر حربہ ہے چنانچہ دنیا کے واقعات شاہد ہیں کہ بیشتر جرائم کی تہ میں عورت کی ذات کارفرما ہوتی ہے اسی لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مردوں کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں فتنہ قرار دیا ہے اور امت کے مردوں کو ان سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہے۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ ضرر رساں کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

لیکن درحقیقت یہ تمام چیزیں منعم حقیقی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں جن پر قرآن وحدیث میں مختلف عنوانات سے متنبہ کیا گیا ہے مگر انسان کی آزمائش بھی زیادہ تر انہی نعمتوں کے استعمال وانتفاع میں مضمر ہے اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں پر انسان اس سے نفع اٹھائے تو یہی چیزیں آخرت کے لئے بہترین کارآمد اور اجر وثواب کا ذریعہ بن سکتی ہے لیکن اگر انہی دلکش ودل آویز چیزوں کے سبزہ زار میں نفس کو بے لگام چھوڑ دے احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال کر حلال وحرام جائز وناجائز کا فرق کئے بغیر عیش کوشی ولذت اندوزی میں مستغرق ہو جائے تو یہی چیزیں جہنم کا کندہ بنا ڈالنے کا سبب بن جاتی ہیں اور یہی ہیں وہ شہوات جن کے سبز باغ جہنم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ان لذائذ ومرغوبات کی مقناطیسی کشش سے صرف وہی خداترس انسان بچ سکتے ہیں جن کے دلوں پر خدا کا خوف اور آخرت کے مواخذہ کا ڈر مسلط ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات میں آپ پڑھ چکے ہیں اسی حقیقت کو عارف رومی نے مثنوی میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے مثنوی کا ایک شعر یہ ہے۔

چیست دنیا؟ از خدا غافل بودن　　　نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور دوبارہ آپ کو مخبر صادق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی وسیع حقائق پر مشتمل اور جامع حدیث پیش کرتے ہیں۔

حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات

اس کو ہمیشہ یاد رکھئے اور حرز جاں بنالیجئے اور زندگی کے ہر قدم پر پیش نظر رکھئے ان شاء اللہ العزیز آپ مکار نفس کے حملوں سے محفوظ رہیں گے اور آپ کا نفس نفس مطمئنہ کے مرتبہ پر پہنچ کر رب العالمین کے محبوب ومقرب بندوں میں شامل اور جنت الخلد میں داخل ہوگا۔ ان شاء اللہ الرحمٰن الرحیم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نماز کا واقعہ

الثامن : عن أبي عبد الله حُذَيفَةَ بن اليمان رضي الله عنهما ، قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيلَةٍ فَافْتَتَح البقَرَةَ ، فَقُلْتُ : يَرْكَعُ عِنْدَ المئَةِ ، ثُمَّ مَضَى . فَقُلْتُ : يُصَلِّي بهَا فِي رَكعَة فَمَضَى، فقُلْتُ : يَرْكَعُ بِهَا ، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فقرَأَهَا ، ثُمَّ افْتَتَح آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا ، يَقرأُ مُتَرسِّلاً : إذَا مَرَّ بآيَة فِيهَا تَسبيحٌ سَبَّحَ ، وَإذَا مَرَّ بسُؤَال سَأَلَ ، وَإذَا مَرَّ بتَعوُّذٍ تَعوَّذَ ، ثُمَّ رَكَعَ ، فَجَعَلَ يَقُولُ : " سُبْحَانَ رَبِّيَ العَظِيم " فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحواً مِنْ قِيَامِهِ ، ثُمَّ قَالَ : " سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ، رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ " ثُمَّ قَامَ طَويلاً قَرِيباً مِمَّا رَكَعَ ، ثُمَّ سَجَدَ ، فَقَالَ : " سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى " فَكَانَ سُجُودُهُ قَرِيباً مِنْ قِيَامِهِ . رواه مسلم .

ترجمه: ابو عبداللہ حذیفہ بن الیمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب سر (رازداں) صحابی کے نام سے مشہور ہیں رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (تہجد کی) نماز پڑھی تو آپ نے (سورۃ فاتحہ کے بعد) سورۃ بقرہ شروع فرمائی تو میں نے (دل میں) کہا آپ سو آیتیں پڑھ کر رکوع کریں گے آپ (سو آیتوں کے بعد بھی) پڑھتے رہے تو میں نے دل میں سوچا آپ (پوری سورۃ بقرہ) ایک رکعت میں پڑھیں گے چنانچہ آپ پڑھتے رہے تو (سورۃ بقرہ ختم ہونے پر) میں نے سوچا (اب) آپ رکوع کریں گے (مگر) پھر آپ نے سورۃ نساء شروع کر دی اور پھر پوری سورۃ پڑھی اور آپ پڑھ بھی رہے تھے ٹھہر ٹھہر کر جب کوئی آیت تسبیح آتی تو آپ سبحان ربی العظیم کہتے اور جب کوئی دعا کی آیت آتی تو آپ وہ دعا مانگتے اور جب کوئی تعوذ کی آیت (پناہ مانگنے کی آیت) آتی تو آپ اعوذ باللہ فرماتے پھر (یہ تین سورتیں پوری پڑھ کر) آپ نے رکوع کیا تو (رکوع میں آپ نے سبحان ربی العظیم کہنا شروع کیا اور پھر (رکوع بھی قیام کے قریب قریب (دراز) تھا پھر (رکوع سے اٹھے اور) سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہنا شروع کیا اور پھر رکوع کے قریب قریب ہی (قومہ میں) طویل قیام فرمایا پھر سجدہ کیا تو (سجدہ میں) سبحان ربی الاعلیٰ کہنا شروع کیا تو آپ کا سجدہ بھی (قومہ میں) آپ کے قیام کے قریب قریب ہی تھا (مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں قیام

التاسع : عن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيلَةً ، فَأطَالَ القِيامَ حَتَّى هَمَمْتُ بأمْرِ سُوءٍ ! قيل : وَمَا هَمَمْتَ بِهِ ؟ قَالَ : هَمَمْتُ أنْ أجْلِس وَأدعَهُ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (تہجد کی) نماز پڑھی تو آپ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے ایک بری بات کرنے کا ارادہ کیا ان سے دریافت کیا گیا آپ نے کیا بری بات کرنے کا ارادہ کیا تھا؟ فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور آپ کو کھڑا رہنے دوں (مسلم)

احادیث کی تشریح۔ یہ دونوں حدیثیں سرور کائنات فخر موجودات، سید الانبیا والمرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے انہی طویل وشدید مجاہدات کے دو نمونے ہیں جن کے ذریعہ آپ یتیم آمنہ کے درجہ سے **انا سید ولد ادم ولا فخر بیدی لواء الحمد ولا فخر** (الحدیث) کے مرتبہ پر پہنچے ہیں۔

یہ دو جلیل القدر صحابی تو اتفاق سے پہنچ گئے اور ان کو آپ کے ساتھ قیام کرنے کا موقعہ مل گیا اور ان کے ذریعہ پوری امت کو آپ کے ان مجاہدات کا علم ہو گیا ورنہ آپ تو عموماً کاشانہ نبوت میں ہی قیام لیل فرمایا کرتے تھے اور ایسے اوقات میں جبکہ تمام دنیا محو خواب ہوتی حتیٰ کہ ازواج مطہرات بھی خواب شیریں کے مزے لیتی ہوتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے طویل وشدید مجاہدات آپ نے اوائل نبوت میں ہی کئے جبکہ رب جلیل نے از راہ شفقت آپ کو حکم دیا ہے۔

یایها المزمل ○ قم الیل الا قلیلاً ○ نصفه او انقص منه قلیلاً ○ اوزد علیه ورتل القران ترتیلاً ○

(پارہ نمبر ۲۹ سورۃ مزمل ع: ۱)

اے کملی پوش تمام رات قیام کیا کر بجز تھوڑی سی رات کے، آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا (آدھی رات) سے زیادہ اور قرآن رک رک (اور سمجھ سمجھ کر) پڑھا کرو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ترتیل کی حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر قرآن پڑھیئے اور حسب موقعہ فرمان الٰہی کے تقاضے پورے کیجئے جہاں تسبیح و تحمید کا مقام ہو وہاں تسبیح و تحمید کیجئے جہاں دعا کا مقام ہو وہاں دعا مانگئے اور جہاں تعوذ کا مقام ہو وہاں پناہ مانگیئے اس طرح کہ گویا آپ اللہ تعالیٰ سے کلام فرما رہے ہیں اور ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے ہیں اور تعمیل حکم کر رہے ہیں۔

ذرا تصور کیجئے اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کلام اللہ کی قرأت میں اور اسی قیام کے مناسب طویل رکوع و سجود میں کس قدر لطف و سرور حاصل ہوتا ہوگا اور اسی کے ساتھ کتنا طویل وقت صرف ہوتا ہوگا اور کتنی شدید منقت برداشت کرنی پڑتی ہوگی اسی مشقت برداشت کرنے کے نتیجہ میں مبارک قدموں پر ورم آ گیا تھا پھٹنے لگے تھے اسی لئے کہا گیا ہے کہ مشقت برداشت کئے بغیر کچھ نہیں ملتا چنانچہ انہی مجاہدات کے ایک سال تک کرنے پر ساری شدتیں اور تکلیفیں راحت و مسرت اور کیف و نشاط سے بدل گئی تھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

جعلت قرة عینی فی الصلوٰة میری آنکھ کی ٹھنڈک (اور دل کی راحت) نماز میں رکھ دی گئی ہے۔

صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے تمام مجاہدات کا ماخذ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے یہ مجاہدات بھی انہی مکارہ میں داخل ہیں جن کے خارزار سے گزرنے کے بعد جنت الخلد میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے جس کی تفصیل آپ حفت الجنۃ بالمکارہ کے تحت پڑھ چکے ہیں۔

مرنے کے بعد صرف انسان کے عمل اس کے ساتھ جاتے اور کام آتے ہیں

العاشر : عن أنس رضي الله عنه ، عن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: "يَتْبَعُ المَيتَ ثَلاثَةٌ : أهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ ، فَيرجِعُ اثنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ : يَرجِعُ أهْلُهُ وَمَالُهُ ، وَيَبقَى عَمَلُهُ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "آپ نے ارشاد فرمایا: مرنے والے کے ساتھ تین جاتے ہیں ایک اس کے اہل وعیال دوسرے اس کا مال تیسرے اس کے اعمال تو دو تو (دفن کرنے کے بعد) واپس آجاتے ہیں ایک اس کے ساتھ باقی رہتا ہے بیوی بچے اور مال تو واپس آجاتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

تشریح: ہر انسان ایک طرف ہوش سنبھالتے ہی خود کو ایسی معاشی ضروریات زندگی کا محتاج محسوس کرتا ہے جن کا حصول مال پر موقوف پاتا ہے اس لئے اپنی تمام تر توانائی کارکردگی کی قوت اور جدوجہد کو مال حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے اور کمائے ہوئے مال کے ذریعہ دیگر ضروریات زندگی اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے مہیا کرنے میں مصروف ہوتا ہے سب سے پہلے ایک رفیق حیات یعنی بیوی کو حاصل کرنے کی جستجو کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ نکاح کرنے سے پہلے بیوی کے رہنے کے لئے گھر اور گھر کا اثاثہ ہونا چاہئے کمائے ہوئے مال کا ایک حصہ اس میں صرف کرتا ہے نکاح میں بھی مہر معجّل و موجّل وغیرہ کے لئے مال درکار ہوتا ہے ایک حصہ اس میں صرف کرتا ہے نکاح کرنے اور بیوی کو حاصل کرنے کی اصلی اور فطری غرض وغایت اگرچہ جنسی خواہشات کے طوفان میں محسوس نہ ہو' بقاء نسل ہے اس کے لئے اولاد کی ضرورت اور طلب رونما ہوتی ہے لہٰذا بیوی سے بچے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اب اپنی ضروریات زندگی' کھانا' کپڑا' مکان کے ساتھ ہی ساتھ بیوی بچوں کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کی ذمہ داری بھی قانوناً و اخلاقاً و شرعاً غرض ہر حیثیت سے اس پر عائد ہو جاتی ہے اس کے نتیجہ میں مال کی ضرورت زیادہ سے زیادہ تر ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے کسب معاش کے مختلف اور متنوع ذرائع میں زیادہ سے زیادہ مصروف ہو جاتا ہے نہ دن کی خبر نہ رات کی نہ آرام کی پرواہ ہوتی ہے نہ راحت کی۔

دوسری طرف ہوش سنبھالنے یعنی بالغ ہونے کے بعد خدا اور رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کو تسلیم کر لینے کی بنا پر احکام الٰہیہ کی پابندی اس پر عائد ہو جاتی ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے یعنی اوامر و نواہی شرعیہ کی پابندی کا فرض اس پر عائد ہو جاتا ہے۔

یہ ہے انسان کی عملی زندگی کا نہایت مختصر اور سرسری خاکہ اس لحاظ سے اس زندگی میں جو سرمایہ اس نے حاصل کیا وہ تین ہی چیزیں ہیں ایک مال' دوسرے اہل وعیال تیسرے عمل' لیکن انسان فطری محبت اور مال و اہل عیال کی مقناطیسی کشش سے مغلوب ہو کر تیسری چیز یعنی عمل اور اس کی ذمہ داری کو بالکل بھول جاتا اور پس پشت ڈال دیتا ہے اور پہلی دو چیزوں کو ہی اپنا سرمایہ اور حاصل زندگی سمجھ بیٹھتا ہے اور انہی کے لئے ساری عمر سر کھپاتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس غافل انسان کو متنبہ فرماتے ہیں۔

اناجعلناماعلی الارض زینة لهالنبلوهم ایهم احسن عملاً (پارہ ۱۵ الکھف' آیت ۷)

بے شک ہم نے روئے زمین کی تمام چیزوں کو اس کا سامان آرائش بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھے کام کرنے والا ہے۔

اس زینت اور جاذب قلب و نظر بنانے کی حکمت اور مصلحت' حسن عمل کی آزمائش بیان فرمائی اس لئے کہ اس آزمائش ہی سے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی اہلیت منظر عام پر آتی ہے اس زینت اور اس سے پیدائشی محبت کی تفصیل سے بھی آگاہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

زین للناس حب الشهوات من النسآء والبنین والقناطیرالمقنطرة من الذهب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث' (پارہ ۳ سورۃ آل عمران ع:۲ آیت ۱۴)

لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت آراستہ کر دی گئی ہے عورتوں کی' اولاد کی' سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیر ذخیروں کی (خوبی کے) نشانوں والے گھوڑوں کی اور مویشیوں کی اور کھیتوں (اور باغوں) کی۔

آخر میں ان تمام مرغوب چیزوں کی ناپائیدار حقیقت سے بھی آگاہ فرماتے ہیں ارشاد ہے۔

ذالك متاع الحیوة الدنیاوالله عنده حسن الماب○ (پارہ ۳ سورۃ آل عمران ع:۲)

یہ سب چیزیں دنیا کی زندگی میں کام آنے والا سامان ہیں (اور دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان فانی اور ناپائیدار ہیں) بہترین لوٹنے کی جگہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

تیسری چیز حسن عمل جو اس دنیا کی شریفانہ اور باعزت زندگی بسر کرنے میں بھی بہترین معاون ہے اور مرنے کے بعد آخرت میں تو صرف عمل ہی عمل باقی رہ جائے گا اور وہی کار آمد سرمایہ ثابت ہو گا وہاں نہ اہل وعیال کام آئیں گے اور نہ مال و جائیداد مگر انسان اپنی جہالت و غفلت کی وجہ سے اس دونوں جہاں میں کار آمد سرمایہ کو خاطر میں نہیں لاتا اور مال و دولت اور اہل وعیال کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے حالانکہ دونوں اعلیٰ درجہ کے بے وفا ہیں مال کی بیوفائی کے تو صدہا واقعات و مشاہدات انسان شب و روز دیکھتا ہے بسا اوقات بڑے بڑے لکھ پتی اور کروڑ پتی ساوی

وارضی آفات کی وجہ سے مفلس وقلاش کوڑی کوڑی کے محتاج بن جاتے ہیں باقی اہل وعیال بھی بوڑھے اور معذور ماں باپ سے بیزار اوران کے مرنے کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔

اس زیر نظر حدیث نمبر۱۰ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل وعیال اورمال ومنال جس کے لئے تم اپنی توانائیوں کو خرچ کررہے ہو یہ تو مرتے ہی تمہارا ساتھ چھوڑدیں گے مرنے کے بعد تمہارا ساتھ دینے اور باقی رہنے والا سرمایہ صرف حسن عمل ہے اس لئے زندگی کے ہر مرحلہ میں اسی حسن عمل کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنے کی کوشش کرواوراپنی تمام تر توانائیوں کو حسن عمل یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اوراسی کی عبادت میں صرف کرو یہ جدوجہد ہی اصل مجاہدہ ہے اور دشمن نفس کے خلاف اسی محاذ پر تمہیں جہاد کرنا ہے ایسا نہ ہو کہ نفس امارہ کے کہنے میں آکر خدا کے احکام کی نافرمانی اور گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھو اور اگر خدانخواستہ بتقاضائے بشریت کوئی معصیت یا گناہ سرزد ہو جائے تو جلد از جلد توبہ واستغفار کے ذریعہ اس کا ازالہ کرو اوراس سے چھٹکارا حاصل کرو یہی اصل مجاہدہ ہے۔

مجازات اعمال کی تحقیق کے ذیل میں آپ قرآن وحدیث کی قطعی نصوص کی روشنی میں جزا کا عین عمل ہونا پڑھ چکے ہیں اس کو باور کرلینے کے بعد تو صرف عمل ہی عمل رہ جاتا ہے جب مرنے والے کو قبر میں دفن کرکے تمام عزیز واقارب اور دوست واحباب اس کو اکیلا چھوڑ کر چلے آتے ہیں تو اس وقت صرف اعمال ہی اس کے ساتھ ہوتے ہیں اعمال کی یہ معیت ورفاقت آخرت کے اس پہلے ہی مرحلے میں یعنی قبر میں مرنے والے کے کس طرح کام آتی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل حدیث میں پڑھیے اوراعمال صالحہ کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنے کی جدوجہد کیجیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لوگ جب میت کو دفن کرکے اوراسے اکیلا چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز تک کو سنتا ہے کہ کیسے بے وفا ہیں یہ سب لوگ مجھے کس طرح اس کال کوٹھڑی میں اکیلا چھوڑ کر واپس جارہے ہیں جیسے ان سے کبھی تعلق ہی نہ تھا۔

فرماتے ہیں: مرنے والا اگر ایماندار ہوتا ہے تو نماز اس کے سر کی جانب کھڑی ہوتی ہے اور زکوٰۃ اس کے داہنے جانب اور روزہ اس کے بائیں جانب اور اچھے اور شرعاً پسندیدہ کام اور لوگوں کے ساتھ کئے ہوئے احسان میت کے پاؤں کی جانب موجود ہوتے ہیں تو باز پرس کرنے والے فرشتے سر کی جانب سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے کہ میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے (واپس جاؤ) وہ دائیں جانب سے (میت کے) پاس جانا چاہتے ہیں تو زکوٰۃ (تیغ بے نیام بن کر) کہتی ہے میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے (واپس جاؤ) پھر وہ بائیں جانب سے جانا چاہتے ہیں تو روزہ سپر بن کر کہتا ہے کہ میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے (واپس جاؤ) قدموں کی جانب

سے جانا چاہتے ہیں تو لوگوں کے ساتھ کیے ہوئے نیک کام کہتے ہیں میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے (غرض عبادات واعمال صالحہ قلعہ کی فصیل کی طرح میت کے چاروں طرف حصار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں) تب اس سے کہا جاتا ہے کہ اُٹھ کر بیٹھو تو میت بیٹھ جاتا ہے اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سورج غروب ہو رہا ہے تو کہا جاتا ہے: ان اعمال صالحہ کے بعد ایمان کا امتحان لینے کی غرض سے منکر نکیر رب کے نبی اور دین کے متعلق سوالات کرتے ہیں صحیح جواب پا کر کہتے ہیں۔

"بیشک ہم تو (ان اعمال صالحہ کے حصار کو دیکھ کر ہی) جان گئے تھے کہ تم یہ جواب دو گے پھر اس کی (وہ تنگ و تاریک قبر) سرسبز اور خوب کشادہ کر دی جاتی ہے"

اور اسی کا نام مجاہدہ ہے اسی لئے امام نووی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو مجاہدہ کے باب کے تحت ذکر کیا ہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ شفقت اپنی مرحوم (قابل رحم) امت کو خبر دار کیا ہے:

القبر اما روضة من رياض الجنة واما حفرة من حفر النار

قبر یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک (ہولناک) گڑھا ہے۔

تب اس کو روشن کر دیا جاتا ہے پھر کہا جاتا ہے آرام سے سو جاؤ میت کہتا ہے ذرا مجھے گھر والوں کے پاس جانے دو میں ان کو اپنا حال بتلا آؤں، تو دونوں فرشتے کہتے ہیں سو جا اس دلہن کی طرح جس کو اس کی محبوب ہستی یعنی شوہر ہی بیدار کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو اسی خواب گاہ سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔

اعمال صالحہ کی یہ رفاقت صرف قبر ہی میں کام نہیں آئے گی بلکہ حشر کے روز پل صراط سے گزرتے وقت جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر بھی رب سلم رب سلم ہوگا یہ اعمال خصوصاً تلاوت قرآن کرنے والے کے لئے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران وغیرہ قرآن کی سورتیں شفاعت کریں گی اور سروں پر سایہ فگن ہوں گی۔

اس لئے اصلی اور آڑے وقت میں کام کرنے اور ہمیشہ ساتھ رہنے والا سرمایہ عمل صالح ہی ہے اور اسی کے ذخیرہ جمع کرنے کی فکر ہونی چاہئے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

جنت اور جہنم دونوں قریب تر ہیں انسان جسے چاہے اپنائے

الحادي عشر : عن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "الجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ ، وَالنَّارُ مِثلُ ذلِكَ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت تم میں سے ہر شخص سے اس کے چپلوں کے تسموں سے بھی زیادہ قریب ہے (نہایت

آسانی سے اس میں داخل ہو سکتے ہو) اور جہنم بھی اسی طرح (تم میں سے ہر شخص کے چپلوں سے بھی زیادہ قریب ہے ذرا سی غفلت سے اس میں جا سکتے ہو) صحیح بخاری

تشریح: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مقصد امت کو متنبہ اور خبر دار کرنا ہے کہ جنت بھی انسان سے انتہا درجہ قریب ہے آسانی سے اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد ارسول اللہ صدق دل سے کہا اور جنت کا حقدار ہو گیا اگر کہتے ہی موت آگئی تب تو سیدھا جنت میں جائے گا حدیث شریف میں آیا ہے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ اور اگر کلمہ پڑھنے کے بعد زندہ رہا اور اس کلمہ کے مصداق کے مطابق یعنی دین کے تمام احکام فرائض ومامورات پر عمل کیا اور ممنوعات ومنہیات سے اجتناب کیا اور دور رہا اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی تب بھی جنت میں داخل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہاں اگر کوئی گناہ سرزد ہوا کوئی نافرمانی ہوئی اور بغیر توبہ کے موت آگئی جو ایک سچے مومن سے بے حد مستبعد ہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے چاہے معاف فرمائیں چاہے بقدر گناہ سزا دیں یا یوں کہئے کہ گناہ کی آلودگی اور گندگی کو جہنم کی آگ میں جلا کر دور فرما دیں اور پاک وصاف کندن بنا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمائیں صدق دل سے کلمہ پڑھنے کے بعد جنت ملے گی ضرور آگے پیچھے 'دیر' سویر کی دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اللہ لایغفران یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشآء: (پارہ ۵ سورۃ نساء ع:۱۷ آیت ۱۱۶)

تحقیق اللہ تعالیٰ شرک (وکفر) کو تو ہرگز معاف نہیں کریں گے باقی اس کے سوا (گناہ) جس کے چاہے معاف کر دیں (ان کی مشیت پر موقوف ہے)

مادون ذالك (کفر وشرک کے علاوہ) کے تحت بڑے سے بڑا گناہ کبیرہ بھی داخل ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں (ایک دن) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سفید چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے میں (واپس چلا آیا) پھر (تھوڑی دیر بعد) حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا جس بندے نے بھی لا الہ الا اللہ (صدق دل سے) کہا پھر اسی پر اس کو موت آگئی تو ضرور جنت میں داخل ہو گا میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو (تب بھی جنت میں داخل ہو گا) آپ نے فرمایا (ہاں ہاں) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے پھر جواب دیا (ہاں ہاں) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو؟ اگرچہ اس نے چوری کی ہو' تین مرتبہ میں نے اسی طرح سوال کیا اور تینوں مرتبہ آپ نے یہی جواب دیا۔ (بخاری شریف)

بخاری شریف ہی کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت سو نہیں رہے تھے بلکہ نزول وحی

کے وقت جو ربودگی کی کیفیت ہوا کرتی تھی وہ طاری تھی اور اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام امت کے لئے یہ بشارت لے کر آئے تھے اور جیسے ابوذرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال کیا ہے اور آپ نے جواب دیا ہے بالکل اسی طرح آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے وان زنی وان سرق بغرض تحقیق یہی سوال کیا تھا اور جبرئیل نے وحی الٰہی کے مطابق: وان زنی وان سرق جواب دیا تھا۔

اس آیت کریمہ اور حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ کفر و شرک تو ہرگز معاف نہیں ہو سکتا باقی تمام چھوٹے بڑے گناہ حتیٰ کہ زنا اور چوری جیسے گناہ بھی جن پر دنیا میں بھی حد شرعی لگتی ہے اگر بغیر توبہ کئے بھی کوئی مسلمان مر جائے تو حق تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل رہے گا چاہیں معاف فرمادیں چاہے بقدر گناہ سزا دے کر جنت میں داخل فرمائیں بہر حال جنت کے دروازے کی کنجی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے پوری زندگی اسی پر قائم رہنا اور اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنا یعنی مامورات (جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے) پر پوری پابندی سے عمل کرنا اور منہیات (جن کاموں کے نہ کرنے کا حکم ہے) سے بچنا اور دور رہنا اسی کا نام استقامت ہے اور اسی کا نام مجاہدہ ہے اسی لئے امام نووی علیہ الرحمتہ اس حدیث کو مجاہدہ کے باب میں لائے ہیں توبہ کے دروازے کے کھلا ہونے کے اعلان کے بعد ساری زندگی ایک مسلمان بغیر کسی دشواری یا تنگی کے دین اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے۔

سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے اس کے بارے میں دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا (صدق دل سے) امنت باللہ کہو اور (ساری عمر) اسی پر قائم رہو۔ صحیح مسلم

امنت باللہ صدق دل سے کہنے کے بعد یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی مسلمان سے کوئی گناہ یا معصیت سرزد ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہ کرے پھر اسے جنت میں داخل ہونے سے کون روک سکتا ہے اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون (پارہ ۲۴ حم سجدہ ع: ۴ آیت ۳۰)

بلا شک وشبہ جن لوگوں نے ربنا اللہ (صدق دل سے) کہا اور پھر اسی پر (ساری زندگی) قائم رہے (مرنے کے وقت) ان کے پاس فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تم (کسی بات کا) خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی تمہیں خوشخبری دی جاتی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

استقامت کی پوری تفصیل کتاب کے باب الاستقامت کے تحت آپ پڑھ چکے ہیں دوبارہ پڑھ لیجئے حاصل اس

مقام تفصیل اور خامہ فرسائی کا یہ ہے کہ فی الحقیقت جنت ہر اس شخص سے جو جنت میں جانا چاہے بے حد قریب ہے اور اس میں داخل ہونا نہایت آسان ہے اسی طرح جہنم بھی ہر اس شخص سے جو جہنم میں جانا چاہے انتہا درجہ قریب ہے اور نہایت آسانی سے اس میں بھی جاسکتا ہے ادھر زبان سے کلمہ کفر کہا ادھر جہنم کے داروغہ نے جہنمیوں کے رجسٹر میں اس کا نام لکھا۔ مثلاً کسی جھوٹے مدعی نبوت کی تصدیق کر دی یا کسی بھی دین کے مسلمہ اور متواتر قطعی عقیدے کا انکار کر دیا مثلاً عدالت صحابہ کا انکار کر دیا یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دروغ گو اور بدکردار کہہ دیا تو کافر ہو گیا ساری اسلامی زندگی برباد گئی سیدھا جہنم میں جائے گا یا کسی بھی کافرانہ فعل کا ارتکاب کر لیا بت یا کسی بھی غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کو جائز کہا اور سجدہ کر لیا یا کسی بھی قطعی حرام چیز کو حلال یا حلال چیز کو حرام کہہ دیا یا خنزیر کا گوشت، سود کا مال یا شراب کو حلال کہہ دیا اور کھا پی لیا کافر ہو گیا ساری عمر کا اسلام برباد ہوا سیدھا جہنم میں جائے گا دیکھا آپ نے کس قدر قریب ہے جہنم اور کتنی جلدی انسان جہنم رسید ہو جاتا ہے پناہ بخدا خدا بچائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یحلفون باللہ ماقالوا، ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا

(پارہ ۱۰ سورۃ توبہ ع: ۱۰ آیت ۷۴)

وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے (کفر کی بات) نہیں کہی حالانکہ بخدا انہوں نے کلمہ کفر کہا ہے اور وہ اپنے اسلام (اور مسلمان ہونے کے) بعد کافر ہو چکے ہیں اور انہوں نے تو منصوبہ بنایا تھا جس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

وہ کلمہ کفر جو ان لوگوں نے کہا تھا وہ بھی سورۃ منافقون میں بیان فرمایا ہے۔

یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل (س: المنافقون ع: ۱ آیت ۷)

۱۔ یہ منافقین کہتے ہیں بخدا اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو یقیناً عزت والے (یعنی ہم) ذلیلوں (یعنی مسلمانوں) کو ضرور بالضرور مدینہ سے نکال دیں گے۔

ھم الذین یقولون لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا: (پارہ ۲۸ منافقون ع: ۱ آیت ۷)

۲۔ یہ تو وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں جو مسلمان رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر (ایک پیسہ بھی) مت خرچ کرو تا کہ وہ (فاقہ کشی سے مجبور ہو کر) آپ کے پاس سے منتشر ہو جائیں اعاذنا اللہ منہ

اور وہ منصوبہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بروقت اپنے نبی کو وحی کے ذریعہ آگاہ کر کے ناکام بنا دیا وہ لیلۃ العقبہ کا واقعہ ہے جس کی تفصیل ارباب سیر نے غزوہ تبوک سے واپسی کے ذیل میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ منافقین رات کی تاریکی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چھپ کر حملہ کر کے آپ کو العیاذ باللہ ہلاک کر دینا چاہتے تھے گویا ان بیوقوفوں نے آپ کو مدینہ سے نکال دینے کی یہ شیطانی تدبیر سوچی تھی۔

پھران دونوں کلمات کفر کے متعلق عذر گناہ بدتر از گناہ کے طور پر جو عذر ان لوگوں نے پیش کیا تھا اس کا ذکر فرما کر خود ان کے قول سے ان کا کافر ہونا ثابت کرتے ہیں:۔

منافقوں کا عذر

ولئن سالتھم لیقولن انما کنانخوض ونلعب (پارہ ۱۰ توبہ ع:۸ آیت ۶۵)

اور بخدا اگر تم ان سے دریافت کروگے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے

جواب عذر

قل اباللہ وآیتہ ورسولہ کنتم تستھزؤنo لاتعتذروا قدکفرتم بعد ایمانکم (پارہ ۱۰ توبہ ع:۸)

کیا تم اللہ کے اور اس کی آیات کے اور اس کے رسول کے ساتھ استہزا (اور ہنسی مذاق) کر رہے تھے؟ کوئی معذرت مت کرو بیشک تم ایمان کے بعد کافر ہو چکے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء (مذاق اڑانا) جس کا تم خود اعتراف کرتے ہو یہ استہزاء تو بجائے خود کفر ہے لہٰذا تم نے خود اپنی زبان سے اپنے کافر ہونے کا اقرار کر لیا۔

یہ کفریہ اقوال وافعال غزوہ تبوک کے شدید ترین اور دور دراز سفر کے دوران منافقین سے سرزد ہوئے تھے جو اس سے پہلے مسلمان سمجھے جاتے تھے مسلمانوں کے سے کام کرتے تھے اس لئے اس مقدس جہاد میں ساتھ تھے مگر ان کفریہ اقوال وافعال کی بناپر کافر اور جہنم کے مستحق قرار دیئے گئے۔

دیکھا آپ نے کتنی ذرا سی بات پر کافر اور جہنم رسید ہو گئے انہی آیات کی بنیاد پر علماء اہل سنت والجماعت نے استہزاء بآیات اللہ واستہزاء باحادیث الرسول کو موجب کفر قرار دیا ہے اور یہی تمام امت کا عقیدہ ہے۔

تنبیہ: ہم نے ان منافقین کے کفریہ اقوال وافعال کو قرآن کریم اور صحیح احادیث کی روشنی میں ذرا تفصیل سے اس لئے بیان کیا ہے کہ ہمارے زمانے کے غافل اور بے خبر مسلمان اس قسم کی باتوں اور کاموں سے اجتناب کریں اور احتیاط برتیں خصوصاً استہزاء بآیات اللہ اور استہزاء باحادیث الرسول کہ اس قسم کے اقوال وافعال کو ہنسی مذاق کہہ کر نظر انداز نہ کریں خصوصاً نام نہاد تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کو ان کی زبان تو بہت ہی بے لگام ہے انہیں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور ہنسی مذاق سے بھی ایک مسلمان کافر اور جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ (پناہ بخدا)

یاد رکھئے یہ احکام الٰہی قدیم زمانے کے منافقین کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں قرآن کریم کوئی داستان پارینہ اور تاریخ اقوام دیرینہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم تو رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے کتاب ہدایت اور مشعل نور ہے آج بھی جو شخص ان منافقین جیسے اقوال وافعال کا ارتکاب کرے گا کافر اور جہنم رسید ہو جائے گا۔

اس تمام تر تفصیل کے ساتھ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مختصر سی حدیث کی گہرائیوں اور وسعتوں کو سمجھئے اور سبحان اللہ کہئے۔

الجنة اقرب الی احدکم من شراك نعله والنار مثل ذلك

جنت اور جہنم دونوں ایک مسلمان سے بے حد قریب ہیں نہایت آسانی سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے چاہے جہنم میں گویا جنت یا جہنم کے علاوہ کوئی تیسری جگہ نہیں ہے اب جہاں چاہے اپنا ٹھکانا بنالے اس کے فعل و عمل پر موقوف ہے اسی کی ترجمانی شاعر مشرق علامہ اقبال نے ذیل کے شعر میں کی ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب

جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت حاصل کرنے کا ذریعہ

الثاني عشر : عن أبي فِراسٍ ربيعةَ بنِ كعبٍ الأسلميِّ خادمِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ومن أهلِ الصُّفَّةِ رضي الله عنه ، قَالَ : كُنْتُ أبيتُ مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فآتيهِ بوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ ، فقَالَ : " سَلْنِي " فقُلْتُ : اسْأَلُكَ مُرافَقَتَكَ في الجَنَّةِ . فَقَالَ : " أَوَ غَيرَ ذلِكَ " ؟ قُلْتُ : هُوَ ذَاكَ ، قَالَ : " فأعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بكَثْرَةِ السُّجُودِ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو فراس ربیعہ بن کعب اسلمی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہ میں سے ہیں فرماتے ہیں۔ میں رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بسر کیا کرتا تھا تو (جب آخر شب میں آپ بیدار ہوتے تو) میں روزانہ وضو کے لئے پانی اور دوسری ضروریات (استنجے کے لئے ڈھیلے وغیرہ) پیش کیا کرتا تھا (ایک دن) آپ نے (میری خدمت سے خوش ہو کر) فرمایا مجھ سے کچھ مانگو! تو میں نے عرض کیا میں تو جنت میں آپ کی رفاقت کی درخواست کرتا ہوں آپ نے فرمایا اس کے علاوہ؟ میں نے عرض کیا "بس یہی" آپ نے ارشاد فرمایا: تو تم اپنے اوپر کثرت سے نفل نمازیں پڑھنے کو لازم کر کے میری مدد کرو (تو میں) جنت میں بھی تم کو اپنے ساتھ رکھ سکوں گا۔ صحیح مسلم

تشریح: جلیل القدر صحابی حضرت ابو فراس اسلمی رضی اللہ عنہ کا یہ جذبہ محبت اور خدمت محبوب کا یہ شوق کہ دونوں جہان کی نعمتوں میں سے کسی بڑی سے بڑی نعمت کے بجائے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جنت میں طلب کرنا ایک ایسا بے نظیر اور لاثانی جذبہ محبت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ کے علاوہ اس کی مثال نہیں ملتی ظاہر ہے کہ حاصل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خدمت گزاری سے خوش ہو کر فرمایا تھا: اسلمی! مانگ جو مانگتا ہے؟ اس وقت اگر یہ دونوں جہاں' دنیا و آخرت کی بڑی سے بڑی نعمت بھی

مانگتے تو یقیناً وہ نعمت اللہ تعالیٰ ان کو دے دیتے مگر انہوں نے جنت میں اپنے محبوب کی رفاقت کی درخواست صرف اس لئے کی کہ دنیا میں تو بہر حال اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو آپ کی صحبت و رفاقت کی سعادت نصیب ہو گئی تھی مگر اندیشہ تھا کہ کہیں جنت میں آپ کے درجات عالیہ کی رفعت کی بنا پر اس نعمت سے محروم نہ ہو جاؤں اس لئے کہ ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی محرومی نہ تھی اس لئے جنت میں آپ کی رفاقت کی درخواست کی تاکہ وہاں بھی آپ کی خدمت و رفاقت کی سعادت اور دیدار محبوب کی نعمت نصیب ہو۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اس خیال سے کہ ممکن ہے انہوں نے بے سوچے سمجھے کہہ دیا ہو دوبارہ ارشاد فرمایا:

او غیر ذالك؟ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں؟ تو انہوں نے عرض کیا: ہو ذاک بس میرا مدعا تو یہی ہے۔

اس سوال و جواب سے تحقیق ہو گئی کہ ان کی واحد آرزو اور سب سے بڑی خواہش یہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں کہ محبّ ہمہ وقت محبوب کے ساتھ رہے۔ مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں اس رفاقت کی دعا کرنے سے پہلے ان کے اندر اس رفاقت کی اہلیت پیدا کرنے کی غرض سے فرمایا:

فاعنی بکثرت السجود: تو تم میری مدد کرو کثرت سے نفلیں پڑھنے کے ذریعہ۔

یعنی اس رفاقت کی دعا اور اس کی قبولیت کے بارے میں تم میری مدد کرو اور کثرت سے نفلیں پڑھا کرو تاکہ تم محبوب رب العالمین بن کر جنت میں میری رفاقت کی سعادت حاصل کر سکو کیونکہ جنت میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق وہی بن سکتا ہے جو خود بھی محبوب رب العالمین ہو اور اسی باب کی حدیث نمبر اول کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ محبوب رب العالمین کے مرتبے پر پہنچنے کا واحد ذریعہ کثرت سے نفلیں پڑھنا ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے **فعلیك بکثرت السجود۔** "اپنے اوپر کثرت سے نفلیں پڑھنا لازم کر لو" کے بجائے **فاعنی بکثرت السجود۔** "تو تم میری مدد کرو کثرت سے نفلیں پڑھ کر" فرما کر انتہائی شفقت و رأفت کا اظہار فرمایا ہے یعنی میں بھی دل سے چاہتا ہوں اور میری بھی خواہش ہے کہ تم جنت میں میرے رفیق ہو مگر اس کے لئے تمہارا محبوب رب العالمین کے مرتبہ پر پہنچنا ضروری ہے اس لئے تم بکثرت نفلیں پڑھ کر میری مدد کرو اور میری خواہش کو پورا کرو سبحان اللہ۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر دعا ہر شخص کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ جس شخص میں جس چیز کی اہلیت ہو اس کی دعا اس کے لئے کی جاتی ہے اگر کسی شخص کے لئے کوئی ایسی دعا کرنی ہو جس کی اہلیت اس میں نہیں ہے تو پہلے اس شخص میں اس دعا کی اہلیت پیدا کرنے کی تدبیر کی جائے پھر دعا کی جائے مثلاً کوئی گھسیارا کہے کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ میں اس ملک کا حکمران بن جاؤں یا جاہل محض کہے کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ میں عالم متبحر بن جاؤں اور آپ چاہیں بھی کہ ایسا ہو جائے تو پہلے اس شخص میں حکمران یا عالم بننے کی اہلیت و استعداد پیدا کرنے کی تدبیر کیجئے پھر دعا کیجئے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ولاتتمنوامافضل الله به بعضکم علی بعض:للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنسآءِ نصیب مما اکتسبن (پارہ۵سورۃ نساءع:۵آیت ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے جوتم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت (فوقیت) دی ہے اس کی تمنامت کیا کرو مرد (جس کے اہل ہیں اور) جو کریں گے ان کیلئے اس کا حصہ ہے عورتیں (جس کی اہل ہیں اور) جو کریں گی ان کیلئے اس کا حصہ ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں سے متعلق کاموں' (احکام وفرائض) کی اہلیت مردوں میں رکھی ہے اگر وہ ان کاموں احکام وفرائض کو انجام دیں گے تو اس کا اجروثواب اور جنت میں درجات عالیہ ان کو ملیں گے اور عورتوں سے متعلق کاموں 'احکام وفرائض کی اہلیت عورتوں میں رکھی ہے اگر وہ ان کاموں احکام وفرائض کو انجام دیں گے تو اس کا اجروثواب اور جنت میں درجات عالیہ ان کو ملیں گے گویا جنت میں درجات عالیہ حاصل کرنے کے لئے مردوں اور عورتوں کے راستے علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے جیسے مردوں کو عورتوں کے راستے اختیار کرنے کی تمنا نہیں کرنی چاہئے ایسے ہی عورتوں کو مردوں کے راستے اختیار کرنے کی تمنا نہیں کرنی چاہئے کہ یہ قانون فطرت اور نظام عادت کے خلاف ہے اور خالق کائنات کا یہ اعلان ہے۔

فطرت الله التی فطر الناس علیها: لاتبدیل لخلق الله' (پارہ نمبر۲۱سورۃ روم ع:۴آیت ۳۰)

(یہ) اللہ کی (پیدا کردہ) فطرت ہے جس پر لوگوں کو اس نے پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔

چنانچہ جہاں مردوں کو اللہ کے حکم کے مطابق عظیم اور پر مشقت کاموں کے انجام دینے کے بعد جنت ملتی ہے وہاں عورتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق چند آسان ترین کاموں کو انجام دینے سے ہی جنت مل جاتی ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت جب پانچ وقت کی نمازیں پڑھ لے ماہ رمضان کے روزے رکھ لے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس کو اختیار ہے کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ مشکوٰۃ ص ۲۸۱

اسی لئے احادیث میں کسی عادۃ محال چیز کی دعا کرنے کی ممانعت آئی ہے مثلاً کوئی بوڑھا سفید ریش دعا کرے اے اللہ تو مجھے جوان اور میرے بال جوانوں جیسے کردے اگرچہ یہ قدرت خداوندی کے پیش نظر محال نہیں ہے مگر قانون فطرت کے خلاف ہے۔

اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو فراس اسلمی کے درخواست کرنے پر اسی وقت ان کے لئے جنت کی رفاقت کی دعا نہیں فرمائی باوجودیکہ ان کے اس جذبہ کو دیکھ کر آپ بھی چاہتے تھے کہ ان کو یہ سعادت حاصل ہو جائے مگر درخواست کرنے کے وقت وہ اس کے اہل نہیں تھے اس لئے پہلے اس سعادت کو حاصل

کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کی تدبیر بتلائی اور از راہ شفقت اس مشقت کو اپنی مدد سے تعبیر فرمایا کہ یہ تمہاری ہی خواہش نہیں ہے بلکہ میں بھی چاہتا ہوں کہ تم کو یہ سعادت حاصل ہو جائے اس لئے تم اپنی نہیں میری خواہش کو پورا کرنے کے لئے میری مدد کرو اور یہ مشقت برداشت کرو۔

سبحان اللہ کس قدر آسان ہو گیا ان کے لئے رات دن نفلیں پڑھنا کہ یہ میں اپنے محبوب کی مدد کر رہا ہوں اپنی نہیں قربان جایئے اس رافت وشفقت پر فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم (میرے ماں باپ آپ پر قربان) مجاہدہ کے باب سے اس حدیث کا تعلق ظاہر ہے۔

کثرت سے سجدے کرنے یعنی نفل نمازیں ادا کرنے سے درجات کی بلندی

الثالث عشر : عن أبي عبد الله ، ويقال : أبُو عبد الرحمان ثوبان مولى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَقُولُ : " عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ ؛ فَإنَّكَ لَنْ تَسْجُدَ للهِ سَجْدَةً إلاَّ رَفَعَكَ اللهُ بِهَا دَرجَةً ، وَحَطَّ عَنكَ بِهَا خَطِيئَةً " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو عبد اللہ اور بقول بعض ابو عبد الرحمٰن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ نے فرمایا تم کثرت سے (نفلیں پڑھنے اور) سجدے کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لو اس لئے کہ تم جو سجدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کرو گے اللہ تعالیٰ ہر سجدے کے بدلے تمہارا ایک درجہ بلند فرمادیں گے اور ایک خطا معاف فرمائیں گے۔ صحیح مسلم

یعنی تم جتنی زیادہ نفلیں پڑھو گے اور ان میں جتنے زیادہ سجدے کرو گے اسی قدر اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند فرمائیں گے اور اسی قدر تمہاری خطائیں معاف فرمائیں گے۔

تشریح: اس باب کی سابقہ احادیث سے معلوم ہو چکا کہ کثرت سے نفلیں پڑھنا اللہ سے قرب حاصل کرنے اور محبوبیت کے مرتبہ پر پہنچنے کا یقینی ذریعہ ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان نفلوں میں طول قیام کی نسبت کثرت رکوع و سجود افضل ہے اور رفع درجات اور عفو خطایا کا موجب ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ نوافل جن کے بغرض تقرب الی اللہ پڑھنے کی ترغیب فرمائی ہے۔ ان میں نہ وقت کی قید ہے نہ تعداد کی ان میں کثرت رکوع و سجود ہی افضل ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں تصریح فرمائی ہے۔

اقرب مایکون العبدمن ربہ وھوساجد

عبدیت کا حقیقی مظاہرہ معبود کے سامنے سر بسجود ہو جانے میں ہی مضمر ہے۔

اور وہ قیام لیل جس کا حکم سورۃ مزمل کے اندر ذکر فرمایا ہے اس میں طول قیام اور زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن ہی افضل ہے اسی لئے ایک سال کی اس طویل ریاضت اور مجاہدہ کے بعد اس طویل قیام اور قرأت قرآن میں تخفیف فرمادی گئی جس کی تفصیل آپ اسی باب میں پڑھ چکے ہیں۔

بعض علماء دین کا نوافل میں کثرت سجود کی ترغیب سے مطلقاً کثرت رکوع و سجود کی افضلیت پر استدلال کرنا بے محل ہے۔ واللہ اعلم

بہترین انسان؟

الرابع عشر : عن أبي صَفوان عبد الله بن بُسْرِ الأسلمي رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " خَيرُ النَّاسِ مَنْ طَالَ عُمرُهُ ، وَحَسُنَ عَمَلُهُ " رواه الترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن ". " بُسْر " بضم الباء وبالسين المهملة .

ترجمہ: حضرت ابو صفوان عبداللہ بن بسر اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بہترین آدمی وہ ہے جس کی عمر دراز ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے)

بُسر۔ باء کے ضمہ اور سین مہملۃ کے ساتھ۔

تشریح: حدیث اپنے مفہوم اور مصداق کے اعتبار سے بالکل واضح ہے ظاہر ہے کہ حسن عمل اور نیکو کاری کی توفیق کے ساتھ ساتھ عمر دراز اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے انسان کو اپنی ذات کے لئے بھی وسیع سے وسیع تر جنت بنانے کا موقع میسر آتا ہے اور خدا کی مخلوق کے لئے بھی سایہ رحمت بنتا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

خیر الناس من ینفع الناس بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے

اس نفع رسانی کی مختلف اور متنوع صورتیں ہیں جو تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہیں یہی وہ ہستیاں ہوتی ہیں جن کی وفات پر زمین و آسمان بھی روتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر حسن عمل کی توفیق کے ساتھ عمر دراز نصیب نہ ہوئی تو خدا کی مخلوق بھی زیادہ عرصہ تک اس کی نیک ذات سے فائدہ نہ اٹھا سکی خود بھی آخرت کے لئے معتدبہ ذخیرہ مہیا کرنے سے قاصر رہا یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی نیک نیتی اور حسن عمل کی بنا پر اس کی مکافات فرمادیں۔

اور اگر خدانخواستہ عمر دراز تو ہوئی مگر حسن عمل کی توفیق سے محروم رہا تب تو زمین و آسمان بھی اس کی ایذاء رسانیوں اور مضرت رسانیوں سے تنگ ہوتے ہیں اور اس کی موت کی دعائیں مانگتے ہیں اور خلق خدا بھی اور خود اپنی ذات بھی اپنی بدکاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے تنگ آجاتی ہے اور زندگی وبال ہو جاتی ہے جتنی عمر دراز ہوتی ہے اسی

قدر جہنم کے گوناگوں عذابوں کا ذخیرہ تیار ہوتا رہتا ہے یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فما بکت علیهم السمآءُ والارض وما کانوا منظرین (س: الدخان آیت ۲۹)

پس ان (کی وفات پر) آسمان اور زمین نہیں روئے اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان عمر دراز کو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت سمجھے اور اس کو زیادہ سے زیادہ نیکوکاریوں اور عبادات وطاعات میں صرف کردے ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دے اسی کا نام مجاہدہ ہے۔

عام طور پر انسان بڑھاپے میں قویٰ اور اعضاء کے طبعی اور فطری انحطاط کی وجہ سے تنگ آکر موت کی دعائیں مانگنے لگتا ہے حالانکہ احادیث میں موت کی دعا مانگنے کی ممانعت آئی ہے بلکہ اس کی بجائے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ذیل دعا کی تعلیم دی ہے۔

اللهم احینی ماکانت الحیوة خیرالی وتوفنی اذاکانت الوفاة خیرالی واجعل الحیوة زیادة لی فی کل خیرواجعل الموت راحة لی من کل شر

اے اللہ تو مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لئے خیر وبرکت کا باعث ہو اور تو مجھے اٹھالے جبکہ وفات میرے لئے بہتر ہو اور زندگی کو میرے لئے ہر طرح کی خیر وبرکت میں زیادتی کا باعث بنا اور موت کو میرے لئے ہر قسم کے شر سے راحت پانے کا ذریعہ بنا۔

باقی پیرانہ سالی کے ضعف کی مکافات کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لقدخلقناالانسان فی احسن تقویم ثم رددنه اسفل سافلین

بخدا ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا پھر ہم نے پست درجہ میں لوٹادیا۔ (بوڑھا اور ناکارہ بنادیا)

الا الذین امنوا وعملوا الصلحت فلهم اجر غیرممنون (پارہ ۳۰ سورۃ التین)

بجز ان لوگوں کے جو (جوانی میں برابر نیک کام کرتے رہے) پس ان کے لئے (بڑھاپے میں بھی) اجر وثواب (جاری رہے گا) منقطع نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ حدیث میں اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر آئی ہے۔

ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے کی شاندار شہادت

الخامس عشر : عن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : غَابَ عَمِّي أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ رضي الله عنه عن قِتَال بدر ، فَقَالَ : يَا رسولَ الله ، غِبْتُ عَنْ أوّل قِتالٍ قَاتَلْتَ المُشْرِكِينَ ، لَئِن اللهُ أشْهَدَنِي قِتَالَ المُشركِينَ لَيُرِيَنَّ اللهُ مَا أَصْنَعُ . فَلَمَّا كَانَ يَومُ أُحُدٍ انْكَشَفَ المُسْلِمونَ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ أعْتَذِرُ إلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هؤُلاءِ يعني : أصْحَابهُ وأبْرأُ إلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هؤُلاءِ يَعني :

الْمُشركِينَ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاستَقْبَلهُ سَعدُ بْنُ مُعاذٍ ، فَقَالَ : يَا سعدَ بنَ معاذٍ ، الجَنَّةُ وربِّ الكعْبَةِ إنِّي أجدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ . قَالَ سعدٌ : فَمَا اسْتَطَعتُ يَا رسولَ الله مَا صَنَعَ ! قَالَ أنسٌ : فَوَجَدْنَا بِهِ بِضْعاً وَثمانِينَ ضَرْبَةً بالسَّيفِ ، أَوْ طَعْنَةً برمْحٍ ، أَوْ رَمْيَةً بسَهْمٍ ، ووَجَدْنَاهُ قَدْ قُتِلَ وَمَثَّلَ بِهِ الْمُشْرِكونَ فما عَرَفهُ أَحَدٌ إلاَّ أُخْتُهُ بِبَنَانِهِ . قَالَ أنس : كُنَّا نَرى أَوْ نَظُنُّ أن هذِهِ الآيَة نزلت فِيهِ وفي أشباهه : ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ ﴾ [الأحزاب : ٢٣] إلَى آخرِها . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

قوله : " لَيُرِيَنَّ اللهُ " روي بضم الياء وكسر الراء : أي لَيُظْهِرَنَّ اللهُ ذلِكَ للنَّاس ، ورُوِيَ بفتحهما ومعناه ظاهر ، والله أعلم .

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے چچا نضر بن انس رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکے تو انہوں نے (ازراہ تاسف) عرض کیا: یارسول اللہ! (مجھے افسوس ہے) آپ نے مشرکین سے جو پہلی جنگ لڑی میں اس میں شریک نہ ہوسکا بخدا (آئندہ) اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جنگ میں شرکت کا مجھے موقعہ دیا تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دکھلادیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں تو جب جنگ اُحد ہوئی (اور خلاف توقع) مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو نضر بن انس نے کہا اے اللہ جو ان مسلمانوں نے کیا (خلاف توقع پسپا ہوگئے) اس کے لئے میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں اور جو ان مشرکین نے آپ کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا اس سے میں بے تعلقی کا اظہار کرتا ہوں پھر (یہ کہہ کر) وہ آگے بڑھے تو سعد بن معاذان کے سامنے آگئے تو انہوں نے کہا: اے سعد بن معاذ رب کعبہ کی قسم یہ ہے جنت' میں تو اُحد کے آگے جنت کی خوشبوئیں سونگھ رہا ہوں (اس پر) سعد نے عرض کیا: جو نضر بن انس نے کر دکھایا میں تو یارسول اللہ نہیں کرسکا انسؓ کہتے ہیں چنانچہ (جنگ ختم ہونے کے بعد) ہم نے ان کے جسم پر اسی سے کچھ زیادہ تلواروں کے یا نیزوں کے یا تیروں کے زخم پائے اور ہم نے ان کو قتل کیا ہوا پایا (مشرکین نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے اور چہرہ مسخ کردیا تھا اس لئے) سوائے ان کی بہن کے اور کوئی ان کو شناخت بھی نہ کرسکا ان کی بہن نے بھی صرف انگلیوں کے پوروں سے پہچانا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے ہم یقین رکھتے یا گمان کیا کرتے تھے کہ یہ آیت کریمہ ذیل نضر بن انس کے اور انہی جیسے دوسرے غازی مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح مسلم

من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلاً (پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب ع: ۳ آیت ۲۳)

ایمان والوں میں (کہتے ہی) ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جس بات پر عہد کیا تھا (کہ ہم اللہ کی راہ میں جان دے دیں گے) اس کو سچا کر دکھایا پس ان میں سے بعض نے تو اپنی ذمہ داری پوری کردی (اور اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے) اور بعض انتظار میں ہیں (کہ کب موقعہ آئے اور ہم جان دیں) اور ان ایمان والوں نے (اپنے عہد میں) ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی۔

لیرین اللہ یاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ بھی مروی ہے، یعنی اسے اللہ لوگوں کے سامنے ظاہر فرمادے اور دونوں حروف کے فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے جس کے معنی ظاہر ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کا یہ جذبہ اور اس پر فوراً عمل سراسر مجاہدہ ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو مجاہدہ کے باب میں ذکر کرتے ہیں۔

ایک دولتمند کے مال کثیر کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو ریا کہنا اور ایک مزدور کے صدقہ کی تحقیر کرنا نفاق کی علامت ہے

السادس عشر : عن أبي مسعود عقبة بن عمرو الأنصاري البدري رضي الله عنه ، قَالَ : لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الصَّدَقَةِ كُنَّا نُحَامِلُ عَلَى ظُهُورِنَا ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بشَيءٍ كَثيرٍ ، فقالوا : مُراء ، وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَتَصَدَّقَ بصَاعٍ ، فقالُوا : إنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَاعِ هَذَا ! فَنَزَلَتْ : ﴿ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لا يَجِدُونَ إلاَّ جُهْدَهُمْ ﴾ [التوبة : ٧٩] . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ، هذا لفظ البخاري. وَ" نُحَامِلُ " بضم النون وبالحاء المهملة : أي يحمل أحدنا عَلَى ظهره بالأجرة ويتصدق بهَا .

ترجمہ: حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس زمانے میں آیت صدقہ نازل ہوئی ہے ہم لوگ عام طور پر بار برداری کی مزدوری کیا کرتے تھے تو (صدقہ کی آیت نازل ہونے کے بعد) ایک آدمی آیا اور اس نے بہت سامال صدقہ میں دیا تو اس پر منافقوں نے (ازراہ طنز) کہا ریاکار ہے (دکھلاوے کی خاطر اتنی فیاضی دکھا رہا ہے) دوسرا شخص ایک صاع (جو) لایا تو اس پر (ازراہ تمسخر) کہا اللہ تو اس کے صاع سے بے نیاز ہے (اسے اس کی ضرورت نہیں یہ بھی کیوں لایا) اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین فی الصدقات والذین لایجدون الا جھدھم فیسخرون منھم سخر اللہ منھم ولھم عذاب الیم (سورۃ توبہ رکوع ۱۶ آیت ۷۹)

وہ لوگ جو ایمان والوں میں سے دل کھول کر صدقہ کرنے والوں پر بھی طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان پر

بھی جن کو بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ٹھٹھہ کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے ٹھٹھہ کیا ہے اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ ونحامل۔ نون کے ضمہ کے ساتھ اور حاء مہملہ کے ساتھ یعنی ہم میں ایک شخص پشت پر بوجھ لاد کر مزدوری کرتا اور اس سے حاصل ہونیوالی اجرت کو صدقہ کرتا۔

تشریح: مذکورہ بالا حدیث مسلمانوں کے اس دور سے متعلق ہے جبکہ انصار عام طور پر انتہائی افلاس اور عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر اس کے باوجود ان کو اپنی آخرت کی فکر تھی صدقہ کی آیت نازل ہوتے ہی ہر شخص حسب مقدور صدقہ پیش کرتا تھا اور یہ طعن و تشنیع کرنے والے اور مذاق اُڑانے والے وہی منافقین تھے جن کے حسد و نفاق کا تفصیلی بیان اس سے پہلے اسی باب کی حدیث میں آچکا ہے اللہ تعالیٰ کا دنیا میں ان کو کچھ نہ کہنا اور آخرت میں ان کی منافقانہ حرکات پر دردناک عذاب کی خبر دینا جزاء بالمثل ہے اسی لئے مشاکلت و مشابہت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ کو سخریہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صدقہ سے زکوٰۃ مراد نہیں ہے اس لئے کہ زکوٰۃ تو ایسے مفلس و نادار لوگوں پر واجب ہی نہیں ہوتی بلکہ اس صدقہ سے نفلی صدقہ مراد ہے جس کی نہ کوئی مقدار مقرر ہے نہ جنس نہ ہی اس میں صاحب نصاب ہونا اور حولان حول (سال گزرنا) شرط ہے۔ بلکہ یہ وہ صدقات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اس تقرب کا وسیلہ بنتے ہیں جس کا حال آپ اسی باب کی حدیثوں میں پڑھ چکے ہیں اور جس کے متعلق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اتقوا النار ولو بشق تمرة (جہنم کی) آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ سے ہی ہو۔ بہر حال نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے ذریعہ امت کو توجہ دلاتے ہیں کہ ہر وہ مسلمان جسے آخرت کی فکر ہو اس کو چاہئے کہ خطاؤں اور گناہوں کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کی غرض سے دیگر کارہائے خیر کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ صدقہ خیرات بھی ضرور کرتا رہے۔

ہمارا حال

لیکن ہم یعنی آج کل کے عام مسلمان تو اس طرح دنیا کی اغراض و خواہشات میں مستغرق اور ڈوبے ہوئے ہیں کہ سر اٹھانے تک کی فرصت نہیں آخرت کی فکر تو کجا کبھی بھول کر بھی خیال تک نہیں آتا "وائے بر ما و بر حال ما" افسوس ہم پر اور ہمارے حال پر" ہمارا حال تو یہ ہے۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

رات کو جب نماز کی نیت باندھ کر (کھڑا ہوتا ہوں) تو (ساری نماز میں یہی سوچتا رہتا ہوں) کہ صبح میرے بچے کیا کھائیں گے؟ (اور کہاں سے آئے گا)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے خدا پرست لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے اور مذاق اڑانے والے منافق دشمنان دین وایمان لوگ ہوئے ہیں اور حدیث شریف اور آیت کریمہ ایسے ہی دشمنان دین وایمان منافقین کی خدا دشمنی سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کیلئے وارد اور نازل ہوئی ہیں اور یہ ایک بڑا مجاہدہ کہ ایسے مار آستین دشمنوں کے طعن و تشنیع اور استہزاء و تمسخر کے ڈنک سہنا اور صراط مستقیم پر قائم رہنا' آسان کام نہیں ہے۔

اسی بنا پر امام نووی اس حدیث کو باب مجاہدہ کے ذیل میں لائے ہیں۔

حدیث قدسی

رب العالمین جل جلالہ کا خطاب اپنے بندوں سے

اللہ تعالیٰ کا حقیقت افروز خطاب اپنے بندوں سے

السابع عشر : عن سعيد بن عبد العزيز ، عن ربيعة بن يزيد ، عن أبي إدريس الخولاني ، عن أبي ذر جندب بن جُنادة رضي الله عنه ، عن النبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فيما يروي ، عن اللهِ تَبَارَكَ وتعالى ، أنَّهُ قَالَ : " يَا عِبَادي ، إنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسي وَجَعَلْتُهُ بيْنَكم مُحَرَّماً فَلا تَظَالَمُوا . يَا عِبَادي ، كُلُّكُمْ ضَالّ إلاَّ مَنْ هَدَيْتُهُ فَاستهدُوني أهْدِكُمْ . يَا عِبَادي ، كُلُّكُمْ جَائِعٌ إلاَّ مَنْ أطْعَمْتُهُ فَاستَطعِمُوني أُطْعِمْكُمْ . يَا عِبَادي ، كُلُّكُمْ عَار إلاَّ مَنْ كَسَوْتُهُ فاسْتَكْسُوني أكْسُكُمْ . يَا عِبَادي ، إنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بالليلِ وَالنهار وَأَنا أغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً فَاسْتَغْفِرُوني أغْفِرْ لَكُمْ . يَا عِبَادي ، إنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغوا ضُرِّي فَتَضُرُّوني ، وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفعِي فَتَنْفَعُوني . يَا عِبَادي ، لَوْ أنَّ أوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أتْقَى قَلْبِ رَجُل وَاحِدٍ مِنكُمْ مَا زَادَ ذلِكَ في مُلكي شيئاً . يَا عِبَادي ، لَوْ أنَّ أوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أفْجَرِ قَلْبِ رَجُل وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا نَقصَ ذلِكَ من مُلكي شيئاً. يَا عِبَادي، لَوْ أنَّ أوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا في صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُوني فَأعْطَيتُ كُلَّ إنْسَان مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إلاَّ كما يَنْقصُ المِخْيَطُ إذَا أُدْخِلَ البَحْرَ . يَا عِبَادي ، إنَّمَا هِيَ أعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إيَّاهَا ، فَمَنْ وَجَدَ خَيراً فَلْيَحْمَدِ الله وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلا يَلُومَنَّ إلاَّ نَفْسَهُ " . قَالَ سعيد : كَانَ أَبُو إدريس إذَا حَدَّثَ بهذا الحديث جَثا عَلَى رُكبتيه . رواه مسلم. وروينا عن الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله ، قَالَ : لَيْسَ لأهل الشام حديث أشرف من هَذَا الحديث .

ترجمہ: سعید بن عبدالعزیز ' ربیعہ بن یزید سے اور ربیعہ ابو سعید خولانی سے اور ابو سعید ' ابو ذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

۱ .یاعبادی! انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرماً فلاتظالموا

اے میرے بندو! میں نے خود اپنے اوپر بھی ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی (ایک دوسرے

پر ظلم کرنے کو) حرام کیا ہے لہٰذا تم بھی ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔

۲. یاعبادی! کلکم ضآل الامن هدیته فاستهدونی اهدکم

اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص گم کردہ راہ ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں ہدایت دوں لہٰذا تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ضرور ہدایت دوں گا۔

۳. یاعبادی! کلکم عارالامن کسوته فاستکسونی اکسکم

اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص لباس کا محتاج ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں لباس پہناؤں گا پس تم مجھ ہی سے لباس طلب کرو میں تمہیں ضرور لباس پہناؤں گا۔

٤. یاعبادی! کلکم جائع الامن اطعمته فاستطعمونی اطعمکم

اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص بھوکا ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں کھانے کو دوں پس تم مجھ ہی سے کھانا طلب کرو میں تمہیں ضرور کھلاؤں گا۔

٥. یاعبادی انکم تخطئون باللیل والنهار وانا اغفر الذنوب جمیعاً فاستغفرونی اغفرلکم

اے میرے بندو! تم رات دن خطائیں اور گناہ کرتے رہتے ہو اور میں ہی تمام گناہ معاف کرتا ہوں لہٰذا تم مجھ سے گناہ معاف کراؤ میں تمہارے سب گناہ معاف کروں گا۔

٦. یاعبادی انکم لم تبلغوا ضری فتضرونی ولن تبلغوا نفعی فتنفعونی.

اے میرے بندو! نہ تم مجھے نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہو کہ نقصان پہنچا سکو اور نہ تم مجھے نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہو کہ نفع پہنچا سکو۔

۷. یاعبادی لوان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحدمنکم مازادذلك فی ملکی شیأً

۷۔ اے میرے بندو! اگر تم اگلے پچھلے اور جن وانس (سب کے سب) تم میں کے سب سے زیادہ عبادت گزار اور پرہیزگار آدمی کی طرح پرہیزگار بن جاؤ تو میری خدائی میں اس سے ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا۔

۸۔ یاعبادی! لوان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحدمنکم مانقص من ملکی شیأً

اے میرے بندو! اگر تم اگلے پچھلے اور جن وانس (سب کے سب) تم میں کے سب سے زیادہ بدکار آدمی کی طرح بدکار بن جاؤ تو اس سے ذرہ برابر میری خدائی میں کمی نہ آئے گی۔

۹. یاعبادی! لوان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعیدواحد فاسئلونی فاعطیت کل انسان مسئلته مانقص ذلك مماعندی الا کماینقص المخیط اذاادخل البحر.

اے میرے بندو! تمہارے اگلے اور پچھلے اور جن وانس (سب مل کر) کھلے میدان میں جمع ہو کر (بیک وقت) مجھ سے (اپنی اپنی حاجت کا) سوال کرو تو میں اسی وقت ہر ہر شخص کی حاجت پوری کر دوں گا اور اس سے جو خزانے میرے پاس ہیں ان میں کوئی کمی نہ آئے گی بجز اس سوئی کے جس کو سمندر میں ڈبو کر نکال لیا جائے تو اس سے سمندر کے پانی میں کچھ بھی کمی نہیں آتی (ایسے ہی تم میں سے ہر ایک سوال پورا کر دینے سے میرے خزانوں میں ذرا بھی کمی نہ آئے گی)

١٠. یاعبادی! انماھی اعمالکم احصیھالکم ثم اوفیکم ایاھافمن وجد خیرًا فلیحمدالله ومن وجدغیر ذلك فلایلومن الانفسه.

اے میرے بندو! (یہ جزاء وسزا) تو تمہارے (اچھے برے) اعمال ہی ہیں جن کو میں تمہارے لئے (اعمالناموں میں) جمع کرتا رہتا ہوں پھر قیامت کے دن تم کو وہی پورے کے پورے دے دوں گا تو جس کو جزائے خیر ملے اس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے (کہ اسی نے نیک کاموں کی توفیق دی) اور جو اس کے سوا پائے (یعنی جو اپنے اعمال بد کی سزا پائے) اس کو خود اپنے کو برا کہنا چاہئے (کہ نہ شیطان کے کہنے میں آکر برے کام کرتا نہ سزا بھگتا)

قال سعید: کان ابو ادریس اذا حدث بھذا الحدیث جثا علی رکبه (رواہ مسلم)

سعید (اس حدیث کے راوی) نے بیان کیا کہ ابو سعید خولانی جب اس حدیث کو روایت کرتے تو (غلاموں کی طرح) باادب دوزانو بیٹھ جایا کرتے۔ مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا فرماتے ہیں۔

وروینا عن الامام احمدبن حنبل رحمه الله قال: لیس لاھل الشام حدیث اشرف من ھذا الحدیث:

اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: اہل شام کی حدیثوں میں اس حدیث سے زیادہ شریف (شرف والی) کوئی حدیث نہیں ہے۔

تشریح: یہ حدیث قدسی خود آپ اپنی شرح ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی' بے پایاں اور لاثانی قدرت اور عظمت وجلال کا مظہر ہے تو دوسری طرف بندوں سے بے پایاں محبت وشفقت اور رحمت ورأفت اس خطاب سے مترشح ہے درحقیقت رب جلیل کے اس مشفقانہ خطاب اور ذرہ نوازی کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت ابوادریس خولانی کی طرح نیازی مند اور فرمانبردار غلاموں کی طرح باادب اور دوزانو بیٹھ کر سر تسلیم خم کریں اور اس حدیث کو بیان کریں یا پڑھیں اور سنیں نیز بہت اچھا "یا درست" فرمایا وغیرہ مناسب الفاظ میں اور تشکر آفرین انداز میں جواب دیں۔

علمی تحقیق

یہ حدیث قدسی ایک اہم علمی تحقیق کے لئے بھی روشن دلیل ہے وہ ایک مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ جزاعین عمل ہے یا عمل کے علاوہ ہے؟ محققین کے نزدیک بندوں کے تمام اچھے یا برے گوناگوں اعمال وافعال باقی

رہتے ہیں فنا نہیں ہوتے گو ہمیں نظر نہ آئیں اور یہی گوناگوں اعمال صالحہ اور حسنات آخرت میں گوناگوں نعیم جنت کی صورت اختیار کرلیں گے اور یہی اعمال سیہ (برے اعمال) آخرت میں گوناگوں عذاب جہنم کی شکل اختیار کرلیں گے اس مسئلہ کا عنوان ہے "تجسد اعمال"

اس تحقیق کے ثبوت میں اگرچہ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اور تصریحات موجود ہیں اس کے باوجود ظاہر پرست علماء عقلیت پرست یونانی فلسفہ سے متاثر لوگ (معتزلہ) اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور صریح آیات واحادیث میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس حقیقت کا اظہار ذیل کے شعر میں کہا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ہماری زندگی میں اس حقیقت کے اذعان ویقین کے فوائد

اگر آج مسلمان یقینی طور پر اس جزاوسزائے اعمال کی حقیقت کو باور کرلیں کہ جو چھوٹے بڑے گناہ، فسق وفجور، بدکاری وحرام خوری لوگوں پر ظلم وستم اور حق تلفیاں ہم شب وروز کرتے رہتے ہیں چاہے کتنے ہی خفیہ طور پر کریں کسی متنفس کو بھی پتہ نہ چلنے دیں ان کے ارتکاب کا کوئی ثبوت اثر ونشان وغیرہ بھی نہ چھوڑیں ان کی کوئی اذیت تکلیف یا عذاب بھی محسوس نہ ہو حتی کہ ہم بالکل پاک وصاف اور متقی وپرہیزگار نظر آئیں تب بھی یہ گناہ (جرائم) ہرگز فنا نہیں ہوتے مٹ نہیں جاتے بلکہ ہمارے وجود کے ساتھ باقی اور چمٹے رہتے ہیں صرف اتنا ہے کہ اس زندگی میں ہمیں محسوس نہیں ہوتے نہ ان کی اذیت وتکلیف یا کسی قسم کا عذاب ہی محسوس ہوتا ہے لیکن مرنے کے بعد آخرت میں یہی ہماری سیہ کاری، نافرمانیاں چھوٹے بڑے گناہ کفریہ وشرکیہ اعمال وافعال ظلم وجور جہنم کے ان ہولناک عذابوں کی شکل اختیار کرلیں گے جن کی خبر قرآن وحدیث میں دی گئی ہے الا یہ کہ ہم توبہ واستغفار اور مکفرات (وہ عبادتیں جو گناہ کا کفارہ بنتی ہیں) کے ذریعہ ان گناہوں کا ازالہ کرلیں اور دنیا میں ہی ان سے چھٹکارا حاصل کرلیں حقوق العباد ہوں تو ان کو ادا کریں یا معاف کرالیں ورنہ تو انہی سیاہ کاریوں حرام خوریوں حق تلفیوں اور فسق وفجور کفر وشرک کی آگ میں ہم ہمیشہ ہمیشہ جلتے اور تڑپتے رہیں گے اور جیسے زندگی بھر ہم نے ان گناہوں کو نہیں چھوڑا ایسے ہی آخرت میں یہ گناہ ہمیں نہیں چھوڑیں گے دنیا کی زندگی فانی تھی موت آنے پر ختم ہوگئی آخرت کی زندگی ابدی اور نہ ختم ہونے والی ہے وہاں موت نہ آئے گی اس لئے خود کردہ عذاب سے کبھی بھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔

اسی طرح ہمارے تمام اعمال صالحہ تمام عبادتیں اور طاعتیں غرض تمام نیکوکاریاں ہرگز فنا نہیں ہوتیں بلکہ باقی اور ہمارے ساتھ رہتی ہیں گو ہمیں اپنی اس زندگی میں نظر نہ آئیں نہ ان کی موجودگی کا کوئی اثر مسرت وفرحت لطف ولذت محسوس ہو بلکہ ہم تو اپنی جہالت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ناگوار حالات کے باوجود مسجد میں جاکر

نماز پڑھ لی سخت گرمی اور بھوک پیاس کی شدت کے باوجود روزے رکھ لئے مال کی فطری محبت کے باوجود سال پورا ہوتے ہی پورے مال کی زکوٰۃ نکال دی سفر کی دشواریوں کے باوجود حج وعمرہ کر لیا قصہ ختم ہوا ہمیں کیا ملا ہم تو ویسے کے ویسے رہے جیسے پہلے تھے لیکن یہ قطعاً جہالت' شیطان کا فریب اور مکار نفس کا دھوکا ہے در حقیقت وہ ہماری نمازیں جوں کی توں باقی اور ہمارے ساتھ ہیں وہ روزے بھی جو ہم نے رکھے ہیں موجود ہیں جو زکوٰۃ خیرات ہم نے نکالی وہ بھی کہیں نہیں گئی ہمارے ساتھ ہے حج وعمرہ بھی اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ موجود و بر قرار ہیں اسی طرح تمام عبادات وحسنات ہمارے ساتھ موجود ہیں صرف اتنا ہے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتیں نہ ان کے موجود ہونے کا ہم کوئی اثر محسوس کرتے ہیں لیکن مرنے کے بعد آخرت میں یہی عبادات وطاعات' اعمال صالحہ وحسنات ایسی حسین وجمیل صورت میں ہمارے سامنے آئیں گی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا نہ کسی کان نے سنا ہو گا نہ کسی بشر کے وہم وخیال میں آئی ہوں گی یہی وہ نعیم جنت ہیں جن کے حصول کی بشارت قرآن کریم اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم' نے دی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ہم اس ابدی عیش وعشرت اور دائمی لطف وسرور میں ان نشاط آفرین حسنات سے محظوظ اور لطف اندوز ہوتے رہیں گے اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس معجز خطاب میں فرمایا ہے۔

انما ھی اعمالکم احصیھا علیکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد خیرًا فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسہ.

یہ (جزاوسزا) تو تمہارے (اچھے برے) اعمال ہی ہیں جن کو میں تمہارے لئے (اعمال ناموں میں) جمع کرتا رہتا ہوں پھر قیامت کے دن وہی پورے کے پورے تمہیں دے دوں گا تو جس کو (جزا) خیر ملے اس کو چاہیئے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے (کہ اسی نے نیک کاموں کی توفیق دی) اور جو اس کے سوا پائے (یعنی جو اعمال بد کی سزا پائے) اس کو خود اپنے کو برا کہنا چاہیئے (کہ نہ شیطان کے کہنے میں آکر برے کام کرتا نہ سزا بھگتا)

اس زمانہ میں اس حقیقت کے یقین کا فائدہ

اگر مجازات اعمال کی اس حقیقت کا ہمیں یقین ہو جائے تو یقیناً ہماری سیاہ کاریوں حرام خوریوں اور اپنے بھائیوں کی حق تلفیوں اور چھوٹے بڑے گناہوں میں کافی حد تک کمی آجائے نیز ان کے جلد از جلد ازالے اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے توبہ واستغفار اور مکفرات کی اہمیت وضرورت کا شدت سے احساس اور فکر ہو جائے اسی لئے رب العالمین نے اس خطاب قدسی میں مجازات اعمال کی حقیقت بتلانے سے پہلے باہمی ظلم وجور اور حق تلفی سے منع فرمایا اور شب وروز توبہ واستغفار کرنے کی طرف توجہ دلائی اور توبہ کی قبولیت اور گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

ہم یہاں گلے از گلزارے "یعنی نمونہ کے طور پر قرآن کریم کی صرف دو آیتیں اور دو صحیح حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں جزا کے عین عمل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ یتیموں کا مال ظلماً کھانے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

۱۔ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلماً انمایاکلون فی بطونهم نارًا وسیصلون سعیراً
(سورۃ النساء آیت ۱۰)

جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں اس کے سوا نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ (کے انگارے) بھرتے ہیں اور عنقریب (یعنی مرنے کے بعد) وہ بھڑکتے ہوئے (آگ کے) شعلوں میں داخل ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں تصریح ہے کہ یتیموں کے مال کے چرب و شیریں لقمے درحقیقت آگ کے انگارے ہوتے ہیں جن سے وہ لوگ اپنا پیٹ بھرتے ہیں صرف اتنا ہے کہ اس زندگی مین ان کی سوزش اور جلن محسوس نہیں ہوتی مرنے کے بعد وہی انگارے اپنی پوری سوزش کے ساتھ بھڑکنے لگیں گے اور ان کی آگ میں ظلماً یتیموں کا مال کھانے والے جلیں گے اور جلتے رہیں گے۔ سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہے۔

۲۔ والذین یکنزون الذهب والفضة ولاینفقو نهافی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیمo یوم یحمی علیها فی نارجهنم فتکوی بهاجباههم وجنوبهم وظهورهم' هذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون (سورۃ التوبہ ع۵ آیت ۳۴'۳۵)

اور جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے (اور سینت سینت کر رکھتے ہیں) اور انکو اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے حکم کے مطابق) خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو جس دن ان سونے چاندی کے خزانوں کو آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور جب وہ چیخیں چلائیں گے تو) ان سے کہا جائے گا یہ تو وہی (سونا اور چاندی) ہے جس کے خزانے تم نے اپنے لئے جمع کئے تھے اب چکھو اپنے جمع کئے ہوئے خزانوں کا مزہ۔

یہ آیت کریمہ تو صریح دلیل ہے اس امر کی وہی سونے چاندی کے خزانے جن کے حاصل کرنے کے لئے دنیا میں دولت مندوں کے سامنے پیشانیاں رگڑی تھیں اور حاصل کرنے کے بعد محبوب کی طرح انہیں سینے سے لگا کر رکھا تھا اور اس میں سے ایک پائی بھی اللہ کی راہ میں اور اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنے میں تکلیف محسوس کرتے اور بخل کرتے تھے قیامت کے دن اسی حرص و طمع مال کی آگ میں انہیں سونے چاندی کی سلاخوں کو تپا کر انہی پیشانیوں کو ان سے داغا جائے گا جو مال حاصل کرنے کے لئے رگڑی تھیں اور انہی پہلوؤں پر ان سونے چاندی کی تپائی ہوئی سلاخوں سے داغ لگائے جائیں گے جن کو دنیا میں سینے سے لگا کر رکھا تھا معلوم ہوا مال جمع کرنے کی حرص و طمع دراصل ایک آگ ہے جس میں جمع کردہ سونے چاندی کی سلاخوں کو تپایا گیا تھا مگر دنیا میں نہ ان لوگوں کو اس آگ کا احساس تھا نہ ان تپی ہوئی سلاخوں کا مرنے کے بعد اس عذاب کا احساس ہوگا اور جب وہ تکلیف کی شدت سے چیخیں و چلائیں گے تو ان کی توبیخ و سرزنش کے طور پر عذاب دینے والے فرشتے کہیں گے اب

کیوں چلاتے ہو یہ وہی تمہارے محبوب خزانے تو ہیں جو تم نے اپنے لئے جمع کئے تھے دنیا میں تو تم انکا مزہ نہیں چکھ سکے اب آخرت میں ان کا مزہ چکھو معلوم ہوا کہ مال کی حرص و طمع اور اللہ کے حکم کے مطابق اس کو خرچ کرنے میں بخل خود ایک عذاب ہے مگر دنیا میں اس عذاب کی تکلیف کا احساس نہ تھا مرنے کے بعد ہو گا۔

اسی طرح پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم' ذیل کی حدیث میں خطاؤں کے انسان کے جسم میں داخل اور وضو کامل سے ان کے خارج ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' نے ارشاد فرمایا جب مومن بندہ وضو کرنے بیٹھتا ہے تو جب کلی کرتا ہے تو اس کے منہ (اور زبان) کی تمام خطائیں نکل جاتی ہیں اور جب ناک سنکتا ہے تو ناک کی (یعنی ناک کے ذریعہ کی ہوئی) خطائیں نکل جاتی ہیں اور جب چہرہ دھوتا ہے تو چہرہ کی خطائیں نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے بھی (یعنی نگاہوں کے ذریعہ کی ہوئی خطائیں بھی) پھر جب اپنے دونوں ہاتھ (کہنیوں تک) دھوتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے کی ہوئی خطائیں نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی' پھر جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر سے کی ہوئی خطائیں نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ کانوں سے کی ہوئی خطائیں بھی' پھر جب اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے ذریعے کی ہوئی خطائیں نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی اس کے بعد اس کا مسجد چل کر جانا اور نماز (باجماعت) پڑھنا اس کے لئے مزید ثواب کا موجب ہوتا ہے (امام مالک اور نسائی نے روایت کیا (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے بدن کے جن اعضاء سے خطاؤں کا ارتکاب کرتا ہے وہ خطائیں ان اعضاء میں غیر محسوس طور پر داخل اور پیوست ہو جاتی ہیں اور وہ اعضاء ان خطاؤں سے اسی طرح آلودہ ہو جاتے ہیں جیسے غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) نجاستوں سے گندے ہو جاتے ہیں اور جس طرح گندے اعضاء پانی سے دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں بدن گندگی سے پاک ہو جاتا ہے اسی طرح مسنون طریقے پر کامل وضو کرنے سے خطاؤں کی گندگی نکل کر دور ہو جاتی ہے اور انسان ظاہری نجاستوں کی طرح باطنی نجاستوں سے بھی پاک ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پاک و صاف ہو کر نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز مزید بر آں رفع درجات کا موجب ہوتی ہے خطاؤں کا خروج جس کی اس حدیث میں تصریح ہے تجسد اعمال کی بین دلیل ہے۔

۲۔ اسی طرح حدیث ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' نے خطاؤں کو آگ سے تعبیر فرمایا ہے جس میں انسان غیر محسوس طریق پر جلتا رہتا ہے اور صدقہ کو پانی سے تعبیر فرمایا ہے جو خطاؤں کی غیر محسوس اور نظر نہ آنے والی آگ کو بجھاتا ہے ارشاد ہے۔

الصدقة تطفیء الخطایا کما یطفیء الماء النار

صدقہ کرنا خطاؤں (کی آگ) کو اسی طرح بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے

اطفاء کا لفظ عربی زبان میں لگی ہوئی آگ بجھانے کے لئے مخصوص ہے اس لئے یہ حدیث بھی تجسد اعمال کی روشن دلیل ہے گویا خطائیں ایک غیر مرئی آگ ہیں جس میں ارتکاب کرنے والا جلتا ہے مگر جلنے کو محسوس نہیں کرتا اور صدقہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

لیکن اس جزاء وسزا کے عین اعمال ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آخرت میں جزاء وسزا صرف وہی اچھے برے اعمال ہوں گے جو بندوں نے دنیا میں کئے ہیں بلکہ نیکو کاروں اور پرہیزگاروں کو ان نیکیوں کے علاوہ بھی بطور انعام ایسی نعمتیں دی جائیں گی جو اس جہان میں انسان کے وہم وخیال سے بھی باہر اور تصور سے بھی بالاتر ہیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزآء بما کانوا یعملون** (السجدہ آیت ۱۷)

پس کوئی نہیں جانتا جو ایمان والوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (اور دلوں کی فرحت) چھپا رکھی ہے ان کے اعمال کے صلہ میں

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **لھم مایشاؤن فیھا ولدینا مزید** (سورۃ ق ع:۱۷ آیت ۳۵)

اور (جنت میں) ان ایمان والوں کو وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے (اور اس کے اہل ہوں گے) اور (خاص) ہمارے پاس تو اور بھی بہت کچھ ہے (جو ان کو ملے گا)

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مزید کا مصداق رویت الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ارشاد ہے۔ **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ** (سورۃ قیامہ ع ۱ آیت ۲۲،۲۳)

کچھ چہرے (اہل وایمان کے چہرے) اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

ظاہر ہے اہل ایمان کے لئے جنت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا جو احادیث کی تصریح کے مطابق روزانہ عصر کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز کے بعد اور ہفتہ وار جمعہ کے بعد ہوا کرے گا اور یہ بھی بالکل واضح ہے کہ یہ رویت بندوں کے کسی بھی عمل کی مثال صورت نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے۔

اس کے بالمقابل کفار ومشرکین کے لئے علاوہ کفر وشرک کے جہنم میں جلنے اور پھکنے کے سب سے بڑا عذاب اسی نعمت یعنی اپنے رب کے دیدار سے محرومی ہوگی چنانچہ ارشاد ہے:

کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون (سورۃ تطفیف ع آیت ۱۵)

ہرگز نہیں، بے شک وشبہ وہ (کفار ومشرکین) اپنے رب (کے دیدار) سے محجوب اور محروم ہوں گے۔

اسی خصوصی جزاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

جزآءً من ربك عطآءً حسابا (پارہ ۳۰ سورۃ النباء: ۲ آیت ۳۶)
یہ جزاء ہے تیرے رب کی طرف سے عطا ہے حساب کے مطابق۔
یعنی یہ جزا جس کا متقین کے متعلق ارشاد ہوا ہے یہ در حقیقت تیرے پروردگار کی ایک عطا یعنی انعام ہے حساب کے مطابق یعنی حسب مراتب گویا جیسے درجے کا تقویٰ ہوگا اسی کے مطابق یہ عطا ہوگی اعلیٰ درجہ کے متقین کے لئے عطاء بھی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔
اس کے برعکس سرکشوں یعنی کفار و مشرکین و منکرین کو جزاء وسزا کے لئے سب سے بڑا عذاب جہنم کا سالہاسال لامتناہی عذاب ہوگا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پہلی آیت میں فرمایا ہے۔
جزآءً وفاقاً (پارہ نمبر ۳۰ سورہ النباء ۱ آیت ۲) ایسی سزا جو (جرم کے) مطابق ہے۔
یعنی یہ سالہاسال لامتناہی عذاب ان کے جرم یعنی کفر و شرک اور انکار جزاء وسزا پر عمر بھر اصرار کے موافق و مطابق ہے اس لئے کہ جیسے ان مجرموں نے دنیا کی پوری زندگی کفر و شرک اور انکار حق اور اس پر اصرار میں گزاری اب آخرت کی پوری زندگی جہنم کے عذاب میں گزارنی ہوگی اس لحاظ سے سزا جرم کے مطابق ہے یہ دوسری بات ہے کہ دنیا کی زندگی چندروزہ تھی یا چند سالہ تھی ختم ہوگئی آخرت کی زندگی ابدی اور لامتناہی ہے ختم نہیں ہوسکتی۔
بہرحال تجسد اعمال اور جزاء وسزا کے عین عمل ہونے کا عقیدہ اس زمانہ کے گوناگوں گناہوں اور نافرمانیوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح اور بہبودی کے لئے نہایت مؤثر اور تریاق کی طرح کارگر ہے۔ واللہ اعلم وباللہ التوفیق

بارہواں باب
باب الحث علی الازدیاد من الخیر فی اواخر العمر
عمر کے آخری حصوں میں زیادہ سے زیادہ کارہائے خیر کرنے کی ترغیب کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اولم نعمرکم مایتذکر فیه من تذکر وجآء کم النذیر (س فاطر آیت ۳۷)

قال ابن عباس والمحققون معناه اولم نعمرکم ستین سنة ویؤیده الحدیث الذی سنذکره ان شاء الله تعالیٰ وقیل: معناه ثمانی عشرة سنة وقیل: اربیعن سنة قاله الحسن والکلبی ومسروق ونقل عن ابن عباس ایضاء ونقلوا ان اهل المدینة کانوا اذا بلغ احدهم اربعین سنة تفرغ للعبادة وقیل: هو البلوغ وقوله تعالیٰ: وجآئکم النذیر" قال ابن عباس والجمهور: هو النبی صلی الله علیه وسلم وقیل: الشیب قاله عکرمة وابن عیینة وغیرهما. والله اعلم

ترجمہ۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی جس میں وہ شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور خبردار کرنے والا بھی تمہارے پاس آچکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور محققین کہتے ہیں کہ معنی ہیں کہ کیا ہم نے تمہیں ساٹھ سال کی عمر نہیں دی اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ان شاء اللہ ہم عنقریب ذکر کریں گے اور کسی نے کہا کہ اٹھارہ سال اور ایک قول ہے کہ چالیس سال مراد ہیں، یہ قول حسن کلبی اور مسروق کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، یہ بھی منقول ہے کہ اہل مدینہ میں سے کسی کی عمر چالیس برس ہو جاتی تو وہ اپنے آپ کو عبادت کے لئے فارغ کر لیتا اور کسی نے کہا کہ بلوغ کی عمر مراد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، کسی نے کہا کہ بڑھاپا نذیر ہے یہ عکرمہ اور ابن عیینہ کی رائے ہے۔

تفسیر۔ آیت کریمہ کی تفسیر اور اس عمر کی تعیین کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ چار اقوال نقل کرتے ہیں۔

ا۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دوسرے محققین کے قول کے مطابق اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کیا ہم نے تمہیں ساٹھ سال کی عمر نہیں دی؟ اس قول کی تائید صحیح بخاری کی وہ پہلی حدیث بھی کرتی ہے جو ہم نے اسی باب کے ذیل میں نقل کی ہے۔

۲۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ عمر اٹھارہ سال ہے۔
۳۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ عمر چالیس سال ہے حسن کلبی اور مسروق سے بھی یہی قول منقول ہے اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے اور اسی کی تائید میں اہل مدینہ کا تعامل نقل کیا ہے کہ جب ان میں سے کسی کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی تو وہ (دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ دیتا اور شب و روز) عبادت میں مشغول ہو جاتا۔
۴۔ اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ بلوغ کی مدت ہے (یعنی جب انسان بالغ ہو جائے خواہ پندرہ برس کی عمر میں خواہ اٹھارہ سال کی عمر میں)

اور اللہ تعالیٰ کے قول وقد جآء کم النذیر (اور خبر دار کرنے والا بھی تمہارے پاس آچکا) کا مصداق حضرت عبداللہ بن عباس اور عام مفسرین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور (حضرت ابن عباس کے شاگرد) حضرت عکرمہ اور ابن عیینہؒ وغیرہ کے نزدیک اس کا مصداق بڑھاپا ہے۔ واللہ اعلم

ان اقوال و آراء کا تجزیہ

دوسرا اور چوتھا قول اس پر مبنی ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے انسان مکلف ہوتا ہی نہیں لہٰذا ایک نابالغ بچے یا لڑکے کو نصیحت نہ حاصل کرنے اور خبر دار کرنے والے کی بات نہ سننے اور نہ ماننے پر سرزنش کیسے کی جاسکتی ہے نہ یہ عقل کا تقاضا ہے نہ شریعت کا حکم ہے۔

تیسرا قول اہل مدینہ کے تعامل پر مبنی ہے ان کا یہ تعامل عہد نبوت یا قرب عہد نبوت کے فیوض و برکات پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ آیت کریمہ میں مخاطب صرف اہل مدینہ یا صرف اس امت کے کفار ہی نہیں ہیں بلکہ نوع انسانی کے تمام ہی کافروں کو یہ سرزنش کی جائے گی۔

مصنف رحمہ اللہ کے انداز بیان سے نیز بخاری شریف کی آنے والی حدیث سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بیہقی کی کتاب شعب الایمان میں اس سے زیادہ تفصیل سے آئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قیامت کے دن ایک منادی کرنے والا آواز دے گا ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں؟ (سامنے آئیں) اور یہی ساٹھ سال وہ عمر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی جس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور خبر دار کرنے والا بھی تمہارے پاس آچکا ہے۔

علاوہ ازیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں اپنی امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان بتلائی ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں بہت کم لوگ ہوں گے جو ستر سے تجاوز کریں گیا (مشکوٰۃ)

مزید تشریح

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ یہ سرزنش مکلف اور بالغ لوگوں کو ہی فرمائیں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بالغ ہوتے ہی انسان طبعاً اور فطرتاً دنیوی امور میں منہمک اور مستغرق ہو جاتا ہے ایک طرف تمام فطری اور خلقی جذبات وخواہشات شباب پر ہوتی ہیں ان کے تقاضے عقل وخرد سے بیگانہ بنادیتے ہیں دوسری طرف معاشی ذمہ داریاں بھی اس پر عائد ہو جاتی ہیں بیوی بچوں کے تقاضے بالکل ہی اندھا بنادیتے ہیں اس لئے اوائل شباب اور چڑھتی جوانی کے زمانہ میں وہ آخرت سے غافل اور دنیا میں منہمک اور مستغرق ہو جانے میں فی الجملہ معذور ہے لیکن تیس سال کی عمر کے بعد ایک طرف چڑھتی جوانی کے جذبات وخواہشات میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے دوسری طرف اس دس سالہ معاشی اشتغال اور کاروباری تجربات کی وجہ سے نفع نقصان اور خیر وشر کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے ہر کام کے عواقب ونتائج پر نظر رکھنے اور غور وفکر کرنے کی عادت ہو جاتی ہے اور چالیس سال کے بعد تو زندگی میں ہر پہلو سے اعتدال اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اولاد بڑی حد تک کاروبار کو سنبھالنے کے قابل ہو جاتی ہے دنیا کی بے ثباتی عیاں ہو جاتی ہے اور اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کا شعور بیدار ہو جاتا ہے (تعامل انصار اسی پر مبنی تھا وہ چونکہ ایمان باللہ اور آخرت پر یقین رکھتے تھے عہد نبوت کے انوار سے ان کے قلوب منور تھے اسی لئے وہ چالیس سال کی عمر کے بعد اپنے آپ کو دنیوی کاروبار سے آزاد اور آخرت کے لئے فارغ کر لیا کرتے تھے) اور ساٹھ سال کے بعد تو جسمانی اعضا اور قویٰ میں نمایاں انحطاط شروع ہو جاتا ہے اور ستر سال کی عمر میں تو ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء بالکل ہی جواب دینے لگتے ہیں عقل وخرد اور بینائی وشنوائی وغیرہ وجسمانی قوتیں انسانی عزائم کے ساتھ دینے سے انکار کر دیتی ہیں اور انسان ہار مان لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اعتراف کر لیتا ہے کہ میں بوڑھا اور ناکارہ ہو گیا اس عمر میں پوری طرح موت اور مابعد الموت کی فکر اس پر سوار ہو جاتی ہے۔

یہ عام طور پر اس امت مرحومہ کے افراد کی دنیاوی زندگی کے ارتقاء وانحطاط کا عمومی معیار ہے شاذ ونادر ہی اس امت کے افراد اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جیسا کہ اس امت مرحومہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ اقلھم یجوز ذالك (اور بہت کم لوگ ہونگے جو اس عمر سے تجاوز کریں گے) سے ظاہر ہے۔

باقی یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اور سرزنش صرف اس امت کے کفار کو ہی نہ ہو گی بلکہ نوع انسانی کے تمام کفار اس کے مخاطب ہوں گے اور امم سابقہ کی عمریں اس امت کی بنسبت بہت زیادہ دراز ہوئی ہیں ان کی زندگی کا ارتقاء وانحطاط بھی اس امت سے مختلف ہو گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مدت عمر کو مبہم کہا صرف اتنا فرمایا کہ تمہیں اتنی عمر ضرور دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اس کے باوجود تمہاری آنکھیں نہ کھلیں اور اپنے خالق ومالک رب العالمین کو نہ پہنچانا اور آخرت کی فکر نہ کی۔

اس لحاظ سے نذیر کا مصداق بڑھاپا صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم

ساٹھ سال کی عمر پانے والے کے پاس کوتاہی کرنے کا کوئی عذر نہیں

وأما الأحاديث فالأول : عن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " أعْذَرَ الله إلَى امْرِئٍ أخَّرَ أجَلَهُ حَتَّى بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً " رواه البخاري . قَالَ العلماء : معناه لَمْ يَتْرُكْ لَهُ عُذراً إذْ أمْهَلَهُ هذِهِ المُدَّةَ . يقال : أعْذَرَ الرجُلُ إذَا بَلَغَ الغايَةَ في العُذْرِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے کسی عذر کی گنجائش نہیں چھوڑی جس کی عمر دراز کی یہاں تک کہ ساٹھ سال کو پہنچ گیا (اور پھر بھی اسے خدا یاد نہ آیا اور آخرت کی کوئی فکر نہ کی) صحیح بخاری

امام نووی فرماتے ہیں کہ علماء نے کہا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے (ایمان نہ لانے کا) کوئی عذر نہیں چھوڑا جس کو اتنی مدت تک مہلت دی عربی زبان میں کہا جاتا ہے اعذر الرجل جبکہ کوئی شخص عذر کے بارے میں انتہا کو پہنچ جائے صحیح بخاری

تشریح: اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ شر اور خیر دونوں کے محرکات خلقتاً اس کی فطرت میں ودیعت فرما دیئے ارشاد ہے **فالهمها فجورها وتقونها** (بدکاری اور پرہیزگاری دونوں کے محرکات اس کے دل میں ڈال دیئے) دوسری طرف دنیاوی لذائذ میں مقناطیسی کشش اس قدر رکھی کہ انسان ان کی طرف کھچے بغیر نہیں رہ سکتا ارشاد ہے:

اناجعلنا ماعلى الارض زينة لها لنبلوهم ايهم احسن عملاً (س: الکہف آیت ۷)

ہم نے زمین پر جتنی چیزیں ہیں ان کو زمین کی زینت (اور پرکشش) بنایا تا کہ ان کو آزمائیں کہ ان میں کون عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔

ہر قدم پر خدا سے غافل اور گناہ پر آمادہ کرنے والی مرغوب اور لذیذ چیزیں پیدا فرما کر انسان کی دسترس میں دیدیں اور اس کے ساتھ انبیاء و رسل کے ذریعہ اپنے احکام بھیجے کہ دیکھو ان تمام دل آویز چیزوں کو ہمارے احکامات کی حدود میں رہ کر استعمال کرنا خبردار ان شرعی حدود سے قدم باہر نہ نکلے۔ بقول شاعر۔

اندرون قعر دریا تختہ بندم کردہ　　بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

بیچ دریا میں کھڑا کر دیا اور پھر حکم ہے کہ خبردار دامن تر نہ ہو (گناہ کا ارتکاب نہ ہو)

اس لئے بلوغ کے بعد جنسی جذبات کا اتنا زور اور نفسانی خواہشات کا ایسا طوفان برپا ہوتا ہے کہ اس طوفان میں بہہ کر اللہ تعالیٰ سے غافل اور آخرت سے بے پرواہ اور بے فکر ہو جانا کچھ بعید نہیں اس ہیجان میں کچھ کمی آتی ہے تو معاشی الجھنیں اور افکار علاوہ ازیں دنیاوی مصروفیتیں اس قدر گھیر لیتی ہیں کہ بقول شاعر۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

"رات کو جب نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو اس وقت یہی فکر سوار ہوتی ہے کہ صبح بچوں کے کھانے کو کہاں سے آئے گا"

اور یہ افکار پریشان نہ صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھلا دیتے ہیں بلکہ احکام الٰہیہ کو بھی پس پشت ڈال دینے پر مجبور کر دیتے ہیں اور حرام و حلال کا امتیاز بھی ختم ہو جاتا ہے۔

زندگی کے یہ دونوں بحرانی دور گزر جانے کے بعد ایک طرف زندگی میں کچھ ٹھہراؤ سکون واعتدال پیدا ہوتا ہے دوسری طرف سفید بال تازیانہ عبرت بن کر ہر وقت موت اور مابعد الموت کو یاد دلاتے رہتے ہیں اس وقت یہ فکر ضرور لاحق ہوتی ہے کہ آخرت کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے کس منہ سے جاؤں گا۔

لیکن اگر اس عمر کے بعد بھی درازی عمر اور حرص مال وزر میں پڑ کر خدا یاد نہ آیا اور آخرت کی فکر نہ ہوئی تو یقیناً اس شخص کے پاس خدا ناشناسی اور آخرت فراموشی کا کوئی عذر نہ رہا ایسے لوگوں کو ہی اس توبیخ وسرزنش اور عتاب وعذاب کا نشانہ بننا پڑے گا۔

باقی وہ خدا ترس لوگ جنہوں نے زندگی کے ہر دور میں پھونک پھونک کر قدم رکھا اور احکام الٰہیہ کی حدود سے حتی الامکان قدم باہر نہ رکھا اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت کوئی بے اعتدالی ہو گئی اور گناہ سرزد ہو گیا تو فوراً توبہ واستغفار کے ذریعہ اس کی تلافی کر لی وہ تو

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملئکۃ ان لاتخافوا ولاتحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیآءُ کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ماتشتہی انفسکم ولکم فیہا ماتدعون نزلا من غفور رحیمO س: (حم السجدۃ آیت ۳۰ تا ۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے (اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں) پھر (مرتے دم تک اس پر) ثابت قدم رہے ہیں ان کے پاس (مرتے وقت) فرشتے آتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ نہ تم کسی چیز کا خوف کرو اور نہ غم کرو اور تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (اور) ہم تمہارے دنیا کی زندگی میں بھی مددگار رہے اور آخرت میں بھی (تمہارے مددگار رہیں گے) اور اس جنت میں تمہارے لئے ہر وہ چیز مہیا ہو گی جس کو تمہارے دل چاہیں گے اور جو تم مانگو گے یہ (خاطر مدارات) تمہارے مغفرت کرنے والے مہربان رب کی طرف سے (تمہاری) مخصوص مہمانی ہے۔

یہی اصحاب استقامت اس بشارت عظمیٰ اور خداوندی مہمان نوازی کے مستحق ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ضرور پورا ہوگا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو بھی اس دوسرے اہل ایمان کے گروہ میں شامل فرمالیں اور ہمیں ساری زندگی خوف خدا اور فکر آخرت میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں ذیل کی مسنون دعا یاد کر لیجئے اور ہمیشہ مانگا کیجئے۔

اللهم اجعلني اخشاك كاني اراك ابداًحتى القاك واسعدني بتقوى ك ولا تشقني بمعصيتك.

اے اللہ تو مجھے ایسا (خدا پرست) بنادے کہ گویا میں تجھے ہر وقت دیکھ رہا ہوں یہاں تک کہ (مرنے کے بعد) تجھ سے جاملوں اور مجھے اپنی تقویٰ (خوف) سے خوش نصیب بنادے (کہ کوئی گناہ اور نافرمانی نہ کروں) اور مجھے اپنی نافرمانیوں (کے ارتکاب) سے بدبخت نہ بنائیو (کہ نافرمانیوں اور گناہوں کی سزامیں گرفتار ہو کر جہنم میں جاؤں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مردم شماری اور عزت افزائی

الثاني : عن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : كَانَ عمر رضي الله عنه يُدْخِلُنِي مَعَ أشْيَاخِ بَدر فكأنَّ بَعْضَهُمْ وَجَدَ في نفسِهِ ، فَقَالَ : لِمَ يَدْخُلُ هَذَا معنا ولَنَا أبْنَاءٌ مِثلُهُ ؟! فَقَالَ عُمَرُ : إنَّهُ منْ حَيثُ عَلِمْتُمْ ! فَدعانِي ذاتَ يَومٍ فَأدْخَلَنِي مَعَهُمْ فما رَأيتُ أنَّهُ دعاني يَومَئذٍ إلاَّ لِيُريَهُمْ ، قَالَ : مَا تقُولُونَ في قول الله : ﴿ إذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ﴾ ؟ [الفتح : ١] فَقَالَ بعضهم : أُمِرْنَا نَحْمَدُ اللهَ وَنَسْتَغْفِرُهُ إذَا نَصرنَا وَفتحَ عَلَيْنَا ، وَسَكتَ بَعْضُهُمْ فَلَمْ يَقُلْ شَيئاً . فَقَالَ لي : أكَذلِكَ تقُول يَا ابنَ عباسٍ ؟ فقلت : لا. قَالَ : فما تقول ؟ قُلْتُ : هُوَ أجَلُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أعلَمَهُ لَهُ، قَالَ : ﴿ إذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ﴾ وذلك علامةُ أجَلِكَ ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إنَّهُ كَانَ تَوَّاباً ﴾ فَقَالَ عمر رَضي الله عنه : مَا أعلم مِنْهَا إلاَّ مَا تقول . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ کا معمول تھا کہ وہ (اپنی مجلس مشاورت میں) مجھے سن رسیدہ (اور معمر) شرکاء بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے تو گویا ان میں سے بعض حضرات کو میری شرکت ان کے ہمراہ ناگوار محسوس ہوئی اور انہوں نے کہا اس نوعمر لڑکے کو ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں؟ حالانکہ ہمارے تو بیٹے اس کے ہم عمر ہیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا یہ نوعمر لڑکا علم و فہم کے اعتبار سے اس مقام پر ہے جسے تم بھی جانتے ہو (اسی لئے میں اس کو اپنی مجلس مشاورت میں شریک کرتا ہوں) چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ نے مجھے (مجلس شوریٰ میں) بلایا اور ان کے ساتھ بٹھایا۔ مجھے یقین ہے کہ اس روز حضرت عمرؓ نے ان کو مشاہدہ کرانے کے لئے بلایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر دریافت کی اذاجاء نصراللہ والفتح (آخر تک)

تو ان میں سے بعض حضرات نے کہا: اس سورۃ میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد کی جائے اور فتح حاصل ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں اور باقی لوگ خاموش رہے اور کچھ نہیں کہا تو اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کیا تم بھی یہی کہتے ہو آئے ابن عباس؟ میں نے کہا نہیں تو فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد (ظہور میں) آجائے اور (مکہ) فتح ہو جائے تو یہ تمہاری وفات کی علامت ہے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو شکر ادا کرو مغفرت طلب کرو بلاشبہ وہ بڑا ہی مہربان ہے حضرت عمرؓ نے کہا میں بھی یہی سمجھتا ہوں جو تم نے بیان کیا (کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی علامت بتلائی گئی ہے) بخاری شریف

تشریح: اس حدیث سے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مردم شناسی اور علم دوستی کا پتہ چلتا ہے وہیں انہوں نے شرکاء بدر کے سن رسیدہ اور معمر صحابہ پر اس امر کو بھی عملی طور پر ثابت کر دیا کہ عظمت واحترام علم وفضل کا ہونا چاہیئے نہ کہ سن وسال کا یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (س: الحجرات' آیت ۱۳)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت واحترام کا مستحق وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور ظاہر ہے کہ علم کے بغیر تقویٰ کا حصول تو کیا تصور بھی محال ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

انا اتقاکم واعلمکم باللہ میں تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں۔

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ مشورہ کے وقت سن رسیدہ اور قدیم الاسلام صحابہ کے ساتھ حبر امت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو شریک کیا کرتے تھے اور عام طور پر پیچیدہ اور دشوار امور ان سے دریافت کیا کرتے تھے۔

باقی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جو اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں وہ صرف اس جزو سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے بتلا دیا تھا کہ اس لئے کہ سورۃ النصر مکی سورتوں میں سے ہے کہ اگرچہ اس وقت کفار خصوصاً قریش کا غلبہ ہے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ بھی قریش کی ایذار سانیوں کا نشانہ بن رہے ہیں مگر عنقریب اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی اور مکہ فتح ہو جائے گا اور اس کے بعد تم دیکھنا لوگ ایک ایک دو دو نہیں بلکہ فوج در فوج اور جوق در جوق اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوں گے اور اس وقت تمہارا کام جس کے لئے تمہیں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے پورا ہو جائے گا لہٰذا جس وقت تم اس علامت کو دیکھو اور یہ تمہاری عمر کا آخری حصہ ہو گا تو ہمارے پاس آنے کی تیاری میں یعنی تسبیح وتحمید اور توبہ واستغفار میں مشغول ہو جانا کہ ہمیں تمہارا اسی شان سے آنا پسند ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

وفات سے چند روز پہلے ایک دن منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور اس میں بیان فرمایا ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اس کو اللہ تعالیٰ دنیا کی زینت و آرائش اور عیش و عشرت کے سامان عطا کر دیں اور وہ دنیا میں رہے اور چاہے تو دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس آجائے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس نعمتیں ہیں ان کو اختیار کرے اور اس بندے نے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا ہے یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ہمیں چھوڑ کر نہ جایئے صحابہ کو ان کی اس گریہ وزاری پر بڑا تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک بندے کو اختیار دینے اور اس کے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کر لینے کا ذکر فرمایا ہے یہ کیوں رو رہے ہیں؟ صحابہ کہتے ہیں چند روز بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ بندہ جسے اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور ابو بکرؓ ہم سب سے بڑے عالم تھے (کہ وہ اس لطیف اشارے کو سمجھ گئے) کہ یہ آپ کی وفات کی خبر دی جا رہی ہے اور اسی لئے ان آخری ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار کرتے رہتے تھے۔

بہر صورت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اواخر عمر میں تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار کو ہی تجویز فرمایا ہے لہٰذا امت کے ہر فرد کا خصوصاً اس گناہ و معصیت کے عروج کے زمانہ میں ہمارا مشغلہ بھی یہی ہونا چاہئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ۔

سبحنك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك

پاک ہے تو اے اللہ (اس سے کہ بغیر جرم کے کسی کو سزا دے) اور میں تیری ہی حمد و ثنا کرتا ہوں اور تجھی سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف ہی لوٹتا ہوں یعنی توبہ کرتا ہوں۔

کا ورد رکھیں اور یہی کہتے ہوئے احکم الحاکمین کے حضور میں پیش ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی اعلان کر دیا تھا کہ تمہارے کردہ وناکردہ تمام گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں جب ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اواخر عمر میں یعنی ساٹھ سال کے بعد یہ مشغلہ تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار تجویز فرماتے ہیں تو ہم تو سر تا پا خطا کار و گنہگار ہیں۔ ہمیں تو نہ صرف اواخر عمر میں بلکہ ہر حصہ عمر میں یہ مشغلہ ضرور اختیار کرنا چاہئے یہی ترجمۃ الباب۔ عنوان باب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری ایام میں سفر آخرت کی تیاری

الثالث : عن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : مَا صلّى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صلاةً بَعْدَ أَنْ نَزَلتْ عَلَيهِ : ﴿ إذَا جاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ﴾ إلاَّ يقول فِيهَا : " سُبحَانَكَ رَبَّنَا وَبحَمْدِكَ ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

وفي رواية في الصحيحين عنها : كَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أنْ يقُولَ في ركُوعِه

وسُجُودِهِ: " سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمدِكَ ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي "، يَتَأَوَّلُ القُرآنَ . معنى : " يَتَأَوَّلُ القُرآنَ "أي يعمل ما أُمِرَ بهِ في القرآن في قوله تعَالَى: ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ﴾ .

وفي رواية لمسلم : كَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكثِرُ أنْ يَقُولَ قَبلَ أنْ يَمُوتَ : " سُبحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمدِكَ أَستَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ " . قَالَتْ عائشة : قُلْتُ : يَا رَسُول الله ، مَا هذِهِ الكَلِماتُ الَّتِي أَرَاكَ أَحْدَثْتَها تَقُولُها ؟ قَالَ : " جُعِلَتْ لِي عَلامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُها قُلتُها ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ﴾ الخ إِلَى آخِرِ السورة " .

وفي رواية لَهُ : كَانَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكثِرُ مِنْ قَول : " سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمدِهِ أَسْتَغفِرُ اللهَ وأَتُوبُ إِلَيْهِ " . قَالَتْ : قُلْتُ : يَا رسولَ اللهِ ، أَرَاكَ تُكثِرُ مِنْ قَول سُبحَانَ اللهِ وَبِحَمدِهِ أَستَغْفِرُ اللهَ وأَتُوبُ إِلَيْه ؟ فَقَالَ : " أخبَرَنِي رَبِّي أَنِّي سَأَرَى عَلامَةً فِي أُمَّتِي فَإِذا رَأَيْتُها أَكْثَرتُ مِنْ قَول : سُبْحَانَ اللهِ وبِحَمدِهِ أَستَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْه فَقَدْ رَأَيْتُها: ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتحُ ﴾ فتح مكّة ، ﴿ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجاً ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً ﴾ " .

ترجمہ : یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے ہم ہر طریق کا ترجمہ نمبر وار لکھتے ہیں۔

۱۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں :**سورۃ النصر یعنی اذاجاء نصرالله والفتح** (آخر تک) کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس کے بعد یہ کلمات نہ کہے ہوں **سبحنك ربناوبحمدك اللهم اغفرلی** (پاک ہے تو اے ہمارے رب (اس سے کہ بغیر گناہ کے کسی کو سزا دے) اور تیری ہی حمد وثنا ہے اللہ تو مجھے بخش دے۔ بخاری و مسلم

۲۔اور بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں کثرت سے یہ کلمات کہا کرتے تھے **سبحنك اللهم ربناوبحمدك اللهم اغفرلی** یعنی قرآن پر عمل کرتے تھے۔

۳۔اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے پہلے کثرت سے **سبحنك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك** پڑھا کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں میں نے عرض کیا یہ کیسے نئے کلمات ہیں جو آپ نے کثرت سے پڑھنے شروع کئے ہیں (پہلے تو آپ نہیں کہا کرتے تھے) آپ نے فرمایا میری اُمت کے بارے میں ایک علامت ہے جو مقرر کی گئی ہے کہ جب میں اس علامت کا (امت میں) مشاہدہ کروں تو ان کلمات کو کہا کروں (وہ علامت یہ ہے) کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے اور (مکہ) فتح ہو جائے اور تم دیکھو کہ لوگ فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو **اذاجاء نصرالله والفتح** آخر سورت تک تو ان کلمات کو کہا کروں۔

۴۔اور مسلم ہی کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ کلمات کہا کرتے تھے سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ (عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں) اس پر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کثرت سے سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ کہتے رہتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی اُمت میں ایک علامت دیکھوں گا تو جب میں اس علامت کو دیکھوں تو کثرت سے سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ کہا کروں چنانچہ وہ علامت میں نے دیکھ لی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو گیا اور میں نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو میں نے بھی اللہ کے حکم فسبح بحمد ربك واستغفرہ انه كان توابا (سورۃ النصر آیت ۳) کے تحت کثرت سے ان کلمات کو پڑھنا (اور اپنے رب کے حکم پر عمل کرنا) شروع کر دیا۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث کی متعدد روایتوں کے بیان کرنے کا مقصد

تشریح: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے وفات سے پہلے اواخر عمر میں مذکورہ کلمات کی کثرت ثابت کرنا چاہتے ہیں اس مقصد کے لئے انہوں نے متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم کی دو روایتیں نقل کیں جن میں سے پہلی روایت سے سورۃ النصر کے نزول کے بعد ہر نماز کے بعد ان کلمات کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے نہ زمانہ (اواخر عمر) کا ذکر ہے نہ ہی علامت وفات ہونے کا اسی طرح دوسری حدیث سے رکوع و سجود میں ان کلمات کے پڑھنے کا ذکر ہے اور بس ہاں مسلم کی پہلی روایت میں وفات سے پہلے ان کلمات کی کثرت اور اواخر عمر کا ایک نیا مشغلہ ہونا اور حضرت عائشہؓ کے دریافت کرنے پر اس کو ایک علامت کا نتیجہ قرار دینا مذکور ہے اور مسلم کی دوسری حدیث میں تو تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس علامت کے مشاہدہ کے وقت کثرت سے تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار کا حکم دیا ہے اور آپ نے اسی حکم کی تعمیل کے تحت اواخر عمر میں یہ مشغلہ اختیار کیا ہے یہ حکم بھی آپ کی وفات کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو آپ نے مبہم (گول مول) الفاظ میں خطبہ میں ایک بندہ کو اختیار دینے کے عنوان سے ظاہر فرمایا اور سوائے ابو بکر صدیقؓ کے اور کسی نے اس خفی اشارہ کو نہیں سمجھا حضرت ابن عباسؓ نے اسی بنا پر اس سورۃ کو آپ کی وفات کی خبر قرار دیا جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تائید کی۔

الحدیث یفسر بعضه بعضاً (ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے) کے اصول کے تحت امام نووی رحمۃ اللہ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کے چاروں طرق (روایات) نقل کر دیئے تاکہ پورا واقعہ سمجھ میں آجائے اور اس باب 'آخر عمر میں زیادہ سے زیادہ کارہائے خیر کرنے کی ترغیب کے تحت اس حدیث کو نقل کرنا درست ہو جائے باقی حدیث کی مزید تشریح دوسری حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ

اشکال یہ ہے کہ سورۃ النصر مکی سورت ہے مکہ میں نازل ہوئی ہے گویا مکۃ المکرّمہ ہی میں آپ کو یہ خبر دی گئی ہے اور اسی وقت سے آپ عمل بھی کرتے رہے یعنی تسبیح و تحمید اور استغفار و توبہ برابر کرتے رہے ہیں مگر صحیح مسلم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے آخری ایام میں آپ کو یہ خبر دی گئی ہے اور آپ نے ایک نئے عمل کے طور پر تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار کو اختیار کیا ہے حضرت عائشہؓ کی روایت میں اسی کی تصریح ہے اور اواخر عمر میں ہی وہ خطبہ دیا ہے جس میں اشارۃ اس کا اظہار کیا گیا ہے گویا اس سے پہلے آپ کو خبر نہ تھی اور اسی بنا پر آپ نے کثرت سے تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار کو اختیار کیا ہے۔

اس اشکال کا ازالہ

اللہ تعالیٰ نے سورۃ مزمل میں جو مکہ کے مالداروں سے نمٹنے کا معاملہ اپنے ذمہ لیا اور آپ کو تھوڑے دن صبر وسکون کی ہدایت فرمائی چنانچہ ارشاد ہے۔

واصبرعلی مایقولون واهجرهم هجراً جميلاً وذرنی والمکذبین او لی النعمة ومهلهم قليلاً (سورة مزمل آيت ١١.١٠)

اور یہ جو (مکہ والے برا بھلا) کہتے ہیں اس پر صبر کرو (اور برداشت و تحمل سے کام لو) اور ان کو خوبی کے ساتھ ان کے حال پر چھوڑ دو اور دولت مند جھٹلانے والوں کو میرے حوالے کر دو اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو۔

اس وعدہ کے ایفا کی تفصیل آپ کی سورۃ النصر میں بتلادی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی مکہ فتح ہوگا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور تم اپنے مقصد بعثت کو پورا کرنے میں کامیاب ہوگے صرف چند روز انتظار کرو تاکہ آپ صبر وسکون کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں اس مدت میں آپ تحدیث بالنعمت واظہار شکر کے طور پر تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار نمازوں میں کرتے رہے۔

جب یہ وعدہ (فتح مکہ) پورا ہو گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور آپ اپنے مقصد بعثت میں کامیاب ہو گئے اور رب الجلیل کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا وقت آگیا تو آپ نے کثرت سے تسبیح و تحمید اور توبہ واستغفار نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی ایک نئی عبادت کے طور پر شروع کر دی یہاں تک کہ رفیقہ حیات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کر کے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے ان کو صاف لفظوں میں وفات کی علامت ہونے کا حال بتلادیا اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی خطبہ میں اشارۃ بتلادیا جس کو سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ پر گریہ وزاری طاری ہو گیا۔

غرض آپ کو خبر تو پہلے بھی تھی مگر وقت نہیں آیا تھا جب وقت آگیا تو بتلا دیا جیسا کہ سورۃ الم نشرح میں فرمایا ہے: فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب اور جب تم فارغ ہو جاؤ تو تیار ہو جاؤ اور اپنے رب سے ملنے کی رغبت کرو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

وفات سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پے در پے نزول وحی

الرابع : عن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : إنَّ اللهَ عز وجل تَابَعَ الوَحيَ عَلَى رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبلَ وَفَاتِهِ حَتَّى تُوُفِّيَ أَكْثَرَ مَا كَانَ الوَحْيَ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات سے پہلے پے در پے وحی نازل فرمائی چنانچہ جب آپ کی وفات ہوئی ہے تو زیادہ سے زیادہ وحی نازل ہو چکی تھی (صرف چند آیتیں عین وفات سے پہلے نازل ہوئی ہیں) بخاری و مسلم

تشریح: اللہ تعالیٰ کی وحی نوع انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان اور اس کی ربوبیت کا کریمانہ تقاضا ہے خاص کر جب کہ قیامت تک کے لئے نبی آخر الزماں پر نبوت و رسالت اور وحی الٰہی کا سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے آپ کی وفات کے بعد نہ کوئی اور نبی آئے گا نہ ہی اور وحی نازل ہو گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے پے در پے وحی نازل فرما کر اپنا احسان جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اور نبی آخر الزماں خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا پورا فرما دیا اور حجۃ الوداع کے دن ہی اعلان فرما دیا

اليوم اكملت لكم دينكم وانعمت عليكم نعمتى ورضيت لكم الاسلام دينا (سورۃ المائدہ. آیت ۳ کا جزو)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل (اور مکمل) کر دیا اور اپنا احسان تم پر پورا کر دیا اور اسلام کو دین (ہونے کے لحاظ سے) تمہارے لئے پسند فرما دیا۔

اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا سب سے بڑا فیض اور کار خیر یہی ہے کہ آپ کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق تک پہنچا اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ مشقت اور صعوبت کا کام بھی یہی تحمل وحی تھا جیسا کہ نزول وحی کی کیفیات سے ظاہر ہے کہ نزول وحی کے وقت سخت سردی کے زمانہ میں آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح نمودار ہوتے اور ٹپکنے لگتے تھے آپ کی مخصوص اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا کے سوا اور کوئی اونٹنی نزول وحی کے وقت آپ کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی ایک مرتبہ ایک صحابی کے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں آپ پر وحی نازل ہونے لگی صحابی کہتے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ میرا گھٹنا پھٹ جائے گا اس کے علاوہ اور بہت سی نزول وحی کے وقت کی کیفیات تحمل کی شدت اور صعوبت کو ظاہر کرتی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سنلقی علیك قولاً ثقیلاً (سورۃ المزمل آیت ۵)

ہم عنقریب تم پر ایک وزن دار قول (کلام) ڈالیں گے (نازل کریں گے)

کلام الٰہی کا یہ ثقل معنوی بھی ہے اور حسی بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اس ثقل کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لو انزلنا هذا القران علی جبل لرأیته خاشعاً متصدعاً من خشیة الله (سورۃ حشر آیت ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو (اے مخاطب) تو دیکھتا کہ وہ پہاڑ (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) لرزنے لگتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی سے کوہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے تھے۔

گویا کلام الٰہی کا جو وزن پہاڑ برداشت نہ کر سکتا تھا وہ ثقل آپ نزول وحی کے وقت برداشت کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح بے ہوش نہیں ہوتے تھے صرف ایک گرد و پیش سے غفلت اور ربودگی کی سی کیفیت طاری ہوتی تھی وہ بھی صرف کلام الٰہی کی طرف توجہ کامل کی غرض سے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا ارشاد ہے۔

فاذا قرأناه فاتبع قرانه (سورۃ القیامه آیت ۱۸)

پس جب ہم (یعنی جبرئیل) قرآن پڑھیں تو تم (پوری طرح متوجہ ہو کر خاموشی کے ساتھ) سنا کرو۔

بات لمبی ہو گئی جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں بہر حال اس میں شک نہیں کہ آپ کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ دشوار کام مخلوق تک اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچانا تھا جو آپ نے اواخر عمر میں مکمل طور پر انجام دیا اور یہی اس باب کا عنوان ہے واللہ اعلم۔

الخامس عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یبعث کل عبد علی مامات علیہ" رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بندہ اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس میں اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ (مسلم)

تشریح: جب مردے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو وہ اس حالت میں اٹھائے جائیں گے جس حالت میں ان کی موت واقع ہوئی تھی، یہاں تک کہ اگر کسی کے ہاتھ میں مزمار تھی وہ قبر سے اس حال میں نکل کر آئے گا کہ اس کے ہاتھ میں مزمار ہو گی۔

مقصود یہ ہے کہ مؤمن کو اپنی آخری زندگی کی فکر کرنی چاہئے اور اس کو اپنی پچھلی زندگی سے بہتر بنانے کی سعی کرنی چاہئے، اور اسے چاہئے کہ حسن نیت کے ساتھ اور اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اعمال صالحہ میں مصروف ہو جانا چاہئے، تاکہ انجام بخیر ہو اور آدمی اس دنیا سے جب رخصت ہو تو وہ نیک عمل میں لگا ہوا ہو اور اس پروردگار کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جس کے سامنے پیش ہو کر اعمال کا حساب دینا ہے۔

۱۳ باب في بيان كثرة طرق الخير

اعمال خیر کی کثرت کے بیان میں

ہر شخص قیامت کے دن اپنے آخری عمل پر اُٹھے گا

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾ [البقرة :۲۱۵].

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:اور تم جو بھی نیک کام کرو گے پس اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ ﴾ [البقرة :۱۹۷]

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:جو بھی تم نیک کام کرو گے اللہ اس کو جان لے گا۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ ﴾ [الزلزلة : ۷]

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:توجس شخص نے ذرہ برابر بھی نیک کام کیاہو گاوہ اس کو(قیامت کے دن دیکھ لے گا(موجود پائے گا)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ ﴾ [الجاثية : ۱۵]

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:جس شخص نے کوئی نیک کام کیاپس وہ اپنے نفس کے لئے ہی کیا(اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا)

امام نووی علیہ رحمۃ فرماتے ہیں:(قرآن کریم)میں اس عنوان کے تحت بکثرت آیات موجود ہیں باقی حدیثیں تو اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے ہم یہاں (بطور نمونہ) چند حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

آیات کا اضافہ

ہم یہاں چند آیات کریمہ کا اضافہ مناسب سمجھتے ہیں کہ جن سے ان کارہائے خیر کی نوعیت کہ وہ فرائض وواجبات ہیں یامستحبات ومندوبات ہیں اوران پراجر عظیم کے وعدے کاحال بھی واضح ہو جائے۔

۱. قال الله تعالیٰ:ومن تطوع خيراً فان الله شاكرعليم (پارہ سورۃ البقرہ ع۱۹)

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:اورجس شخص نے بنیت ثواب کوئی بھی کارخیر کیا تو بے شک اللہ (بڑا) قدردان اور خوب جاننے والاہے۔

۲.قال الله تعالیٰ: وما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه عندالله هو خيراً واعظم اجرًا (پارہ۲۹۔سورۃ المزمل۔ع۲)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اور جو بھی کار خیر تم کرو گے اس کو اللہ کے پاس بہت بہتر اور اجر کے اعتبار سے) بہت بڑا پاؤ گے۔

۳. قال اللہ تعالیٰ: یوم تجد کل نفس ماعملت من خیر محضرًا (پارہ۳سورۃ آل عمران۔ع۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس دن (قیامت کے دن) ہر نفس نے جو عمل خیر بھی کیا ہو گا کہ اسکو موجود پائے گا۔

۴۔قال اللہ تعالیٰ: وما تنفقوا من خیر فلانفسکم (پارہ۳سورہ البقرہ۔ع۳۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ تم اپنے لئے ہی کرتے ہو (آخرت میں تمہارے ہی کام آئے گا)

آیات کی تفسیر:

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ

(۱) ہر کار خیر کا بنیت ثواب کرنا ضروری ہے

(۲) یہ کارہائے خیر فرائض وواجبات ہی نہیں بلکہ مستحبات ومندوبات بھی ہیں

(۳) یہ تمام کارہائے خیر اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں قیامت کے دن تم ان کو موجود پاؤ گے

(۴) ان کا اجر وثواب بہت عظیم ہے

(۵) اللہ تعالیٰ بڑے قدر دان اور قدر شناس ہیں اور ہر کار خیر کو خوب جانتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ بنیت عبادت وثواب کیا جائے۔

احادیث اوران کی تشریح

اب مذکورہ ذیل احادیث میں ان کارہائے خیر کی فراوانی اور کثرت اور اہمیت کا حال پڑھئے۔

افضل اعمال کا بیان

الأول: عن أبي ذر جُنْدبِ بنِ جُنَادَةَ رضي الله عنه ، قَالَ: قُلْتُ : يَا رسولَ الله، أيُّ الأعمال أفْضَلُ ؟ قَالَ : " الإيمانُ باللهِ وَالجهادُ في سَبيلِهِ " . قُلْتُ : أيُّ الرِّقَابِ أفْضَلُ ؟ قَالَ : " أنْفَسُهَا عِنْدَ أهلِهَا وَأكثَرهَا ثَمناً " . قُلْتُ : فإنْ لَمْ أفْعَلْ ؟ قَالَ : " تُعِينُ صَانِعاً أَوْ تَصْنَعُ لأَخْرَقَ " . قُلْتُ : يَا رَسُول الله ، أرأيْتَ إنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ العَمَلِ ؟ قَالَ : " تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ ؛ فإنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ " مُتَّفَقٌ عليه .

ترجمہ۔ حضرت ابوذر (جن کا نام) جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ! کونسا عمل (سب سے زیادہ) افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ

تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا (پھر) میں نے عرض کیا: کون سا غلام آزاد کرنا (سب سے زیادہ) افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جو غلام مالکوں کے نزدیک (سب سے زیادہ) نفیس ہو اور اس کی قیمت سب سے زیادہ ہو میں نے عرض کیا پس اگر میں (اپنی تہی دستی کی وجہ سے) نہ کروں (یعنی غلام آزاد نہ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا: تم کسی کاریگر کی مدد کرو یا کسی ناکارہ کے لئے کام کرو" (یعنی خود محنت مزدوری کر کے اس کو دے دو یا اس کی معاش کی کفالت کرو) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ذرا بتلایئے اگر میں ان میں سے بھی کوئی کام نہ کروں (یعنی نہ کر سکوں) آپ نے فرمایا "تم اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ" (یعنی کسی بھی شخص کو کسی بھی طرح کا ضرر یا اذیت نہ پہنچاؤ) کہ یہ تمہارا خود اپنے اوپر احسان اور کار ثواب ہے۔ بخاری و مسلم۔

اعمال صالحہ اور کارہائے خیر کی ضرورت و اہمیت

تشریح:۔ اعمال صالحہ کے بغیر صرف ایمان ایک ایسا درخت ہے جس کی صرف جڑ ہو وہ بھی زمین کے اندر لیکن زمین کے اوپر نہ اس کی کوئی شاخ ہو نہ گدا نہ ٹہنیاں ہوں نہ ٹہنیوں پر پتے' نہ پھول نہ پھل نہ اس کی کوئی شاخ ہو ظاہر ہے کہ جب تک یہ درخت زمین سے پھوٹ کر باہر نہ نکلے اس کا تنا اور گدے نہ ہوں ان پر ٹہنیاں اور ٹہنیوں پر پتے اور پھول پھل نہ لگیں اس وقت تک یہ درخت بیکار اور صرف نام کا درخت ہے اسی طرح جو شخص صرف دل سے اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے لیکن نہ زبان سے کلمہ پڑھتا ہے نہ کوئی اور کام (نماز روزہ وغیرہ) کرتا ہے نہ ہی اسلام کے کسی بھی حکم پر عمل کرتا ہے اس کو ایمان نہیں کہا جا سکتا وہ صرف گوشت کھانے کا مسلمان ہے اس لئے کہ مسلمان بننے کے لئے دل سے ایمان لانے کے بعد زبان سے کلمہ توحید پڑھنا فرض عبادتوں (نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہ) پر عمل کرنا نیز اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرنا ہی مسلمان ہونا ہے۔

اسی لئے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جو ایک قدیم الاسلام جلیل القدر صحابی ہیں اور ایسے متقی اور پرہیزگار ہیں کہ ان کا تصور اور خیال بھی گناہ اور معصیت سے ناآشنا ہے اعمال صالحہ اور کارہائے خیر کی حرص اور جستجو کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعمال صالحہ اور کارہائے خیر کے متعلق سوالات کرتے ہیں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابوذر کو جواب میں .... ایسے ہمہ گیر اور دوررس اعمال صالحہ اور کارہائے خیر بتلاتے ہیں جن سے کوئی بھی مسلمان کسی بھی حالت میں محروم نہیں رہ سکتا بشرطیکہ عبادت سمجھ کر اور ثواب کی نیت سے کرے باقی جو ان پر بہ نیت ثواب عمل ہی نہ کرے اس کا تو کچھ علاج ہی نہیں۔

ہمارا زمانہ:

اسی بناء پر امام نووی رحمۃ اللہ اس باب کثرت کارہائے خیر کے تحت سب سے پہلے اسی حدیث کو لائے ہیں ہمارے

اس پُر آشوب اور گناہ و معصیت کی گرم بازاری کے زمانہ میں اس قسم کی احادیث کا ترجمہ اور بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے اعمال خیر کا بیان بے حد مفید اور ضروری ہے تاکہ ہر مسلمان یہ محسوس کرے کہ اعمال صالحہ اور کارہائے خیر ایسے بھی ہیں جو بغیر پیسہ خرچ کئے اور بغیر محنت و مشقت اٹھائے کئے جاسکتے ہیں صرف نیت اور ارادہ کرنے کی دیر ہے۔

حضرت ابوذر کا پہلا سوال سب سے افضل عمل کون سا ہے؟

از روئے لغت افضل، فضل سے ماخوذ ہے اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور فضل کے معنی ہیں زیادت کے' یہ زیادتی دنیا میں عمل کی دشواری' صعوبت اور مشقت کے اعتبار سے ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کی زیادتی کے اعتبار سے ہے اور مسلم ہے کہ اشق الاعمال اکثرہا ثوابا (جس کام میں جتنی زیدہ مشقت ہو گی اسی قدر اجر و ثواب زیادہ ہو گا) اس لحاظ سے سب سے زیادہ افضل وہ عمل ہے جو سب سے زیادہ شوار اور نا قابل برداشت ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے کہ جواب میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔

ظاہر ہے کہ کسی بھی انسان کے لئے اپنے باپ دادا کے دین کو اور ہوش سنبھالتے ہی جس کو معبود جاتا ہے اس معبود کو چھوڑ کر ایک نئے معبود پر اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانا اور نئے مذہب کو قبول کرنا اگرچہ اس کی حقانیت کا یقین بھی ہو تب بھی نفسیاتی طور پر ایک انسان کے لئے بے حد شاق اور نا قابل برداشت عمل ہے۔

دیکھیے اوائل اسلام میں قریش نے بدر اُحد وغیرہ کی لڑائیوں میں اپنے اعلیٰ درجہ کے جنگجو اور زور آزما بہادروں کو جن میں ایک ایک بہادر ہزاروں پر بھاری ہوتا تھا صرف اپنے آبائی دین اور بتوں کی پرستش پر قربان کر دیا مگر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے یہاں تک کہ چند سال میں ہی مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور کفار قریش کا نام و نشان مٹ گیا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابو طالب جن کی حمایت و سرپرستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس تک مکہ مکرمہ میں کفار قریش کے علی الرغم بت پرستی کی بیخ کنی اور دین توحید کی تبلیغ کرتے رہے اور قریش تلملاتے رہے اور ابو طالب کی حمایت کی بنا پر کچھ نہ کر سکے باوجودیکہ ابو طالب کو یقین تھا کہ جس دین توحید کی آپ دعوت دے رہے تھے بالکل برحق ہے جیسا کہ ابو طالب کے ذیل کے شعر سے ظاہر ہے۔

ودعوتنی وعلمت انك صادق ولقدصدقت وكنت قبل امینا

(اے میرے بھتیجے) تم نے مجھے (دین توحید کی) دعوت دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم سچے ہو اور بخدا تم نے بالکل سچ کہا ہے اور تم تو اس سے پہلے بھی امین ہو۔

لیکن صرف قومی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے حتیٰ کہ مرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے عم قل لاالہ الله اشهدلك بهایوم القیامة

اے میرے چچا ایک کلمہ اشہدان لاالہ الااللہ (صدق دل سے) کہہ دیجئے تاکہ میں اس کی بنیاد پر آپ کے مومن ہونے کی شہادت دے سکوں مگر ابو طالب کا آخری جواب یہ تھا۔

لولاعیرتنی قریش لاقررت عینك.

(بھتیجے) اگر مجھے قریش کے عار کا اندیشہ نہ ہوتا (کہ آخر وقت میں ابو طالب نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا) تو میں ضرور تمہارا دل ٹھنڈا کر دیتا اور اللہ پر ایمان لے آتا۔

دیکھئے ابو طالب کے لئے "ایمان باللہ" کتنا دشوار اور مشکل کام تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بننا گوارا کیا مگر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا۔

یہ کفار قریش ہی کی کچھ خصوصیت نہ تھی بلکہ کسی بھی غیر مسلم کے لئے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اسلام قبول کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اتنا ہی مشکل تھا اور آج بھی اتنا ہی دشوار ہے۔

ہم نے چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالنے کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور معبود سے ہمارے کان آشنا ہی نہیں ہوئے اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دشواری سے ہم ناواقف ہیں بقول عوام ہم تو سنی مسلمان ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دشواری کا کیا پتہ؟ ہاں اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی ہم سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو معبود بنانے کے بجائے کرشن یا گوتم بدھ کو اپنا خدا مان لو اور ہندو دھرم یا بدھ مت قبول کر لو یا عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا مان لو اور عیسائی ہو جاؤ تو اس وقت ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اگر تم چاند سورج ہمارے ایک ہاتھ پر رکھ دو اور تمام دنیا کی دولت اور نعمتیں ہمارے دوسرے ہاتھ پر رکھ دو تب بھی یہ ممکن نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود مان لیں اور اسلام کے علاوہ کسی بھی دوسرے مذہب کو قبول کر لیں بشرطیکہ ہمارا ایمان کامل ہو یہ جواب کسی عالم دین ہی کا نہیں بلکہ ایک جاہل اور دینی تعلیمات سے ناآشنا مسلمان کا جواب بھی یہی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان کی لذت تین آدمیوں نے پائی جن میں سے

ومن كان ان يلقى فى النار احب اليه من ان يرجع الى الكفر بعد ان انقذه الله منه.

ایک وہ شخص ہے جس کے لئے آگ میں ڈالا جانا گوارا ہو بمقابلہ اس کے کہ کفر کی طرف لوٹے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے نجات عطا فرمائی ہے۔ صحیح مسلم

اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہی کافی مشکل اور دشوار کام ہے اسی کے ساتھ زندگی کے سب سے بڑے سرمایہ جان و مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا اور سربکف کفن بردوش کافروں سے جنگ کرنے کے لئے جانا اور لڑنا اور بھی زیادہ دشوار اور مشکل کام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا دوگونہ دشوار کام ہے اس لئے کہ انسان کی جان و مال سے محبت فطری اور خلقی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس فطری محبت کو پس پشت ڈال کر عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر جنگ کی آگ میں کودنا بڑے دل جگرے کا کام ہے اللہ تعالیٰ ایسے ہی مومنوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ (سورۃ توبہ آیت ۳۰)

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خریدار ہیں مومن دکاندار ہے جان و مال سودا ہے جنت قیمت ہے ہر اللہ پر ایمان لانے والا اپنا مال و جان جنت کے عوض اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ چکا ہے اسی لئے مومن کامل اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد بلا تردد و توقف جان و مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے اور جلد از جلد جنت حاصل کرنے کے شوق میں جب بھی موقع ملتا ہے میدان جنگ میں کود پڑتا ہے۔

بہر حال اول تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہی دشوار کام ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے اسی لئے سب سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے اور سب سے زیادہ افضل عمل ہے جو اعلیٰ درجہ کے ایمان والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ کا دوسرا سوال ہے ای الرقاب افضل۔ کون سے غلام کو آزاد کرنا سب سے زیادہ افضل ہے؟ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انفسھا عند اہلہا و اکثرہا ثمناً جو غلام مالک کے نزدیک سب سے زیادہ نفیس ہو اور سب سے زیادہ قیمت والا ہو۔

آقا کے نزدیک نفیس تر ہونے کا مدار حسن خدمت پر ہے بعض غلام آقا کے ایسے مزاج شناس ہوتے ہیں کہ جس وقت جو خدمت آقا کو مطلوب ہوتی ہے آقا کے زبان سے کہے بغیر وہی خدمت انجام دیتے ہیں آقا کے مزاج کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کرتے ایسے غلام کو آقا کسی بھی قیمت پر اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا وہ آقا کی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے اسی کے ساتھ جب وہ گراں بہا اور بیش قیمت بھی ہو تو وہ آقا کے لئے ناگزیر اور ایک بیش بہا سرمایہ کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے ایسے غلام کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد کر دینا نقصان مایہ بھی ہے اور اپنی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت سے دستبردار ہونا بھی ہے اسی لئے بے حد دشوار اور ناقابل برداشت کام ہے اور اسی بنا پر سب سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب اور سب سے زیادہ افضل کام ہے جو ایک خدا پرست اور خدا دوست انسان ہی جس کا واحد مقصد حیات رضاء مولیٰ کو حاصل کرنا ہو کر سکتا ہے ہر کس و ناکس نہیں انجام دے سکتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شیء فان اللہ بہ علیم (سورۃ آل عمران آیت ۹۶)

(اے مسلمانوں) تم ہرگز نکوئی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنے محبوب ترین مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور جو چیز بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اس پر چھپی نہیں رہ سکتی۔

ابو ذر کے اس سوال کے جواب پر عمل کرنا بھی اعلیٰ درجہ کے خدا پرست اور خدا دوست مسلمانوں کا ہی کام ہے اس لئے ابو ذر ایک عام مسلمان کو سامنے رکھ کر تیسرا سوال کرتے ہیں۔

فان لم افعل؟ تو اگر میں (تہی دستی یا کم ہمتی کی وجہ سے یہ کام) نہ کروں؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
تعین صانعاً اوتصنع لاخرق
تم کسی کاریگر (کا ہاتھ بٹا کر اس) کی مدد کرو یا کسی ناکارہ انسان کے لئے کام (کر کے اس کی مدد) کرو۔
اس جواب کے دو جزو ہیں
(۱) کوئی شخص کاریگر یا پیشہ ور ہے وہ دن بھر میں اتنا کام نہیں کر پاتا کہ اس کے اور اس کے اہل و عیال کے روٹی کپڑا' مکان سے متعلق ضروریات زندگی پوری ہو سکیں دن بھر میں جتنا کام کرتا ہے اس کی اجرت سے ایک وقت پیٹ بھرتا ہے تو دوسرے وقت فاقہ ہوتا ہے یا دونوں وقت روٹی تو مل جاتی ہے مگر تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا خریدنے کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ اس لئے وہ اور اس کے بچے پھٹے پرانے کپڑوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں یا کپڑا بھی میسر آجاتا ہے مگر مکان کا کرایہ ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں بچتا اس لئے سخت معاشی تنگی میں گرفتار ہے دن بھر کے کام کی اجرت سے جس سے ایک ضرورت کو پورا کرتا ہے باقی ضرورتیں رہ جاتی ہیں اس لئے امداد و اعانت کا محتاج ہے ایسے ضرورت مند کی امداد اس طرح کی جائے کہ جو کام وہ کرتا ہے اس میں اس کا ہاتھ بٹائے تاکہ دن بھر میں اتنا کام وہ کر سکے اور اتنی اجرت اس کو مل سکے کہ اپنی باقی ضروریات کو بھی پورا کر سکے بہر حال جس صورت سے ہو سکے اس کی آمدنی میں اضافہ کر کے اس کی امداد کرے۔
(۲) دوسرا جزو ایک نکما آدمی ہے کوئی کام نہیں جانتا' محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتا اپاہج ہے یا نابینا ہے گونگا بہرا ہے اور ہے بال بچے دار تو ایسے شخص کی امداد و اعانت کی صورت یہ ہے کہ خود کوئی کام کرے اور اس کی آمدنی سے اس نکمے اور ناکارہ آدمی کی اور اس کے بال بچوں کی معاشی کفالت کرے تاکہ وہ دربدر بھیک مانگتے نہ پھریں۔
دونوں صورتوں کا مآل واحد ہے ضرورت مند محتاجوں' اپاہجوں کی معاشی مدد و اعانت کرنا یقیناً بے حد ثواب کا کام اور خدمت خلق ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله.
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے) لہٰذا اللہ کو سب سے زیادہ وہی شخص محبوب ہے جو اس کی عیال کے ساتھ احسان کرے۔
ابوذر غفاری اس کے بعد سوال کرتے ہیں۔
قلت: یارسول الله ارأیت ان ضعفت عن بعض العمل
میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ذرا بتلایئے اگر میں (اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے) ان دونوں میں سے کوئی کام بھی نہ کروں؟

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **تکف شرك عن الناس فانها صدقة منك على نفسك.**
تم لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ (یعنی کسی کو اذیت یا ضرر نہ پہنچاؤ) اس لئے کہ یہ تمہارا کار خیر احسان ہے اپنے حق میں۔
ظاہر ہے کہ اگر تم نے کسی بھی شخص کو کسی بھی طرح کی اذیت یا کسی بھی قسم کا ضرر پہنچایا یا تو تم یقیناً گنہگار ہو گے لہٰذا تم نے لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھ کر خود کو گناہ سے بچایا اسی لئے یہ خود تمہارے حق میں کار خیر اور کار ثواب ہے جو تم نے کیا یہی وہ کار خیر ہے جس میں نہ کوئی پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے نہ ہی کوئی کام کرنا پڑتا ہے نہ ہاتھ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں کوئی مسلمان بھی کسی بھی حالت میں اس کار خیر سے محروم نہیں رہ سکتا۔ مگر یہ کارہائے خیر اسی صورت میں کار خیر اور ثواب کا کام ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے کی اور ثواب آخرت حاصل کرنے کی غرض سے کئے جائیں بالفاظ دیگر عبادت سمجھ کر اور عبادت کی نیت سے کرنا شرط ہے ورنہ تو بہت سے غیر مسلم بھی انسانی ہمدردی کے جذبہ سے یہ اور اسی قسم کے کام (جن کا ذکر آئندہ احادیث میں آرہا ہے) کرتے ہیں مگر نہ ان کو کار خیر کہا جاسکتا ہے نہ ہی اجر و ثواب کا سوال پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ثواب و عذاب کو جانتے اور مانتے ہی نہیں۔

بدن کے جوڑوں کا شکریہ اور نماز چاشت کی اہمیت

الثاني : عن أبي ذر أيضاً رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : "يُصْبحُ عَلَى كُلِّ سُلامَى منْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ : فَكُلُّ تَسبيحَةٍ صَدَقَةٌ ، وَكُلُّ تَحميدَةٍ صَدَقَة ، وَكُلُّ تَهْليلَةٍ صَدَقَةٌ ، وكُلُّ تَكبيرَةٍ صَدَقَةٌ ، وَأَمْرٌ بالمعروفِ صَدَقَةٌ ، ونَهيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ ، وَيُجزِىءُ مِنْ ذلِكَ رَكْعَتَانِ يَركَعُهُما مِنَ الضُّحَى " رواه مسلم . " السُّلامَى " بضم السين المهملة وتخفيف اللام وفتح الميم : المفصل .

ترجمہ:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر صبح تم میں سے ہر شخص کے (بدن کے) ہر جوڑ پر ایک کار خیر (شکر نعمت) واجب ہو جاتا ہے چنانچہ ہر تسبیح' سبحان اللہ کہنا ایک کار خیر (اور اداء شکر نعمت) ہے ہر تحمید' الحمد للہ کہنا۔
ایک کار خیر (اداء شکر نعمت) ہے ہر تہلیل' لا الہ الا اللہ کہنا۔
ایک کار خیر (اداء شکر نعمت ہے) ہے اور ہر تکبیر' اللہ اکبر کہنا۔
ایک کار خیر (اداء شکر نعمت) ہے اور کسی بھی (شرعاً) اچھے کام کے لئے کسی کو کہنا (کہ یہ کام کرو) ایک کار خیر (اداء شکر نعمت ہے) اور ہر شرعاً برے کام سے کسی کو منع کرنا ایک کار خیر (اداء شکر نعمت) ہے اور ان سب کاموں کے بجائے چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ سبحان اللہ' الحمد للہ' لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر ان میں سے ہر کلمہ کو حضور قلب کے ساتھ کہنا اور اسی طرح محض اللہ تعالیٰ کے لئے کسی بھی شرعاً نیک کام کے لئے کسی کو کہنا اور کسی بھی برے کام سے کسی کو منع کرنا ان میں سے ہر ایک کام ایک مستقل کام اور ایک مستقل عبادت اور کار ثواب ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ انسانی بدن اور بدن کے جوڑ جن سے بدن حرکت کرتا ہے اور انسان مختلف و متنوع کام انجام دیتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اگر یہ بدن اور بدن کے جوڑ نہ ہوتے تو انسان پتھر کی طرح ایک جگہ پڑا رہتا نہ حرکت کر سکتا نہ کوئی کام کاج کر سکتا گویا یہ بدن' اعضاء اور ان کے جوڑ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے دیئے ہیں کہ ان سے انسان دن بھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کام کاج کرے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام واحسان سے غافل نہ ہو اور ان نعمتوں کا شکریہ یہ ہے کہ انسان مذکورہ بالا کارہائے خیر اور ان کے علاوہ دوسرے کارہائے خیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انجام دیتا رہے اس کے برخلاف اگر اس بدن اور اس کے جوڑوں سے اللہ رسول کے احکام پر عمل کرنے کے بجائے اپنی اغراض وخواہشات نفسانی کے تحت برے بھلے حرام وحلال جائز وناجائز کام کرتا رہا تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے اسی کا نام ناشکری اور کفران نعمت ہے جس کی سزا بہت سخت ہے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (سورۂ ابراہیم آیت ۷)

اور بخدا اگر تم نے (میری نعمتوں کا) شکریہ ادا کیا تو میں (تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ) تمہیں اور نعمتیں دوں گا اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو بلاشبہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اس نعمت کی ناشکری کی ادنیٰ درجہ کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو سلب کرلیں اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا کر دیں کہ ہلنا جلنا محال ہو جائے کسی حادثہ میں ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں یہ تو دنیا کی سزا ہے اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہو گا جس سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بچائیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: اس کے معنی یہ نہیں کہ انسان اپنی تمام طبعی وغیر طبعی اغراض وخواہشات سے کلی طور پر دست بردار ہو کر ہر وقت صرف اللہ' اللہ ہی کرتا رہے اور انسان کے بجائے فرشتہ بن جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم اپنی ہر غرض اور ہر خواہش کو پورا کرو مگر شریعت کی مقرر کردہ حدوں کے اندر رہ کر' اچھے سے اچھا کھاؤ پیو' عیش کرو ہر طرح کے کام کاج کرو کاروبار کرو مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اور شرعی حدود کے اندر رہ کر کرو (جیسا کہ اسی باب کی چوتھی حدیث میں اس کی تصریح آتی ہے) غرض یہ ہے کہ سب کچھ کرو مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت رہ کر کرو اور ہر وقت یہ خیال رکھو کہ یہ بدن اور یہ ہاتھ پاؤں اور یہ عمل کی قوت' سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اس سے ایک لمحہ

کے لئے غافل نہ ہو۔ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں' لذتوں اور سامان راحت و آسائش سے انتفاع کو زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کے منافی اور خدا پرستی کے خلاف سمجھ کر ٹھکراتے ہیں ان پر ذیل کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ شدید عقاب اور ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں۔

یایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات مآ احل اللہ لکم ولا تعتدوا' ان اللہ لا یحب المعتدینO وکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنونO (سورۃ المائدۃ آیت ۸۷۔۸۸)

اے ایمان لانے والو! جو عمدہ (لذیذ) چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو (اپنے اوپر) حرام مت کرو اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرکے) حد سے تجاوز نہ کرو (بندہ ہو کر خدا بننے کی کوشش نہ کرو) بلاشبہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو حلال وطیب چیزیں اللہ نے تم کو دی ہیں وہ کھاؤ (پیو) اور اس اللہ سے (ہر وقت) ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

یہ آیت کریمہ ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے عہد کیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھا کریں گے اور راتیں مصلے پر گزارا کریں گے بیویوں کے پاس تک نہ جائیں گے خوشبو کو ہاتھ نہ لگائیں گے گوشت بالکل نہیں کھائیں گے بستر پر ہرگز نہیں سوئیں گے (اور اس ترک لذت و آسائش کے ذریعہ نفس کشی کریں گے) چنانچہ اس وعید کے نازل ہوتے ہی ان صحابہ نے اپنے عہد توڑے اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر ہی ان کا شکریہ ادا کیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اسی پُر فریب پرہیزگاری کے متعلق فرماتے ہیں۔

لارھبانیة فی الاسلام اسلام رہبانیت (ترک دنیا) کی تعلیم نہیں دیتا۔

یہ رہبانیت تو عیسائیت کا شعار اور ناکام تجربہ ہے یا ہندو دھرم کا پُر فریب جال ہے یہ تارک الدنیا راہب اور نفس کشی کرنیوالے سادھو درون خانہ اعلیٰ درجہ کے دنیادار اور حرام خور ہوتے ہیں جیسا کہ تاریخی واقعات سے ثابت ہے۔

نماز چاشت اور اس کی اہمیت و فضیلت

ابوذر کی اس حدیث سے نماز چاشت کی عظیم فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ دن بھر کے حدیث میں مذکور کارہائے خیر کی جگہ صرف چاشت کی نماز کافی ہو جاتی ہے سورج چڑھ آنے کے بعد دو یا چار رکعتیں نماز اشراق کہلاتی ہیں اور دوپہر سے پہلے تقریباً دس گیارہ بجے چار یا آٹھ رکعتیں نماز ضحیٰ (دن چڑھے کی نماز) کہلاتی ہیں چاشت کی نماز کی کم سے کم دو رکعتیں ورنہ چار رکعتیں ہیں اور نماز ضحیٰ (دن چڑھے کی نماز) کی چار یا آٹھ رکعتیں ہیں علاوہ ابوذر کی روایت کے نماز چاشت کی فضیلت سے متعلق ایک اور حدیث قدسی بھی آئی ہے جو یہ ہے۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ' قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اللہ تبارک وتعالیٰ انہ قال: یاابن ادم ارکع لی اربع رکعات اول النھار اکفک اخرہ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم کی اولاد تو دن کے اول حصہ میں میرے لئے چار رکعتیں پڑھ لے تو میں دن کے آخر تک تیرے لئے کفایت کروں گا (تیرے سارے کام بنادوں گا) ترمذی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
اُمت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے

الثالث : عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الأَذَى يُمَاطُ[۳] عَنِ الطَّرِيقِ ، وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِىءِ أَعمَالِهَا النُّخَاعَةُ تَكُونُ فِي المَسْجِدِ لا تُدْفَنُ " (رواه مسلم)۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال میرے سامنے پیش کئے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں اس تکلیف دہ چیز تک کو بھی پایا جسے عام راستہ سے ہٹادیا جائے اور ان کے برے اعمال میں مسجد میں اس (ناک کی) ریزش تک کو پایا جسے دفن نہ کیا گیا ہو۔ (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے اور برے ہر قسم کے کاموں کے کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور اچھے اور برے کاموں میں تمیز کرنے اور فرق کرنے کے لئے عقل بھی عطا فرمائی ہے مگر بسا اوقات خواہ اپنی کم فہمی یا کج فہمی کی بناء پر خواہ بیرونی گمراہ کرنے والے شیاطین جن وانس کے دھوکے اور فریب کی وجہ سے یا مکار نفس کی مکاری وفریب کاری کی وجہ سے عقل اچھے اور برے کاموں میں فرق وامتیاز کرنے میں ناکام رہتی ہے اور بہت سے اچھے کاموں کو برا اور بہت سے برے کاموں کو اچھا سمجھ لیتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بتقاضاء رحمت وربوبیت انسانوں کی صحیح رہنمائی کے لئے ہر زمانہ میں نبیوں اور رسولوں کو بھیجا اور آسمانی وحی ان پر نازل فرمائی کہ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں انسانوں کی صحیح رہنمائی کریں آخری زمانہ میں پیغمبر آخرالزماں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا اور کتاب الٰہی' قران کریم' آپ پر نازل فرمائی اور روحانی مکاشفات سے آپ کو نوازا تاکہ رسول آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں خود' اور اپنی وفات کے بعد کتاب وسنت اور مکاشفات کے ذریعہ قیامت تک کے لئے رہنمائی کا نظام قائم کریں اور اپنی امت کے ذمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لازم قرار دے کر اس محکم نظام کو جاری فرمائیں۔

اسی کے ساتھ چونکہ آپ آخری نبی ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا اس لئے آپ کو بطور کشف پہلے سے یہ بھی بتلادیا کہ یہ ان چھوٹے بڑے اچھے کاموں کی فہرست ہے جو آپ کی امت کرے گی اور یہ ان

چھوٹے بڑے برے کاموں کی فہرست ہے جو آپ کی امت کرے گی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت ورحمت اپنی امت کو ہر بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے اچھے اور برے کام سے آگاہ کر دیا تاکہ اچھے کام کرتے وقت چھوٹے سے چھوٹے اچھے کام کو بھی یہ خیال کر کے نہ چھوڑیں کہ یہ بھی کوئی اچھا کام ہے؟ اسی طرح برے کاموں سے اجتناب اور پرہیز کرتے وقت کسی چھوٹے سے چھوٹے برے کام کو بھی سمجھ کر نہ کر بیٹھیں کہ اس کام کے کرنے میں کیا حرج ہے؟ یہ بھی کوئی برا کام ہے؟ اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو چھوٹے سے چھوٹے اچھے اور برے کاموں سے آگاہ فرماتے ہیں جبکہ دوسری حدیثوں میں جو اسی باب میں آتی ہیں بڑے سے بڑے اچھے اور برے کاموں سے آگاہ فرماتے ہیں جب کہ دُوسری حدیثوں میں جو اسی باب میں آتی ہیں بڑے بڑے سے اچھے بُرے کاموں سے آگاہ فرمایا ہے کہ یہی مقصد ہے اللہ تعالیٰ کے محاسن اعمال اور مساوی اعمال کے آپ پر کشف فرمانے کا۔

ظاہر ہے کہ انسان عام راستہ اور گزرگاہ سے کسی بھی ایذا رساں اور تکلیف دہ چیز ہٹا دینے کو کوئی اہم کار خیر اور کار ثواب نہیں سمجھتا حالانکہ بہترین خدمت خلق ہے اور راستہ چلنے والوں کی دعا خیر کا موجب ہے اور مسجد میں چھینک آنے پر ناک کی ریزش (رینٹھ) یا کھانسی اٹھنے پر منہ سے بلغم ناک یا منہ سے نکلنے اور گر جانے کو برا کام نہیں سمجھتا حالانکہ مسجد کو گندا کر دینے کے لحاظ سے نمازیوں کے لئے بے حد تکلیف دہ اور انسانوں کی گالیوں اور فرشتوں کی بددعاؤں کا موجب ہے اس کم فہمی یا کوتاہ فہمی پر متنبہ فرمانے کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان دونوں درجہ کے اچھے اور برے کاموں کا ذکر فرمایا ہے اور اسی غرض سے امام نووی علیہ الرحمۃ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو اس باب کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ انہی ابوذر کی تقریباً بارہ حدیثیں اسی کثرت کارہائے خیر کے ذیل میں نقل کی ہیں جن میں بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے کار خیر سے آگاہ کیا ہے کاش کہ مسلمان ان میں سے کوئی کار خیر تو اختیار کریں؟ کرتے ہیں مگر عبادت سمجھ کر اور ثواب کی نیت سے نہیں کرتے اور ثواب سے محروم رہتے ہیں۔

موجودہ زمانہ

ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم دنیا کے دھندوں اور نفسانی اغراض وخواہشات کے پھندوں میں اس بری طرح گرفتار اور جکڑے ہوئے ہیں کہ کسی بھی معمول سے معمولی کار خیر کرنے کا ہمیں خیال ہی نہیں آتا اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور آخرت کی فکر کی یعنی ان احادیث سے فائدہ اٹھانے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ امین یارب العالمین۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غفلت اور بے حسی کو دور کرنے کی غرض سے مندرجہ ذیل دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

اللهم لا تجعل الدنيا اكبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا غاية رغبتنا

اے اللہ تو دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصد اور منتہائے علم اور ہماری آخری رغبت (مرغوب چیز) نہ بنائیو۔

اس دعا کی روشنی میں ہماری حالت

آج ہماری حالت یہی ہے کہ ہمارا سب سے بڑا مقصد دنیا ہے آخرت کا بھول کر بھی خیال نہیں آتا تحصیل علم کی منتہا بھی دنیا ہے یعنی ہم جو بھی علم حاصل کرتے ہیں اگرچہ دینی علم ہی ہو اس کا مقصد صرف دنیوی اغراض ہیں اور بس آگے ہمیں کچھ نہیں چاہئے دنیاوی کامرانیاں ہی ہمیں مرغوب و مطلوب ہیں اور بس وائے برما و بر حال ما (افسوس ہم پر اور ہمارے حال پر)

آپ بھی اس دعا کو یاد کر لیجئے اور دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کیجئے یاد رکھئے اللہ تعالیٰ خلوص قلب سے مانگی ہوئی دعاؤں کو ضرور قبول فرماتے ہیں وباللہ التوفیق۔

باقی مسجد میں چھینک آنے پر ریزش کا ناک سے نکلنا یا کھانسی آنے پر منہ سے بلغم نکلنا غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس برے کام کا کفارہ بھی بتا دیا۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البزاق فی المسجد خطیئة و کفارتھا دفنھا (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوک خطا ہے اور اس کو دفن کر دینا اس خطا کا کفارہ ہے۔ (بخاری مسلم)

اگر مسجد کی زمین کچھ نرم ہو تو ذرا مٹی کرید کر اس کو دفن کر دینا چاہئے اگر فرش پختہ ہو تو اپنے رومال، چادر یا کرتے کے کنارہ پر لے کر اس کو مسل دینا چاہئے یا کسی بھی اور طریقہ سے اس کا ازالہ کر دینا چاہئے تاکہ مسجد پاک و صاف رہے اسی لئے حضرت ابوذر کی حدیث میں لا تدفن (جو دفن نہ کی گئی ہو) کی قید ہے اگر کسی بھی طرح ازالہ کر دیا تو برائی ختم ہو گئی ناک کی ریزش، تھوک اور بلغم سب کا ایک حکم ہے۔

دولت مندوں کے مقابلہ میں غریبوں اور مفلسوں کیلئے صدقہ اور ثواب میں سہولتیں

الرابع : عَنْهُ : أنَّ ناساً قالوا : يَا رَسُولَ الله ، ذَهَبَ أهلُ الدُّثور بالأُجُور ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي ، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ ، وَيَتَصدَّقُونَ بفُضُول أمْوَالِهِمْ ، قَالَ : " أوَلَيس قَدْ جعَلَ اللهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُونَ بِهِ : إنَّ بكُلِّ تَسْبيحَةٍ صَدَقَةً ، وكُلِّ تكبيرَةٍ صَدَقَةً ، وكُلِّ تَحمِيدَةٍ صَدَقَةً ، وكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً ، وأمْرٌ بالمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ ، ونَهيٌ عَنِ المُنْكَرِ صَدَقَةٌ ، وفي بُضْعِ أحَدِكُمْ صَدَقَةٌ " قالوا : يَا رسولَ اللهِ ، أيَأتِي أحَدُنَا شَهْوَتَهُ ويَكُونُ لَهُ فِيهَا أجْرٌ ؟ قَالَ : " أرَأيتُم لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرامٍ أكَانَ عَلَيهِ وِزرٌ ؟ فكَذلِكَ إذَا وَضَعَهَا فِي الحَلالِ كَانَ لَهُ أجْرٌ " رواه مسلم

" الدُّثُورُ " بالثاء المثلثة : الأموال وَاحِدُهَا : دثر .

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) کچھ لوگوں نے عرض کیا: اے

اللہ کے رسول! مال دار لوگ سب اجر وثواب لے گئے (اور ہم منہ تکتے رہ گئے دیکھئے) وہ نمازیں پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں جیسے ہم روزے رکھتے ہیں (مگر) وہ اپنے فاضل اموال (دل کھول کر) صدقہ کرتے ہیں (ہم فقر وافلاس کی وجہ سے صدقہ نہیں کر سکتے اس لئے وہ اجر وثواب میں ہم سے بڑھ گئے ہم ان سے پیچھے رہ گئے) آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے صدقہ کرنے اور اجر وثواب حاصل کرنے کے کام نہیں تجویز کئے (جو بغیر مال ودولت تم کر سکتے ہو دیکھو) ہر کلمہ تسبیح (سبحان اللہ کہنا) ایک صدقہ (کار ثواب) ہے اور ہر کلمہ تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ایک صدقہ (کار خیر) ہے ہر کلمہ تحمید (الحمد للہ کہنا) ایک صدقہ (کار خیر) ہے ہر کلمہ تہلیل (لاالہ الااللہ کہنا) ایک صدقہ (کار ثواب) ہے۔ کسی کو بھلے کام کو کہنا ایک صدقہ (کار خیر) ہے ہر برے کام سے کسی کو منع کرنا ایک صدقہ (کار ثواب) ہے اور تم میں سے ہر شخص کی شرمگاہ (کے معاملہ میں بھی) ایک صدقہ (کار خیر) ہے انہوں نے عرض: یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی (خواہش نفس) کو پورا کرتا ہے اور اس میں بھی اسے اجر وثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم مجھے بتلاؤ اگر وہ اپنی اسی خواہش کو حرام محل میں (اجنبی عورت سے) پورا کرتا تو کیا اس پر گناہ نہ ہوتا؟ (ضرور ہوتا) تو اسی طرح جب اس نے اپنی اسی خواہش کو حلال محل میں (بیوی سے) پورا کیا تو اس پر اسے اجر نہ ملے گا (ضرور ملے گا؟) کیونکہ اس نے ایک حلال کام کر کے خود کو حرام کام اور اس کے گناہ سے بچالیا کتنا بڑا کار ثواب ہے۔ صحیح مسلم

دثور کے معنی مال ہے۔ اور اس کی واحد دثہ ہے۔

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کارہائے خیر اور اجر وثواب کے کام اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال ودولت خرچ کرنے میں منحصر نہیں ہیں کہ تہیدست ونادار لوگ مالداروں کے مقابلہ میں خود کو کمتر محسوس کریں بلکہ بیشمار کام ایسے ہیں کہ انسان اگر چاہے تو بغیر پیسہ خرچ کئے کر سکتا ہے صرف سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر خلوص قلب اور رضاء الٰہی کی نیت سے کہے تو یہی چار کلمات جنت میں سرسبز وشاداب باغات لگانے کے لئے کافی ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقيت ابراهيم عليه الصلوة والسلام ليلة اسرى بى فقال: يامحمد اقرى امتك منى السلام واخبرهم ان الجنة طيبة التربة عذبة الماء وانها قيعان وان غراسها سبحان الله والحمدلله ولااله الاالله والله اكبر (ترمذی)

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں (ساتویں آسمان پر) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا۔ اے محمد! اپنی امت کو میرا سلام اور یہ پیغام پہنچا دو کہ جنت کی زمین نہایت عمدہ (اور زرخیز) ہے پانی بھی میٹھا ہے (مگر ابھی) وہ خالی پڑی ہے سبحان اللہ، والحمد للہ

ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر' اس کے پودے ہیں (جس قدر ممکن ہوسکے زیادہ سے زیادہ سرسبز وشاداب باغات لگالو)
اسی طرح کسی بھی شخص کو خوش اسلوبی سے شرعاً بھلی بات بتلانا اور شرعاً بری بات سے منع کرنا بھی کوئی دشوار کام نہیں نہ ہی اس میں روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے بشرطیکہ نیک نیتی اخلاص اور خوش اسلوبی سے انجام دیا جائے تو بہت بڑے اجر وثواب کا موجب ہے بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق:
كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر (سورۃ آل عمران آیت ۱۲۰)
تم (اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بہترین امت ہو تمہیں لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم بھلی بات کا حکم کرتے ہو بری بات سے منع کرتے ہو۔
اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا طغریٰ امتیاز ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان اپنی طبعی حاجات کھانے پینے آرام کرنے بیوی بچوں سے بات چیت کرنے میں مصروف ہوا نہتا یہ کہ اگر بیوی سے اختلاط بوس وکنار اور جماع میں بھی مشغول ہو تب بھی کارہائے خیر اور ثواب کی راہیں اس کے لئے کھلی ہیں صرف ارادہ کی ضرورت ہے کھانے پینے اور آرام کرنے کے وقت یہ نیت ہو کہ ان حاجات کو پورا کرنا خدا کا حکم ہے میں اسی کی تعمیل کر رہا ہوں اس لئے کہ کھائے پیئے آرام کیئے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت نہیں کر سکتا جماع کرتے وقت نیت یہ ہو کہ حلال بیوی اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس سے اپنی حاجت پوری کر رہا ہوں تاکہ حرام کاری سے بچوں نیز یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں ان کا شکر یہی ہے کہ ان سے فائدہ اٹھاؤں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں اور کفران نعمت کے گناہ اور عذاب سے بچوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
لئن شكرتم لازيدنكم ولئن كفرتم ان عذابى لشديد۔
اور بخدا اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دوں گا اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔
اسی طرح ایک مسلمان اپنے گھر جا کر اہل وعیال کے درمیان بیٹھتا اٹھتا' کھاتا پیتا' بات چیت کرتا' سوتا جاگتا ہے اور نیت اس کی یہ ہوتی ہے کہ یہ میرے اہل وعیال ہیں ان کے اعمال واخلاق کی نگرانی میرا فرض ہے غیر شرعی اعمال واخلاق سے بحسن تدبیر ان کو روکوں اور منع کروں اور شرعی اعمال وافعال اور اسلامی آداب واخلاق کی غیر محسوس طریق پر ان کو تعلیم دوں' اسلامی تہذیب ومعاشرت سے ان کو روشناس کروں مثلاً گھر کے تمام رہنے والے عورتیں' بچے جوان' بوڑھے ایک دستر خوان پر کھانا کھائیں اور خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ذرا بلند آواز سے کہہ کر کھانا شروع کرے جو بچے کم عمر ہیں ان کو پیار محبت سے سمجھائے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے ہیں تو جن سمجھدار مردوں' عورتوں نے ناواقفیت یا بے پروائی کی بنا پر بسم اللہ نہیں پڑھی ہوگی وہ تو اپنی غلطی یا کوتاہی خود ہی محسوس کر کے بسم اللہ پڑھ لیں گے اور دوسرے وقت جب دستر خوان پر بیٹھیں گے تو کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا نہ بھولیں گے اور اسی طرح روزانہ بار بار کی یاددہانی اور فہمائش سے تمام گھر والے اس سنت پر

عمل کرنے لگیں گے اور کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی سب کو عادت پڑ جائے گی دیکھئے کہ ایک سنت کو زندہ کرنا کتنا بڑا کار خیر ہے اور کتنے بڑے ثواب کا کام ہے لیکن یہ کام اسی صورت ہو سکا جب اسی نیت اور اسی ذمہ داری کے فرض کو ادا کرنے کے ارادہ سے اہل خانہ کے ساتھ بیٹھ کر دونوں وقت روزانہ کھانا کھایا یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے اسی طرح اور اسی نیت سے اگر اہل خانہ کے درون خانہ تمام اعمال وافعال اور آداب واخلاق کی نگرانی اور اصلاح کی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته والرجل راع فی اهله وهومسئول عن رعیته

تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور (قیامت کے دن) تم میں سے ہر شخص سے اس کے زیر نگرانی لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی اور ہر مرد اپنے اہل وعیال کا نگران ہے اس سے اس کی رعایا (اہل خانہ) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ کے مطابق آخرت کی مسئولیت سے بچ جائے گا ورنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

قو اانفسکم واهلیکم نارًا (سورۃ التحریم آیت ۶)

بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے۔ کے مطابق اہل وعیال کے گناہوں اور نافرمانیوں کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔

اس تفصیل کے مطابق ہر مسلمان کے لئے اپنے گھر میں بھی بے شمار کارہائے خیر اور ثواب کے کام موجود ہیں بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آخرت کے ثواب کی نیت اور غرض سے ان کاموں کو انجام دے ورنہ تو ہر شخص خصوصاً مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ کے سب ہی لوگ اپنے اہل وعیال کو ادب تمیز سکھلانے اور آداب واخلاق سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس غرض اور نیت سے کہ سوسائٹی میں ان کو عزت کی نظر سے دیکھا جائے اور ان کی تعریف کی جائے نہ کہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور آخرت کی مسئولیت سے بچنے کی غرض سے چنانچہ ان کو وہی آداب واخلاق سکھلاتے ہیں جو سوسائٹی میں مقبول اور پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں دیکھئے آج کل ہاتھوں میں پلیٹیں اور چمچے لے کر کھڑے کھڑے چلتے پھرتے کھانا کھانا اور پانی پینا عین تہذیب سمجھا جاتا ہے اور گھروں میں اسی کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے حالانکہ یہ اسلامی تہذیب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بالکل خلاف گداگرانہ اور بہیمانہ فعل ہے مگر اس طبقہ کا مقصد تو صرف سوسائٹی میں سرخروئی حاصل کرنا ہے ان کو خدا رسول اور آخرت کے ثواب وعذاب سے کیا واسطہ؟ بھول کر بھی کبھی خدا رسول کا خیال نہیں آتا یاد رکھئے! اسلامی معاشرہ اور خدا پرستی کا ماحول سٹیج کی تقریروں اور منبروں کی وعظوں سے کبھی قائم نہیں ہو سکتا بہت سے نیک دل مسلمان جس وقت ان تقریروں اور وعظوں کو سنتے ہیں اس وقت صدق دل سے ان پر عمل کرنے کا ارادہ بھی کرتے ہیں مگر جونہی ان وعظوں اور تقریروں کی مجلس سے اٹھتے اور اپنے گھر آتے ہیں یا کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں تو وہی غیر اسلامی کام کرتے ہیں جن کی بچپن سے عادت پڑی ہوتی ہے یاد رکھئے علم نفسیات کے مطابق عادت سب سے "قوی موثر اور عامل" ہے۔

اس لئے جب تک ہر مسلمان گھرانے کا بڑا' سربراہ مذکورہ حدیث کے مطابق اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کرے گا کہ ان اہل خانہ عورتوں' مردوں' بچوں اور بوڑھوں کی دینی اصلاح اور اسلامی تربیت میرا فرض ہے اور میں ہی قیامت کے دن جواب دہ ہوں اور عملی طور پر ان کے نشست برخاست خورد ونوش' خفت وخواب کی عادتوں کو اسلامی آداب واخلاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے گا اس وقت تک گھر کا ماحول دینی اور اسلامی نہیں ہو سکتا اور جب تک اس فرض کو اہم ترین ذمہ داری اور آخرت کے مواخذہ سے بچنے کا واحد ذریعہ سمجھ کر نہ ادا کیا جائے گا اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں آسکتی اسی طرح جب ہر گھر اور خاندان کا بڑا اور سربراہ اسی طریق کار پر عمل کرے گا تو پوری بستی کا معاشرہ اسلامی ماحول دینی ہو سکتا ہے اور جب ہر بستی اور ہر شہر کے مسلمان اسی طرح اپنے اپنے گھرانوں اور بستیوں میں اسی نہج پر کام کریں گے تو پورے ملک کا معاشرہ اسلامی اور خدا پرستی کے ماحول سے تبدیل ہو سکتا ہے یہی واحد تدبیر ہے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی۔

ایک شبہ کا ازالہ

لیکن قرآن کریم کی سابقہ آیت کریمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے پیش نظر ہر مسلمان پر بجائے خود اپنی اہل وعیال کی اصلاح وتربیت اپنا فرض ہے اور وہی قیامت کے دن مسئول اور جواب دہ ہے خواہ دوسرے لوگ اس پر عمل کریں یا نہ کریں لہٰذا کسی بھی مسلمان کا یہ کہنا: کہ دوسرے مسلمان تو اپنے گھرانوں کی اصلاح اور تربیت کرتے نہیں میرے اکیلے کے گھر کا ماحول اگر دینی اور معاشرہ اسلامی ہو بھی گیا تو اس سے کیا بنتا ہے؟ یہ عذر اس کو قیامت کے دن مواخذہ اور پکڑ سے نہیں بچا سکتا۔

غرض اس چوتھی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ درون خانہ بھی اور بیرون خانہ بھی اتنے زیادہ اور بے شمار کارہائے خیر ہیں کہ انسان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں جس میں کوئی ثواب کا کام کرنے کے لئے نہ ہو' کرنیوالا ہونا چاہئے اور کرنے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو آخرت کی فکر ہو پھر ساری زندگی اجر وثواب کا ذریعہ بن سکتی ہے لہٰذا کسی بھی مسلمان کو کسی بھی حالت میں یہ خیال ہر گز نہ کرنا چاہئے کہ میں اس حالت میں کوئی کار ثواب نہیں کر سکتا فقر وافلاس ہو' دکھ بیماری ہو ہر حالت میں سبحان اللہ' والحمد للہ ولا الہ الا اللہ' واللہ اکبر' تو کہہ سکتا ہے زبان سے کہنے میں دشواری ہو تو دل میں تو کہہ سکتا ہے طلب صادق اور لگن ہونی چاہئے پھر کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو کتاب لکھنے والے کو بھی اور پڑھنے والوں کو بھی' اور شائع کرنے والوں کو بھی یہ لگن عطا فرمائیں تاکہ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ کارہائے خیر میں صرف ہو اور ہم ہمہ وقت ثواب کے کاموں میں مشغول رہیں۔

کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھئے ہر مسلمان کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملئے

الخامس : عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ لِي النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لا تَحْقِرَنَّ مِنَ المَعرُوفِ شيئاً وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: (اے ابوذر) تم بھلائی کے کاموں میں سے کسی بھی کام کو حقیر (اور معمولی) ہرگز نہ سمجھنا اگرچہ اپنے (دینی بھائی) سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا ہی (کیوں نہ) ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر کو خاص طور پر خطاب کر کے متنبہ فرماتے ہیں کہ کبھی کسی بھی بھلے کام کو "معمولی" اور حقیر سمجھ کر ہرگز نہ ترک کرنا یہ نفس کا فریب اور دھوکا ہے۔ وہ تم کو کار خیر کے ثواب سے محروم کرنا چاہتا ہے چنانچہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے خوش روئی اور خندہ پیشانی سے ملنا اور ملاقات کرنا بھی کار ثواب ہے اگرچہ بظاہر اس میں نہ اس کی کوئی مالی امداد واعانت ہوتی ہے نہ ہاتھ پاؤں کی کوئی مدد مگر یہ طرز ملاقات اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے بے حد اہم کار خیر ہے اس لئے کہ اس طرح سے ملنے اور ملاقات کرنے سے مسلمانوں میں باہمی اخوت اور بھائی بندی کا رشتہ استوار اور مضبوط ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی امداد واعانت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے باہمی میل جول بڑھتا ہے اور ضرورت کے وقت بغیر کسی جھجک کے ایک دوسرے سے صدہا اور جائز دینوی کام لئے جاسکتے ہیں جو بغیر باہمی تعاون کے نہیں ہو سکتے۔

انسانی زندگی میں یہ باہمی امداد و تعاون اس قدر ضروری اور ناگزیر چیز ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور قوم میں خدا پرست ہوں یا خدا ناشناس حتیٰ کہ خالص کیمونسٹ ملکوں اور قوموں میں بھی امداد باہمی کی بڑی بڑی انجمنیں اور ادارے موجود ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ صرف دینوی کاموں میں خواہ وہ کام جائز ہوں خواہ ناجائز امداد باہمی کے منصوبے اور پروگرام بناتے ہیں خدا پرستی دینداری اور آخرت کے یاوہ سرے سے منکر ہیں یا غافل ہیں اس لئے دینی کاموں کا ان کے یہاں سوال ہی نہیں لیکن خدا پرست اور دیندار لوگ خدا کی عبادت وطاعت اور آخرت میں کام آنے والے کاموں کو دنیوی اغراض و مقاصد پر مقدم رکھتے ہیں اور مرنے کے بعد ایک ابدی اور لافانی زندگی پر یقین وایمان رکھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک دینی کاموں میں باہمی امداد و تعاون دینوی کاموں کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے اور دنیاوی کاموں میں امداد و تعاون صرف شرعاً جائز کاموں تک محدود رکھتے ہیں اور گناہ و نافرمانی میں باہمی امداد کو حرام اور ممنوع سمجھتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (سورۃ مائدہ آیت ۲۰)

نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے (ہر حالت میں) ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

بہر حال یہ شرعی تعاون اور امداد باہمی مسلمان کے لئے بھی ناگزیر ہے اور اس کی راہ خندہ روئی اور خوش خوئی سے ہی ہموار ہوتی ہے اس لئے اس حدیث میں کشادہ پیشانی اور خندہ روئی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے کو بھی نیک کام اور کار ثواب قرار دیا ہے اور معمولی بات سمجھ کر اس کو ترک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی ابوذرؓ کی حدیث میں امر بالمعروف کو ایک کار ثواب بتلایا ہے اس لحاظ سے اس پانچویں حدیث میں ابوذر کو ہی خطاب کر کے تنبیہ فرمائی کہ تم کسی بھی کار خیر کو حقیر اور معمولی مت سمجھنا اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو اس لحاظ سے یہ پانچویں حدیث چوتھی حدیث کا نتیجہ ہے اور امر بالمعروف ہی سے متعلق ہے۔

بدن کے تین سو ساٹھ جوڑوں کا شکرانہ

السادس: عن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "كُلُّ سُلامَى مِنَ النَّاس عَلَيهِ صَدَقَةٌ ، كُلَّ يوم تَطلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ : تَعْدِلُ بينَ الاثْنَين صَدَقَةٌ ، وتُعِينُ الرَّجُلَ في دَابَّتِهِ ، فَتحمِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ ترفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتاعَهُ صَدَقَةٌ ، والكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ ، وبكلِّ خَطْوَةٍ تَمشيهَا إلَى الصَّلاةِ صَدَقَةٌ ، وتُمِيطُ الأذَى عَنِ الطَّريق صَدَقَةٌ" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . ورواه مسلم أيضاً من رواية عائشة رَضي الله عنها ، قالَتْ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إنَّهُ خُلِقَ كُلُّ إنْسان مِنْ بَنِي آدَمَ عَلَى سِتِّينَ وثلاثمئة مفصَل، فَمَنْ كَبَّرَ اللهَ ، وحَمِدَ الله ، وَهَلَّلَ اللهَ ، وَسَبَّحَ الله ، وَاسْتَغْفَرَ الله ، وَعَزَلَ حَجَراً عَنْ طَريق النَّاس ، أَوْ شَوْكَةً ، أَوْ عَظماً عَن طَريق النَّاس ، أَوْ أَمَرَ بمَعْرُوف ، أَوْ نَهى عَنْ منكَر ، عَدَدَ السِّتِّينَ والثَّلاثِمئَة فَإنَّهُ يُمْسِي يَومَئِذٍ وقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّار " .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے (بدن کے) جوڑوں میں سے ہر جوڑ پر ایک صدقہ (کار خیر بطور شکرانہ) واجب ہے

(۱) دو شخصوں کے درمیان تم انصاف کرو یہ ایک (کارِ خیر بطور شکرانہ) واجب ہے۔

(۲) کسی شخص کی سواری (پر سوار ہونے میں) مدد کرنا اس کو (سہارا دے کر) اس پر سوار کر دینا یا اس کا سامان اٹھا کر سواری پر اس کو دے دینا ایک کار ثواب ہے۔

(۳) اچھی بات (کسی کو بتا دینا) ایک کار ثواب ہے۔

(۴) ہر قدم جو نماز کے لئے (مسجد) جانے میں اٹھاؤ یہ ایک کار ثواب ہے۔

(۵) راستہ (گذرگاہ) سے ایذا رساں چیز کو ہٹا دینا ایک کار ثواب ہے (بخاری اور مسلم)

امام مسلم نے بھی یہ حدیث (ذرا تفصیل کے ساتھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی وہ کہتی ہیں کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اولاد آدم میں سے ہر انسان کے (بدن میں) تین سو ساٹھ جوڑ پیدا کئے گئے ہیں پس (ان جوڑوں کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے) جس شخص نے اللہ اکبر کہا الحمد للہ کہا لا الہ الا اللہ کہا سبحان اللہ کہا استغفر اللہ کہا اور لوگوں کے راستے (گذرگاہ) سے پتھر ہٹا دیا یا کانٹا ہڈی لوگوں کے راستہ سے ہٹا دی یا (کسی کو) بھلے کام کے لئے کہا یا برے کام سے منع کیا (اسی طرح) تین سو ساٹھ جوڑوں (کے اداء شکر کے لئے) تین سو ساٹھ کام کر لئے تو اس شخص نے اس دن شام ہونے تک اپنے آپ کو (جہنم کی) آگ سے دور (اور محفوظ) کر لیا۔
تشریح: اس سے قبل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث میں بھی انسان کے بدن کے جوڑوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام واحسان ہونا اور اس انعام واحسان کے شکریہ میں کارہائے خیر انجام دے کر شکریہ ادا کرنے کا بیان آچکا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں میں بھی اسی اداء شکر کا بیان ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ان جوڑوں کی تعداد تین سو ساٹھ بتلائی ہے اور صبح سے شام تک روزانہ تین سو ساٹھ کارہائے خیر انجام دے کر خود کو کفران نعمت کی سزا جہنم سے نجات دلانے کی تاکید فرمائی ہے۔
ان دونوں حدیثوں میں جن کارہائے خیر کا ذکر ہے ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔(۱) ہر کلمہ سبحان اللہ (۲) ہر کلمہ الحمد للہ (۳) ہر کلمہ لا الہ الا اللہ (۴) ہر کلمہ اللہ اکبر (۵) ہر کلمہ استغفر اللہ (۶) ہر بھلا کام کسی کو بتلانا (۷) ہر برے کام سے کسی کو منع کرنا (۸) دو شخصوں کے درمیان انصاف کرنا (۹) کسی کمزور انسان کو سواری پر سوار ہونے یا سامان اٹھا کر اس کو دے دینے میں مدد کرنا (۱۰) ہر اچھی بات کہنا (۱۱) نماز کے لئے مسجد جانے میں ہر قدم اٹھانا (۱۲) عام گزرگاہ سے ہر ایذا رساں چیز کو دور کرنا (۱۳) لوگوں کے راستہ سے پتھر کانٹے یا ہڈی کو ہٹا دینا۔
یہ کارہائے خیر اپنی نوعیت کے اعتبار سے تو صرف تیرہ قسم کے کام ہیں مگر ہر کام تعمیر کے اعتبار سے یہ بے شمار ہو جاتے ہیں جن سے کوئی انسان کسی وقت بھی خالی نہیں رہ سکتا (جس کی تفصیل اسی باب کی دوسری حدیثوں کی تشریح کے ذیل میں گزر چکی ہے) مگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو صرف دن چڑھے کی دو رکعتوں کو ہی ان تمام کارہائے خیر کی بجائے کافی قرار دے دیا ہے۔
سبحان اللہ کتنا بڑا اللہ تعالیٰ کا احسان اور بندہ پروری ہے کہ تین سو ساٹھ جوڑوں کے اداء شکر کے لئے تین سو ساٹھ کارہائے خیر کی جگہ صرف دو رکعتوں کو ہی کافی قرار دے دیا اس کے بعد بھی اگر کوئی خدا پرست انسان ان بدن کے جوڑوں کا شکریہ ادا نہ کرے تو اس سے بڑھ کر احسان ناشناس، ناشکرا اور کفران نعمت کی سزا کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔

ہماری حالت

لیکن وائے بر ما (افسوس ہماری حالت پر) ہم تو دن رات اس قدر دنیا میں منہمک اور سرگرداں ہیں کہ کسی

وقت بھول کر بھی ہمیں خیال نہیں آتا کہ یہ ہاتھ پاؤں اور اعضا جن سے ہم دنیا کے تمام کام لے رہے ہیں خواہشات پوری کر رہے ہیں اغراض حاصل کر رہے ہیں ان کو عطا کرنے والے کا بھی ہم پر کچھ حق ہے یا کسی کے انعام واحسان کا شکریہ ادا کرنا تو انسانیت اور شرافت کا تقاضا بھی ہے جانور بھی چارہ ڈالنے والے کے سامنے سر جھکاتا ہے ہم تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں ہم تو دنیا میں اس قدر منہمک اور سر گرداں ہیں کہ ہمیں یہ سوچنے سمجھنے کی فرصت ہی نہیں ہمارے متعلق ہی فرمایا ہے۔

بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا (سورۃ اعلیٰ آیت ۱۶) بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو۔

حالانکہ یہ دنیا کی زندگی جس میں ہم نے اپنے آپ کو کھپا رکھا ہے اس کی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں جس سے ہم بالکل بے پرواہ اور بے خبر ہیں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی نہ ہی اس کی کوئی بنیاد ہے ارشاد ہے۔

والاخرۃ خیر و ابقی (سورۃ اعلیٰ آیت ۱۷)

حالانکہ آخرت (کی زندگی بدرجہا) بہتر اور پائیدار (لافانی) ہے۔

ہم بچشم خود مشاہدہ کرتے ہیں کہ بڑے بڑے خوشحال اور دولت مند زمانہ کی گردش کا شکار ہو جاتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے نان شبینہ تک کے محتاج ہو کر در بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں در حقیقت یہ ہمارے خبیث نفس کی سرکشی اور سر تابی ہے کہ وہ ہمیں ان روز روشن کی طرح واضح حقیقتوں کے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہیں دیتا اور دولت و ثروت جاہ و منفعت کے نئے سے نئے سبز باغ دکھا کر شب و روز سر گرداں رکھتا ہے اور مرتے دم تک اسی فنا ہونے والی دنیا میں ہم سر کھپاتے رہتے ہیں اس کا انجام یہ ہے ارشاد ہے۔

فامامن طغی و اثر الحیوۃ الدنیافان الجحیم ھی الماوی (سورۃ النزعت آیت ۳۷۔۳۸)

اور جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو (پسند کیا اور) ترجیح دی پس بیشک جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

بجز اس خوش نصیب اور سعید ازلی شخص کے جو اس مکار نفس کی فریب کاری سے آگاہ ہو کر قیامت کے دن خدا کے روبرو پیش ہونے سے اور گناہوں کی سزا سے ڈرا اور اس بے لگام نفس کے منہ میں احکام خداوندی کی پابندی کی لگام دی اور اس کو ناجائز خواہشات سے باز رکھا تو بیشک قیامت کے دن جنت اس کا ٹھکانہ ہو گی ارشاد ہے۔

واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی (سورۃ النزعت آیت ۴۰۔۴۱)

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے (اور پیش) ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

اس باب کی احادیث اور ان کی تشریحات کے ذیل میں ہر حالت میں اور ہر وقت کارہائے خیر میں مصروف رہنے کا مقصد اسی بے لگام نفس کے منہ میں لگام دینا خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ورزی اور ممنوع اغراض

وخواہشات سے روکنا اور قیامت کے دن سرخرو ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دنیاوی خواہشات واغراض سے دور اور محفوظ رکھے جو قیامت کے دن جہنم میں لے جانے والی ہوں۔

صبح شام مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے والے کی مہمانی

السابع: عَنْهُ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ غَدَا إِلَى المَسْجِدِ أَوْ رَاحَ، أَعَدَّ اللهُ لَهُ فِي الجَنَّةِ نُزُلاً كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ. "النُّزُلُ": القوت والرزق وما يُهيأُ للضيف.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کو (نماز کے لئے) مسجد گیا یا شام کو گیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں خصوصی ضیافت تیار فرمائیں گے جتنی مرتبہ بھی وہ صبح یا شام کو (مسجد) جائے گا۔ بخاری ومسلم

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نزل (عربی زبان میں) اس (خصوصی) غذاء (کھانے کو اور ہر اس چیز) کو کہتے ہیں جو مہمان کے لئے تیار کی جائے۔

نزل۔ کھانا پینا اور وہ اشیاء جو ایک مہمان کیلئے تیار کی جاتی ہیں۔

تشریح: اس نزل (خصوصی ضیافت) کی خوشخبری فرشتے (مرتے وقت) ہر اس مسلمان کو سناتے ہیں جو تمام عمر اللہ تعالیٰ پر ایمان اور دین پر پختگی کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملئكة الا تخافو او لاتحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون نحن اولياؤكم في الحيوة الدنيا وفي الاخرة ولكم فيها ما تشتهي انفسكم ولكم فيها ماتدعون نزلاً من غفور رحيم (سورۃ حم السجدۃ آیت ۳۰ تا ۳۲)

بے شک جن لوگوں نے (صدق دل سے) کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (تمام عمر پختگی کے ساتھ) اس پر قائم رہے ان کے پاس (مرتے وقت) فرشتے آتے ہیں (اور کہتے ہیں) اب تم نہ کسی چیز کا خوف کرو اور نہ ہی کسی چیز کا غم کرو اور تم کو خوشخبری ہو اس جنت کی جس کا (دنیا میں) تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار رہے اور آخرت میں بھی تمہارے مددگار رہیں گے اس جنت میں تمہیں وہ تمام چیزیں (نعمتیں) ملیں گی جن کو تمہارا جی چاہے گا اور اس جنت میں تمہیں ہر وہ چیز (نعمت) ملے گی جو تم طلب کرو گے (یہ) خصوصی ضیافت ہے۔

بہت مغفرت کرنے والے مہربان (رب) کی جانب سے

یہ حقیقت ہے کہ روزانہ پابندی کے ساتھ پانچویں وقت مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اتنا عظیم دین کا کام (عبادت) ہے کہ جو مسلمان اس کی پابندی کر لیتا ہے اس کے لئے اور دین کے کاموں (عبادتوں) کی پابندی آسان ہو جاتی ہے اور جو مسلمان پنجوقتہ نماز باجماعت کی پابندی نہیں کرسکتے وہ اور دین کے

کاموں (عبادتوں) کی پابندی بھی نہیں کرسکتے اور فرض عبادتوں تک کو ترک کرنے کے مجرم اور گنہگار ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نماز کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

واستعینوا بالصبرو الصلوٰة وانها لکبیرة الاعلی الخاشعین الذین یظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم الیه راجعون (پارہ ا سورۃ بقرہ ع:۵)

اور تم (دین کے تمام کاموں میں) مدد حاصل کرو ثابت قدمی اور نماز سے بلا شبہ نماز (پڑھنا) بہت زیادہ گراں (اور دشوار) ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو یقین ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اپنے رب کے سامنے ضرور پیش ہونا ہے اور وہ (دنیا سے) اسی کے پاس لوٹ کر جائیں گے (اور سب سے پہلے نماز کے متعلق ہی سوال ہوگا کہ پابندی کے ساتھ پڑھی یا نہیں)

فارسی کا شاعر کہتا ہے۔

روز محشر کہ جان گداز بود اولین پرسش نماز بود

محشر کے دن جبکہ جان پگھلی جارہی ہوگی سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں صبر سے مراد وہی استقامت ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے یعنی تمام عمر دین وایمان پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا۔

اسی لئے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام صوبوں کے والیوں (گورنروں) کے پاس ذیل کا فرمان بھیجا تھا۔

ان اهم امور دینکم الصلوٰة فمن حافظ علیها فهو لغیرها احفظ و من ضیعها فهو لغیرها اضیع.

بلاشبہ تمہارے دین کے کاموں (عبادتوں) میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے تو جس شخص نے نماز کی پابندی کر لی وہ کاموں (عبادتوں) کی آسانی سے پابندی کرسکے گا اور جس اور نے نماز کو ضائع کردیا وہ اور کاموں کو زیادہ آسانی کے ساتھ ضائع کردے گا۔

یہی لقاء رب (پروردگار کے سامنے پیش ہونے) کا یقین نہ صرف نماز جیسی نفس پر گراں اور دشوار عبادت کو آسان اور سہل کردیتا ہے بلکہ نماز کو دل کی ٹھنڈک، آنکھوں کی خنکی اور محبوب ترین عمل بنادیتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قرة عینی فی الصلوٰة میری آنکھوں کی خنکی (اور مسرت) نماز میں ہے۔

اور اسی نماز کی محبت ومسرت کی بنا پر دین کے اور تمام کام بھی آسان اور سہل ہوجاتے ہیں اسی لئے قرآن کریم میں صبر اور صلوٰة سے دین کے تمام کاموں میں مدد لینے کا حکم فرمایا ہے کہ یہی نماز کی پابندی دین کے تمام

کاموں کی پابندی کو آسان بنادیتی ہے جیسا کہ تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان میں بتلایا گیا ہے نماز نہ صرف دین کے کاموں کو آسان کر دیتی ہے بلکہ دنیا کی تمام پریشانیوں کو بھی دور کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں شریف میں آیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاحزبہ امر باور الیٰ الصلوۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی (پریشان کن) دشوار امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف دوڑتے (اور فوراً نماز پڑھنے لگتے)

گویا نماز دین ودنیا دونوں کے دشوار کاموں کو آسان کر دیتی ہے اور پریشانیوں سے نجات دلاتی ہے نہ صرف یہ بلکہ نماز بے حیائی کے کاموں اور شرعاً ممنوع کاموں سے بھی روکتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشآءِ والمنکر ولذکر اللہ اکبر' واللہ یعلم ما تصنعون (سورۃ عنکبوت آیت ۴۵)

بلاشبہ نماز فحش کاموں (بے حیائی کے کاموں سے) اور (شرعاً) ممنوع کاموں سے روکتی (اور باز رکھتی) ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو (خوب) جانتا ہے۔

یہ ذکر اللہ جس کے اکبر ہونے پر اس آیت کریمہ میں تنبیہ کی گئی ہے اس کا سب سے زیادہ یقینی مصداق نماز ہے اسی ذکر اللہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (سورۃ رعد آیت ۲۸)

سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

کاش اس کتاب کے پڑھنے والوں کے کان اس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو دل وجان سے سن لیں اور دین ودنیا کی تمام فکروں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کریں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کے لکھنے والے اور شائع کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ ذکر اللہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

بات لمبی ہو گئی مختصر یہ ہے کہ اس حدیث میں پانچویں وقت مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنے والوں کے لئے غفور ورحیم پروردگار کی جانب سے خصوصی ضیافت کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز دینے کو بھی حقیر نہ سمجھے

الثامن : عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ ، لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . قَالَ الجوهري : الفرسِن مِنَ البَعيرِ كالحَافِرِ مِنَ الدَّابَةِ قَالَ : وَرُبَّمَا اسْتُعِيرَ فِي الشَّاةِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے (کسی بھی چیز کو) حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہی ہو۔(بخاری و مسلم)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (امام لغت) جوہری کا کہنا ہے: اونٹ کا فرسن (تلوے) ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے چوپایہ کے کھر' نیز کہا اور بسا اوقات فرسن کا لفظ بکری کے (کھر کے) لئے بھی استعمال ہوتا ہے (اس حدیث میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان عورتوں کو خاص طور پر اس لئے خطاب فرمایا ہے۔ کہ عام طور پر عورتیں اپنی لاعلمی اور کم فہمی کی بنا پر تھوڑی سی یا چھوٹی موٹی چیز پڑوسن کو دینے میں شرم محسوس کرتی ہیں کہ "اتنی سی چیز کیا دیں" حالانکہ پڑوسن کو اس کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس حقیر چیز کو غنیمت سمجھتی ہے اسی طرح بسا اوقات لینے والی پڑوسن اس حقیر سی چیز کے دینے کو اپنی توہین سمجھتی ہے اور کہتی ہے "کیا دینے چلی ہیں اتنی سی چیز دیتے ہوئے شرم بھی نہ آئی" حالانکہ اس کو اس معمولی چیز کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو اس باب (کارہائے خیر کی کثرت) کے ذیل میں اس لئے لائے ہیں کہ معمولی سی چیز بھی پڑوسن کو دے کر پڑوس کا حق ادا کرنا بھی اہم کار خیر ہے یہی نیت اس معمولی سی چیز دینے کے وقت کرنی چاہئے تو اس معمولی سے کام پر بھی۔ جس کے مواقع کثرت سے میسر آتے ہیں بڑا ثواب ملتا ہے اس لئے پڑوس کے حقوق اتنے زیادہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ

حضرت جبرئیل اتنی کثرت سے پڑوسی کے حقوق بتلانے کے لئے میرے پاس آئے کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس حدیث سے پہلے احادیث میں جن کارہائے خیر کا ذکر آیا ہے وہ بالعموم عامۃ الناس اور مردوں سے متعلق ہیں اس حدیث میں عام طور پر عورتوں کو پڑوسی کے حقوق کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ پڑوس کے حقوق عام لوگوں کی بنسبت بہت زیادہ ہیں ان کا ادا کرنا بھی عظیم کار ثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں ہماری مسلمان عورتوں کو بھی اتنی سمجھ اور کثرت سے کارہائے خیر کرنے کی تڑپ عطا فرمائیں اس لئے کہ اس زمانہ کی عورتیں ثواب کے ان کاموں سے بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں اور زینت و آرائش میں ہر وقت منہمک ہیں اللہ ہم سب پر رحم فرمائیں۔

ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے

التاسع: عَنْهُ، عن النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الإيمانُ بِضْعٌ وَسَبعُونَ أَوْ بِضعٌ وسِتُونَ

شُعْبَةً : فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ : لا إِلَهَ إِلاَّ اللهُ ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ ، والحياءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإيمان " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . " البِضعُ " من ثلاثة إِلَى تسعة بكسر الباء وقد تفتح . وَ" الشُّعْبَةُ " : القطعة.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے چند اور ستر یا (فرمایا) چند اور ساٹھ شعبے ہیں تو ان میں سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ ہے اور ان میں سب سے ادنیٰ شعبہ (عام) راستے سے ایذا رساں چیز کو مٹا دینا (ہٹا دینا) ہے اور حیا (شرم) تو ایمان کا بہت ہی اہم شعبہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بضع کا لفظ تین سے نو تک کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کا تلفظ ب کے زیر کے ساتھ ہوتا ہے کبھی کبھی ب کے زبر کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے اور شعبہ کے معنی حصہ کے ہیں۔

تشریح: ایمان کا محل مومن کا دل ہے جب ایمان دل سے نکل کر ہاتھ پاؤں اور اعضاء وجوارح پر اعمال کی شکل میں نمودار ہونا شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے زبان پر کلمہ طیبہ آتا ہے اور اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ کہتا ہے اس کے بعد ہاتھ پاؤں حرکت میں آتے ہیں وضو کرتا ہے مسجد جاتا ہے اور باجماعت پنجوقتہ نمازیں پڑھنا شروع کر دیتا ہے رمضان کا مہینہ آتا ہے تو روزے رکھتا ہے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مال میں مزید وسعت میسر آتی ہے اور حج فرض ہوتا ہے تو حج بھی ادا کرتا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ تمام بدنی اور مالی فرض اور نفل عبادتیں ادا کرنے لگتا ہے اور حسب مقدور زیادہ سے زیادہ اعمال خیر اور ثواب کے کام کرنے لگتا ہے اس مرحلہ پر پہنچ کر ایمان کا نام اسلام ہو جاتا ہے اور یہی پانچ اسلام کے بنیادی ستون کہلاتے ہیں جن میں کلمہ شہادت مرکزی ستون ہے کہ اس کے بغیر تو کوئی مسلمان ہی نہیں ہوتا اور چار عبادتیں اور ان کے ساتھ سنن ونوافل نماز' روزہ' زکوٰۃ حج چاروں طرف کے چار ستون ہیں جن پر اسلام کی عظیم الشان عمارت قائم ہے اور اس پوری عمارت کو شیطان اور نفس امارہ کی رخنہ اندازیوں (گناہوں اور معصیتوں) سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے ایک بہت ہی اہم اور عظیم شعبہ کہئے یا حفاظتی ستون (چہار دیواری) حیا اور شرم ہے یہ حیا اور شرم خواہ انسانوں سے ہو خواہ احکم الحاکمین سے بہر صورت بے حیائی کے کاموں اور اخلاقی وشرعی برائیوں (گناہوں اور نافرمانیوں سے) ایک غیرتمند اور باحیا مسلمان کو ضرور باز رکھتی ہے اس لئے کہ ایک غیرت دار انسان بے حیائی کے کام کر کے لوگوں سے خود کو بے حیا اور بے شرم یا بدمعاش فاسق وفاجر کہلانا ہرگز گوارا نہیں کرتا باقی جو ایماندار اللہ تعالیٰ سے شرم کرتا ہے وہ تو نہ لوگوں کے سامنے اور نہ تنہائی میں کسی بھی حالت میں بے شرمی کے اور برے کام یعنی گناہ اور نافرمانی کر ہی نہیں سکتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے اور اس کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں ساری دنیا سے چھپ سکتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ سے کسی بھی حالت میں نہیں چھپ سکتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یعلم خآئنة الاعین وماتخفی الصدور (س: المومن آیت ۱۹)
وہ اللہ جانتا ہے نگاہوں کی چوریوں کو بھی اور جو دل میں چھپا (اس کو بھی)
نیز ارشاد ہے: **وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء واللہ علی کل شیء قدیر** (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۴)
چاہے جو تمہارے دل میں ہے اس کو تم ظاہر کرو چاہے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب ضرور لے گا پھر جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے
اسی لئے بعض عارفین نے حیا کی تعریف ذیل کے الفاظ میں کی ہے۔ **مولاک لایراک حیث نہاک**
(حیا یہ ہے کہ) تیرا آقا تجھے اس جگہ (اور اس حال میں) نہ دیکھے جس سے تجھ کو منع کیا ہے۔
بہر حال حیا اور شرم ایک حیادار اور غیر تمند آدمی کو بے شرمی اور برے کاموں سے ضرور روکتی اور باز رکھتی ہے خواہ یہ حیا خالق سے ہو خواہ مخلوق سے باقی رہا بے حیا اور بے غیرت آدمی وہ تو انسان ہی نہیں جانور ہے مشہور مقولہ ہے۔
اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت جب تم سے حیا فوت ہو جائے (یعنی حیا نہ رہے) تو پھر جو چاہو کرو۔
حدیث میں حیا کو عظیم شعبہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ حیا اور شرم اسلام کی عظیم الشان عمارت کے لئے ایک چہار دیواری ہے جو تمام عبادات اور اعمال صالحہ کو گناہوں اور نافرمانیوں سے محفوظ رکھتی ہے غرض ایک مومن ایمان کی تحریک سے رفتہ رفتہ تمام عبادات اور وہ اعمال صالحہ جن کے کرنے کا خدا اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے بجالانے کی کوشش کرتا ہے اور حیا و شرم کی بنا پر جن برے کاموں (گناہوں اور نافرمانیوں) سے منع کیا ہے حتی الامکان دور رہتا ہے (اور بتقاضائے بشریت کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ کرلیتا ہے) تو اس کی یہ تمام عبادات اور اعمال صالحہ روزانہ احکم الحاکمین کے حضور میں پیش ہوتے ہیں دن کے محافظ فرشتے صبح سے شام تک کی عبادات واعمال صالحہ اور رات کے محافظ فرشتے شام سے صبح تک کی عبادات واعمال صالحہ پیش کرتے ہیں۔
احادیث میں تفصیل سے اور قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں اجمالاً ان کے پیش ہونے کا ذکر ہے۔
۱. **ضرب اللہ مثلاً کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السمآء** (سورہ ابراہیم آیت ۲۴)
اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال بیان کی ایک درخت کی مانند جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اسکی ٹہنیاں آسمان میں پہنچی ہوئی ہیں۔
۲. **الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه.** (سورۃ فاطر آیت ۱۰)
اللہ کی طرف ہی چڑھتے (اور پہنچتے) ہیں پاکیزہ کلمات (کلمہ شہادت) اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے (یہاں تک کہ وہ بارگاہ خداوندی میں پیش ہوتا ہے)

قرآن عظیم کی اس مثال کے اعتبار سے ایمان کے درخت کا بیج مومن کے دل کی زمین سے پھوٹ کر نکلتا ہے تو اس کی پہلی کونپل زبان سے کلمہ طیبہ کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اس کونپل سے چار ٹہنیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی صورت میں بڑھتی اور دیگر اعمال صالحہ کی صورت میں نمودار ہوتی رہتی ہیں اور روزانہ مومن کی عبادات اور اعمال صالحہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش ہوتے رہتے ہیں آیت کریمہ میں **الیه یصعد** اور **فرعها فی السماء** سے اسی کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

عربی زبان میں درخت کی ٹہنی کو شعبہ اور فرع اور جڑ کو جو زمین کے باہر ہوتی ہے اصل کہتے ہیں قرآن کریم میں اصل کے لفظ سے کلمہ طیبہ کی طرف اور فرع کے لفظ سے چاروں عبارتوں اور بقیہ اعمال صالحہ کی طرف اشارہ ہے زیر نظر حدیث میں انہی فرض و نفل عبادتوں اور اعمال صالحہ کو شعبہ (بمعنی شاخ کی جمع شعب) سے تعبیر فرمایا ہے۔

علماء حدیث نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان شعب ایمان کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے بیان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب شعب الایمان زیادہ مشہور ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اعمال صالحہ (کارہائے خیر) سے متعلق باب میں متفرق حدیثوں کے ساتھ ہی اس حدیث کو اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ کارہائے خیر اور اعمال صالحہ انہی پچیس حدیثوں میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس حدیث کے مطابق تمام ہی اعمال صالحہ خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں خواہ حقوق العباد سے جن کا قرآن و حدیث میں ذکر آیا ہے سب اعمال صالحہ کے ذیل میں آتے ہیں۔

دعا: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پُر آشوب زمانے اور پر فتن دور میں مسلمانوں کو ان کارہائے خیر اور اعمال صالحہ میں مصروف رہنے کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ ان کے ایمان کا درخت سرسبز و شاداب اور بار آور رہے اور یہ کارہائے خیر اور اعمال صالحہ کی مصروفیت ان کو آخری زمانے کے فتنوں سے دور اور محفوظ رکھے آمین یارب العالمین۔

پیاسے کتے کو بھی پانی پلانا کار ثواب ہے

العاشر: عَنْهُ: أَنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " بَينَما رَجُلٌ يَمشي بطَريق اشْتَدَّ عَلَيهِ العَطَشُ، فَوَجَدَ بئراً فَنَزَلَ فِيهَا فَشرب، ثُمَّ خَرَجَ فإذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يأكُلُ الثَّرَى مِنَ العَطَش، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الكَلْبُ مِنَ العَطَش مِثلُ الَّذِي كَانَ قَدْ بَلَغَ مِنِّي فَنَزَلَ البِئْرَ فَمَلأَ خُفَّهُ مَاءً ثُمَّ أَمْسَكَهُ بفيهِ حَتَّى رَقِيَ، فَسَقَى الكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ " قالوا: يَا رَسُول اللهِ، إنَّ لَنَا في البَهَائِمِ أَجْراً؟ فقَالَ: " في كُلِّ كَبدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ " "۳" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ. وفي رواية للبخاري: " فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ، فأدْخلَهُ الجَنَّةَ " وفي رواية لهما: " بَيْنَما كَلْبٌ يُطِيفُ برَكِيَّةٍ قَدْ كَادَ يقتلُهُ العَطَشُ إِذْ رَأَتْهُ بَغِيٌّ مِنْ بَغَايَا بَنِي إِسْرَائِيل، فَنَزَعَتْ مُوقَها فَاسْتَقَتْ لَهُ بِهِ فَسَقَتْهُ فَغُفِرَ لَهَا بِهِ ". " المُوقُ ": الخف. وَ " يُطِيفُ ": يدور حول " رَكِيَّةٍ ": وَهِيَ البئر.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ پر چلا جارہا تھا اس کو سخت پیاس لگنے لگی تو اسے ایک کنواں نظر آیا تو وہ کنویں میں اترا اور (سیر ہوکر) پانی پیا پھر باہر آگیا تو ناگاہ ایک کتے کو (پیاس کی شدت سے) ہانپتا اور گیلی مٹی کو چاٹتا ہوا دیکھا تو اس وقت آدمی نے (دل میں) کہا بخدا اس کتے کو بھی ایسی ہی سخت پیاس لگ رہی ہے جیسے مجھے لگ رہی تھی تو وہ کنویں میں اترا اور اپنے (چرمی) موزہ میں پانی بھرا پھر اس کو اپنے منہ سے پکڑا یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا اور کتے کو پانی پلادیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی (اس ہمدردی کی) قدر فرمائی اور اس کے گناہ معاف فرمادیئے

تو اس پر صحابہؓ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں (کے ساتھ ہمدردی کرنے) میں بھی ثواب (ملتا) ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جاندار کے ساتھ ہمدردی کرنے میں ثواب ملتا ہے۔ بخاری و مسلم

اور بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کی (اس ہمدردی کی) قدر کی اور اس کی مغفرت فرمادی اور اس کو جنت میں داخل (کرنے کا حکم) فرمادیا اور بخاری و مسلم دونوں کی ایک روایت میں (اس طرح) آیا ہے اس اثناء میں کہ ایک کتا (پیاس کی شدت سے) ایک کنویں کے چاروں طرف گھوم رہا تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک (پیشہ ور) فاحشہ عورت نے اس کتے کو دیکھا (اور ان کی شدید پیاس کو محسوس کیا) تو اس نے اپنا چرمی موزہ پاؤں سے اُتارا اور اس کو (کنویں سے پانی بھر کر نکالا اور) اس (پیاسے) کتے کو پلادیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی (اس ہمدردی کی قدر فرمائی اور اس کی) مغفرت فرمادی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں موق کے معنی چرمی موزے کے ہیں اور رکیۃ کے معنی کچے کنویں کے ہیں اور یطیف کے معنی چاروں طرف گھومنے کے ہیں۔

تشریح: اس حدیث اور اس کی مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں ایک مرد کا اور ایک عورت کا اور دونوں ہی نے پیاسے کتے کی تکلیف کو محسوس کیا ہے اور اس کو کنویں سے پانی نکال کر پلایا ہے باوجودیکہ ہر سلیم الطبع انسان کتے سے نفرت کرتا ہے پھر بھی ایک ذی روح مخلوق کی پیاس جیسی سخت تکلیف کو انہوں نے اپنے اوپر قیاس کرکے شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے اور کچے کنویں کے اندر اترے اور برتن میسر نہ ہونے کی بناء پر اپنے چرمی موزے میں ہی پانی بھر کر نکالا اور اس پیاسے کتے کی معاف فرمادیئے ہیں اور جنت میں داخل کرنے کا حکم فرمادیا ہے حالانکہ عورت تو کھلی ہوئی بدکار ہے اور مرد بھی عام آدمی تھا صدہا گناہ کئے ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کریمی سے ان کی اس جاندار کی ہمدردی کی قدر افزائی کی اور تمام گناہ معاف کردیئے صحابہ کرامؓ کو اس معمولی سے کام کے اتنے بڑے ثواب پر تعجب ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے تعجب کا اظہار کیا آپ نے جواب میں فرمایا: کتے کی کوئی خصوصیت نہیں ہر جاندار مخلوق بھوک پیاس سے بے قرار ہوجاتی ہے اس کی بھوک پیاس کو دور کرنے میں انسان وحیوان سب برابر ہیں لہٰذا جیسے ایک بھوکے اور پیاسے انسان کو کھانا کھلانا اور

پانی پلانا یقیناً انسانی ہمدردی اور کار ثواب ہے ایسے ہی ہر بھوکے پیاسے جاندار کو بھوک پیاس کی تکلیف سے نجات دلانا بھی کار ثواب ہے اور اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو کثرت کارہائے خیر کے باب میں لائے ہیں۔

دعا: دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائیں کہ ہم ہر بھوکے پیاسے کی' انسان ہو یا حیوان تکلیف کو ایسے ہی محسوس کریں جیسے ہم کو بھوک پیاس لگتی ہے تو ہم بیقرار ہو جاتے ہیں اور جب ہمیں کوئی اللہ کا بندہ بھوک پیاس کی نا قابل برداشت تکلیف سے کھانا کھلا کر اور پانی پلا کر نجات دلا دیتا ہے تو ہم اس کے شکر گزار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی اس ہمدردی کی قدر فرماتے اور گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور ایسے ہی ہم بھی بھوکوں کو کھانا کھلا کر پیاسوں کو پانی پلا کر گناہوں کی مغفرت کے مستحق بنیں اور اللہ تعالیٰ اپنی شان کریمی سے ہمارے بھی گناہ معاف فرما دیں۔ واضح ہو کہ یہ عمل صالح حقوق العباد کے ذیل میں آتا ہے اسی لئے اس کا اتنا بڑا اجر و ثواب ہے واللہ اعلم۔

عام راستہ سے کانٹے ہٹا دینے والے کے درجات

الحادي عشر : عَنْهُ ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلاً يَتَقَلَّبُ في الجَنَّةِ في شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَانَتْ تُؤذِي المُسْلِمِينَ " رواه مسلم . وفي رواية: "مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهرِ طَرِيقٍ ، فَقَالَ : وَاللهِ لأُنَحِّيَنَّ هَذَا عَنِ المُسْلِمِينَ لايُؤْذِيهِمْ ، فَأُدخِلَ الجَنَّةَ " . وفي رواية لهما : " بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فأخَّرَه فَشَكَرَ اللهُ لَهُ ، فغَفَرَ لَهُ " .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے جنت میں ایک آدمی کو چلتا پھرتا دیکھا ایک درخت کو مسلمانوں کے راستے پر سے کاٹ دینے کے (ثواب) میں جو مسلمانوں کو تکلیف دیتا تھا۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے: ایک آدمی کا ایک ایسے درخت کی ٹہنی کے پاس سے گزر ہوا جو عین راستہ کے بیچ میں (اگا ہوا) تھا تو (اس نے دل میں) کہا بخدا میں اس درخت کو ضرور ہٹا دوں گا تا کہ یہ مسلمانوں کو تکلیف نہ دے (چنانچہ اس نے ہٹا دیا) تو اس کو اس کار خیر کے صلہ میں جنت میں داخل کر دیا گیا اور بخاری و مسلم دونوں کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ اس اثنا میں کہ ایک آدمی ایک راستہ سے گزر رہا تھا اس نے ایک کانٹوں کی ٹہنی راستہ پر پڑی پائی تو اس نے اس ٹہنی کو ہٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس کار خیر کی قدر کی اور اس کے گناہ بخش دیئے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف کے طور پر قیامت کے بعد پیش آنے والے واقعات اور اہل جنت کے وہ اعمال حسنہ جن کی بنا پر وہ جنت میں جائیں گے اور اہل دوزخ کے وہ اعمال قبیحہ (کفر و شرک) اور گناہ کبیرہ) جن کی بنا پر وہ دوزخ میں جائیں گے نیز جنت و دوزخ کے تفصیلی حالات' پہلے

سے 'صرف اس لئے دکھلائے کہ آپ اپنی امت کو ان اچھے برے اعمال سے آگاہ فرمادیں جن کی بنا پر وہ جنت یا دوزخ میں جائیں گے سبحان اللہ کتنے مہربان ہیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کی امت پر۔

احادیث میں ایسے کشف کے متعدد واقعات مذکور ہیں یہ آئندہ پیش آنیوالے واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے گئے ہیں اور آپ نے اُمت کو آگاہ فرمایا ہے اسی سلسلہ میں اس حدیث میں آپ نے اپنا کشف بیان فرمایا ہے کہ مسلمان کی عام گذرگاہ اور راستہ سے خار دار درخت یا ٹہنی کو کاٹ دینا یا ہٹا دینا اتنا بڑا کار خیر اور عمل صالح ہے کہ نیک نیتی سے اس کار خیر کو انجام دینے کا اجر وثواب جنت ہے بشر طیکہ کوئی اور امر مثلاً کفر وشرک یا حقوق العباد سے متعلق کوئی گناہ مانع نہ ہو دسویں حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک مرد اور ایک عورت کا واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ان واقعات اور اعمال کے ذکر فرمانے کا مقصد ان اعمال صالحہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دلانا ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے اور آسان کام بھی جنت میں جانے کا وسیلہ بن سکتے ہیں بشر طیکہ ثواب کی نیت سے کئے جائیں اور ان کو حقیر یا معمولی کام نہ سمجھا جائے۔

یاد رہے کہ "شعب ایمان" کی دسویں حدیث میں اسی راستہ پر سے کسی تکلیف دہ چیز کے ہٹا دینے (**اماطة الاذی عن الطریق**) کو ایمان کا ادنیٰ شعبہ بتلایا گیا ہے یہ ادنیٰ سب سے سہل اور آسان ہونے کے معنی میں ہے نہ کہ مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے ادنیٰ کے معنی ہیں آسان اس لئے کہ یہی **اماطة الاذی عن الطریق** 'دسویں اور گیارہویں حدیث میں جنت میں داخل ہونے کا باعث ہوا ہے۔ علاوہ ازیں یہ **اماطة الاذی عن الطریق** 'حقوق العباد میں سے ہے جو بغیر لوگوں کے معاف کئے معاف نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم

نماز جمعہ پورے آداب کے ساتھ ادا کرنے کا اجر عظیم

الثاني عشر : عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الوُضُوءَ ، ثُمَّ أَتَى الجُمعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الجُمُعَةِ وَزِيادَةُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ ، وَمَنْ مَسَّ الحَصَا فَقَدْ لَغَا "[۳] (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور خوب اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ کی نماز کے لئے مسجد آیا پس (پوری توجہ سے) خطبہ سنا اور خاموش بیٹھا سنتا) رہا اس کے اس جمعہ سے آئندہ جمعہ تک کے اور تین دن زیادہ کے گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے کنکریوں کو (اپنی جگہ سے) ہٹایا اس نے بیہودہ کام کیا (مسلم نے روایت کیا)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر یہ خاص انعام فرمایا ہے کہ ایک حسنہ (نیک کام) پر ایک اجر کے بجائے کم از کم دس گنا ثواب اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا اجر کا وعدہ

فرمایا ہے مگر ایک سیۂ (برے کام) کی سزا ایک ہی تجویز فرمائی دس گناہ نہیں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

من جآء بالحسنة فله عشر امثالها ومن جآء بالسيئة فلايجزى الامثلها وهم لايظلمون (سورۃ انعام آیت ۱۶۱)

جس نے ایک اچھا کام کیا تو اس کے لئے دس گنا ثواب ہے اور جس نے برا کام کیا اس کی سزا ایک ہی دی جائیگی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (کہ دس گنی سزا دی جائے)

نیز ارشاد ہے:۔**مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضعف لمن يشآءُ والله واسع عليم** (سورۃ بقرہ ع:۳۶)

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں ایسی جیسے ایک دانہ جس سے سات خوشے اُگے، ہر خوشہ میں سو دانے (اس طرح ایک دانہ بو کر سات سو دانے حاصل ہوئے) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دوگنے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے (اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہے) اور (دلوں کا حال بھی) خوب جاننے والا ہے (جس کے عمل میں جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب دے گا)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے اس تضعیف حسنات کی خبر دی ہے اسی اصول کے تحت ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں مگر ثواب پچاس نمازوں کا ملتا ہے اور گناہ الگ معاف ہوتے ہیں اسی طرح ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے دس دن کا ثواب ملتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں یہی مطلب ہے **غفرله بينه وبين الجمعة وزيادة ثلاثة ايام** کا (اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک اور تین دن زیادہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اس دس دن کے گناہ معاف فرمانے کا غالباً (واللہ اعلم بالصواب) باعث یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز کے علاوہ خطبہ بھی دیا جاتا ہے یہ خطبہ اتنا اہم ہوتا ہے کہ اس خطبہ کو پوری توجہ سے کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا بھی واجب ہے اور یہ ایک مستقل عبادت اور کار ثواب ہے اسی لئے دس دن کے گناہ معاف ہوتے ہیں مگر اس کی شرط بھی اتنی سخت ہے کہ اگر خطبہ کے دوران اپنی جگہ سے کنکریوں کو بھی ہٹایا تو یہ بھی لغو اور بیہودہ کام کیا اور ثواب کی کمی کا باعث ہوا اسی طرح اگر کوئی شخص دوران خطبہ کوئی بھی بات کرے اور اس کو منع کرنے کے لئے "چپ رہو" کہا تو یہ بھی لغو اور بیہودہ کام کیا اور ثواب کی کمی کا باعث ہوا حالانکہ یہ نہی عن المنکر ممنوع کام سے روکنا ہے مگر خطبہ کے دوران یہ نہی عن المنکر بھی لغو اور بیہودہ کام ہے اس لئے کہ خطبہ کے دوران "چپ رہو" کہنا خود ممنوع اور برا کام ہے تو اس شخص کی طرح یہ کہنے والا خود ایک ممنوع کام کا مرتکب ہوا اسی لئے لغو اور بیہودہ کام ہے اور دیگراں را نصیحت خود را فضیحت" (دوسروں کو نصیحت اپنے کو فضیحت) کا مصداق ہے اسی طرح کی اور تقریباً پندرہ شرطیں ہیں جن کی پابندی کرنے کے بعد جمعہ کا یہ عظیم ثواب (دس دن کے گناہوں کی بخشش) ملتا ہے اسی لئے فقہا نے فرمایا ہے **الخطبة يوم الجمعة كصلوٰة الجمعة** (جمعہ کے دن کا خطبہ بھی جمعہ کی نماز کی مانند ہے)

واضح ہو کہ یہ گناہ جن کی مغفرت کی حدیث میں خبر دی گئی ہے صغیرہ گناہ ہیں گناہ کبیرہ توبہ کرنے سے بخشے جاتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو اس باب میں صرف اسی لئے لائے ہیں کہ ہفتہ میں صرف ایک دن تمام کاموں کی چھٹی کر کے صبح سے شام تک نماز جمعہ کو ان تمام آداب و شرائط کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے مگر ثواب اتنا عظیم ہے کہ دس دن کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اسی لئے تمام مسلمان ملکوں میں ہفتہ واری چھٹی جمعہ کی ہوتی ہے تاکہ مسلمان سارا دن نماز جمعہ کی تیاری میں اور ادا کرنے میں صرف کریں۔

بحمد اللہ پاکستان کی حکومت بھی مسلمان ہو گئی ہے اور اس نے بھی جمعہ کی ہفتہ واری چھٹی کا اعلان کر دیا ہے کاش کہ ہم بھی اور تمام کاروبار اور مصروفیتوں کو چھوڑ کر جمعہ کا پورا دن پکنک اور کھیل کود سیر و تفریح یا دن بھر پڑے سوتے رہنے کے بجائے نماز جمعہ کی تیاریوں اور مسنون طریقہ پر نماز جمعہ ادا کرنے میں صرف کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

مسنون طریقہ سے وضو کرنے والے کی خطائیں بھی دُھل جاتی ہیں

الثالث عشر : عَنْهُ : أَنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إِذَا تَوَضَّأَ العَبْدُ المُسْلِمُ، أَوالمُؤمِنُ فَغسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بعَينيهِ مَعَ المَاء ، أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ المَاء ، فَإذا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيهِ كُلُّ خَطِيئَة كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ المَاء ، أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ المَاء ، فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مشتها رِجْلاَهُ مَعَ المَاء أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ المَاء حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيّاً مِنَ الذُّنُوبِ " (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان یا فرمایا مومن بندہ وضو کرتا ہے پس چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرہ سے ہر وہ خطا جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہے پھر جب (کہنیوں تک) دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو ہر وہ خطا اس کے ہاتھوں سے پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہے جس کو اس نے ہاتھوں سے پکڑا (یا چھوا) ہوتا ہے پھر جب (ٹخنوں تک) پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ خطا جس کی طرف پاؤں سے چل کر گیا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہے یہاں تک کہ (پورا وضو کر کے) گناہوں سے پاک و صاف ہو کر نکلتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

تشریح: اس حدیث میں لفظ مسلم یا مومن میں اسی طرح مع الماء یا مع اخر قطرۃ الماء کے ان الفاظ میں راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے یا دوسرے (اگرچہ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے) اسی

طرح راوی نے اس حدیث میں اختصار سے بھی کام کیا نہ کلی اور ناک صاف کرنے کا ذکر کیا ہے نہ سر کے مسح کا اسی طرح صرف آنکھوں کی خطاؤں کا ذکر کیا ہے نہ زبان کی خطاؤں کا نہ کان اور ناک کی خطاؤں کا' ورنہ تو دوسری روایتوں میں تمام اعضاء وضو اور ان کی خطاؤں کا ذکر موجود ہے اس اختصار کی دلیل یہ ہے کہ آخر میں تمام گناہوں سے پاک وصاف ہو کر نکلنے کا ذکر کیا ہے آنکھوں' ہاتھوں اور پاؤں کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ عام طور پر ہر انسان آنکھوں سے دیکھتا پاؤں سے چلتا اور ہاتھ سے پکڑتا یا لیتا ہے کان' زبان ناک سے کام لینے کی نوبت ہی نہیں آتی بہرحال دوسری روایتوں میں ان اعضاء اور ان کی خطاؤں کا ذکر موجود ہے غرض ایک مومن مسلمان بندہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کامل وضو کرتا اور تمام خطاؤں سے پاک وصاف ہو کر نماز پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ تمام خطاکار اعضاء بھی نماز پڑھنے میں مصروف و مشغول ہو جاتے ہیں یعنی پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو یہی نماز اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائیں۔

یاد رکھئے! جس طرح نماز صحیح ہونے کے لئے حسی نجاستوں مثلاً پیشاب' پاخانہ اور نجس چیزوں سے نمازی کے بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اسی طرح نماز کے قبول ہونے کے لئے غیر محسوس نجاستوں' خطاؤں اور گناہوں سے پاک وصاف ہونا بھی شرط ہے اور ان غیر حسی نجاستوں سے پاک کرنے والا' وضو کی نیت کر کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کامل وضو ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے! جس طرح انسان کا بدن گندی چیزوں سے آلودہ اور گندہ ہو جاتا ہے اور پانی سے دھونے سے پاک ہوتا ہے ایسے ہی خطاؤں اور گناہوں سے بھی آلودہ اور گندہ ہوتا ہے گو ہمیں یہ گندگی آنکھوں سے نظر نہ آئے مگر ہاتھ پاؤں اور خطاکار اعضاء ان خطاؤں اور گناہوں سے آلودہ ہو جاتے ہیں اور جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کامل وضو نہ کریں گندے اور آلودہ رہتے ہیں یہی صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے اسی پر ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ قیامت کے دن اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

پانچوں نمازیں باجماعت پڑھنے
اور پورے رمضان کے روزے رکھنے کا اجر عظیم

الرابع عشر : عَنْهُ، عن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " الصَّلَوَاتُ الخَمْسُ ، وَالجُمُعَةُ إِلَى الجُمُعَةِ، ورَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَتِ الكَبَائِرُ " رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: پانچوں نمازیں (ایک نماز سے دوسری نماز تک) اور جمعہ سے لے کر جمعہ تک اور رمضان سے لے کر رمضان تک' درمیان میں (کی ہوئی خطاؤں) کا کفارہ کرنے والے ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے دور رہا جائے۔

تشریح: گناہ دو قسم کے ہیں ایک کبیرہ (بڑے) گناہ دوسرے صغیرہ (چھوٹے) گناہ ان چھوٹے گناہوں کو شریعت کی اصطلاح میں سیئات (برائیاں) یا خطایا وغیرہ کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱. ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنه نکفر عنکم سیئاتکم (سورۃ نسا آیت ۳۱)

اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری سیئات (برائیوں) کا کفارہ کر دیں گے۔

۲. ان الحسنات یذھبن السیئات (سورۃ ہود آیت ۱۱۴)

بیشک اچھے کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔

اس حدیث میں حسنات کا بیان فرمایا ہے پانچ وقت کی فرض نمازوں کو جمعہ کی نماز کو' رمضان کے روزوں (یعنی فرائض کو) مکفر (کفارہ کر دینے والا) بتلایا ہے گویا ان فرائض کے ادا کرنے سے سیئات خود بخود محو ہو جاتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا تعلیم فرمائی ہے۔

ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و کفر عنا سیئاتنا و توفنا مع الابرار (سورۃ آل عمران آیت ۱۹۳)

اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے) پس تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے سیئات (برائیوں) کا کفارہ کر دے (مٹا دے) اور تو ہم کو نیکوکاروں کے ہمراہ وفات دے (دنیا سے اٹھا)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ذنوب (بڑے گناہ) استغفار کے بغیر معاف نہیں ہوتے ہاں سیئات (چھوٹے گناہ) بغیر استغفار کے بھی معاف ہو جاتے ہیں فرائض کا ادا کرنا خود بخود ان کو مٹا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا اور گھبرایا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے حد لگا دیئے (زنا کی سزا دیجئے) آپ نے واقعہ دریافت کیا اس نے بتلایا: میں نے اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ذرا ٹھہرو عصر کا وقت تھا اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی اس شخص نے بھی عصر کی نماز باجماعت پڑھی نماز سے فارغ ہوتے ہی اس نے پھر کہا مجھے حد لگایئے آپ نے فرمایا: فرض نماز باجماعت پڑھنے سے تمہارا گناہ معاف ہو گیا اس نے خوش ہو کر دریافت کیا یہ معافی میرے ساتھ خاص ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے عام ہے اور اسی عموم کے بیان کرنے کے لئے مذکورہ بالا آیت کریمہ **ان الحسنات یذھبن السیئات** نازل ہوئی۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کیا گناہ کبیرہ سات ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "سات؟ سات سو سے بھی زیادہ ہیں کبیرہ گناہ"

ہم ذیل میں ان امور کی نشاندہی کرتے ہیں جن سے کسی گناہ کا کبیرہ یا صغیرہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کبیرہ گناہ

۱۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس کی سزا قرآن یا حدیث میں جہنم بتلادی گئی ہو جیسے کسی مسلمان کو عمداً قتل کرنا۔
۲۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن حدیث میں حد (متعین شرعی سزا) آئی ہو جیسے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا۔
۳۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن یا حدیث میں لعنت اور خدا کا غضب آیا ہو جیسے عدالت میں جھوٹی گواہی دینا۔
۴۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس کو قرآن یا حدیث میں کبیرہ گناہ کہا گیا ہو۔
۵۔ ہر اس فرض عبادت کا ترک کرنا جو قرآن وحدیث کی رو سے فرض ہے جیسے بغیر کسی شرعی عذر کے نماز نہ پڑھنا۔
۶۔ ہر اس ممنوع کام کو کرنا جس سے قرآن وحدیث میں منع کیا گیا ہو اور حرام کہا گیا ہو جیسے غیبت (یعنی کسی کے پس پشت اس کی برائی) کرنا
۷۔ ہر وہ صغیرہ گناہ جس کو معمولی اور حقیر سمجھ کر کیا جائے جیسے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لینا
۸۔ ہر وہ گناہ جس کو جان کر بار بار کیا جائے جیسے نامحرم عورت کی طرف بری نیت سے بار بار دیکھنا۔
۹۔ ہر وہ گناہ جس کی مضرت یا شناعت (برائی) مذکورہ بالا کبیرہ گناہوں کے برابر ہو یا ان سے بھی زیادہ ہو جیسے مسلمانوں کے خلاف مخبری کرنا اور ان کے راز کافروں کو پہنچانا۔
۱۰۔ بندوں کے حقوق جو نہ ادا کئے گئے ہوں اور نہ ان سے معاف کرائے ہوں۔

صغیرہ گناہ

۱۔ مذکورہ بالا کبیرہ گناہوں کے علاوہ تمام برے کام سیئات جو اچھے کاموں حسنات کرنے سے خود بخود مٹ جائیں پانچوں وقت کی نماز پڑھتے رہنے سے درمیان میں کئے ہوئے برے کام اپنے آپ مٹ جاتے ہیں اور معاف ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا کبیرہ گناہوں کے ابتدائی مراحل میں کئے گئے برے کام جیسے بلاقصور کسی مسلمان کو قتل کرنے والے کو خنجر یا پستول دے دینا۔

مذکورہ بالا چودھویں حدیث میں حسنات (فرائض) کے ذریعہ جن گناہوں کے معاف ہونے کی خبر دی گئی ہے وہ سب صغیرہ گناہ ہیں اسی لئے آخر میں کہا گیا ہے جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے یعنی بچا جائے اور دور رہا جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سياتكم (سورۃ نسا آیت ۳۱)

اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے برے کاموں کو معاف کر دیں گے۔

بہر حال اس حدیث اور ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو فرض عبادات پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ

کرنی چاہئے تاکہ وہ گناہ اور برے کام جن کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں یہ برے کام کر رہا ہوں ان حسنات کے ذریعے اپنے آپ مٹتے اور معاف ہوتے رہیں ورنہ اگر یہ چھوٹے چھوٹے گناہ اکٹھے ہو گئے تو ان کی سزا سے بغیر توبہ کئے بچنا ناممکن ہوگا خصوصاً حقوق العباد کہ اگر ادا نہ کئے یا ان لوگوں سے معاف نہ کرائے جن کی حق تلفی ہوئی ہے تو مرنے کے بعد قیامت کے دن ان کے حقوق ضرور ادا کرنے پڑیں گے اور اس دن ان کے حقوق ادا کرنے کے لئے انسان کے پاس اپنے حسنات کے سوا اور کچھ نہ ہوگا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے حسنات ان حقوق کے بدلے میں ان کو دے دیئے جائیں گے اور ان کے گناہ اور سیئات اس پر ڈال دیئے جائیں گے جس کی بنا پر یہ شخص جہنم میں جائے گا اور وہ جنت میں اعاذنا اللہ (خدا ہمیں اس سے بچائے) اور توفیق دے کہ ہم مرنے سے پہلے ہر حق والے کا حق ادا کر دیں یا اس سے معاف کرالیں یہی تفصیل احادیث میں آئی ہے۔

وہ کام جن سے خطاؤں کے معاف ہونے کے علاوہ درجات بھی بلند ہوتے ہیں

الخامس عشر : عَنْهُ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " ألا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ ؟ " قَالُوا : بَلَى ، يَا رسولَ اللهِ ، قَالَ : " إِسْبَاغُ الوُضُوءِ عَلَى المَكَارِهِ ، وَكَثْرَةُ الخُطَا إِلَى المَسَاجِدِ ، وَانْتِظَارُ الصَّلاةِ بَعْدَ الصَّلاةِ فَذلِكُمُ الرِّبَاطُ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں معاف فرماتے ہیں اور جس کی وجہ سے درجے بلند فرماتے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ ضرور بتلایئے اے اللہ کے رسول! آپ نے ارشاد فرمایا(۱) ناگواریوں کے باوجود کامل وضو کرنا (۲) مسجدوں کی طرف (نماز کے لئے) زیادہ قدم رکھنا (دور سے چل کر جانا) (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہی تمہاری (دین کی) سرحدوں کی حفاظت ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکفرات کے علاوہ درجات بلند کرنے والی حسنات کا بیان بھی فرمایا ہے سابقہ حدیث میں پنجوقتہ فرض نمازوں کو، ہر جمعہ کی نماز پابندی سے پڑھنے کو ہر رمضان کے مہینہ میں پابندی سے روزے رکھنے کو سیئات (صغیرہ گناہوں) کو مٹا دینے والا بتلایا تھا۔ یہ تینوں فرض عبادتیں ہیں اس حدیث میں (۱) ناگوار حالات میں پورا وضو کرنے کو (۲) دور سے چل کر جانے اور نماز باجماعت کے لئے مسجد آنے کو (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے کو جو ان فرض عبادتوں کے مکملات و متممات ہیں محو سیئات کے علاوہ رفع درجات کا بھی موجب بتلایا ہے یعنی اصل فرض عبادتوں کو ادا کرنا تو محو سیئات کا موجب ہے لیکن ان کو کامل طور پر آداب

ومستحبات کے اہتمام کے ساتھ ادا کرنا محو سیّئات کے علاوہ رفع درجات کا بھی موجب ہے۔ منشاء یہ ہے کہ تمام آداب ومستحبات کے اہتمام کے ساتھ ان عبادات کو ادا کرنا چاہئے تاکہ تمام صغیرہ گناہوں سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قرب میں اعلیٰ درجات کے مستحق بنیں مزید شوق کو بڑھانے کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اول صحابہ کرام سے سوال فرماتے ہیں کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس پر عمل کر کے تم محو سیئات کے علاوہ اعلیٰ مراتب بھی حاصل کر سکو؟

صحابہ سراپا شوق بن کر عرض کرتے ہیں ضرور بتلایئے اس کے بعد تینوں چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں اور آخر میں ذالکم الرباط کی خوشخبری دے کر ایک اور سب سے اہم چیز کا بھی ذکر فرما دیتے ہیں کہ فرض عبادتوں کو دشمن نفس امارہ کی رخنہ اندازیوں سے بھی محفوظ رکھا جا سکتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

نفس امارہ انسان کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے وہ چاہتا ہے ہر ممکن طریق پر راحت و آسائش اور فوائد ومنافع کے سبز باغ انسان کو دکھا کر پروردگار کی عبادت وطاعت سے اگر بالکل نہ روک سکے تو ان عبادتوں میں اپنے دھوکوں اور فریب سے ایسے رخنے ڈال دے کہ ثواب سے محروم ہو جائے۔

۱۔ **اسباغ الوضو علی المکارہ** (ناگوار اوقات یا حالات میں پورا اور کامل وضو کرنا) چنانچہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اسی نفس کی رخنہ اندازی سے بچانے کی تدبیر بتلائی ہے ہوتا یہ ہے کہ مثلاً سخت سردی کا زمانہ ہے پانی لوٹے میں لیتے ہی جم جاتا ہے ایسے وقت میں نمازی کا وضو کرنا نفس امارہ پر بے حد شاق ناگوار اور تکلیف دہ ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اتنی سردی میں وضو کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ایسی ہی حالت کے لئے شریعت نے تیمّم کرنے کی اجازت دی ہے پھر کیوں نہ اس حکم شرعی سے فائدہ اٹھایا جائے آج وضو کے بجائے تیمّم کر کے نماز پڑھ لو مگر جب ایک خدا پرست پرہیزگار نمازی اس کے کہنے میں نہیں آتا تو کہتا ہے پھر وضو ہی کرتے ہو تو پورا وضو کرنے اور اعضاء پر پوری طرح پانی بہانے کی کیا ضرورت ایک ایک چلو لے کر ہاتھ پاؤں پر چپڑ لو کافی ہے لیکن ایک پختہ کار دیندار نمازی سردی لگنے کے باوجود نفس کے علی الرغم منشاء کے خلاف اس طرح کامل وضو کرتا ہے کہ کوئی عضو ناخن برابر بھی سوکھا نہیں رہتا اور سنت کے مطابق ہر عضو کو تین بار اچھی طرح دھوتا ہے تو مکار نفس سر پیٹتا رہ جاتا ہے اور نمازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق ایسے طریق پر کامل اور پورا وضو کرتا اور نماز پڑھتا ہے تو اعلیٰ مراتب قرب حاصل کرتا ہے۔

۲۔ **کثرت الخطا الی المساجد** (جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے دور سے چل کر مسجد جانا اور زیادہ سے زیادہ قدم رکھنا) گھر مسجد سے کافی دور ہے راحت پسند نفس امارہ کہتا ہے نماز پڑھنے کے لئے اتنی دور جانا آنا اور اتنا وقت برباد کرنا بے حد شاق اور گراں ہوتا ہے جماعت سے نماز پڑھنے کے شائق مسلمان کو یہ شیطان نفس امارہ بہکا کر جماعت کے ثواب سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ کہتا ہے: نماز ہی تو فرض ہے جماعت تو فرض نہیں ہے چلو آج بغیر جماعت کے ہی نماز پڑھ لو اتنی دور جانا آنا اور اتنا وقت برباد کرنا کون سی عقلمندی ہے لیکن وہ جماعت سے نماز پڑھنے کا پابند نمازی اس کی بات

نہیں مانتا تو کہتا ہے کہ اچھا چلو گھر پر ہی جماعت کئے لیتے ہیں اور دو چار اپنے جیسے لوگوں کو ملالیں گے مگر وہ جماعت سے نماز پڑھنے کا پابند نمازی کہتا ہے میں تیرے اس فریب میں بھی نہیں آؤں گا پتہ ہے اقامت صلوٰۃ کے معنی ہیں مسجد جاکر اور مسلمانوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھنا اس طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر ہی گوناگوں اجر و ثواب ملتا ہے اور یہ کہہ کر نماز باجماعت مسجد میں پڑھنے کے شوق میں مسجد کافی دور ہونے کے باوجود چلا جاتا ہے نفس لمارہ کے سارے ہتھکنڈے اور ثواب سے محروم کرنے کے حربے بیکار ثابت ہوتے ہیں ذلیل و خوار ہو کر اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے اور وہ جماعت کا پابند نمازی اپنی نماز کو شیطان کی رخنہ اندازی سے محفوظ کر لیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رب العالمین کی بارگاہ سے مراتب عالیہ کا پروانہ حاصل کر لیتا ہے اسی طرح

۳۔ **انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ** (ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا) اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایک نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اس خیال سے کہ گھر یا دوکان جا کر نہ معلوم کن دھندوں میں پھنس جاؤں دوسری نماز جماعت سے پڑھ سکوں یا نہ پڑھ سکوں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تو ہے ہی یہیں مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کروں تو بہتر ہے دوسری نماز جماعت سے فوت نہ ہو گی اور اتنی دیر مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہوں گا یا کلام اللہ کی تلاوت کرتا رہوں گا یا درود پڑھتا رہوں گا تو دوہرا ثواب ملے گا دشمن نفس امارہ پر نمازی کا یہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا سخت شاق اور ناگوار ہوتا ہے طرح طرح کے ضروری کام یاد دلا کر گھر یا دوکان چلنے کا تقاضا کرتا ہے فائدہ اور نفع کے سبز باغ دکھاتا ہے اور دوکان یا مکان پر موجود نہ رہنے کے بھیانک نقصان سے ڈراتا ہے اور انتہائی کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح گھر یا دوکان چلنے پر آمادہ کروں اور دنیاوی دھندوں میں پھنسا کر اس گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے کارہائے ثواب سے محروم کروں نیز کوشش کروں کہ اگلی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکے لیکن خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر پختہ یقین رکھنے والا پابند جماعت نمازی نفس کی ایک نہیں سنتا اور دوسری نماز جماعت سے پڑھ کر ہی مسجد سے نکلتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مسجد سے گھر یا دکان آ تو جاتا ہے مگر فکر یہی لگی رہتی ہے کہ کب دوسری نماز کا وقت ہو یا اذان کی آواز آئے اور کب میں سب دھندے چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں نفس امارہ سب کاموں کو بیچ میں چھوڑ کر چلے جانے کے نقصانات بہت کچھ دکھاتا ہے مگر وہ ایک نہیں سنتا اور وقت ہوتے ہی مسجد میں پہنچ کر جماعت سے نماز پڑھتا ہے دونوں صورتوں میں اگلی نماز کا انتظار ہے مگر پہلی صورت میں انتظار کے دوران مسجد میں بیٹھ کر جو ثواب کے کام کرتا ہے وہ انتظار صلوٰۃ کے ثواب پر مستزاد ہیں اور دوہرا ثواب ملتا ہے اور دوسری نماز جماعت کے ساتھ یقینی ہو جاتی ہے اور دوسری صورت میں نہ کارہائے ثواب کا ثواب ملتا ہے نہ ہی دوسری نماز جماعت سے پڑھنے کا یقین ہوتا ہے حدیث کے الفاظ میں دونوں صورتیں آتی ہیں بہر حال نفس امارہ سے جنگ دونوں صورتوں میں کرنی پڑتی ہے۔

اسی دشمن نفس امارہ کی سرکوبی کی غرض سے سرور کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں

ذالکم الرباط ذالکم الرباط (یہی ہے تمہاری سرحدوں کی حفاظت یہی ہے تمہاری سرحدوں کی حفاظت)

"رباط" کے اصل معنی ہیں اسلامی ملک کی دشمنوں سے حفاظت کرنا کہ وہ بے خبری میں ملک کے اندر نہ گھس آئیں یا اچانک حملہ نہ کردیں آج کل کی اصطلاح میں اس حفاظتی دستہ کو "رینجر فورس" کہتے ہیں ظاہر ہے کہ سرحدوں کی حفاظتی تدابیر اسی وقت کی جاتی ہیں جب جنگ جاری ہو یا حالت جنگ ہو احادیث میں اس رباط کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے اور بڑے ثواب بیان ہوئے ہیں مگر ہر زمانے میں اور ہر شخص کو اس دین کا کام کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے دین کی سرحدوں کو دشمن نفس امارہ کی رخنہ اندازیوں سے مذکورہ بالا احتیاطی تدابیر کے ذریعے محفوظ رکھنے میں وہی اجر وثواب جو ملک کی سرحدوں کو کافروں کی رخنہ اندازیوں سے حفاظت کرنے والے مجاہدوں اور غازیوں کو ملتا ہے اس لئے کہ نفس امارہ تمہارا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے۔

واقعہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ (کافروں کے ساتھ جنگ) سے مظفر ومنصور تشریف لا رہے تھے غازی صحابہ اس فتح وظفر پر بے حد خوش تھے تو آپ نے ان سے خطاب فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر فان اعدى عدوك نفسك التى بين جنبيك (او کما قال)

ہم چھوٹے جہاد سے (فارغ ہو کر) بڑے جہاد کی طرف واپس آرہے ہیں اس لئے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا وہ نفس ہے جو ہر وقت تمہارے پہلوؤں کے درمیان (چھپا بیٹھا) ہے اور ہر وقت دشمنی پر تیار ہے طرح طرح کے راحت و آسائش کے سبز باغ دکھا کر یا مضرت و نقصان کے بھیانک نتائج سے ڈرا کر دین کے فرائض سے غافل کرنے یا ان میں رخنے ڈالنے میں مصروف رہتا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دشمن نفس امارہ کی دشمنی سے خبردار کر کے اس کے حربوں کو بیکار کرنے کے لئے مثال کے طور پر تین چیزوں کا ذکر فرماتے اور ان کی ترغیب دیتے ہیں کتنے مہربان ہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ اسی رباط (دین کی سرحدوں کی دشمنوں سے حفاظت) کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں فرماتے ہیں۔

يايها الذين امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون (سورۃ آل عمران آیت ۲۲۰)

اے ایمان والو! (دین پر) ثابت قدم رہو اور ثابت قدمی میں دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور (دین کی) سرحدوں کی حفاظت میں دشمنوں پر غالب آجاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم (دین ودنیا دونوں میں) فلاح پاؤ۔

اور نفس امارہ کے متعلق حضرت یوسف جیسے پاک دامن نبی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے۔

وما اُبریء نفسی ان النفس لامآرۃ بالسوءِ الا مارحم ربی (سورۃ یوسف آیت ۵۳)

اور میں اپنے نفس کی برائت نہیں کرتا بلاشبہ نفس تو بری باتوں کا ہی حکم کرتا ہے بجز اس کے کہ میرا رب رحم فرمائے۔
اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہی اس نفس امارہ پر نفس مطمئنہ کو غلبہ عطا فرمادیں اور وہ اس کی سرکوبی کرے جیسا کہ نفس امارہ کی دشمنی اور نفس مطمئنہ کی سرکوبی کا کچھ حال تینوں عبادتوں کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں یہ فرضی یا خیالی باتیں نہیں ہیں یہ وہ کشمکش ہے جس سے ہر انسان کو ہر وقت سابقہ پڑتا ہے اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات

جنت نفس کے مکروہات سے گھیر دی گئی ہے اور جہنم نفس کی خواہشات سے گھیر دی گئی ہے
جب تک انسان مکروہات کے خارزار سے نہ گزرے گا جنت میں نہیں پہنچ سکے گا اور جو شخص خواہشات نفس کے سبزہ زار میں پھنس کر رہ گیا وہ سیدھا جہنم جائے گا۔

صدق اللہ ورسولہ (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین پر عمل کرنے اور نفس امارہ کے دھوکے اور فریب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔
امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو اس باب (کثرت طرق خیرا کے ذیل میں اسی لئے لائے ہیں کہ اگر انسان مکار نفس سے چوکنا رہے تو ثواب کے کاموں کی کچھ کمی نہیں۔

فجر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھنے کا خصوصی ثواب

السادس عشر : عن أبي موسى الأشعريِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ صَلَّى البَرْدَيْنِ دَخَلَ الجَنَّةَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . " البَرْدَان " : الصبح والعصر .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے دو ٹھنڈی نمازیں (پابندی سے) پڑھ لیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)
امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں دو ٹھنڈی نمازیں فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔

تشریح: دوسری احادیث میں من صلی کے بجائے من حافظ آیا ہے جس کے معنی ہیں (پابندی کی) یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہے کہ جس مسلمان نے پابندی سے فجر اور عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں وہ جنت میں ضرور جائے گا ان دو نمازوں کی خصوصیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے۔

عن ابی هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يتعا قبون فيكم ملئكة بالليل ملئكة بالنهار ويجتمعون فى صلوٰة الفجر وصلوٰة العصر ثم يعرج الذين باتوا فيكم فيسئلهم ربهم وهواعلم بهم كيف تركتم عبادى فيقولون تركناهم وهم يصلون واتيناهم وهم يصلون. (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' نے فرمایا: فرشتے نوبت بنوبت تمہارے درمیان آتے ہیں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے اور وہ سب فجر کی نماز اور عصر کی نماز میں اکٹھے ہوتے ہیں رات کے فرشتے صبح کی نماز پڑھ کر جاتے ہیں دن کے فرشتے فجر کی نماز میں آتے ہیں اسی طرح دن کے فرشتے عصر کی نماز پڑھ کر جاتے اور رات کے فرشتے عصر کی نماز میں آتے ہیں اس طرح فجر اور عصر کی نمازوں میں دن اور رات کے فرشتے ان دو وقتوں میں جمع ہوتے ہیں تو فرشتوں کا رب ان (آنے اور جانے والے گروہوں سے) دریافت کرتا ہے حالانکہ وہ ان فرشتوں سے زیادہ (اپنے بندوں کا حال) جانتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا (رات اور دن دونوں کے) فرشتے جواب دیتے ہیں ہم نے ان کو نماز پڑھتا ہوا ہی چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

اس طرح دن کے نامہ اعمال کے اول و آخر میں بھی اور رات کے اعمال نامہ کے اول و آخر میں بھی ان دو نمازوں کی پابندی کی وجہ سے نمازی مسلمان نمازوں کے پابند لکھے جاتے ہیں نامہ اعمال میں اول آخر کو ہی دیکھا جاتا ہے یہی نامہ اعمال قیامت کے دن پیش ہونگے اور یہ نمازی جنت میں ضرور جائیں گے نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بغیر جماعت کے فجر عصر پڑھتے ہیں وہ فرشتوں کی اس گواہی سے محروم رہتے ہیں ان دو نمازوں کی تخصیص کی ایک وجہ تو یہ ہوئی دوسری وجہ مسلم ہی کی حدیث میں آیا ہے۔

عن جریربن عبداللہ یقول کناجلوساعندرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذنظرالی القمرلیلۃ البدرفقال انکم سترون ربکم کماترون'ھذاالقمرلا تضامون فی رویتہ فان استطعتم ان لاتغلبواعلیٰ صلوۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھایعنی الفجر والعصرثم قرافسبح بحمدربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا.

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ (رات کے وقت) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آپ کی نگاہ چودھویں رات کے چاند پر پڑی تو آپ نے فرمایا: تم اپنے رب کو (جنت میں ایسے ہی دیکھو گے جیسے تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اس کے دیدار میں تمہیں ایسے ہی کوئی رکاوٹ اور مزاحمت نہ ہوگی جیسے اس کے دیکھنے میں نہیں ہے پس تم اگر (اپنے دنیاوی دھندوں سے (مغلوب نہ ہو اور پابندی سے طلوع آفتاب سے پہلے یعنی فجر کی نماز باجماعت اور غروب آفتاب سے پہلے یعنی عصر کی نماز باجماعت پڑھ سکو تو ان دونوں نمازوں کو باجماعت پابندی سے پڑھا کرو (تاکہ جنت میں انہی دو وقتوں میں دیدار الٰہی کی سعادت حاصل کر سکو) اس کے بعد آپ نے قرآن کی آیت کریمہ پڑھی پس اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرو اس کی حمد و ثنا کے ساتھ آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے (یعنی فجر اور عصر کی نماز) پڑھا کرو۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ جنت میں روزانہ دو وقت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا کرے گا ایک فجر کی نماز کے وقت یہ آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے ایک عصر کی نماز کے وقت آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اور اس دو وقتہ دیدار کی سعادت وہی لوگ حاصل کر سکیں گے جو دنیا میں پابندی کے ساتھ باجماعت فجر اور عصر کی نمازیں پڑھتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم بھی خاص طور پر ان دو نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

ان دو نمازوں کی تخصیص کی تیسری وجہ سے مسلم ہی کی حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن روبية رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لن يلج النار احدصلى قبل طلوع الشمس وقبل غروبهايعنى الفجروالعصر.

حضرت رویبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' سے سنا ہے کہ جو کوئی بھی (پابندی کے ساتھ) طلوع آفتاب سے پہلے اور بعد نماز باجماعت پڑھے گا یعنی فجر اور عصر کی نمازیں پڑھے گا وہ ہر گز جہنم میں داخل نہ ہو گا۔

اس حدیث سے ایک طرف مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' نے فرمادی فسبح بحمد ربك (الآیہ) سے مراد نماز فجر اور نماز عصر ہیں دوسری طرف جہنم سے مطلق نجات پانے کی بشارت دی۔

ان دو نمازوں کو پابندی سے ادا کرنے کی خصوصیت احادیث میں یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلی اُمتوں پر صرف یہی دو نمازیں فرض کی گئی تھیں مگر انہوں نے ان دو نمازوں کو بھی پڑھ کر نہ دیا اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ' ان دو نمازوں کی اس قدر تاکید فرمار ہے ہیں اور ترغیب دے رہے ہیں چنانچہ لیلۃ الاسراء میں پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے بھی آپ بعثت کے بعد اول دن سے برابر یہی دو نمازیں مسلمانوں کے ساتھ جماعت سے پڑھا کرتے تھے۔

ان خصوصیات کے علاوہ جو خصوصیات بیان کرتے ہیں وہ چنداں اہم نہیں اس لئے کہ وہ اور نمازوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کثرت طرق خیر کے باب میں اس حدیث کو لائے ہیں کہ مسلمان ان دو نمازوں کو ہر گز نہ چھوڑیں کہ بڑی محرومی اور بد نصیبی کا موجب ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دو نمازوں کو بھی اور باقی تین نمازوں کو بھی پابندی سے مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

بیماری اور سفر کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رعایت

السابع عشر : عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِذَا مَرِضَ العَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيماً صَحِيحاً " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' نے فرمایا ہے جب مسلمان بندہ بیمار ہو جاتا ہے یا سفر میں چلا جاتا ہے (اور صحت یا قیام کی حالت میں جو نفل عبادتیں

اور اذکار و اوراد کیا کرتا تھا وہ اب بیماری یا سفر کی وجہ سے نہیں ادا کر سکتا تو) اس کے لئے نامہ اعمال میں وہ تمام عبادات لکھ دی جاتی ہیں جو وہ صحت اور قیام کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ بخاری۔

تشریح: مرض اور سفر دو ایسی حالتیں ہیں کہ ان میں رب کریم ورحیم نے فرض عبادتوں میں بھی تخفیف فرما دی ہے شریعت کا حکم ہے کہ اگر سفر میں پانی تلاش کرنے کے باوجود نہ ملے یا بیماری میں پانی سے وضو کرنے یا ناپاکی کا غسل کرنے میں مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو پانی کے بجائے پاک مٹی سے تیمم کر لو اور اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹے لیٹے اشاروں ہی سے پڑھ لو چھوڑو مت جس طرح بھی بن پڑے پڑھ لو سفر میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے خود ہی فرضوں میں چار کے بجائے دو فرض کر دیئے اور مرض وسفر دونوں حالتوں میں فرضوں کے علاوہ سنتوں کے ترک کرنے کا اختیار دے دیا اسی طرح رمضان کے فرض روزے بھی ترک کرنے کی اجازت دے دی کہ وطن پہنچ کر یا تندرست ہو کر اتنے دن کے روزے رکھ لینا۔

ایک پانچوں وقت کی نمازوں اور سنن ونوافل 'اذکار و اوراد کے پابند نمازی کو اپنی اس حالت پر رونا آتا ہے اور سخت افسوس ہوتا ہے کہ فرض نمازیں بھی ادھوری سدھوری ادا ہو رہی ہیں سنن ونوافل اور اذکار و اوراد بھی سب چھوٹ گئے ہیں بڑی سخت محرومی محسوس کرتا ہے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 'ایسے ہی عبادات کے شیدائی مسلمان بندے کو اس حدیث میں اطمینان دلاتے ہیں کہ گھبراؤ مت صبر وشکر سے کام لو اور بے فکر رہو تندرستی اور قیام کے زمانہ میں تم جس قدر عبادتیں خواہ فرض ہوں خواہ نفل روزانہ ادا کیا کرتے تھے اور تمہارے نامہ اعمال میں لکھی جاتی تھیں وہ سب بیماری اور سفر کی حالت میں بھی لکھی جارہی ہیں تو بندہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم 'کی زبان مبارک سے یہ خوشخبری سن کر بے حد خوش اور مطمئن ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی سے میرا کچھ بھی نقصان نہیں ہونے دیا کچھ نہ کرنے کے باوجود سب کچھ لکھا گیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور تندرست ہونے یا قیام کے بعد خوشی خوشی زیادہ سے زیادہ عبادتیں پورے اہتمام سے ادا کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ اگر پھر بیمار ہوا یا سفر کرنا پڑا تو بغیر کئے یہ سب عبادتیں نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی یہی ترغیب وتحریص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ' کے اس خوشخبری سنانے کا مقصد ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم 'کی امت کو زیادہ سے زیادہ حسن عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور یہی مقصد ہے امام نووی رحمہ اللہ کے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کا ورنہ بظاہر تو اس حدیث میں کسی بھی عمل خیر کا ذکر نہیں ہے اسی مقصد کو واضح کرنے کی غرض سے ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اتنی تفصیلی شرح کی ہے حدیث کے ترجمہ کے لئے ایک سطر کافی تھی مگر پڑھنے والے تشنہ رہتے کہ اس حدیث میں تو کسی بھی کار ثواب کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

ہر نیک کام ثواب کا کام ہے

الثامن عشر : عنْ جَابرٍ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ " رواه البخاري ، ورواه مسلم مِنْ رواية حُذَيفة رضي الله عنه .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' نے فرمایا ہے: ہر (از روئے شریعت) بھلا کام ثواب کا کام ہے بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

تشریح: گو حضرت جابر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی اس حدیث کے راوی ہیں باقی بھلے کاموں کی کافی تعداد اس باب کی حدیثوں کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے صرف اتنا اضافہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نہ نیک کام کرنے والے کی ذاتی خواہش کا اعتبار ہے نہ کسی دوسرے انسان کی خواہش کا نیک یا بھلا کام صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' نیک اور بھلا کام فرمادیں۔ اس لئے کہ انسانی خواہش اور محبت کا حال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وعسى ان تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسى ان تحبوا شيئا وهو شر لكم' والله يعلم وانتم لاتعلمون (سورۃ بقرہ آیت ۲۱۵)

کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں اچھی ہو اور کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ چیز تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ ہی (اچھی بری چیز کو) جانتا ہے تم نہیں جانتے (کہ کون سی چیز بری ہے' کون سی اچھی ہے)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یعنی تمام انسانوں کی پسند اور ناپسند میں بیشتر دخل دشمن یعنی نفس امارہ کا دخل ہوتا ہے اور اس کی خواہشات تمامتر ہمارے حق میں مضر ہی ہوتی ہیں آپ اس سے پہلے ایک حدیث میں پڑھ چکے ہیں۔

حفت الجنة بالمكارة وحفت النار بالشهوات

جنت مکروہات نفس کے خارزار سے گھری ہوئی اور جہنم خواہشات نفس کے سبزہ زاروں میں گھری ہوئی ہے۔

اگر خواہشات نفس پر عمل کرو گے سیدھے جہنم میں جاؤ گے ہاں اگر نفس کی خواہشات کو ٹھکرا کر مکروہات نفس پر عمل کرو گے تو بیشک جنت میں جاؤ گے سبحان اللہ کتنا واضح معیار جہنم اور جنت میں جانے کا بیان فرمایا ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم' نے کاش کہ امت اس پر عمل کرے واللہ الموفق۔

باغ والوں اور کھیتی والوں کا جو بھی نقصان ہو اس پر ثواب ملنے کا بیان

التاسع عشر : عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَا مِنْ مُسْلِمٍ

يَغرِسُ غَرْساً إلاَّ كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةً ، وَمَا سُرِقَ مِنهُ لَهُ صَدَقَةً ، وَلاَ يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إلاَّ كَانَ لَهُ صَدَقَةً " رواه مسلم .

وفي رواية لَهُ : " فَلاَ يَغْرِسُ المُسْلِمُ غَرْساً فَيَأْكُلَ مِنْهُ إنْسَانٌ وَلاَ دَابَّةٌ وَلاَ طَيْرٌ إلاَّ كَانَ لَهُ صَدَقَة إلَى يَومِ القِيَامَةِ ". وفي رواية لَهُ : " لاَ يَغرِسُ مُسْلِمٌ غَرساً ، وَلاَ يَزرَعُ زَرعاً ، فَيَأْكُلَ مِنهُ إنْسَانٌ وَلاَ دَابَّةٌ وَلاَ شَيءٌ ، إلاَّ كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً " .

وروياه جميعاً من رواية انس رضي الله عنه. قوله "يرزؤه" اى ينقصهٗ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کسی مسلمان نے کوئی درخت لگایا تو جو بھی اس کا پھل کسی نے کھایا اس کا ثواب اس کو ملے گا اور جو بھی اس کے پھل چوری گئے وہ بھی اس کے لئے ثواب کا موجب ہیں اور جو بھی کسی نے اس کا نقصان کیا اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا۔

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے جس مسلمان نے بھی کوئی درخت لگایا اور کسی انسان نے یا چوپایہ نے یا پرندہ نے اس کا پھل کھالیا تو اس کو قیامت کے دن تک اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے جس مسلمان نے کوئی بھی درخت لگایا یا کوئی کھیت بویا اور کسی انسان نے یا کسی چوپایہ نے یا کسی نے بھی کچھ کھالیا تو اسکا ثواب مالک کو ملتا رہے گا۔

اور بخاری و مسلم دونوں نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے امام نووی رحمہ اللہ یرزء کے معنی بتلاتے ہیں "نقصان کیا"

تشریح: اس حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باغوں اور کھیتوں کے مسلمان مالکان کو کرم اخلاق اور بلند حوصلگی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہیں باغ یا کھیت کا مالک بنایا ہے تمہیں اس قدر تنگدل اور بے حوصلہ نہ ہونا چاہئے کہ اگر کسی انسان نے یا جانور نے یا پرندہ نے باغ سے پھل کھالئے یا کسی جانور نے کھیت میں منہ ڈال دیا تو لگے غصہ ہونے اور گالیاں دینے کیا خبر ہے وہ انسان یا حیوان بھوکا ہی ہو تو بھوکے کے پیٹ کو بھرنا تو بہر حال کار ثواب ہے اسی طرح باغ یا کھیت کا کسی اور قسم کا کوئی نقصان ہو گیا تو باغ یا کھیت کے رکھوالے کو برا بھلا کہنے لگے حاصل یہ ہے کہ باغ یا کھیت کا جو بھی نقصان ہو اس کو منجانب اللہ باور کر کے صبر کرنا چاہئے اور جو بچ گیا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کمی کو پورا کر دیں گے اور نقصان کی تلافی فرما دیں گے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم (سورۃ ابراہیم آیت ۷) بخدا اگر تم نے شکر ادا کیا تو تمہیں ضرور اور زیادہ دوں گا۔

زیادہ تر غصہ اس وقت آتا ہے جب بھوکا اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے دو چار پکے پھلوں کے لئے دس

بیں کچے پھل گرا دیتا ہے یا جانور کھیت میں گھس کر کھانے کے علاوہ اپنے قدموں سے کھیت کو روند دیتا ہے کھاتا کم ہے اور نقصان زیادہ کرتا ہے اسی کے پیش نظر ہر قسم کے نقصان کو بھی ثواب کا موجب فرمایا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو کثرت طرق خیر کے باب میں اس لئے لائے ہیں کہ یہ تو وہ کام ہیں جنہیں بغیر کچھ کیے دھرے محض ثواب کی نیت کر لینے پر ثواب ملتا ہے بہر حال ثواب کی لگن ہونی چاہئے پھر کارہائے ثواب تو بے حد و حساب ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ لگن عطا فرمائیں آمین۔

مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کے لئے آنے جانے میں ہر قدم پر ثواب ملتا ہے

العشرون : عَنْهُ ، قَالَ : أراد بنو سَلِمَةَ أن يَنتقِلوا قرب المسجدِ فبلغ ذلِكَ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ لهم : " إنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي أنَّكُمْ تُرِيدُونَ أنْ تنتقِلُوا قُربَ المَسجد ؟ " فقالُوا : نَعَمْ ، يَا رَسُول اللهِ قَدْ أَرَدْنَا ذلِكَ . فَقَالَ : " بَنِي سَلِمَةَ ، دِيَارَكُمْ ، تُكْتَبْ آثَارُكُمْ ، دِيارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ " رواه مسلم . وفي روايةٍ : " إنَّ بِكُلِّ خطوةٍ دَرَجَةً " رواه مسلم . رواه البخاري أيضاً بِمَعناه مِنْ رواية أنس رضي الله عنه . وَ" بَنُو سَلِمَةَ " بكسر اللام : قبيلة معروفة مِنَ الأنصار رضي الله عنهم ، وَ" آثَارُهُمْ " : خطاهُم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قبیلہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ (اپنی بستی سے) مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بنو سلمہ کے اس ارادہ کی) خبر ملی تو آپ نے (اس خبر کی تصدیق کی غرض سے) فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم نے یہ ارادہ کیا تو ہے تو آپ نے فرمایا: اے بنو سلمہ! اپنی بستی میں ہی رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔ (مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا) اور ایک روایت میں ہے بلا شبہ ہر قدم پر ایک درجہ (بلند ہوتا) ہے امام بخاری نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے (صرف لفظوں میں فرق ہے مفہوم ایک ہے)

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں بنو سلمہ لام کے زیر سے انصار رضی اللہ عنہم کا مشہور و معروف قبیلہ ہے اور نشان قدم سے مراد قدم ہیں۔

تشریح: واقعہ! قبیلہ بنی سلمہ مدینہ طیبہ کی ایک نواحی بستی میں مدینہ سے دو تین میل فاصلہ پر آباد تھا مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قرب وجوار میں کچھ رہائشی زمین کے قطعے خالی ہوئے تو اس قبیلہ نے اس خیال سے کہ ہماری بستی مسجد سے قریب ہو جائے گی پانچوں وقت جو اتنی دور سے چل کر آنا پڑتا ہے اس سے بچ جائیں گے منتقل ہونے کا ارادہ کیا مگر در اصل یہ خیال انسان کے پوشیدہ دشمن آسائش پسند نفس امارہ کا ایک فریب تھا وہ

راحت و آسائش کا سبز باغ دکھا کر اس اجر عظیم اور رفع درجات سے محروم کرنا چاہتا تھا جو دور سے چل کر آنے کی بنا پر ان کو مل رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ' کو ان کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو بلا کر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا جی ہاں ارادہ تو کیا ہے تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ' نے ان کے نام بنو سلمہ سے خطاب کر کے بتا کید اس ارادہ سے باز رکھا اور نفس امارہ کے اس فریب سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ مسجد سے قریب ہو کر کتنے بڑے اجر و ثواب سے محروم ہو جاؤ گے جو پانچوں وقت اتنی دور سے چل کر مسجد میں آنے کی مشقت پر تم کو مل رہا ہے کتنا بڑا خسارہ ہے چنانچہ بنو سلمہ نے دشمن نفس امارہ کے اس فریب سے آگاہ ہو کر منتقل ہونے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے نام بنو سلمہ کے مطابق اس نقصان عظیم سے بچ گئے۔

یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب نواحی بستیوں میں مسجدیں نہیں بنی تھیں ہر بستی والوں کو نماز باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آنا پڑتا تھا اس کے بعد بھی اگرچہ نواحی بستیوں میں مسجدیں بن گئی تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ' کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت اور دور سے چل کر آنے کے اس اجر عظیم کو حاصل کرنے کی غرض سے بیشتر لوگ دور دور سے چل کر آتے اور ثواب حاصل کرتے تھے اگر بنو سلمہ اس وقت منتقل ہو جاتے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس اجر عظیم سے محروم ہو جاتے۔

اب بھی جبکہ قریب قریب ہر بستی میں مسجدیں بن گئی ہیں بڑی مسجد میں جہاں زیادہ نمازی ہوتے ہیں اور بڑی جماعت ہوتی ہے اگرچہ دور ہو چل کر جانا اجر و ثواب کا موجب ہے الا یہ کہ محلہ کی مسجد کے ویران ہو جانے کا اندیشہ ہو یا وقت نکل جانے کا خوف ہو تو قریب کی مسجد میں ہی نماز پڑھ لینی چاہئے وقت پر نماز پڑھنے اور خدا کے گھر کو ویران ہونے سے بچانے کے اجر و ثواب سے اس اجر و ثواب کے نقصان کی مکافات ہو جائے گی جو دور سے چل کر مسجد جانے پر ملتا اگر کسی اور دنیوی غرض یا منفعت کی بنا پر کوئی بھی صورت اختیار کی گئی تو وہ غرض تو پوری ہو جائے گی منفعت حاصل ہو جائے گی مگر اجر و ثواب مطلق نہیں ملے گا انما الاعمال بالنیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عملوں کا مدار نیتوں پر ہے۔

گرمی جاڑے اور برسات میں دور سے چل کر مسجد آنے والے کا ثواب

الحادي والعشرون : عن أبي المنذِر أُبيِّ بن كَعْب رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَ رَجُلٌ لا أعْلَمُ رَجلاً أبْعَدَ مِنَ المَسْجِدِ مِنْهُ ، وَكَانَ لاَ تُخْطِئُهُ صَلاةٌ ، فَقيلَ لَهُ أَوْ فَقُلْتُ لَهُ : لَو اشْتَرَيْتَ حِمَاراً تَرْكَبُهُ فِي الظَّلْمَاء وفي الرَّمْضَاء ؟ فَقالَ : مَا يَسُرُّنِي أنَّ مَنْزِلِي إلَى جَنْبِ المَسْجِدِ إنِّي أُريدُ أنْ يُكْتَبَ لِي مَمْشَايَ إلَى المَسْجِدِ وَرُجُوعِي إذَا رَجَعْتُ إلَى أهْلِي . فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " قَدْ جَمَعَ اللهُ لَكَ ذلِكَ كُلَّهُ "[۳] رواه مسلم . وفي رواية : " إنَّ لَكَ مَا احْتَسَبْتَ " . " الرَّمْضَاءُ " : الأرْضُ التي أصابها الحر الشديد .

ترجمہ: حضرت ابو المنذر اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ایک آدمی تھا میرے علم میں مسجد سے اس کے گھر سے زیادہ دور کسی اور کا گھر نہ تھا اور (جماعت کی پابندی کا یہ حال تھا کہ) کوئی نماز باجماعت اس سے نہیں چھوٹتی تھی تو اس سے کہا گیا یا میں نے اس سے کہا (راوی کو شک ہے کہ روایت میں پہلا لفظ ہے یا دوسرا) اگر تم ایک گدھا خرید لو اور اندھیری راتوں میں یا تپتی ہوئی دوپہر میں اس پر سوار ہو کر مسجد آ جاؤ (تو کتنا اچھا ہو) اس شخص نے جواب دیا (تکلیف سے بچنے کے لئے گدھا خریدنا تو دور کی بات ہے) مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو میں تو چاہتا ہوں کہ میرا یہ (مسجد) چل کر آنا اور جب گھر واپس جاؤں تو پیادہ لوٹنا میرے نامہ اعمال میں لکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کا یہ عاشقانہ جواب سن کر) فرمایا: (مبارک ہو) یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ سب جمع فرما دیا (آنے اور جانے کے ایک ایک قدم کا ثواب تمہیں ملے گا)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک روایت میں آیا ہے جو تم نے نیت کی وہ تمہیں ضرور ملے گا" نیز فرماتے ہیں عربی میں رمضاء شدید گرمی سے تپتی ہوئی زمین کو کہتے ہیں۔

تشریح: سبحان اللہ! نماز باجماعت سے کس قدر والہانہ عشق ہے کہ اندھیری راتوں کے تمام خطرے اور شدید گرمی سے تپتی ہوئی زمین پر پاپیادہ چلنے کی تمام تکلیفیں سب گوارا ہیں مگر باجماعت نماز نہ چھوٹے سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے!!

حفت الجنة بالمكاره جنت مکروہات نفس سے گھری ہوئی ہے۔

ان مشقتوں کے خارزار سے گزرے اور قدموں کو فگار (زخمی) کئے بغیر جنت نہیں مل سکتی اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو نماز باجماعت کا عشق نہ سہی شوق ہی عطا فرمائیں آمین۔

اس باب کی سابقہ احادیث میں پاپیادہ مسجد جانے کے اجر و ثواب کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

جنت میں لے جانے والی چالیس خصلتوں کا بیان

الثاني والعشرون: عن أبي محمد عبدِ اللهِ بن عمرو بن العاص رَضي الله عنهما، قَالَ: قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أرْبَعُونَ خَصْلَةً: أعلاَهَا مَنيحَةُ العَنْز، مَا مِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بخَصْلَة مِنْهَا؛ رَجاءَ ثَوَابهَا وتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا، إلاَّ أدْخَلَهُ اللهُ بِهَا الجَنَّةَ " رواه البخاري. " المَنيحَةُ ": أنْ يُعطيَهُ إيَّاهَا لِيَأكُلَ لَبَنَهَا ثُمَّ يَرُدَّهَا إلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چالیس خصلتیں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ خصلت دودھ والی بکری کا عطیہ ہے جو بھی کوئی

عمل کرنے والا ان چالیس میں سے کسی بھی خصلت پر اس کے ثواب کی اُمید پر اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اس وعدہ کو دل سے سچا جاننے اور ماننے کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (بخاریؒ نے اس حدیث کو روایت کیا)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عربی میں منیحۃ اس دودھ دینے والی بکری کو کہتے ہیں جسے مالک کسی حاجت مند کو دودھ پینے کے لئے عاریۃ دے دے اور جب دودھ ختم ہو جائے تو واپس لے لے۔

تشریح: حدیث شریف میں صرف دودھ کے اس معمولی سے عطیہ کو سب سے اعلیٰ خصلت قرار دیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ باقی انتالیس خصلتیں اس سے بھی زیادہ معمولی اور ادنیٰ درجہ کے کام ہیں (جن کی تفصیل گذشتہ احادیث میں آچکی ہے) لہٰذا اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی حاجت مند کی کسی بھی حاجت کو پورا کر دینا اگرچہ کتنی ہی معمولی ہو عند اللہ اور عند الرسول اجر عظیم کا موجب ہے اور ان پر جنت میں داخل فرمانے کا وعدہ ہے مگر یہ اجر عظیم جب ہی ملتا ہے کہ جبکہ اجر کے وعدوں پر کامل یقین ہو اور نیت خالص ہو ورنہ اگر نام و نمود کے لئے یا حاجت مند پر احسان جتلانے کے لئے یہ کام کئے تو کچھ نہیں ملے گا نیز حدیث شریف میں ان چالیس کاموں کو خصائل سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی ہیں عادتیں اس سے معلوم ہوا کہ اس اجر اور اس وعدے کے مستحق وہی لوگ ہیں جن کی عادت یہ ہو جائے کہ محتاج کو دیکھتے ہی جب تک اس کی حاجت پوری نہ کر دیں چین نہ آئے ظاہر ہے جب کسی مسلمان کے دل میں مخلوق خدا کی حاجت روائی کا یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ اس کے مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی روشن دلیل ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن انس قال قال رسول الله ﷺ الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله (او کمال قال)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (کنبہ) ہے لہٰذا اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے فرماتا ہے جو اس کی عیال (کنبہ) کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو اس باب میں اسی لئے لائے ہیں کہ یہ تمام کارہائے خیر اسی وقت اجر و ثواب کا موجب ہونگے جب کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر کامل یقین ہو اور خالصاً لوجہ اللہ انجام دیئے جائیں۔

ضرورت مند کو معمولی سے معمولی چیز دینے پر بھی خدا خوش ہوتا ہے

الثالث والعشرون: عن عَدِي بن حَاتِمٍ رضي الله عنه، قَالَ: سمعت النَّبيّ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يقول: " اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بشق(٣) تمْرَةٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ. وفي رواية لهما عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُول الله صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ما مِنكُم مِنْ أَحَدٍ إلاَّ سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْس بينَهُ وبَيْنَهُ تَرجُمَانٌ، فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلاَ يَرى إلاَّ ما قَدَّمَ، وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلاَ يرى إلاَّ ما قَدَّمَ، وَيَنظُرُ بَيْنَ يَدَيهِ فَلاَ

يَرَى إِلاَّ النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَو بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ".

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا (جہنم کی) آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہی ہو (بخاری اور مسلم دونوں نے اس حدیث کو روایت کیا) اور بخاری اور مسلم ہی کی ایک روایت میں انہی عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تم میں سے ہر ایک شخص سے اس کا رب (براہ راست) بات کرے گا (اس طرح کہ) اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی (دوسرا) ترجمان نہ ہو گا پس (اس وقت) وہ اپنے دائیں جانب دیکھے گا تو اس کے کئے ہوئے اعمال کے سوا کچھ نہ ہو گا اور بائیں جانب دیکھے گا تو (ادھر بھی) اس کے کئے ہوئے اعمال کے سوا کچھ نہ ہو گا اور سامنے (کی طرف) دیکھے گا تو اس کے منہ کے سامنے آگ ہی آگ ہو گی اور کچھ نہ ہو گا پس (اس) آگ سے (جس طرح ہو سکے) بچو اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے ذریعے ہی بچو اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات (کے ذریعہ سے) ہی بچو۔

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ براہ راست ہر بندے سے اس کے کئے ہوئے اعمال کے متعلق سوال فرمائیں گے کہ میں نے عمر بھر تجھ پر بے شمار انعامات اور احسانات کئے بتلا تو نے اس کا شکریہ کس طرح ادا کیا بندے کے پاس اس وقت عمر بھر کئے ہوئے اعمال کے سوا کچھ نہ ہو گا دائیں طرف نیک اعمال ہوں گے اور بائیں طرف بد اور سامنے کی جانب ایک طرف جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہو گی اور دوسری طرف جنت لہلہاتی ہو گی حساب اعمال کے بعد جن کی بائیں جانب کے اعمال وزنی ہوئے وہ تو جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور جن کے دائیں جانب کے اعمال وزنی ہونگے وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیات اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔

۱. **واذا الجحيم سعرت واذاالجنة ازلفت علمت نفس مآاحضرت** (سورۃ تکویر آیت ۱۲تا۱۴)

اور جبکہ جہنم بھڑکا دی جائے گی اور جبکہ جنت بالکل قریب کر دی جائیگی اس وقت ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لایا ہے۔

۲. **ينبوا الانسان يومئذبماقدم واخر** اس دن انسان کو بتلایا جائے گا جو اس نے کیا یا نہ کیا ہو گا (سورۃ قیامہ آیت ۱۳)

۳. **علمت نفس ماقدمت واخرت** ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔ (سورۃ انفطار آیت ۵)

٤. **يومئذيصدرالناس اشتاتاً ليرواعمالهم' فمن يعمل مثقال ذرة خيرايره' ومن يعمل مثقال ذرة شرايره.** (زلزال آیت ۶تا۸)

اس دن لوگ مختلف گروہوں میں واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پس جس نے ذرہ برابر بھی نیک کام کیا ہو گا اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی کوئی برا کام کیا ہو گا اس کو دیکھ لے گا (حشر کے دن)

۵. فامامن ثقلت موازینہ‘ فھوفی عیشۃ راضیۃ‘ وامامن خفت موازینہ‘ فامہ ھاویۃ. (قارعہ ۶ تا ۹)
پس جس کے وزن کئے ہوئے اعمال وزنی ہوں گے تو وہ پسندیدہ زندگی بسر کرے گا اور جس کے اعمال ہلکے اور کم وزن ہوں گے تو اسکا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔
۶. وازلفت الجنۃ للمتقین وبرزت الجحیم للغاوین (سورۃ شعرآء آیت ۹۰‘ ۹۱‘)
اور جنت پرہیزگاروں کے بالکل قریب کردی جائیگی اور جہنم گمراہوں اور کجراہوں کے سامنے بے نقاب کردی جائے گی۔
مذکورہ بالا زیر بحث حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم‘ اسی محاسبہ اعمال کاذکر فرماتے ہیں اور ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرکے جہنم سے بچنے کی جدوجہد کی ترغیب دیتے ہیں کہ محتاج کو اور کچھ نہیں تو کھجور کاایک ٹکڑا دے کرہی جہنم سے بچو اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو کسی کو بھلی بات بتا کرہی جہنم سے بچو (اس میں تو کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا)

اگرچہ شراح حدیث نے اتقوا النارولوبشق تمرۃ کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔
۱۔ ایک یہ کہ اگر کسی کا ذراسا حق بھی تمہارے ذمہ ہو تو اس کو بھی ادا کرکے جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرو کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں مطلق معاف نہیں ہوتے اگر کسی کا کھجور کا ایک ٹکڑا بھی تمہارے ذمہ رہ گیا تو جہنم میں جاؤ گے۔
۲۔ دوسرا یہ کہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی سزا سے بچنے کے لئے کسی بھی نیک کام کرنے میں کوتاہی نہ کرو اگرچہ کتناہی معمولی کار خیر ہو اس دوسرے مطلب کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘ نے فرمایا ہے۔
الصدقۃ تطفیءُ الخطایا کمایطفیءُ الماءُ النار.
صدقہ (خیرات) خطاؤں (کی آگ) کو اس طرح بجھادیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھادیتا ہے۔
اسی طرح اسی باب کی آٹھویں حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘ مسلمان عورتوں کو خطاب کرکے فرماتے ہیں۔
یانساء المسلمات لاتحقرن جارۃ لجارتھاولوفرسن شاۃ
اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے (کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہی ہو۔
اور پانچویں حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرکے فرمایا ہے۔
قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لاتحقرن من المعروف شیئا ولو ان تلقا اخاک بوجہ طلیق.
حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ (خاص طور پر) مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا: اے (ابوذر) تم کسی بھی بھلے کام کو حقیر مت سمجھنا اگرچہ اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔
اسی طرح زیر نظر حدیث میں وان لم یجدفبکلمۃ طیبۃ اگر نہ ہو تو بھلی بات کے ذریعے ہی بچو۔
اور یہی دوسرا مطلب امام نووی رحمہ اللہ کے پیش نظر ہے اسی لئے اس باب میں اس حدیث کو لائے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ہر مسلمان کو بھی زیادہ سے زیادہ کارہائے خیر کرکے جہنم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرنے والے بندے پر اظہار خوشی

الرابع والعشرون : عن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "إنَّ اللهَ لَيَرْضَى عَنِ العَبْدِ أنْ يَأكُلَ الأَكْلَةَ ، فَيَحمَدَهُ عَلَيْهَا ، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ ، فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا " رواه مسلم . وَ" الأَكْلَةُ " بفتح الهمزة : وَهيَ الغَدْوَةُ أو العَشْوَةُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' نے فرمایا ہے: بیشک اللہ تعالیٰ بندہ سے (اس پر) خوش ہوتا ہے کہ جو کھانا (صبح کا یا شام کا) وہ کھاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جو بھی پانی پیتا ہے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اکلۃ ہمزہ کے زبر کے ساتھ صبح کے یا شام کے کھانے کو کہتے ہیں (نہ کہ ہر لقمہ اور ہر گھونٹ کو)

تشریح: ظاہر ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا اور پیاس پر پانی پینے کو دینا اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام واحسان ہے کہ ہم اس کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتے اس لئے کہ ہم اپنے گردو پیش میں دیکھتے ہیں کہ بے شار لوگ ایسے ہیں کہ باوجود انتہائی محنت کرنے اور مشقت اٹھانے کے دو وقت پیٹ بھر کر انہیں کھانا نصیب نہیں ہوتا اور ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لذیذ اور عمدہ کھانے دستر خوان پر موجود ہیں مگر کسی مرض یا بیماری کے خوف سے یا کسی اور وجہ سے نہیں کھا سکتے اس لئے دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا اور کھانے کی قدرت بھی دینا اتنا بڑا احسان ہے کہ ہم کسی بھی طرح اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے تھے یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' کی کریمی ہے کہ انہوں نے نہایت آسان طریق پر شکر ادا کرنے اور اس پر اپنی رضامندی وپسندیدگی کا بھی اظہار فرمادیا اور قرآن کریم میں شکر ادا کرنے پر مزید نعمتیں دینے کا بھی وعدہ فرمایا ہے جس کا ہم شب وروز مشاہدہ کرتے ہیں ہر روز نئی سے نئی نعمتیں کھانے کو ملتی ہیں۔

مگر وائے برما و برحال تاکہ ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم' کی تعلیمات سے اس قدر ناآشنا ہیں کہ نہ کھانا شروع کرنے کے وقت کبھی بسم اللہ کہنا نصیب ہوتا ہے نہ فارغ ہونے کے بعد **الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین** کہنے کی توفیق ہوئی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمیں بچپن میں نہ بتلایا گیا نہ عمل کرنے پر تنبیہ وتادیب کی گئی یہی وجہ ہے کہ ہماری نہ صرف نوجوان نسل بلکہ اچھے اچھے صوم وصلوٰۃ کے پابند گھرانے بھی کھانا کھانے کے اسلامی آداب سے بے بہرہ ہیں اس وقت ہمارا حال وہی ہے جو قرآن کریم نے کافروں کا بتلایا ہے **یاکلون کماتاکل الانعام** (جانوروں کی طرح کھانا کھاتے ہیں آج بڑی بڑی ضیافتوں میں میزوں پر رکھے ہوئے کھانے کی مختلف ڈشوں سے پلیٹوں میں کھانا لیکر جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے کھانا اور کھاتے ہوئے ادھر سے ادھر گھومتے

رہنا عین تہذیب سمجھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائیں ہم ذیل میں مختصر طور پر آداب طعام لکھنا مناسب سمجھتے ہیں امید ہے کہ مسلمان خود بھی اس پر پابندی سے عمل کریں گے اور اپنے بچوں سے بھی عمل کرائیں گے۔

آداب طعام:

ا۔ کھانا کھانے کی نیت سے ہاتھ دھونا اگرچہ ہاتھ بالکل پاک وصاف ہوں۔

۲۔ کھانا بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا اگر شروع میں بسم اللہ کہنا یاد نہ رہے تو کھانے کے درمیان جب یاد آئے تو **بسم اللہ اولہ واخرہ** پڑھ لے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع میں بھی آخر میں بھی۔

۳۔ گھر کے تمام افراد ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں الگ الگ نہ کھائیں اگر ایک ایک قسم کا کھانا ہو تو ایک ہی بڑے برتن قاب (ڈش) وغیرہ میں سب کھائیں اگر کئی قسم کا ہو تو اپنی اپنی پسند کے مطابق علیحدہ علیحدہ پلیٹ میں لے کر کھائیں مگر ایک ہی دستر خوان پر ادب واحترام کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں کھڑے ہو کر نہ کھائیں متکبروں کی طرح آلتی پالتی مار کر نہ بیٹھیں دستر خوان پر جو سب سے عمدہ کھانا ہو اسی کی طرف سب سے پہلے ہاتھ نہ بڑھائیں اگر بڑے برتن سینی یا قاب میں کھانا ہو تو کنارے سے لیں بیچ میں ہاتھ یا چمچہ نہ ماریں تین انگلیوں سے کھائیں حریص لوگوں کی طرح بڑے بڑے لقمے نہ لیں دوسرے کھانا کھانے والوں کی طرف نہ دیکھیں خاموش بیٹھ کر کھانا نہ کھائیں مناسب اور موزوں گفتگو کرتے رہیں بلند آواز سے ڈکار نہ لیں۔

۴۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوئیں اور **الحمدللہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین** پڑھیں (شکر ہے اس اللہ تعالیٰ کا جس نے ہمیں کھانا کھلایا پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا)

ہر مومن مسلمان کیلئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بہت سے طریقے

الخامس والعشرون : عن أَبي موسى رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :" عَلَى كلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ " قَالَ : أرأيتَ إنْ لَمْ يجدْ ؟ قَالَ : " يَعْمَلُ بيدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصدَّقُ " قَالَ : أرأيتَ إن لَمْ يَسْتَطِعْ ؟ قَالَ : " يُعِينُ ذَا الحَاجَةِ المَلْهُوفَ " قَالَ : أرأيتَ إنْ لَمْ يَسْتَطِعْ ، قَالَ : " يَأمُرُ بالمَعْرُوفِ أَو الخَيْرِ "قَالَ : أرَأيْتَ إنْ لَمْ يَفْعَلْ ؟ قَالَ : " يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ ، فَإنَّهَا صَدَقَةٌ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مسلمان کے پورے بدن پر صدقہ (اداء شکر کے لئے) واجب ہے (ابو موسیٰ نے عرض کیا آپ بتلایئے اگر کچھ میسر نہ ہو (کہ صدقہ کرے) آپ نے فرمایا: اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے خود اپنے کو بھی نفع پہنچائے (اپنی ضروریات بھی پوری کرے) اور صدقہ بھی کرے عرض کیا آپ بتلایئے اگر اس کی قدرت

نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: مصیبت زدہ حاجتمندوں کی مدد کرے عرض کیا: آپ بتلایئے اگر مدد بھی نہ کرسکے؟
آپ نے فرمایا(شرعاً) بھلی بات کہے یا فرمایا: کلمہ خیر کہے عرض کیا: آپ بتلایئے اگر یہ بھی نہ کرے؟ آپ نے فرمایا(خود کو) برے کام سے باز رکھے اس لئے کہ یہ بھی ثواب کا کام ہے (بخاری و مسلم نے روایت کیا)

تشریح: اس حدیث میں دوسرے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا ہے وہ صرف اسی حدیث میں مذکور ہے اور بہت غیرت انگیز ہے کہ ایک اچھے بھلے تندرست مسلمان کو ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھی بھرنا چاہئے اور جو بچے اسے صدقہ کر کے آخرت کے لئے ذخیرہ بھی کرنا چاہئے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ذرائع معاش پر محنت مزدوری کر کے روزی کمانے کو ترجیح دی ہے۔

عن رافع بن خديج قال: قيل يارسول الله اى الكسب اطيب قال عمل الرجل بيده.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا کسب (ذریعہ معاش) افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔

بدن اور اس کے تین سو ساٹھ جوڑوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جن امور کا ان پچیس احادیث میں ذکر فرمایا ہے وہ بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں (۱) ایک حقوق اللہ یعنی عبادات اور ان سے متعلق آداب یعنی مستحبات و مندوبات (۲) دوسرا حقوق العباد سے متعلق امور۔ ہم ان دونوں قسم کو الگ الگ بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ عمل کرتے وقت اسی کی نیت کی جائے۔

امور خیر کا تجزیہ

حقوق اللہ	حقوق العباد
۱۔ کلمہ سبحان اللہ کہنا	۱۔ ضرورت مند کاریگر کی مدد کرنا۔
۲۔ کلمہ الحمد للہ کہنا	۲۔ ناکارہ آدمی کے لئے کام کرنا۔
۳۔ کلمہ لاالہ الااللہ کہنا۔	۳۔ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھنا۔
۴۔ کلمہ اللہ اکبر کہنا۔	۴۔ عام راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا۔
۵۔ کلمہ استغفر اللہ کہنا۔	۵۔ مسجد میں سے تھوک یا ناک کی ریزش دور کرنا
۶۔ ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ	۶۔ بیوی سے جماع کرنا۔
۷۔ نفیس ترین اور بیش قیمت غلام یا کنیز آزاد کرنا	۷۔ کتنی ہی حقیر اور معمولی چیز ہو حاجت مند کو دینے میں عار محسوس نہ کرنا۔

۸۔ امر بالمعروف کرنا۔
۹۔ نہی عن المنکر کرنا۔
۱۰۔ نماز کے لئے دور سے پاپیادہ چل کر مسجد آنا
۱۱۔ خصوصاً ہر صبح شام یعنی فجر وعصر کی نماز باجماعت مسجد میں جاکر ادا کرنا۔
۱۲۔ تمام مستحبات ومندوبات کیساتھ پابندی کی نماز ادا کرنا۔
۱۳۔ شرم وحیا کرنا۔
۱۴۔ نیت کرکے پور اور کامل وضو کرنا خصوصاً ناگوار حالات میں۔
۱۵۔ پانچوں نمازیں پابندی سے مسجد میں باجماعت ادا کرنا۔
۱۶۔ صحت اور قیام کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا تاکہ بیماری اور سفر کی حالت میں بھی وہ لکھی جائیں اور اس کا ثواب ملے۔
۱۷۔ ہر نیک کام اگرچہ کتنا ہی معمولی ہو جہنم سے بچنے کی غرض سے کرنا۔
۱۸۔ صبح وشام کھانے پر دونوں وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔
۱۹۔ چاشت کی نماز ادا کرنا۔
۲۰۔ اپنے کو ایذا رسانی کے گناہ سے بچانا۔

۸۔ مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔
۹۔ لوگوں کے درمیان انصاف کرنا۔
۱۰۔ ضعیف یا کمزور انسان کو سواری پر سوار کردینا
۱۱۔ یا اس کا سامان اٹھا کر سواری پر رکھ دینا۔
۱۲۔ اچھی بات کہنا۔
۱۳۔ عام گزرگاہ سے پتھر یا ہڈی یا کانٹے ہٹا دینا۔
۱۴۔ عام راستہ سے کانٹے یا کانٹے دار درخت کاٹ دینا۔
۱۵۔ پیاسے جانور کو پانی پلا دینا۔
۱۶۔ باغ یا کھیت والے کا جو بھی نقصان ہو یا انسان یا حیوان کھالے اس پر ثواب کی نیت کرنا۔
۱۷۔ دودھ والے جانور کو دودھ پینے کے لئے حاجت مند کو دے دینا۔
۱۸۔ محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھی بھرنا اور صدقہ بھی کرنا۔
۱۹۔ کسی مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرنا۔
۲۰۔ اپنی ذات سے کسی کو نقصان یا ایذا نہ پہنچانا۔

کل چالیس کارہائے خیر اور موجب ثواب کام ان پچیس حدیثوں میں مذکور ہیں ان کے علاوہ شعب ایمان والی حدیث میں باقی ۷۲ کام اجمالاً مذکور ہوئے ہیں جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

چودھواں باب
باب فی الاقتصاد فی العبادۃ
عبادت میں اعتدال اور میانہ روی کا بیان

۱. قال اللہ تعالیٰ: طہ مآانزلنا علیک القران لتشقی (سورۃ طہ آیت ۱،۲)

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے طہ! ہم نے تمہارے اوپر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو۔

۲. قال اللہ تعالیٰ: یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہارے لئے سہولت پیدا کرنا چاہتا ہے تمہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

آیات کی تفسیر: آپ باب مجاہدہ کی چوتھی حدیث کے ذیل میں اس مشقت کا حال حضرت عائشہؓ کی حدیث میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں جو آپ سورۃ مزمل میں قیام لیل کا حکم نازل ہونے کے بعد سال بھر تک اٹھاتے رہے ہیں اور آخر ایک سال بعد دوسرے رکوع میں قیام لیل کے اندر تخفیف نازل ہوئی ہے اسی مشقت کی اس آیت کریمہ میں نفی کی گئی ہے کہ یہ قرآن ہم نے اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقتیں برداشت کرتے رہو۔

نیز شب وروز کی مسلسل فہمائش کے باوجود معاندین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو شدید روحانی کوفت اور تکلیف ہوتی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ذیل میں فرمایا ہے۔

فلعلک باخع نفسک علی اثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً (سورۃ الکہف ع:۱ آیت ۶)

توکیا تم غم کے مارے اپنے آپ کو ان معاندوں کے پیچھے ہلاک کرڈالو گے اگر یہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اس روحانی تکلیف اور مشقت کا ذکر فرمایا ہے جو آپ معاندین کے ایمان نہ لانے پر اٹھا رہے تھے جیسا کہ پہلی آیت میں جسمانی مشقت کا ذکر فرمایا ہے دونوں قسم کی مشقتوں کا باعث نزول قرآن بن رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی مشقتیں برداشت کرنے سے آپ کو منع فرمایا ہے اور نزول قرآن کے اصل مقصد سے آپ کو بھی اور آپ کی اُمت کو بھی آگاہ فرماتے ہیں:

الاتذکرۃ لمن یخشی تنزیلاً ممن خلق الارض والسموات العلی (سورۃ طہ ع:۱ آیت ۳،۴)

لیکن (ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے) ان لوگوں کی نصیحت کے لئے جن کے دل میں ڈر ہے اتارا ہے اس (رب العالمین) نے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔

جسمانی مشقت کے بجائے روحانی مشقت اور تکلیف مراد لینا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ جسمانی مشقت تو ایک سال بعد قیام لیل میں تخفیف فرما دینے سے ختم ہو گئی تھی روحانی تکلیف آخر تک قائم رہی جس کا ازالہ قرآن کریم میں مختلف عنوان سے فرمایا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ **شهر رمضان الذی انزل فيه القران** کے ذریعہ سال کے باقی مہینوں کے مقابلہ میں ماہ رمضان کی عظمت واہمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرماتے ہیں **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** اور پورے ایک مہینہ کے روزے فرض فرما دیئے اور **من كان منكم مريضاً اوعلى سفر فعدة من ايام أخر** کے ذریعہ مریض اور مسافر کو ایام مرض وسفر میں رمضان کے روزے ترک کرنے اور سال کے دوسرے دنوں میں اتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لینے اور رمضان کے روزے قضا کرنے کی سہولت عطا فرمانے کا ذکر مذکورہ آیت میں فرمایا ہے۔

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على هداكم. (سورۃ البقرۃ ع ۷ آیت ۱۸۵)

اللہ تمہارے لئے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے تمہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا اور تاکہ تم (رمضان کے روزوں کی تعداد بھی پوری کر لو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار بھی کرو یعنی شکریہ ادا کرو) اس پر کہ اس نے تمہیں اپنے احکام پر عمل کرنے کی ہدایت عطا فرمائی۔

بعض علماء نے **ولتكبروا الله على ما هداكم** کا مصداق عید الفطر کی نماز اور تکبیرات کے ساتھ ادا کرنا قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تو صرف ان دو آیتوں پر اکتفا کیا ہے ہم مزید وضاحت کرنے کے لئے اسی سلسلہ کی دو تین اور آیتیں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اور بھی بعض ایسے احکام سے متعلق جن کو کوتاہ فہم اور ناعاقبت اندیش لوگ دشوار اور سخت احکام سمجھتے ہیں اس طرح غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ وہ انتہائی سہل اور آسان ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے **كتب عليكم القصاص فی القتلیٰ** کے ذریعہ امیر اور غریب شریف ورذیل مرد وعورت کا فرق کئے بغیر قصاص (جان کے بدلے جان لینے) کو فرض فرمایا تو اعداء اسلام نے اس حکم پر شدت اور سختی کا الزام لگایا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس قصاص کے حکم میں خود ہی اتنی آسانی فرما دی ہے کہ اگر ورثاء مقتول چاہیں تو قاتل کو بالکل ہی معاف کر دیں چاہے قاتل سے دیت (خون بہا) لے لیں یا باہمی رضامندی سے جتنے مال پر چاہیں صلح کر لیں چنانچہ اس سہولت کا اظہار بھی فرما دیا ہے **ذلك تخفيف من ربكم ورحمة** کہ دیکھو ایک طرف یہودی مذہب میں اتنی سختی ہے کہ قصاص (جان کے بدلے جان) کے سوا اور کوئی صورت نہیں دوسری جانب عیسائی مذہب میں قاتل کو کسی صورت میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا دیت کے سوا اور کوئی بدلہ لینے کی سبیل

ہی نہیں حالانکہ بعض قاتل اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کو قتل کیے بغیر امن قائم ہی نہیں ہو سکتا اسی لئے اسلام نے ورثاء مقتول کو اختیار دے دیا کہ اگر وہ قاتل کے خطرناک ہونے کی بناء پر جان کے بدلے جان لینا ہی ضروری سمجھیں اور اس پر مصر ہوں تو بیشک قتل کرنا ضروری ہوگا اور آخر میں فرمادیا۔

ولکم فی القصاص حیوۃ یااولی الالباب (اے عقلمند و قصاص لینے میں ہی تمہاری زندگیوں کا تحفظ ہے) قتل کا سدباب بدلہ لئے بغیر ممکن نہیں خواہ جان کے بدلے میں جان ہو خواہ خون بہا لینا اس لئے کہ قاتل سے ڈر کر یا مرعوب ہو کر یا ترس کھا کر اسے چھوڑ دینا انتہائی خطرناک ہے۔

۲۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نماز وغیرہ عبادات کے لئے غسل یا وضو کو شرط قرار تو دیا مگر اسی کے ساتھ پانی نہ ملنے کے وقت تیمم کی سہولت عطا فرمادی جو صرف اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے اور فرمادیا۔

مایریداللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یریدلیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون (سورۃ المائدہ آیت ۶)

اللہ تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ تم کو (ظاہری اور باطنی نجاستوں سے) پاک کردے اور تم پر اپنی نعمت کامل کردے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

۳۔اسی طرح پورے دین اسلام اور اس کے احکام سے تنگی اور سختی کی نفی فرماتے ہیں۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (س:حج ع ۱۷)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین (کے احکام) میں مطلق تنگی نہیں رکھی۔

امام نووی رحمہ اللہ کا مقصد قرآن کریم کی ان آیات کو پیش کرنے سے یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں ہر طرح کی آسانی اور سہولت رکھی ہے اور تخفیف کا اعلان کیا ہے تو تم اپنے آپ کو ساری ساری رات عبادت گزاری کا اور بارہ مہینے روزے رکھنے کا عہد کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں کیوں ڈالتے ہو اندیشہ ہے کہ یہ ناشکری میں شمار ہو اور تم بجائے اجر و ثواب کے کفران نعمت کی سزا کے مستحق بن جاؤ لہٰذا خدا پرستی اور عبادت گزاری میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرو۔

علاوہ ازیں رات دن اس طرح عبادت میں بے تحاشا منہمک ہونے کی وجہ سے بہت سے ایسے خداوندی احکام جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذمے عائد کئے ہیں مثلاً حلال روزی کمانا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا اولاد کی پرورش کرنا اور اہل و عیال کی خدا اور رسول کے فرمانے کے مطابق تربیت کرنا علم دین حاصل کرنا کرانا اسی طرح وہ تمام حقوق العباد جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذمے عائد کئے ہیں وہ سب ترک ہو جائیں گے اور قیامت کے دن شب و روز کی اس عبادت کے اجر و ثواب اور گناہوں کی مغفرت کے بجائے ان تمام

احکام الٰہیہ کے ترک کرنے کے مجرم بنو گے خصوصاً حقوق العباد کہ ان کو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہ فرمائیں گے اس لئے اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کئے بغیر اللہ تعالیٰ کے تمام احکام (مامورات و منہیات) پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

حد سے زیادہ مشقت اور حرص عبادت کا انجام

وعن عائشة رضي الله عنها : أنَّ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دخل عَلَيْهَا وعِندها امرأةٌ ، قَالَ : " مَنْ هذِهِ ؟ " قَالَتْ : هذِهِ فُلانَةٌ تَذْكُرُ مِنْ صَلاتِها . قَالَ : " مهْ ، عَلَيْكُم بمَا تُطِيقُونَ، فَوالله لاَ يَمَلُّ اللهُ حَتَّى تَمَلُّوا " وكَانَ أَحَبُّ الدِّين إلَيْهِ مَا دَاوَمَ صَاحِبُهُ عَلَيهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وَ"مهْ" : كَلِمَةُ نَهْيٍ وَزَجْر . ومَعْنَى " لاَ يَمَلُّ اللهُ " : لاَ يَقْطَعُ ثَوَابَهُ عَنْكُمْ وَجزَاء أعْمَالِكُمْ ويُعَامِلُكُمْ مُعَامَلَةَ المَالِّ حَتَّى تَمَلُّوا فَتترُكُوا ، فَيَنْبَغِي لَكُمْ أنْ تَأخُذُوا مَا تُطِيقُونَ الدَّوَامَ عَلَيهِ لِيَدُومَ ثَوابُهُ لَكُمْ وَفَضْلُهُ عَلَيْكُمْ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت ایک عورت میرے پاس بیٹھی تھی آپ نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یہ فلاں عورت (خولہ بنت تویت) ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ ساری رات نماز پڑھتی ہے آپ نے فرمایا باز آؤ تم پر لازم ہے کہ تم اتنی عبادت کرو جتنی طاقت ہے (یعنی جتنی برداشت کر سکو) اس لئے کہ خدا کی قسم اللہ نہیں اکتائے گا تم ہی اکتا جاؤ گے اللہ تعالیٰ کو وہی دین (عبادت) پسند ہے جس پر عبادت کرنے والا ہمیشہ قائم رہ سکے۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کلمہ مہ (عربی میں) جھڑکنے اور منع کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لایمل اللہ (اللہ نہیں اکتاتا) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب دینا بند نہیں کرتا اور تمہارے اعمال کی جزا دینے سے بیزار نہیں ہوتا اور اکتا جانے والے کا سا معاملہ نہیں کرتا کہ بیزار ہو کر ثواب دینا موقوف کر دے یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ اور عبادت ہی ترک کر بیٹھو (اور بالکل ہی ثواب سے محروم ہو جاؤ) پس تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ جتنی عبادت ہمیشہ برداشت کر سکو اتنی ہی عبادت کرو تاکہ اجر و ثواب (کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور اس کا فضل ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے۔

تشریح: امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث میں جو ملال کی نسبت اللہ تعالیٰ و تقدس کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ملال ایک نقص اور کمزوری ہے اور اللہ تعالیٰ تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہیں اس کی حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ ملال کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے نتیجہ یعنی ترک کے اعتبار سے منسوب کیا گیا ہے یا مشابہت و مشاکلت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ ملال کے حقیقی معنی کے اعتبار سے ملال یا کسل سے بالکل پاک ہیں یہی دو توجیہیں ان تمام الفاظ

کے بارے میں کی جاتی ہیں جو حدوث و تغیر پر دلالت کرتے ہیں اور انفعالی صفات ہیں مثلاً ان الله لا یستحی (الایۃ) کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف حیا کی نسبت حیا کے نتیجہ یعنی ترک کے اعتبار سے کی گئی ہے اور لا یستحی کے معنی ہیں لایترك اسی طرح اس حدیث میں لایمل کے معنی ہیں لایقطع اور یعاملکم معاملة الممال میں دوسری توجیہ مشاکلت کی طرف اشارہ ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے خلاف اتنی تفصیل سے اس حدیث کی شرح کی ہے۔

تشریح: بہر حال ہوتا یہ ہے کہ انسان خصوصاً جوانی میں عبادت گزاری اور پرہیزگاری کے فضائل اور عظیم اجر و ثواب کے تذکرے واعظوں سے سن کر یا کتابوں میں پڑھ کر اپنی موجودہ قوت و فرصت اور آئندہ جسمانی طاقت کے انحطاط اور مصروفیت کے فرق کو نظر انداز کر کے نفلی عبادات صوم و صلوٰۃ اور نفلی صدقات کے شوق میں رات بھر جاگنا اور نمازیں پڑھنا اور مسلسل روزے رکھنا زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنی قوت برداشت سے بہت زیادہ کام کرنے لگتا ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد جسمانی قوتیں اور مالی وسعت و فراوانی جواب دے دیتے ہیں اور وہ تمام نفلی عبادتیں اور صدقات و خیرات بادل ناخواستہ ترک کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس محبوب مشغلہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اس محبوب مشغلہ سے محروم ہونے پر ایسی بے دلی اور بیزاری کی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ فرائض میں بھی سستی یا ترک کرنے کی نوبت آجاتی ہے اور اجر و ثواب کے بجائے عذاب و عتاب کا مستحق بن جاتا ہے یہ نتیجہ اور رد عمل اس بے اعتدالی کا ہوتا ہے جو ابتداء میں اختیار کی جاتی ہے اس لئے فرض عبادتیں تو فرض ہیں انہیں تو بہر حال ادا کرنا ہے باقی ان میں بھی آسانیاں اور سہولتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں ان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے کہ یہی شکر نعمت ہے باقی رہیں نفل عبادتیں ان میں خوب سوچ سمجھ کر رفتہ رفتہ اضافہ کرنا چاہیئے اپنی صحت موجودہ اور آئندہ بدنی و مالی طاقت کو پیش نظر رکھ کر اس طرح بڑھنا چاہیئے کہ جو قدم بڑھیں پیچھے نہ ہٹانا پڑیں یعنی جو نفل عبادت شروع کرے اسے ترک کرنے کی نوبت نہ آئے خواہ کتنی ہی کم ہو مگر بڑھنے کی یہ رفتار برابر جاری رہنی چاہیئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ یہی نفل عبادتیں ہیں جیسا کہ آپ حدیث قدسی مازال العبدیتقرب الی بالنوافل کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

بہر حال مداومت ضروری ہے ورنہ استقامت کے خلاف ہوگا اس کی تفصیل باب استقامت کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں دوبارہ پڑھ لیجئے استقامت نہایت ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میانہ روی پر مبنی اسوہ حسنہ

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : جَاءَ ثَلاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمَّا أُخْبِروا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا وَقَالُوا : أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ . قَالَ أَحَدُهُم : أَمَّا أَنا فَأُصَلِّي اللَّيلَ أَبداً . وَقَالَ الآخَرُ : وَأَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ أَبَداً وَلا أُفْطِرُ . وَقَالَ الآخر : وَأَنا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ أَتَزَوَّجُ أَبَداً . فَجاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إليهم ، فَقَالَ : " أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا ؟ أَمَا واللهِ إِنِّي لأَخْشَاكُمْ للهِ ، وَأَتْقَاكُمْ لَهُ ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق استفسار کرنے کی غرض سے ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے تو جب ان کو (درون خانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کی تفصیلات بتلائی گئیں) کہ آپ رات کو سوتے بھی ہیں حاجت بھی پوری کرتے ہیں اور تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہیں ہر مہینہ میں روزے بھی رکھتے ہیں اور نہیں بھی رکھتے تو انہوں نے گویا اس عبادت کو بہت تھوڑا سمجھا اور کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت آپ کے تو اگلے پچھلے کردہ ناکردہ سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں (اور ہم تو سراپا گناہ ہیں ہمیں تو اپنی پوری زندگی عبادت کے لئے وقف کر دینی چاہئے) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: بھئی میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا (اور سونا یا آرام کرنا بالکل ترک کر دوں گا) دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا (ایک دن بھی) روزہ ترک نہ کروں گا تیسرے نے کہا میں عمر بھر عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم ہی نے ایسا اور ایسا کہا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے اور کردہ ناکردہ سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں آپ کو عبادت کی کیا ضرورت ہے اور ہم تو سرتاپا گناہ گار ہیں ہمیں تو اپنی ساری زندگی عبادت میں صرف کر دینی چاہئے چنانچہ تم نے عمر بھر ساری رات عبادت کرنے اور دن بھر ہمیشہ روزہ رکھنے اور عمر بھر شادی نہ کرنے کا عہد کیا ہے آپ نے فرمایا: سنو! میں خدا کی قسم تم سے بدرجہا زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے بدرجہا زیادہ اللہ کی نافرمانی سے (ڈرتا اور) بچتا ہوں۔ اس کے باوجود میں دن میں کبھی روزے بھی رکھتا ہوں کبھی افطار بھی کرتا ہوں (روزے نہیں بھی رکھتا) رات میں سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کی ہے اپنی اور ان کی حاجت بھی پوری کرتا ہوں پس جس نے میرے سنت (اس طریق خدا پرستی) سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی علاقہ نہیں۔ بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا۔

تشریح: ان تینوں شخصوں نے عبادت اور پرہیز گاری کا مقصد صرف گناہوں کی مغفرت کو سمجھا تھا اسی غلط فہمی کی بنا پر آپ کو عبادت سے مستغنی اور اپنے کو زیادہ سے زیادہ عبادت کا محتاج سمجھا تھا آپ نے انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ فرما کر اس غلط فہمی کو دور فرمایا کہ عبادت کا اصلی محرک تو علماً خدا کی ذات و صفات کی معرفت اور اس کی عظمت و جلال کے اعتراف کی بنا پر دل میں پیدا شدہ خشوع و خضوع ہے اور عملاً اس کے تمام احکام (مامورات و منہیات) کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اول کمال علمی ہے اور دوسرا کمال عملی ہے گناہوں کی مغفرت تو ایک ثمرہ ہے جو اس علمی اور عملی کمال پر آپ سے آپ مرتب ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی کے حکم کے تحت کرنی چاہیئے گناہوں کا ہونا یا نہ ہونا یا مغفرت کا ہونا یا نہ ہونا عبادت کا مقصد ہر گز نہیں اگر گناہ ہوں گے تو معاف ہو جائیں گے نہ ہوں گے تو یہ خدا شناسی اور خدا ترسی یعنی عبادت اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ قرب اور رفع درجات کا موجب ہوگی یہ ہے میری سنت اور طریق خدا پرستی

ان لوگوں پر گناہوں کا ہول اس قدر سوار تھا کہ انہوں نے ان تمام خدائی احکام کو نظرانداز کر دیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں حقوق العباد کے طور پر فرض کیے ہیں جس میں اہل و عیال اعزہ و اقربا کے علاوہ خود ان کے نفس اور اعضائے بدن کے تقاضے بھی شامل ہیں اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے طرز عمل کو بیان فرما کر اور فمن رغب عن سنتی فلیس منی کی تنبیہ نہ فرماتے تو یقیناً ان تمام احکام پر عمل نہ کرنے کی بناء پر جو حقوق العباد سے متعلق ہیں مزید گنہگار ہوتے گناہوں کی مغفرت کے بجائے ایسے گناہوں کے مرتکب ہوتے جو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہ فرمائیں گے۔

بہر حال دو چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت کی معرفت یہ کمال علمی ہے دوسری چیز ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری یہ کمال عملی ہے انہی دو چیزوں کا نام عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں قسم کے کمالوں میں خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' سے بڑھ کر تو کیا برابر بھی بلکہ آپ کے آس پاس بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فطری طور پر گناہوں سے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ یا معصیت سرزد ہو ہی نہیں سکتی ہاں بعض اوقات بتقاضائے بشریت منشائے خداوندی کو سمجھنے میں غفلت ہو جاتی ہے اور خلاف اولیٰ امور سرزد ہو جاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ فوراً یا تاخیر سے متنبہ فرما دیتے ہیں یہی حقیقت ہے ان کے گناہوں کی اور گناہوں کو معاف کر دینے کی۔

اور زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہئے کہ عام انسانوں کی خدا پرستی کا معیار تو یہ ہے کہ جن کاموں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کریں اگر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کے پاس بھی نہ جائیں اگر ان کاموں کا ارتکاب کریں گے تو گنہگار ہوں گے لیکن انبیائے کرام کا فرض ہوتا ہے کہ وہ منشائے الٰہی کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں اگر منشائے الٰہی کے خلاف کوئی کام کر بیٹھتے ہیں تو اس پر فوراً یا بتاخیر تنبیہ کر دی جاتی

ہے اسی لئے عرفاء کا مقولہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کے بعض اچھے کام مقربین کی سیئات (خطائیں) ہوتی ہیں اسی حقیقت کو فارسی زبان میں اس طرح ادا کیا گیا ہے مقربان را بیش بود حیرانی مقربین کو بہت زیادہ حیرانی ہوتی ہے حقوق العباد کی اہمیت آگے آتی ہے۔

سخت کوش عبادت گزار اور تشدد پسند لوگوں کو تنبیہ

وعن ابن مسعود رضي الله عنه : أنَّ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ " قالها ثَلاثاً . رواه مسلم . " الْمُتَنَطِّعونَ " : المتعمقون المشددون في غير موضع التشديدِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلاک ہوگئے (اپنے اوپر) سختی کرنے والے' ہلاک ہوگئے (اپنے اوپر) سختیاں کرنے والے' ہلاک ہوگئے سختیاں اٹھانے والے' تین مرتبہ فرمایا:

امام نووی رحمہ اللہ المتنطعون کے معنی بیان کرتے ہیں بے محل اور بے جا سختیاں اٹھانے والے۔

تشریح: بے جا اور بے محل سختیاں برداشت کرنے کی چند مثالیں اور ان کے ضرر رساں خطرناک نتائج

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بیمار ہو جانے یا مرض بڑھ جانے کے خوف کی بنا پر پانی سے وضو کرنے کی بجائے پاک مٹی کے تیمّم کر لینے کی اجازت فرمادی ہے اس کے باوجود کوئی شخص کہے میرا تو دل نہیں مانتا اور پانی سے غسل یا وضو کرے اور بیمار پڑ جائے یا مرض بڑھ جائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سفر میں چار رکعت کے بجائے دو رکعت فرض نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے کوئی شخص نہ صرف فرضوں میں دو کے بجائے چار رکعت پڑھے بلکہ فرضوں سے پہلے اور بعد کی سنتیں اور نفل بھی پڑھنے پر اصرار کرے چاہے اتنی دیر میں ریل چھوٹ جائے یا ہوائی جہاز پرواز کر جائے اور سفر سے رہ جائے۔

۳۔ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے سفر یا مرض کی حالت میں روزے نہ رکھنے اور رمضان کے بعد سال بھر میں جس وقت بھی آسانی سے ممکن ہو ان روزوں کی قضا کر لینے کی اجازت عطا فرمائی ہے مگر اس اجازت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کوئی شخص کہے کہ میرا تو دل نہیں مانتا اور بیماری یا سفر کی حالت میں ہی روزے رکھے اور مرض بڑھ جائے یا لاعلاج ہو جائے سفر میں کتنی ہی ناقابل برداشت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانی پڑیں اور روزے رکھ کر گوناگوں مصیبتوں میں گرفتار ہو۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قتل ناحق کا بدلہ لینے میں ورثاء مقتول کو اختیار دیا ہے کہ چاہیں تو ظالم قاتل سے قصاص لیں اور قتل کریں چاہیں بالکل معاف کر دیں اور چاہیں دیت (خون بہا) لیں اب اگر حکومت یا عدالت قاتل کی دولت مندی یا جاہ و منصب کی بنا پر یا قوم میں مقبولیت کی بنا پر ورثاء کو معاف کر دینے یا خون بہا لینے پر مجبور کریں یا اس کے برعکس ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا ہے ورثاء مقتول یا باپ معاف کر دینا چاہیں مگر حکومت یا عدالت

ورثاء یا باپ کو قصاص لینے یعنی دوسرے بیٹے کو بھی قتل کرنے پر مجبور کریں تو یہ دونوں صورتیں اس مقصد اور تخفیف کے بالکل خلاف ہوں گی جو اللہ تعالیٰ نے قصاص کے بارے میں تخفیف کا اعلان فرمایا ہے۔

یہ ہیں بے محل اور بے جا سختیوں کی چند مثالیں اور ان کے مضرت رساں اور خطرناک نتائج جو صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی سہولتوں اور آسانیوں سے فائدہ نہ اٹھانے کی بناء پر برداشت کرنی پڑتی ہیں انہی کو حدیث شریف میں ہلاکت سے تعبیر کیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تقریباً تمام ہی شرعی احکام میں آسانیاں اور سہولتیں عطا فرمائی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے۔

ماجعل علیکم فی الدین من حرج اللہ نے دین میں تمہارے اوپر تنگی نہیں کی۔

ان سہولتوں سے فائدہ نہ اٹھانا کفران نعمت بھی ہے طرح طرح کے جسمانی اور مالی سختیاں برداشت کرنا اس ناشکری کی سزا ہے اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں تین مرتبہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے! ہلاک ہو گئے ہلاک ہو گئے ہلاک ہو گئے۔

اس سے بڑھ کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور کیا ہو سکتی ہے کاش ایسے لوگ جن کے متعلق عرف عام میں کہا جاتا ہے انہیں تو تقویٰ کا ہیضہ ہو گیا ہے اس شفقت آمیز تعلیم وتنبیہ سے فائدہ اٹھائیں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کریں اور صلوٰۃ والسلام بھیج کر شکریہ ادا کریں **اللھم صل علی نبی الرحمۃ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔**

دین آسان ہے دین سے زور آزمائی کرنے والوں کو نصیحت

عن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إنَّ الدِّينَ يُسْرٌ ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّيْنُ إلاَّ غَلَبَهُ ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا ، وَاسْتَعِينُوا بالغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ " رواه البخاري . وفي رواية لَهُ : " سَدِّدُوا وَقَارِبُوا ، وَاغْدُوا وَرُوحُوا ، وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ ، القَصْدَ القَصْدَ تَبْلُغُوا " . قوله : " الدِّينُ " : هُوَ مرفوع عَلَى مَا لَمْ يسم فاعله . وروي منصوباً وروي " لن يشادَّ الدينَ أحدٌ " . وقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إلا غَلَبَهُ " : أي غَلَبَهُ الدِّينُ وَعَجزَ ذلِكَ المُشَادُّ عَنْ مُقَاوَمَةِ الدِّين لِكَثْرَةِ طُرُقِهِ . وَ" الغَدْوَةُ " : سير أول النهار . وَ" الرَّوْحَةُ " : آخِرُ النهار . وَ" الدُّلْجَةُ " : آخِرُ اللَّيلِ . وهذا استعارة وتمثيل ، ومعناه: اسْتَعِينُوا عَلَى طَاعَةِ اللهِ عز وجل بالأَعْمَالِ فِي وَقْتِ نَشَاطِكُمْ وَفَرَاغِ قُلُوبكُمْ بحيثُ تَسْتَلِذُّونَ العِبَادَةَ ولا تَسْأمُونَ وتبلُغُونَ مَقْصُودَكُمْ ، كَمَا أنَّ المُسَافِرَ الحَاذِقَ يَسيرُ فِي هذِهِ الأَوْقَاتِ ويستريح هُوَ وَدَابَّتُهُ فِي غَيرِهَا فَيَصِلُ المَقْصُودَ بِغَيْرِ تَعَب ، واللهُ أعلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ دین تو (بہت) آسان ہے لیکن دین پر (عمل کے بارے میں) جب بھی زور آزمائی کی جائے گی دین ہی غالب آجائے گا لہٰذا (دین پر عمل کے بارے میں) راستی پر قائم رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور خوشخبری حاصل کرو کہ (تم نے مقصد کو پالیا اور (دین کے احکام پر قائم رہنے کے بارے میں) صبح کے وقت سے اور شام کے وقت سے اور کسی قدر آخر شب سے مدد حاصل کرو۔ بخاری

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اور بخاری ہی کی ایک اور روایت میں آیا ہے: راستی پر قائم رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور صبح کا وقت اختیار کرو اور شام کا: اور کسی قدر آخر شب کا! اعتدال کو اختیار کرو اعتدال کو (افراط و تفریط سے بچو) تو مقصد کو پہنچ جاؤ گے۔

اس کے بعد امام نوویؒ از روئے لغت الفاظ کے معنی اور حدیث کا مطلب بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لن یشاد الدین میں الدین مرفوع (پیش کے ساتھ) اور لن یشاد فعل مجہول کا نائب فاعل ہے اسی روایت میں لن یشاد الدین احد بھی آیا ہے اس روایت کے مطابق لن یشاد فعل معروف ہوگا اور الدین مفعول منصوب (زبر کے ساتھ) پڑھا جائے گا اور احد فاعل مرفوع (پیش کے ساتھ) ہوگا اور الا غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ دین ہی غالب آئے گا اور یہ زور آزمائی کرنے والا دین کے مقابلہ سے عاجز آجائے گا اس لئے کہ دین کے طریقے (اعمال) بہت زیادہ (بلکہ بے شمار ہیں) اور الغدوۃ کے معنی ہیں دن کے اول حصہ میں یعنی صبح کے وقت سفر کرنا اور الروحۃ کے معنی ہیں دن کے آخری حصہ میں یعنی شام کے وقت سفر کرنا اور الدلجۃ کے معنی ہیں رات کے آخری حصہ میں سفر کرنا سفر کے یہ تین وقت استعارہ ہیں اوقات نشاط کار سے اور مثال کے طور پر مطلب یہ ہے کہ تم خدائے بزرگ و برتر کی عبادت میں اپنے نشاط اور قلبی اطمینان کے اوقات سے مدد لو اس طرح کہ تم ان اطمینان کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تاکہ تم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں لطف و لذت محسوس ہو اور تم عبادت سے دل برداشتہ اور بیزار نہ ہو اور اپنا مقصد (رضاء الٰہی) حاصل کرنے میں کامیاب ہو جیسا کہ ایک تجربہ کار مسافر صرف ان تین وقتوں میں (جو سب سے زیادہ موزوں ہیں) سفر کرتا ہے اور باقی اوقات میں خود بھی آرام کرتا ہے اور سواری کا اونٹ بھی اور بغیر تھکے ہارے اور بغیر مشقت اٹھائے اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے (اس کے برعکس ایک متشدد اور بے تحاشی عبادت گزار دیندار کی مثال اس ناتجربہ کار مسافر کی سی ہے جو اپنی اونٹنی کو بے تحاشا دوڑاتا ہے نہ خود آرام کرتا ہے نہ اونٹنی

کو آرام لینے دیتا ہے آخر کار اونٹنی تھک کر چور اور نڈھال ہو جاتی ہے اور سفر ادھورارہ جاتا ہے نہ راستہ طے ہوتا ہے نہ اونٹنی چلنے کے قابل رہتی ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ارشاد فرمایا ہے۔

فان السائر المنبت لاارضاً قطع ولاظهراًابقى. اس لئے کہ ایک بے تحاشادوڑانے والا مسافر نہ مسافت ہی طے کرپاتا ہے نہ سواری کو ہی سفر کے قابل رہنے دیتا ہے۔

مزید تشریح: اگرچہ امام نوویؒ نے اس حدیث کے نہ صرف معنیٰ بتلائے بلکہ حدیث کے مقصد کی کافی تشریح کردی تاہم چند چیزیں بیان کی محتاج ہیں۔

سادہ لفظوں میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور اجر وثواب کے کاموں کی جو توفیق اور ذوق شوق اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطافرمایا ہے یہ بڑی قابل قدر نعمت ہے اس سے نہایت اعتدال اور میانہ روی سے کام لو اور رفتہ رفتہ اس طرح اعتدال کے ساتھ چلو کہ جو قدم اٹھے آگے بڑھے پیچھے نہ ہٹے تاکہ مرتے دم تک یہ عبادت وطاعت کا سلسلہ قائم رہے اور اجر وثواب ملتا رہے تم انسان ہو اور انسان کی فطرت خلقی طور پر ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اچھی سے اچھی چیز سے کچھ عرصے کے بعد اُکتا جاتا ہے اور بیزار ہو کر چھوڑ بیٹھتا ہے ایسا نہ ہو کہ یہ عبادت وطاعت کا جذبہ اور ذوق شوق جو تم کو نصیب ہوا ہے تمہارے غلط طریقے پر استعمال کرنے کی وجہ سے بالکل ہی ختم ہو جائے یا اس میں کچھ فتور آجائے اور تم اس اجر وثواب سے جو مل رہا تھا محروم ہو جاؤ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نقصان نہ ہوگا وہ بہرحال تمہاری عبادت سے بالکل بے نیاز ہے نقصان تمہارا ہوگا کہ تم سر تاپا اس کے فضل کے محتاج ہو تمہارا اس بے اعتدالی کی بناپر بندگی کا وہ جذبہ اور ذوق وشوق ختم ہو جائے گا اور تم اجر وثواب سے محروم ہونے کے علاوہ ایک عظیم نعمت سے بھی محروم ہو جاؤ گے اس لئے دن میں کام کرنے کا بہترین وقت صبح کا ہے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سے اشراق کے وقت تک تسبیح وتہلیل یا ذکر اللہ میں یا تلاوت کلام اللہ میں مصروف رہا کرو اور سورج نکلنے اور کافی بلند ہونے کے بعد چار رکعت اشراق کی نماز پڑھ کر خواہ آرام کیا کرو خواہ اور دینی و دنیاوی معاشی کاروبار میں مصروف ہو جایا کرو فرصت ملے تو زوال سے پہلے چار رکعت نماز چاشت کی پڑھ لیا کرو ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام (قیلولہ) کیا کرو اس کے بعد سے عصر کی نماز تک کام دھندوں میں لگے رہو عصر کی نماز کے بعد سے مغرب تک پھر ذکر اللہ یا تسبیح وتہلیل میں مصروف ہو جایا کرو کہ یہ شام کا وقت فراغت واطمینان سے کام کرنے کا وقت ہے رات اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنائی ہے عشاء کی نماز پڑھ کر سو جایا کرو شب کا آخری حصہ بھی عبادت کے لئے بے حد موزوں ہے اس میں جتنی میسر ہو تہجد کی نماز پڑھ لیا کرو۔

اس طرح کام کے بعد آرام اور آرام کے بعد کام کا سلسلہ برابر جاری رہے گا اور عبادت میں نشاط اور سرور وکیف بھی میسر آجائے اور اجر وثواب کا سلسلہ بھی برابر جاری رہے گا اسکے برعکس اگر تم اس جذبہ عبادت وطاعت

سے شب و روز بے تحاشا کام لو گے تو انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق لازمی طور پر یہ جذبہ فنا ہو جائے گا اور اس کے رد عمل کے طور پر سب کچھ چھوڑ بیٹھو گے حتیٰ کہ فرض عبادتیں بھی ترک ہونے لگیں گی اور اجر و ثواب کے بجائے گناہ اور عذاب الٰہی کے سزاوار ہو جاؤ گے اور یہ نتیجہ صرف تمہارے غلط استعمال کا ہوگا اس برے انجام سے ہی حدیث شریف میں خبردار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ کا کلام نہایت مختصر مگر ہمہ گیر ہوتا تھا چنانچہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اوتيت جوامع الكلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جامع (ہمہ گیر) کلمات دیئے گئے ہیں۔

اسی کا یہ کرشمہ ہے کہ اس ڈیڑھ سطر کی حدیث کی تشریح میں ڈیڑھ دو صفحے صرف ہو گئے اور بفضلہ اس تشریح کی ایک سطر بھی آپ بیکار اور بھرتی کی نہ پائیں گے۔

مشقت کشی کرنے والوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَسْجِدَ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ ، فَقَالَ : " مَا هَذَا الحَبْلُ ؟ " قالُوا : هَذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ ، فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ بِهِ . فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " حُلُّوهُ ، لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَرْقُدْ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو اچانک ایک رسی دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی دیکھی تو آپ نے دریافت کیا یہ (رسی) کیسی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ رسی زینب کی ہے وہ جب رات کو نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں اور نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو اسی رسی سے لٹک کر (یعنی رسی کے سہارے) کھڑی ہوتی ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسی کو کھول دو (اور فرمایا) تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ جب تک طبیعت میں نشاط باقی رہے (نماز پڑھے) جب نیند کے غلبہ کی وجہ سے) نشاط میں فتور آجائے تو اس کو سو جانا چاہئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: جس عبادت میں لطف و لذت اور کیف و سرور حاصل نہ ہو وہ عبادت تو کیا بیگار اور زبردستی سر پڑے کا کام کا مصداق ہوگی اس سے رضا و قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا وہ آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا سرور اور روح کے نشاط کا باعث نہیں ہو سکتی عبادت میں نشاط اور انہماک ایسا قوی ہونا چاہئے کہ تن بدن کا ہوش ہی باقی نہ رہے لیکن اس تغیر پذیر جسم اور اس کے قویٰ کے ساتھ تعلق رہتے ہوئے یہ مدہوشی کی کیفیت چند لمحوں یا چند ساعتوں تو باقی رہ سکتی ہے اس سے زیادہ دیر تک نہیں باقی رہ سکتی لہٰذا ان چند ساعتوں کو ہی حاصل زندگی سمجھ کر عبادت کے لئے

مخصوص کر دینا چاہئے اور جونہی جسمانی عوارض نیند، تھکن یا اکتاہٹ وغیرہ کی وجہ سے اس نشاط میں فرق محسوس ہونے لگے عبادت ختم کر کے جسم کے ان ناگزیر تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے نیند آرہی ہو تو سو جانا چاہئے تھکن محسوس ہو رہی ہو تو آرام کرنا چاہئے طبیعت اکتا گئی ہو تو کوئی دوسرا طبیعت کو مرغوب جائز مشغلہ اختیار کرنا چاہئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جعلت قرة عینی فی الصلوة میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اس حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، نے ایسے ہی نشاط کے اوقات کی رہنمائی فرمائی ہے (واللہ اعلم)

نیند کی حالت میں نماز پڑھتے رہنے کا نقصان

وعن عائشة رضي الله عنها : أنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّومُ ، فإنَّ أحدكم إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ لا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اسے نماز ختم کر کے اتنی دیر سو رہنا چاہئے کہ نیند کا اثر جاتا رہے اس لئے کہ تم میں سے جو شخص بھی اونگھتے اونگھتے نماز پڑھے گا تو کچھ بعید نہیں کہ وہ مغفرت کی دعا مانگنے کا قصد کرے (لیکن نیند کے غلبہ کی وجہ سے) زبان قابو میں نہ رہے تو (مغفرت کی بجائے) خود کو برا کہہ بیٹھے کو سنے لگے (مثلاً اے خدا تو مجھے معاف کر دے کی بجائے اے خدا تو میرا ستیاناس کر دے کہہ بیٹھے۔

تشریح: یہ حدیث پہلی حدیث کا تتمہ ہے کہ اگر نیند کے غلبے کے باوجود حرص عبادت کی بنا پر نماز پڑھتا رہے گا تو اس کا نقصان یہ ہوگا کہ پڑھنا کچھ چاہے گا اور زبان سے نکلے گا کچھ اور لہٰذا اس حالت میں نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تو کیا اتنا بھی بھروسہ نہ رہے گا کہ نماز صحیح بھی ادا ہو رہی ہے یا نہیں ایسی نماز سے کیا فائدہ جس میں ثواب کے بجائے گنہگار ہونے کا اندیشہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار

وعن ابی عبداللہ جابر بن سمرة رضی اللہ عنہما، قال : کنت اصلی مع النبی . صلی اللہ علیہ وسلم. الصلوات ، فکانت صلاته قصداً وخطبته قصدا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو عبد اللہ جابر بن سمرہ سوائی سے روایت ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سب ہی) نمازیں پڑھا کرتا تھا تو آپ کی (جمعہ کی) نماز بھی متوسط ہوتی تھی اور (جمعہ کا) خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا۔ (مسلم)

امام نووی حدیث کے لفظ قصدا کے معنی بتاتے ہیں درازی اور کوتاہی کے درمیان (یعنی نہ بہت لمبے نہ بہت مختصر)
تشریح: باوجودیکہ اس زمانہ میں ذریعہ ابلاغ صرف جمعہ کے خطبے ہی تھے کیونکہ مسلمان جمعہ کا بڑا اہتمام کرتے اور بیماریا معذور لوگوں کے علاوہ سب ہی جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تھے بالفاظ دیگر مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع کہئے جلسہ (جمعہ کے دن) ہی ہوتا تھا اس لئے تمام اجتماعی اور قومی ضرورتوں سے مسلمانوں کو جمعہ کے خطبے میں ہی آگاہ کیا جاتا تھا مگر آپ نے جمعہ کا خطبہ بھی نماز بھی نہ کبھی زیادہ دراز پڑھائی اور نہ زیادہ مختصر بالفاظ دیگر آپ نے خطبہ جمعہ کو سیاسی مقاصد کے لئے کبھی آلہ کار نہیں بنایا اس کے برعکس آپ کی وفات کے بعد امراء بنی اُمیہ نے اپنے عہد حکومت میں طویل سے طویل خطبے دینے اور مختصر سے مختصر نمازیں پڑھانی شروع کر دی تھیں اور جمعہ کے خطبے کو سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اتنے لمبے لمبے خطبے دیتے کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہی نکل جانے کا اندیشہ ہوتا اسی لئے نماز مختصر سے مختصر پڑھاتے اسی بے اعتدالی کے خلاف حضرت جابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' کے خطبوں اور نمازوں کا حال بیان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' کی تو نماز بھی متوسط ہوتی اور خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا اور اسی بے اعتدالی کے خلاف امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عبادات کے اعتدال کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

ایک صحابی اور ان کے خیر خواہ دوست کا طرز عمل

وعن أبي جُحَيْفَة وَهْب بن عبد اللهِ رضي الله عنه ، قَالَ : آخى النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأبي الدَّرْداء ، فَزارَ سَلْمَانُ أبَا الدَّرداء فَرأى أُمَّ الدَّرداء مُتَبَذِّلَةً ، فَقالَ : مَا شَأنُكِ ؟ قَالَتْ : أخُوكَ أبُو الدَّرداء لَيسَ لَهُ حَاجَةٌ في الدُّنْيَا ، فَجاءَ أبُو الدَّرْداء فَصنَعَ لَهُ طَعَاماً ، فَقالَ لَهُ: كُلْ فَإنِّي صَائِمٌ ، قَالَ : مَا أنا بآكِلٍ حَتَّى تَأكُلَ فأكل ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيلُ ذَهَبَ أبُو الدَّرداء يَقُومُ فَقَالَ لَهُ : نَمْ ، فنام ، ثُمَّ ذَهَبَ يَقُومُ فَقَالَ لَهُ : نَمْ . فَلَمَّا كَانَ من آخِرِ اللَّيلِ قَالَ سَلْمَانُ : قُم الآن ، فَصَلَّيَا جَمِيعاً فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ : إنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقّاً ، وَإنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيكَ حَقّاً ، وَلأَهْلِكَ عَلَيكَ حَقّاً ، فَأعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ ، فَأتَى النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذلِكَ لَهُ فَقالَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " صَدَقَ سَلْمَانُ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان (فارسی) اور ابودرداء کے درمیان دینی بھائی بندی کا رشتہ قائم کر دیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ اسی دینی اخوت کے رشتہ سے سلمان ابودرداء سے ملاقات کے لئے ان کے گھر آئے تو سلمان نے (ابودرداء کی بیوی اُم درداء کو معمولی حالت میں بیوہ عورتوں کی طرح بغیر زینت و آرائش کے) دیکھا تو کہا یہ تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا تمہارے بھائی ابودرداء کو تو دنیاوی کاموں سے کوئی رغبت

نہیں (پھر میں سنگھار کس کے لئے کروں میں تو شوہر ہونے کے باوجود بیوہ عورتوں کی طرح بے شوہر ہوں) تو (اتنے میں) ابو درداء آگئے اور مہمان کے لئے کھانا تیار کرایا چنانچہ (دستر خوان پر کھانا رکھنے کے بعد) کہا آپ کھایئے میرا تو روزہ ہے سلمانؓ نے کہا میں اس وقت تک ہر گز نہ کھاؤں گا جب تک تم نہ کھاؤ گے (مجبوراً) ابو درداء نے بھی کھانا کھایا جب رات ہوئی تو ابو درداء (مصلیٰ سنبھال کے) نماز پڑھنے چلے تو سلمان نے کہا کہاں جاتے ہو (گھر میں جاؤ) آرام کرو (رات سونے کے لئے ہے) جب آخر شب کا وقت ہوا تو سلمان نے ابو درداء کو بلایا اور کہا اب نماز پڑھو چنانچہ دونوں نے (تہجد کی) نماز پڑھی اس کے بعد سلمان نے ابو درداء سے کہا بلاشبہ تمہارے رب کا تمہارے اوپر حق ہے (مگر) تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تمہارے اوپر حق ہے لہٰذا (تمہارا فرض ہے کہ) تم ہر حق والے کا حق ادا کرو (اپنے رب کی عبادت بھی کرو آرام بھی کرو اور بیوی کی حاجت بھی پوری کرو) اس کے بعد ابو درداء (اور سلمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان بالکل ٹھیک کہتے ہیں (ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر صاحب حق کا حق ادا کرے ورنہ قیامت کے دن جواب دہ ہوگا)

تشریح: اس حدیث سے شب وروز بے تحاشا عبادت کرنے کے نقصانات ظاہر ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم حقوق العباد کا ضیاع ہے جس سے رستگاری کی سوائے ان ارباب حقوق سے مرنے سے پہلے معاف کرانے کے اور کوئی سبیل نہیں اللہ تعالیٰ بھی حقوق العباد کو معاف نہیں فرمائیں گے عرفہ کے دن میدان عرفات میں ہی اللہ تعالیٰ نے حج مبرور ادا کرنے والوں کے سب ہی گناہوں کے معاف فرمادینے کا وعدہ فرمایا ہے مگر رد مظالم (یعنی بندے کی حق تلفیوں کے معاف کرنے کا وعدہ نہیں فرمایا اگرچہ ایک ضعیف روایت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ارباب حقوق سے حقوق معاف کرادینے کا ذمہ لیا ہے بہر حال امت اس پر متفق ہے کہ حقوق العباد بڑی سے بڑی عبادت کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے۔

عن عائشة رضى الله عنهاقالت:رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الدواوين ثلثة ديوان لايغفر الله الاشراك بالله يقول الله عزوجل ان الله لايغفران يشرك به وديوان لايتركه الله ظلم العباد فيمابينهم حتى يقتص بعضهم من بعض وديوان لايعباء الله به ظلم العبادفيما بينهم وبين الله فذاك الى الله ان شاء عذبه وان شاء تجاوزعنه (رواہ البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں تین رجسٹر ہیں ایک رجسٹر تو ایسا ہے کہ جن لوگوں کے نام اس میں درج ہوں گے ان کو اللہ ہر گز نہیں بخشے گا (اس رجسٹر میں شرک کرنے والوں کے نام درج ہوں گے اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ بلاشک وشبہ شرک کرنے والوں کو ہر گز نہیں بخشے گا دوسرے رجسٹر میں جن کے نام درج ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک چھوڑے گا نہیں جب تک

کہ ان میں سے بعض کو (مظلوم کو) ظالم سے ظلم کا بدلہ نہ دلادے گا اور تیسرے رجسٹر میں ان لوگوں کے نام ہوں گے جنہوں نے حقوق اللہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ عبادتیں) ادا نہیں کیے اس رجسٹر کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے سزا دے چاہے معاف کر دے۔ (بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)

قیامت کے دن اس اقتصاص (بدلہ لینے کی) بھیانک تفصیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس طرح بیان فرمائی ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتدرون ماالمفلسن قالو:المفلس فينامن لادرهم له ولامتاع فقال المفلس من أُمتي من ياتي يوم القيامة بصلوة وصيام وزكوة وياتي قدشتم هذاوقذف هذا اواكل مال هذاوسفك دم هذاوضرب هذافيعطى هذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل ان يقضىٰ ماعليه' اُخذمن خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح فى النار (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) دریافت کیا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہی ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو نہ کوئی سامان (زمین جائیداد وغیرہ ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت میں (حقیقی) مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نمازیں بھی لائے گا زکوتیں بھی، روزے بھی (لیکن) اس نے کسی کو (بے قصور) گالیاں دی ہوں گی کسی پر (ناحق) تہمتیں لگائی ہوں گی کسی کا (ناجائز طور پر) مال کھایا ہوگا کسی کا (ناحق) خون بہایا ہوگا کسی کو (بے قصور) مارا پیٹا ہوگا تو (ان تمام ظلموں اور حق تلفیوں کا اس طرح بدلہ دلایا جائے گا کہ اس ظلم اور حق تلفی کرنے والے کے تمام حسنات (عبادتیں) اس کو دے دی جائیں گی (جس پر ظلم کیا تھا یا حق تلفیاں کی تھیں) اگر نیکیاں (عبادتیں) ختم ہو جائیں گی (اور حقوق باقی رہ جائیں گے) تو اس کی برائیاں (گناہ) اس (ظلم اور حق تلفیاں کرنے والے) پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا (صحیح مسلم)

حقوق العباد اور ان کی اہمیت

ان دونوں حدیثوں کو پڑھنے کے بعد یہ نفل عبادات اور کارہائے خیر میں بے اعتدالیاں کرنے والے غور کریں کہ اجر و ثواب اور قرب الٰہی حاصل کرنے کا شوق و ذوق میں مست ہو کر عمر بھر دن کو روزے رکھنے رات بھر نمازیں پڑھنے کا عہد کرنے والے اپنے بیوی بچوں، قرابت داروں مہمانوں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کی کس قدر حق تلفیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور بجائے اجر و ثواب اور قرب الٰہی کے کس طرح ان حق تلفیوں کے بدلے میں جہنم کا ایندھن بنتے ہیں اعاذنا اللہ منہ اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی حدیث میں اپنا طریق کار اور اپنی سنت بیان کرنے کے بعد اعلان فرمادیا تھا۔ **فمن رغب عن سنتي فليس مني**

پس جو شخص میری سنت سے اعراض (وانحراف) کرتا ہے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

ہمارا حال: بہر حال یہ تو ان عبادتوں میں بے اعتدالیاں کرنے والوں کا حشر ہوا ان کے پاس تو حقوق کے بدلے میں دینے کے لئے عبادات کا ذخیرہ تھا بھی جس سے کچھ نہ کچھ تلافی ہو گئی ہم تہی دامن لوگوں کے پاس تو یہ نفل عبادات کا ذخیرہ بھی نہیں ہم تو فرض عبادتیں بھی ادھوری سدھوری ادا کرتے ہیں نفل عبادتوں سے تو ہم بالکل ہی نا آشنا ہیں اور رات دن بے محابا لوگوں کی حق تلفیاں کر رہے ہیں بلا تکلف لوگوں پر تہمتیں لگاتے ہیں دھوکے اور فریب سے لوگوں کے اموال ہضم کر جانے کو تو ہم اپنا بڑا ہنر سمجھتے ہیں اور فخریہ کہتے ہیں ہم نے فلاں شخص یا تاجر یا گاہک کو چکمہ دے کر خوب لوٹا اچھے خاصے روزہ نماز کے پابند لوگوں کا بھی معاملات اور کاروباری دنیا میں حال یہی ہے۔

حقوق العباد سے متعلق ان دو حدیثوں کو پڑھ کر ہماری آنکھیں تو کھل جانی چاہئیں خصوصاً معاملات اور کاروبار کے معاملہ میں خاص طور پر اس کا خیال رہنا چاہئے کہ کسی کا حق ہمارے ذمہ نہ رہے اس کے علاوہ عائلی (خاندانی) اور اجتماعی (معاشرتی) زندگی کے اندر بھی ہر شخص کا حق ادا کرنا چاہئے اس کوشش کے بعد بھی جن لوگوں کے حق ذمے رہ جائیں ان سے اور اگر وہ وفات پا گئے ہوں تو ان کے ورثاء سے معاف کرا لینے چاہئیں اور پھر بھی اگر کچھ حقوق رہ جائیں تو ان اصحاب حقوق کے لئے مغفرت کی دعا کرنی چاہئے اور اپنا نام دوسرے رجسٹر رد مظالم (ادائے حقوق العباد میں) نہ آنے دینا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

عبادات میں بے اعتدالی کا اور نقصان

عبادات میں بے اعتدالی کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ایسی حالت میں لازمی طور پر اصحاب حقوق کے حقوق ذمہ رہ جاتے ہیں لیکن عام طور پر حقوق العباد کے ادا نہ کرنے کو ہم کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے اسی لئے ہم نہایت بے دردی سے اصحاب حقوق کے حق برباد کر رہے ہیں اور جن کے حقوق ادا بھی کرتے ہیں مثلاً بیوی کے بال بچوں کے 'ماں باپ کے مہمانوں اور پڑوسیوں کے وہ بھی محض روایتی خوش خلقی اور رواداری کی بنا پر ادا کرتے ہیں نہ کہ شریعت کی پابندی اور اللہ رسول کے حکم کی اطاعت کی بنا پر اس لئے کہ ہم اس کو کار ثواب سمجھتے ہی نہیں کتنی بڑی بدنصیبی اور محرومی ہے کہ سب کچھ کرتے ہیں مگر سب بیکار' آخرت میں ذرہ برابر کام نہ آئے گا اس لئے کہ حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لکل امرءٍ مانوی (ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی) ہم صرف دنیاداری اور منہ دکھاوے کے لئے کرتے ہیں آخرت سے تو ہم بالکل ہی غافل اور بے خبر ہیں اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اس بے حسی' غفلت اور جہالت سے نجات دیں اسی تنبیہ کی غرض سے ہم نے حقوق العباد کے متعلق یہ تفصیل بیان کی ہے۔

گزارش اور معذرت

ریاض الصالحین اور اس کی احادیث کے ترجمہ سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

کی احادیث کے آئینہ میں اپنی صورت دیکھیں اور اس آئینہ کی مدد سے اپنے چہرہ کے داغ دھبے یا کالک دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری زندگی میں ان کی افادیت واضح ہو اور ہم محسوس بلکہ یقین کریں کہ گذرے ہوئے زمانوں کی بنسبت آج کی زندگی میں ان احادیث کی بے حد ضرورت ہے اور ان احادیث پر عمل کئے بغیر ہم صحیح معنی میں مسلمان اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کہلانے کے مستحق ہرگز نہیں جب تک ان حدیثوں پر عمل نہ کریں اور اپنی شب وروز کی زندگی کو اسلامی زندگی نہ بنائیں اسی مقصد کے تحت احادیث کی تشریح میں طوالت ہو جاتی ہے امید ہے کہ پڑھنے والے معاف فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حرص عبادت کا عبرت انگیز واقعہ

وعن أبي محمد عبدِ اللهِ بنِ عَمْرو بن العاصِ رضي الله عنهما ، قَالَ : أُخْبِرَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أنِّي أقُولُ : وَاللهِ لأَصُومَنَّ النَّهارَ ، ولأقُومَنَّ اللَّيلَ مَا عِشْتُ . فَقَالَ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أنتَ الَّذِي تَقُولُ ذلِكَ ؟ " فَقُلْتُ لَهُ : قَدْ قُلْتُهُ بأبي أنْتَ وأمِّي يَا رسولَ الله . قَالَ : " فَإنَّكَ لاَ تَسْتَطِيعُ ذلِكَ فَصُمْ وَأفْطِرْ ، وَنَمْ وَقُمْ ، وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثلاثةَ أيَّامٍ ، فإنَّ الحَسَنَةَ بِعَشْرِ أمْثَالِهَا وَذلِكَ مِثْلُ صِيامِ الدَّهْرِ " قُلْتُ : فَإنِّي أُطِيقُ أفْضَلَ مِنْ ذلِكَ ، قَالَ : " فَصُمْ يَوماً وَأفْطِرْ يَوْمَيْنِ " قُلْتُ : فَإنِّي أُطِيقُ أفضلَ مِنْ ذلِكَ ، قَالَ : " فَصُمْ يَوماً وَأفْطِرْ يَوماً فَذلِكَ صِيَامُ دَاوُدَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَهُوَ أعْدَلُ الصيامِ " . وفي رواية : " هُوَ أفْضَلُ الصِّيامِ " فَقُلْتُ : فَإنِّي أُطِيقُ أفْضَلَ مِنْ ذلِكَ ، فَقَالَ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لا أفْضَلَ مِنْ ذلِكَ " ، ولأنْ أكُونَ قَبِلْتُ الثَّلاثَةَ الأَيَّامَ الَّتي قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أحَبُّ إلَيَّ مِنْ أهْلِي وَمَالِي .

ترجمہ: ا۔ حضرت ابو محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ میں کہتا ہوں کہ میں جب تک زندہ ہوں ہمیشہ دن کو روزے رکھا کروں گا اور رات بھر نماز پڑھا کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہی یہ کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ! بیشک میں نے ہی یہ کہا ہے تو آپ نے فرمایا: (یاد رکھو) تم اس پر عمل ہرگز نہیں کر سکو گے (بہتر یہ ہے) تم (کچھ دن) روزے رکھو (کچھ دن) افطار کرو (روزے نہ رکھو) اور رات کو (کچھ حصہ میں) سوؤ اور (کچھ حصہ میں) نماز پڑھو اور ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھو (مہینہ بھر کے روزوں کا ثواب ملے گا) اس لئے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے اور اس حساب سے یہی (ہر مہینہ میں تین روزے) پورے سال کے روزے ہو گئے عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ (روزوں) کی طاقت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا تو ایک دن روزہ رکھو دو دن افطار کرو (روزہ نہ رکھو) میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا ایک دن روزہ رکھو ایک دن افطار کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور یہی سب سے زیادہ معتدل روزے ہیں اور ایک روایت میں ہے سب سے زیادہ افضل روزے ہیں تو میں نے عرض کیا: میں تو اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس سے زیادہ افضل روزے نہیں اور (آخر میں عبداللہ بن عمرو کہا کرتے تھے) بخدا اگر میں نے ہر مہینہ میں تین روزے قبول کر لئے ہوتے جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابتداء) حکم فرمایا تھا تو یہ مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔

۲۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا مجھے یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ تم روزانہ دن کو روزے رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو (نماز پڑھتے ہو) میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (صحیح بتلایا گیا ہے) تو آپ نے فرمایا تم ایسا مت کرو (بلکہ) کچھ دن روزے رکھو کچھ دن افطار کرو رات کا کچھ حصہ آرام کرو اور کچھ حصہ نماز پڑھو اس کے بعد فرمایا تحقیق تمہارے جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور بلاشبہ تمہاری آنکھوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور بلاشبہ تمہارے آنے والوں (مہمانوں) کا بھی تمہارے اوپر حق ہے (ہمیشہ دن کو روزے رکھنے اور رات بھر قیام کرنے کی صورت میں بلاشبہ ان سب کے حقوق تلف ہوں گے) پھر فرمایا: بلاشبہ تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم ہر مہینہ میں تین روزے رکھ لیا کرو (مہینہ بھر کے روزوں کا ثواب مل جائے گا) اس لئے کہ تمہارے ہر نیک کام (عبادت) کا تمہیں دس گنا ثواب ملے گا (تو اس حساب سے ہر مہینہ میں تین روزے پورے سال کے روزے ہو گئے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو میں نے خود ہی سختی کو اختیار کیا اس لئے مجھ پر سختی عائد ہوئی چنانچہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اپنے اندر (اس سے زیادہ) طاقت پاتا ہوں آپ نے فرمایا (تو پھر تم اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام) کے روزے رکھو اس سے زیادہ نہ رکھو میں نے عرض کیا: داؤد علیہ السلام کے روزے کیسے تھے؟ آپ نے فرمایا آدھے سال کے روزے (ایک دن روزہ ایک دن افطار کے حساب سے) تو عبداللہ بن عمرو بوڑھا ہو جانے کے بعد کہا کرتے تھے کاش کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخفیف کو قبول کر لیتا (صیام داؤد ایک دن روزہ ایک دن افطار کی ذمہ داری نہ لیتا)

۳۔ اور ایک روایت میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناگواری کے طور پر) فرمایا: کیا مجھے یہ

نہیں بتلایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ روزے رکھتے ہو اور رات بھر (نماز میں) قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپ کو ٹھیک بتلایا گیا ہے مگر میرا ارادہ اس (شب و روز کی عبادت) سے خیر پر ہی مبنی ہے (یعنی نیک نیتی سے میں نے یہ ارادہ کیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نرمی سے) فرمایا: تو تم اللہ کے نبی داؤد (علیہ السلام) کے روزے رکھو اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور ہر مہینہ میں ایک قرآن (رات میں) پڑھا کرو (ایک پارہ روزانہ) میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی میں اس سے زیادہ (قرآن پڑھنے کی) طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: تو بیس دن میں ایک قرآن پڑھا کرو (ڈیڑھ پارہ روزانہ) میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اچھا دس دن ایک قرآن (تین پارے روزانہ) پڑھا کرو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اچھا سات دن میں ایک قرآن پڑھا کرو اس سے زیادہ مت پڑھو۔ عبداللہ بن عمرو (آخر عمر میں) کہتے ہیں (میں نے خود ہی سختی اختیار کی اس لئے مجھے سختی اٹھانی پڑ رہی ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا خبر تمہاری عمر زیادہ ہو؟ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اور میری عمر کافی دراز ہوئی) چنانچہ اب جب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت (یعنی ایک مہینہ میں ایک قرآن کو قبول کر لیتا ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا تمہاری اولاد کا بھی تمہارے اوپر حق ہے (وہ کیسے ادا کرو گے) اور ایک روایت میں ہے جس نے ہمیشہ (بارہ مہینے روزانہ) روزے رکھے اس نے روزے نہیں رکھے بلکہ ایک وقت کھانے پینے کی عادت ڈال لی اور ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ آدھی رات سوتے اور ایک تہائی رات نماز پڑھتے اور (آخری) چھٹے حصہ میں (پھر) سو جاتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب دشمنوں سے مقابلہ ہوتا تو پیچھے نہ ہٹتے (اگر وہ روزانہ روزے رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے تو دشمنوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں باقی رہ سکتی تھی)۔

۴۔ ایک اور روایت میں ہے: (عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں) میرے والد نے میرا نکاح ایک عالی خاندان خاتون سے کیا تھا اس لئے وہ اپنی بہو (بیٹے کی بیوی) کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے اور شوہر کے متعلق دریافت کرتے تو وہ ان کو جواب دیتی مرد ہونے کے اعتبار سے وہ بہت اچھے مرد ہیں لیکن انہوں نے کبھی ہمارے بستر کو پامال نہیں کیا نہ ہی کبھی ہمارے دل کو ٹٹول کر دیکھنے کی جستجو کی (کہ ہم پر کیا گزر رہی ہے) جب سے میں ان کے گھر آتی ہوں (ان کا طرز عمل یہی ہے) تو جب اس (بے توجہی اور بے خبری کی کیفیت کا زمانہ زیادہ دراز ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر

کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان کو میرے پاس بھیج دو چنانچہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: تم روزے کس طرح رکھتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا ہر روز روزہ رکھتا ہوں آپ نے فرمایا: قرآن کس طرح پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہر رات کو ایک قرآن ختم کرتا ہوں تو آپ نے وہی ہدایت فرمائی جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے (کہ ایک دن چھوڑ کر روزے رکھو اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو) چنانچہ دن میں اپنے کسی گھر والے کو (بیوی ہی ہو سکتی ہے) جو ساتواں حصہ (منزل) رات کو پڑھنا ہوتا سنا لیا کرتے (دور کرتے) تاکہ رات کو پڑھنا آسان ہو اسی طرح ضعف کی وجہ سے جب دوسرے دن روزہ نہ رکھ پاتے تو جتنے دن کے روزے چھوٹتے ان کو یاد رکھتے اور قوت آجانے کے بعد ان کی قضا کرتے تاکہ جو معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تھا اور جو کام اپنے ذمہ لیا تھا اس میں فرق نہ آئے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں (عبداللہ بن عمرو سے متعلق) یہ تمام روایتیں صحیح ہیں بیشتر روایتیں بخاری مسلم دونوں میں مذکور ہیں کچھ روایتیں صرف بخاری یا صرف مسلم میں مذکور ہیں

تشریح: اس حد اعتدال سے متجاوز بے تحاشا عبادت گزاری سے حضرت عبداللہ بن عمرو کو منع کرنے کا موجب وہی حق تلفیاں ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں بھی آیا ہے اور تفصیل سے اس باب کی دوسری حدیثوں اور ان کی تشریحات میں گزر چکا ہے امام نووی رحمہ اللہ نے صحیحین اور غیر صحیحین کی تمام روایتوں کو اسی لئے جمع کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا پورا واقعہ قارئین کے سامنے آجائے اور عبادت میں بے تحاشا بے اعتدالی کا نتیجہ بھی سامنے آجائے۔

صحابہ کرام ذرا دیر کی غفلت کو بھی نفاق سمجھتے تھے

وعن أبي رِبعِي حنظلة بنِ الربيعِ الأُسَيِّدِيِّ الكاتب أحدِ كتّاب رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : لَقِيَنِي أَبُو بكر رضي الله عنه ، فَقَالَ : كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ ؟ قُلْتُ : نَافَقَ حَنْظَلَةُ ! قَالَ : سُبْحَانَ الله مَا تَقُولُ ؟! قُلْتُ : نَكُونُ عِنْدَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بالجَنَّةِ وَالنَّار كأنَّا رَأيَ عَيْنٍ فإذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الأَزْوَاجَ وَالأَوْلاَدَ وَالضَّيْعَاتِ نَسينَا كَثِيراً ، قَالَ أَبُو بكر رضي الله عنه : فَوَاللهِ إنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ هَذَا ، فانْطَلَقْتُ أنَا وأَبُو بَكْر حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . فَقُلْتُ : نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُول اللهِ ! فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " وَمَا ذَاكَ ؟ " قُلْتُ : يَا رَسُول اللهِ ، نَكُونُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بالنَّار والجَنَّةِ كأنَّا رَأيَ العَيْن فإذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الأَزْوَاجَ وَالأَوْلاَدَ وَالضَّيْعَاتِ نَسينَا كَثِيراً . فَقَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " وَالَّذِي نَفْسي بِيَدِهِ ، لَوْ

تَدُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي ، وَفِي الذِّكْرِ ، لَصَافَحَتْكُمُ المَلائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ ، لَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وسَاعَةً " ثَلاثَ مَرَّاتٍ . رواه مسلم .

قولهٗ" ربعیّ" بکسر الراء "والاسیدی" بضم الهمزة وفتح السین وبعدها یاءٌ مشددة مکسورة.

وقوله: عافسنا" هو بالعین والسین المهملتین: ای عالجنا ولاعبنا. "والضیعات" المعایش

ترجمہ: حضرت ابوربعی حنظلہ بن الربیع الاسیدی الکاتب سے روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک تھے وہ کہتے ہیں (ایک دن راستہ میں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے دریافت کیا (کہو) حنظلہ کیا حال ہے؟ تو میں نے کہا: حنظلہ تو منافق ہو گیا تو انہوں نے (حیران ہو کر) کہا: سبحان اللہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا (جس وقت) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت (اور جنت میں لے جانے والے اعمال وافعال) دوزخ (اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال وافعال) یاد دلاتے ہیں تو (ہم پر دنیا ومافیہا سے بے خبری اور خوف ورجا امید وبیم کی دوگونہ کیفیت کی وجہ سے ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے جیسے جنت ودوزخ ہمارے سامنے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہے ہیں اور جب ہم آپ کے پاس سے آجاتے ہیں (اور گھر پہنچتے ہیں تو) بیوی بچوں میں اس طرح گھل مل جاتے ہیں یا معاشی مشغلوں میں اس طرح مصروف ہو جاتے ہیں کہ جنت ودوزخ کی بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں تو (یہ سن کر) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تو خدا کی قسم ہمارا حال بھی بالکل ایسا ہی ہے تو میں اور ابو بکرؓ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے جب ہم دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی خدمت میں پہنچے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا فرمایا: یہ کیسے؟ میں نے عرض کیا ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت (اور جنت میں لے جانے والے اعمال وافعال) اور دوزخ (اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال وافعال یاد دلاتے ہیں تو ہم پر دنیا ومافیہا سے بے خبری وبیخودی اور امید وبیم کی ایسی دوگونہ حالت طاری ہو جاتی ہے جیسے جنت اور دوزخ ہمارے سامنے ہیں (اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور معاشی مشغلوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور جنت ودوزخ کی بیشتر باتیں بھول جاتے ہیں (دنیا اور دنیوی معاملات ہمارے دل ودماغ پر اس طرح مسلط ہو جاتے ہیں کہ ہم جنت ودوزخ سب کو بھول جاتے ہیں) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم اسی (دنیا ومافیہا سے بے خبری اور ذکر وفکر میں محویت کی) حالت میں ہمیشہ رہو جس میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستوں میں (جاتے آتے) تم سے مصافحے کریں لیکن اے حنظلہ یہ بے

خبری کسی کسی وقت اچھی ہے تین مرتبہ یہی فرمایا (ورنہ دنیا اور امور دنیا سے متعلق فرائض کیسے ادا کر سکتے ہو)

تشریح: حضرت حنظلہ اور ابو بکر صدیقؓ نے ظاہر اور باطن اور دل اور زبان کے اختلاف کی طرح قلب کی حالتوں اور کیفیتوں کے اختلاف کو بھی نفاق سمجھ کر اپنے کو منافق سمجھ لیا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غلط فہمی کو دور بھی فرمایا اور اس کی مصلحت بھی بیان فرمائی کہ اگر دنیا و مافیہا سے لاتعلقی اور بے خبری کی وہی کیفیت ہمہ وقت قائم رہے جو میرے پاس موجودگی کے وقت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر دنیا اور امور و معاملات دنیویہ سے متعلق جو احکامات واجب اور فرائض عائد کئے ہیں وہ کیسے انجام دیئے جا سکتے ہیں؟ اس لحاظ سے یہ دنیا و مافیہا سے لاتعلقی اور بے خبری کی جستجو بھی حد سے بڑھی ہوئی خدا پرستی اور بے اعتدالی کا نتیجہ ہے اور اس کا نقصان بھی دنیا اور امور و معاملات دنیویہ سے متعلق احکام و فرائض سے محرومی ہے جیسا کہ عبادات میں بے اعتدالی کا نتیجہ حقوق العباد کی حق تلفی ہے جو انتہائی خطرناک ہے جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں مزید وضاحت کے لئے یوں کہئے کہ بظاہر دنیا اور امور دنیویہ سے بے تعلقی اور بے خبری بڑی خوش آئند چیز ہے اور فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچانے میں بے حد مدد و معاون معلوم ہوتی ہے اور قرآن حکیم کے اعلان:

ففروآالی اللہ انی لکم منہ نذیر مبین (سورۃ الذاریات ع:۳ آیت ۵۰)

پس بھاگو اللہ کی جانب بیشک میں اس کی جانب سے واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں

پر عمل کرنے کا پہلا قدم ہے مگر یہ کیفیت اور محویت اگر ہمہ وقت قائم اور کار فرما رہے گی تو وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کس طرح ادا کئے جا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے انسان پر ان امور سے متعلق عائد کئے ہیں لیکن کسی کسی وقت اس کیفیت کا قلب پر طاری ہونا بھی بے انتہا ضروری ہے ورنہ انسان صرف سگ دنیا اور خالص دنیا پرست بن کر رہ جائے اور نفس و خواہشات نفس اس پر اس طرح مسلط ہو جائیں کہ حرام و حلال میں فرق اور جائز و ناجائز میں امتیاز کئے بغیر نفس کی اغراض و خواہشات پورا کرنے میں منہمک ہو کر خدا کے خوف اور آخرت کے محاسبہ اور جزاء و سزا سے بالکل بے پرواہ ہو کر نفس اور خواہشات نفس کا پرستار بن جائے۔

افمن اتخذالھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم

تو کیا وہ شخص جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہو (اور اس بنا پر) اللہ نے اس کو جان کر گمراہ بنا دیا ہو (اس کو کوئی ہدایت کر سکتا ہے)

کا مصداق بن جائے اس لئے وقتاً فوقتاً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر اور یاددہانی کے ذریعہ خدا کا خوف اور آخرت کے محاسبہ اور جزاء و سزا کا ڈر برقرار رہے یعنی خدا کا بندہ اور خدا پرست رہے اور آپ کے پاس سے جا کر ان تمام احکام پر عمل کرے اور ان تمام فرائض کو ادا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کئے ہیں۔

افسوس آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو ہمارے درمیان نہیں ہے مگر آپ کے وہ تمام اقوال وافعال جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنتے اور دیکھتے تھے وہ سب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں کتب حدیث کے اندر موجود و محفوظ ہیں انہی کتب حدیث میں سے ایک کتاب "ریاض الصالحین" بھی ہے جس میں مذکور حدیثوں کا ترجمہ آپ پڑھ رہے ہیں یہ باور کیجئے اور اس یقین کے ساتھ پڑھیے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور جنت دوزخ سے متعلق جو تذکیر اور یاددہانی آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کرتے تھے ہمیں بھی فرمارہے ہیں اگر توفیق الٰہی ہمارے شامل حال ہوئی تو ہم بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اس تذکیر ویاددہانی سے فائدہ اٹھا کر خدا اور رسول کے تمام احکام اور عائد کردہ تمام فرائض ادا کرنے لگیں گے یہ ہی وہ اقتصاد اور میانہ روی ہے جس کی غرض سے امام نووی علیہ الرحمۃ نے حضرت حنظلہؓ کی اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

گویا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ احادیث میں عملی بے اعتدالی اور اس کی مضرتوں سے آگاہ فرما کر عملی میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور اس حدیث میں ذہنی اور فکری بے اعتدالی اور اس کی مضرت سے آگاہ فرما کر ولکن یاحنظلہ ساعۃ فساعۃ کے ذریعہ فکری اور ذکری میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔

احادیث اور کتب حدیث پڑھنے کی ضرورت

اس لئے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بھی روزانہ دن میں یارات میں کسی نہ کسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر اور یاددہانی سے متعلق احادیث اسی تصور اور یقین کے ساتھ مطالعہ کیا کریں اور پڑھا کریں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ ہمیں نصیحت فرمارہے ہیں تو ان شاء اللہ العزیز ان احادیث سے کماحقہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

حدیث کی کتابوں کے پڑھنے کا مقصد!

حدیث کی کتابوں خصوصاً "ریاض الصالحین" میں حدیثوں کا مطالعہ اور وقتاً فوقتاً پڑھنا دوسرے علوم وفنون خصوصاً تاریخ کی کتابوں کے پڑھنے سے بالکل مختلف ہے اس لئے کہ اور کتابوں کا پڑھنا تو صرف آگاہی اور معلومات میں اضافہ کی غرض سے مطلوب ہوتا ہے لیکن حدیث کی کتابوں کے مطالعہ اور احادیث کے پڑھنے سے مطلوب ومقصود ان پر عمل کر کے اپنی زندگی کو سنت کے سانچہ میں ڈھالنا اور سنوارنا اور حقیقی اسلامی زندگی بنانا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اسی مقصد کے تحت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں یا ان کے ترجموں کو پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

شرعاً جائز اور ناجائز نذروں ومنتوں کا حکم

وعنِ ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : بينما النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يخطب إِذَا هُوَ

برجلٍ قائم فسأل عَنْهُ ، فقالوا : أَبُو إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ فِي الشَّمْسِ وَلاَ يَقْعُدَ ، وَلاَ يَسْتَظِلَ ، وَلاَ يَتكَلَّمَ ، وَيَصُومَ ، فَقَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مُرُوهُ ، فَلْيَتَكَلَّمْ ، وَلْيَسْتَظِلَّ ، وَلْيَقعُدْ ، وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں (ایک دن) اس اثنا میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ (وہ مسلسل کھڑا ہے تو آپ نے اس کے متعلق دریافت کیا (یہ کون ہے کھڑا کیوں ہے بیٹھتا کیوں نہیں) تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ دھوپ میں کھڑا رہے گا نہ بیٹھے گا نہ (کسی چیز کے) سایہ کے نیچے آئے گا نہ بات کرے گا اور روزہ رکھے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو اس کو چاہئے کہ بات کرے اور (کسی چیز کے) سایہ میں آئے اور بیٹھ جائے اور روزے کو پورا کرے۔

تشریح: اس حدیث سے پہلی حدیثوں میں بے تحاشا عبادت کرنے کا جوش وخروش شرعی عبادات کے دائرہ میں تھا مثلاً مسلسل روزے رکھنا' ساری رات نمازیں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عبادات میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی اور بے اعتدالی سے منع فرمایا۔

مگر اس شخص ابواسرائیل نے محض جہالت کی بنا پر اپنے کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچانے کو ہی عبادت سمجھ لیا اس لئے مذکورہ نذر مانی جو پانچ چیزوں پر مشتمل ہے۔

(۱) دھوپ میں کھڑا رہنا (۲) کسی چیز کے سایہ کے نیچے نہ آنا (۳) نہ بیٹھنا (۴) بات نہ کرنا (۵) روزہ رکھنا ان پانچ چیزوں کے اندر صرف ایک روزہ شرعاً عبادت ہے اس لئے روزے کو پورا کرنے کا حکم فرمایا: (۴) پہلی اُمتوں میں عبادت تھی اور خاموشی کا روزہ رکھا جاتا تھا شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چپ رہنا کوئی عبادت نہیں باقی تینوں چیزوں کا مقصد اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچانا ہے اس لئے ان چاروں باتوں سے منع فرمایا۔

شریعت محمدیہ میں نذر (یعنی منت صرف انہی چیزوں کی مانی جاسکتی ہے جو از قبیل عبادات ہوں مثلاً نمازیں پڑھنا' روزے رکھنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا حج کرنا' قرآن کریم کی تلاوت کرنا' ہمارے اس جہالت کے دور میں بھی اس طرح کی منتیں مانی جاتی ہیں مثلاً کسی زندہ یا مردہ پیر کے نام پر جانور قربان کرنا یا زندہ جانور چھوڑنا وغیرہ اس قسم کی نذریں ماننے پر شدید وعید آئی ہے اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ اندیشہ کافر ہو جانے کا بھی ہے۔ العیاذ باللہ من تلک الجہالات (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں اس قسم کی جہالتوں سے) ناواقف شخص کو منت ماننے سے پہلے کسی عالم یا مفتی سے دریافت کر لینا چاہئے ورنہ ثواب کے بجائے گناہ ہوگا۔

پندرھواں باب
باب فی المحافظۃ علی الاعمال
اعمال (خیر) کی حفاظت (اور پابندی) کا بیان

۱. الم یأن للذین امنوآان تخشع قلوبھم لذکراللہ ومانزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیھم الامدفقست قلوبھم و کثیر منھم فسقون (سورۃ الحدید ع ۲ آیت ۱۶)

ترجمہ۔ کیا (ابھی) وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ انکے دل جھک جائیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے اور اس حق کیلئے جو نازل ہوا ہے اور وہ نہوں ان لوگوں کی مانند جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر مدت دراز ہو گئی تو ان کے دل (پتھر کی طرح) سخت ہو گئے اور (اب) ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔

۲. وقال تعالیٰ: وقفینا بعیسی ابن مریم واتینہ الانجیل وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رأفۃ ورحمۃ ورھبانیۃ ابتدعوھاما کتبنھا علیھم الا ابتغآء رضوان اللہ فمارعوھا حق رعایتھا (پارہ ۲۷ سورۃ حدید آیت ۲۷)

ترجمہ۔ اور پیچھے بھیجا ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو اور ہم نے دی عیسیٰ کو انجیل اور ان لوگوں کے دلوں میں شفقت اور مہربانی رکھ دی جنہوں نے عیسیٰ کی پیروی کی اور رہبانیت (ترک دینا) تو انہوں نے از خود نکالی تھی ہم نے اس رہبانیت کو ان پر فرض نہیں کیا تھا بجز اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے پس نہیں نبھایا اس رہبانیت کو انہوں نے جیسا کہ اس کو نبھانا چاہیئے تھا۔

۳. وقال تعالیٰ: ولاتکونوا کالتی نقضت غزلھامن بعدقوۃ انکاثا (سورۃ النحل آیت ۹۲)

ترجمہ۔ اور تم اس عورت کی مانند نہ ہو جس نے اپنے کٹے ہوئے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد ادھیڑ ڈالا (تار تار کر دیا)

٤. وقال تعالیٰ: واعبدربک حتی یاتیک الیقین (سورۃ الحجر ع ۶ آیت ۹۹)

ترجمہ۔ اور (اے نبی) تم اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے پاس یقین (یعنی موت) آجائے۔

آیات کی تفسیر

پہلی آیت کریمہ کا مقصد امم سابقہ خاص کر یہودیوں کے انجام بد سے ڈرانا ہے کہ اہل ایمان کے دل بلا تاخیر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دین حق کے احکام کی پابندی میں مصروف ہو جانے چاہئیں ایسا نہ ہو کہ بلا وجہ معقول جواب باقی نہیں

رہی ذکر اللہ اور دین حق کے احکام کی پابندی میں تاخیر اور ٹال مٹول کی وجہ سے آج کل میں مدت دراز گزرتی چلی جائے اور دلوں میں جذبہ عبادت وطاعت سرد پڑ جائے اور رفتہ رفتہ پہلی اُمتوں کی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے باغی اور علانیہ نافرمان خسر الدنیا والاخرا کا مصداق بن جائیں جیسا کہ یہودیوں کا حشر ہوا یہ ان دنیادار لوگوں کا انجام ہوتا ہے جو دنیا کی اغراض وخواہشات میں منہمک اور مستغرق ہو کر خدا رسول کے احکام سے غافل اور بے پروا بلکہ بے باک ہو جاتے ہیں حرام وحلال کی تمیز اور جائز ناجائز کا فرق ہی ختم کر دیتے ہیں۔

دوسری آیت کریمہ میں ان کے برعکس ان حد سے متجاوز خدا پرستوں کا انجام مذکور ہے جنہوں نے رضائے الٰہی حاصل کرنے کا انوکھا اور غیر فطری طریقہ نکالا کہ تمام دنیاوی اور جسمانی لذائذ اور آرام و آسائش سے کلی طور پر دستبردار ہو جانے اور تارک الدنیا بن جانے کو ہی رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ لیا اور ان تارک الدنیا راہبوں اور ننوں نے بستیوں سے دور خانقاہوں میں ڈیرے ڈال لئے مگر وہ اس طریقہ کو نبھا نہ سکے (اور تارک الدنیا کہلانے کے باوجود درون خانہ یعنی گرجاؤں کے تہ خانوں میں اول درجہ کے نفس پرست اور اعلیٰ درجہ کے دنیادار ثابت ہوئے جیسا کہ عیسائی گرجاؤں اور کلیساؤں کی رودادوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

دنیا کی دو بڑی قوموں (یہودیوں اور عیسائیوں) کے اس انجام بد کا باعث صرف ان کی افراط و تفریط اور بے اعتدالی ہے ایک قوم خدا پرستی میں اپنی حد سے آگے بڑھ گئی اور نافرمان ہو گئی اور دوسری قوم حد اعتدال سے گر گئی اور ناکام ہو گئی اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

جئتکم بالحنیفیة السھلة لیلھا ونھارھا سواء

میں تمہارے لئے ایسی آسان حنفی شریعت لایا ہوں جس کے لیل و نہار برابر ہیں۔

۳۔ تیسری آیت کریمہ میں اسی بے اعتدالی کو ایک احمق بڑھیا کا فعل قرار دے کر کہ صبح سے دوپہر تک ہایت مضبوط سوت کاتتی ہے اور شام تک کتے ہوئے سوت کو ادھیڑ کر تار تار کر دیتی ہے اگلے روز پھر یہی ادھیڑ بن شروع کر دیتی ہے اور اسی میں عمر گزر جاتی ہے مردان راہ خدا کو اس کوڑہ مغز بڑھیا کے مانند بننے سے روکا ہے۔

۴۔ چوتھی آیت کریمہ میں اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتے دم اسی افراط و تفریط سے پاک دین فطرت پر قائم رہنے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہنے کا حکم دیا ہے اسلئے کہ یہی وہ معتدل دین فطرت ہے جسکے متعلق ارشاد ہے۔

فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ (سورۃ الروم آیت ۳۰)

یہ اللہ تعالیٰ کی وہ (پسندیدہ) فطرت ہے جس پر تمام لوگوں کو پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی آفرینش میں مطلق تبدیل نہیں آسکتی۔

اس فطرت الٰہیہ میں جو بھی کمی بیشی افراط و تفریط کرے گا جو فلاح دارین سے محروم اور خسر الدنیا والاخرت کا مصداق بنے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کہئے آپ کی سنت" کا بیان چودھویں باب کی دوسری حدیث میں آپ پڑھ چکے ہیں آپ اللہ تعالیٰ کے اسی حکم کے تحت ساری عمر اس پر قائم رہے۔

یہ حدیث تو پہلے گزر ہی چکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ دین وہی ہے جس پر دیندار ہمیشہ قائم رہے۔

باب کی پہلی حدیث جس میں حضرت عائشہؓ نے ازراہ تعجب ایک شب بیدار خولہ نامی عورت کا حال بیان کیا تھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرما کر حکم دیا تھا کہ تم پر لازم ہے کہ تم اتنی ہی عبادت کیا کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو اور آخر میں مذکورہ سابق فقرہ فرمایا تھا اس کی تشریح اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے دیکھ لیجئے۔

واما الاحادیث فمنها حدیث عائشة وکان احب الدین الیه ما داوم صاحبهٗ علیه وقد سبق قبلهٗ

اور احادیث میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا وہ کام زیادہ محبوب تھا جس پر اس کا کرنے والا مداومت اختیار کرے اور یہ حدیث باب ما قبل میں گزر چکی ہے۔

نماز تہجد کی قضا اور اس کا وقت

وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ مِنَ اللَّيلِ ، أَوْ عَنْ شَيءٍ مِنْهُ ، فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلاةِ الفَجْرِ وَصَلاةِ الظُّهْرِ ، كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيلِ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (دکھ بیماری یا سفر وغیرہ ناگزیر وجوہات کی بنا پر) اپنا رات کا وظیفہ (تہجد کی نماز' قرآن کریم کی تلاوت' اسم ذات کا ذکر وغیرہ معمولات) سب کے سب یا اس میں سے بعض (رات کو نہ کر سکا اور) سو گیا پھر فجر کی نماز اور ظہر کی نماز کے درمیان (یعنی آفتاب بلند ہونے کے بعد سے زوال سے پہلے تک) اس کو پڑھ لیا (یعنی قضا کر لیا) تو اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے گا کہ گویا اس نے رات کو ہی پڑھا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک عبادت گزار مسلمان کے لئے پنج وقتہ فرض نمازیں ادا کرنے کے علاوہ رات میں تہجد کی نماز' تلاوت قرآن کریم اللہ اللہ کا ذکر وغیرہ کچھ نہ کچھ معمولات بھی ضرور ہونے چاہئیں اور ان پر پابندی بھی ضرور کرنی چاہئے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

خیر العمل مادیم علیه وان قل بہترین عمل وہ ہے جس کی پابندی کی جائے اگرچہ کتنا ہی تھوڑا ہو۔

اگر کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے وہ معمولات یا ان میں سے کوئی معمول چھوٹ جائے تو ان کو ایک فرض نماز (فجر) کے بعد سے دوسری فرض نماز (ظہر) کا وقت آنے سے پہلے ادا کر لئے جائیں اللہ تعالیٰ اپنی کریمی سے

اس بلا تاخیر قضا کو ادا ہی شمار فرمالیں گے اور مداومت و استقامت میں رخنہ نہ پڑے گا لیکن اگر مزید تاخیر کی یا یہ سمجھ کر کہ نفل ہی تو ہیں اگر ایک رات نہ پڑھیں تو کون سا گناہ ہو جائے گا تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مکار نفس کا فریب ہے وہ ان معمولات کی عادت چھڑانا اور استقامت کے عظیم مرتبہ اور اجر و ثواب سے محروم کرنا چاہتا ہے اس کے دھوکے میں ہر گز نہ آنا چاہئے اور آفتاب بلند ہونے کے بعد سے زوال سے پہلے تک ضرور پڑھ لینا چاہئے تاکہ معمول میں فرق نہ آئے اور شب بیداری کی عادت نہ چھوٹے (استقامت کی اہمیت و فضیلت باب الاستقامت کے ذیل میں مفصل بیان ہو چکی اس کو پھر پڑھ لیجئے)

قیام لیل (شب بیداری) کی اہمیت

سورۃ مزمل میں جو رات کے بیشتر حصہ قیام لیل کا حکم آپ کو دیا گیا تھا ایک سال تک اس حکم پر عمل کرنے کے بعد آیت کریمہ فاقرءوا ما تیسر من القران (پس پڑھ لیا کرو جتنا قرآن آسان ہو) کے ذریعہ قیام لیل میں تخفیف فرمانے کے بعد بھی جس کی تفصیل باب مجاہدہ کے ذیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آپ پڑھ چکے ہیں ارشاد ہے۔

علم ان سیکون منکم مرضی واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ فاقرؤا ما تیسر منه (سورۃ المزمل ع۲ آیت ۲۰)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار بھی ہوں گے اور کچھ لوگ اللہ کا فضل (رزق) حاصل کرنے کی غرض سے (معاشی) سفر بھی کریں گے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جنگ بھی کریں گے لہٰذا جتنا تم سے آسانی کے ساتھ ہو سکے (ہر حالت میں) قرآن پڑھ لیا کرو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو بیماری یا سفر تجارت یا سفر جہاد جیسے اعذار کے باوجود بھی کچھ نہ کچھ قیام لیل ضرور کرنا چاہئے اگرچہ چند رکعتیں ہی ہوں اور کتنی ہی مختصر قرأت ہو۔

چنانچہ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ صحابہ کریم اور صلحاء اُمت کا بھی معمول رہا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ قیام لیل ضرور کرتے تھے اور تہجد کی نماز پڑھتے تھے اگر کسی رات کو کسی ناگزیر شرعی عذر کی وجہ سے ترک ہو جاتا تو سورج نکلنے کے بعد سے زوال سے پہلے تک اس کی قضا کر لیا کرتے تھے تاکہ عادت نہ چھوٹے اور تساہل نہ پیدا ہو تجربہ شاہد ہے کہ اگر ایک دن بھی قیام لیل (رات میں قیام) یا اس کی قضا دن میں نہ کی جا سکے تو بڑے سے بڑے تہجد گزار مسلمان میں بھی سستی پیدا ہو جاتی ہے اور ہفتوں بلکہ مہینوں تہجد کی نماز کی توفیق نہیں ہوتی اور دوبارہ تہجد کی نماز شروع کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

ہماری حالت

لیکن ہم "وائے برما" (افسوس ہمارے اوپر) تو باجماعت فرض نمازوں کی پابندی بھی ہم سے نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ

ہمارے حال پر رحم فرمائیں اور قیام لیل (شب بیداری) کی سعادت اور اس پر مداومت کی توفیق عطا فرمائیں امین ثم آمین۔

جن خوش نصیب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے قیام لیل (شب بیداری) کی سعادت عطا فرمائی ہو ان کو اس کی قدر کرنی چاہئے اگر کسی مجبوری کی وجہ سے شب کا کوئی معمول چھوٹ جائے تو اس حدیث کے مطابق زوال سے پہلے اس کی قضا کر لینی چاہئے تاکہ مداومت اور استقامت کا مرتبہ حاصل ہو جس کی تفصیل اس کتاب کے آٹھویں باب میں آپ پڑھ چکے ہیں دوبارہ پڑھ لیجئے تاکہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

قیام لیل اور نماز تہجد کے پابند لوگوں کو تنبیہ

وعن عبد الله بن عَمْرو بن العاص رَضِيَ الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يَا عبدَ اللهِ ، لاَ تَكُنْ مِثْلَ فُلان ، كَانَ يَقُومُ اللَّيلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيلِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ تم فلاں شخص کی مانند مت ہو جانا کہ وہ قیام لیل کیا کرتا (اور تہجد کی نماز پڑھا کرتا) اس کے بعد اس نے قیام لیل چھوڑ دیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: یہ وہی عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں جن کی حرص عبادت کا تفصیلی حال آپ چودھویں باب کی نویں حدیث میں پڑھ چکے ہیں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشکل سمجھا بجھا کر صیام داؤد (ایک دن روزہ ایک دن افطار) پر آمادہ کیا تھا اور داؤد علیہ السلام کے ہی قیام لیل (آدھی رات سونا اور دوسری آدھی رات کے ایک حصے میں نماز پڑھنے اور ایک حصہ میں سونے) پر آمادہ کیا تھا اور ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت دی تھی اور یہی وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں جو آخر عمر میں تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تخفیف (مہینہ بھر میں تین روزے) کو قبول کر لیتا بے اعتدالی کا یہی انجام ہوتا ہے مگر تھے عہد کے پکے آخر عمر میں گو یہ تمنا کرتے تھے مگر جو عہد کیا تھا (ایک دن روزہ ایک دن افطار) اس پر مرتے دم تک قائم رہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم نے یہ بے اعتدالی اختیار تو کی ہے مگر فلاں شخص کی طرح سب کچھ مت چھوڑ بیٹھنا۔ واللہ اعلم

تہجد کی کتنی رکعتیں قضا کی جائیں

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : كَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَاتَتْهُ الصَّلاةُ مِنَ اللَّيلِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ غَيرِهِ، صَلَّى مِنَ النَّهارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کبھی بیماری کی وجہ سے رات میں کچھ نماز چھوٹ جاتی تو آپ دن میں (زوال سے پہلے) بارہ رکعات پڑھ لیا کرتے تھے (مسلم)

تشریح: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عملی معمول ہے جس کی اسی باب کی دوسری حدیث میں تعلیم دی ہے فرض نماز اور واجب وتر تو جس طرح بھی پڑھے جاتے رات ہی میں پڑھتے تھے کبھی قضا نہیں کرتے تھے نماز تہجد اگر آپ پر واجب بھی ہو تب بھی نفل (زائد) ہے تہجد کی زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعتیں پڑھنا آپ سے ثابت ہے اس لئے بارہ رکعتیں دن میں پڑھ لیا کرتے تھے تیرھویں رکعت نہیں پڑھتے اس لئے کہ پھر ساری نماز وتر (طاق) ہو جاتی اور دن میں بجز مغرب کے وتر (طاق) نماز ثابت نہیں ہے وتر (طاق) نماز تو رات میں ہی پڑھی جاتی ہے واللہ اعلم۔
بہر حال نماز تہجد کی اہمیت اس حدیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سولھواں باب

باب فی الامر بالمحافظة علی السنة و آدابھا

سنت اور اس کے آداب کی حفاظت (پابندی) کا بیان

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وما اٰتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا (سورۃ حشر آیت ۷)

ترجمہ۔ جو دے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں تو اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کرے تو اس سے باز آجاؤ۔

۲۔ نیز ارشاد ہے وماینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحی (سورۃ النجم آیت ۳،۴)

ترجمہ۔ اور (وہ تمہارا نبی) نہیں بولتا اپنی خواہش سے وہ تو وحی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے

۳۔ نیز ارشاد ہے۔

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم (سورۃ آل عمران آیت ۳۱)

اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت بھی کیا کریں گے اور تمہارے گناہوں کو بھی بخشش دیں گے۔

۴۔ نیز ارشاد ہے لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر (سورۃ احزاب آیت ۲۱)

ترجمہ۔ بخدا تمہارے لئے رسول اللہ (کی ہستی) میں ایک بہترین نمونہ (عمل) موجود ہے اس شخص کے لئے جو اللہ سے (ملنے کی) اُمید رکھتا ہے اور آخری دن کی۔

۵۔ نیز ارشاد ہے۔ فلا وربك لایؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً (سورۃ نسا آیت ۶۵)

ترجمہ۔ سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو وہ ان جھگڑوں میں منصف نہ مان لیں جو ان کے درمیان پیدا ہوں پھر نہ پاویں اپنے دلوں میں کوئی تنگی تیرے فیصلہ سے اور خوشی سے قبول کرلیں۔

۶۔ نیز ارشاد ہے۔ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر (سورۃ نساء آیت ۵۹)

ترجمہ۔ پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسکو اللہ کی اور رسول کی طرف لوٹادو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔

قال النووی: قال العلما: معناہ الی الکتاب والسنة

تنبیہ۔ علماء نے کہا ہے "لوٹانے" کے معنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنا ہیں۔

۷۔ نیز ارشاد ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (سورۃ النساء آیت ۸۰)

ترجمہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی تو بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۸۔ نیز ارشاد ہے۔ وانك لتهدی الی صراط مستقیم (سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲)

ترجمہ۔ اور بتحقیق تم (اپنے قول و فعل سے) صراط مستقیم (سیدھے راستہ کی) رہنمائی کرتے ہو۔

۹۔ نیز ارشاد ہے۔ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم (سورۃ النور آیت ۶۳)

ترجمہ۔ پس ڈرنا چاہئے ان لوگوں کو جو رسول اللہ کے حکم سے اختلاف کرتے ہیں اس سے کہ وہ (رسول کی مخالفت کی سزا میں) کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں یا دردناک عذاب میں

۱۰۔ نیز ارشاد ہے۔ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمة (سورۃ الاحزاب آیت ۳۴)

ترجمہ۔ اور (اے نبی کی بیویو) تم یاد رکھا کرو ان اللہ کی آیات کو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں اور دانائی کی باتوں کو (یعنی رسول کے اقوال و افعال کو)

اس باب میں اور بھی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں سے ایک اہم ترین آیت کا ہم اضافہ کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

۱۱. وانزل اللہ علیك الكتب والحكمة وعلمك مالم تكن تعلم' وكان فضل اللہ علیك عظیماً (سورۃ النساء رکوع ۱۷ آیت ۱۱۳)

ترجمہ۔ اور اللہ نے اُتاری تجھ پر کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تو تجھ پر بہت ہی بڑا ہے۔

آیات کی تفسیر

۱۔ اس آیت کریمہ میں ما اتاکم (جو دے تم کو) کے مقابلہ میں ما نہاکم (جس سے منع کرے) آیا ہے اور فخذوہ (پس اس کو لے لو) کے مقابلہ میں فانتهوا (پس اس سے باز آجاؤ) اس سے معلوم ہوا کہ ما اتاکم کے معنی ہیں ما امرکم (جو حکم دے) اور فخذوہ کے معنی ہیں فاتمروا (اس حکم کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو) کے ہیں لہٰذا آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے: رسول جس چیز کا حکم دے اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ خواہ یہ حکم مال وغیرہ دینے کا ہو یا کسی اور کام کے سلسلے میں ہو اسی طرح دوسرے جملے کے معنی یہ ہوئے جس سے منع کرے خواہ مال ہو خواہ کام اس سے باز رہو۔

حاصل آیت کریمہ کا یہ ہوا کہ رسول کا ہر حکم ماننا چاہئے اور جس چیز سے منع کرے اس کے پاس بھی نہ جانا

چاہئے اس لئے کہ اس کی اطاعت اور کہا ماننا فرض ہے لہٰذا یہ آیت کریمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ دوسری آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا وہ جو کچھ بھی کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے۔ خواہ وحی جلی اور متلو ہو جس کا نام قرآن ہے خواہ وحی خفی ہو جس کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث ہیں دونوں عمل کے اعتبار سے یکساں اور منجانب اللہ ہیں لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ تمام "قولی احادیث" حجت اور واجب العمل ہیں۔

۳۔ تیسری آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع یعنی پیروی کا حکم ہے اور پیروی ہمیشہ اعمال وافعال میں ہوتی ہے لہٰذا اس آیت کریمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام "فعلی احادیث" کا حجت اور واجب العمل ہونا ثابت ہوا عام طور پر احادیث دو ہی قسم کی ہیں قولی یا فعلی' تقریر (برقرار رکھنا) جس کو بیان سکوتی کہا جاتا ہے وہ بھی یا قولی ہوتا ہے یا فعلی لہٰذا ان دونوں آیتوں سے تمام ذخیرہ احادیث' جو کتب صحاح میں مدون و محفوظ ہے کا حجت شرعیہ اور واجب العمل ہونا ثابت ہو گیا۔

۴۔ چوتھی آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اہل ایمان کے لئے اسوۂ حسنہ (پیروی کے لائق خوب تر نمونہ) قرار دیا ہے از روئے لغت اسوۃ کے معنی ہیں مایتاسیٰ بہ (جس کی پیروی کی جائے) اس لحاظ سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اخلاق وعادات' خصائل وشمائل' درون خانہ اور بیرون خانہ' شب وروز کے تمام مشاغل اہل ایمان کے لئے خوب ترین نمونہ ہیں جس کی پیروی کی جائے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عبادات ومجاہدات' خصائل وشمائل' اور اخلاق وعادات ومعمولات سے متعلق احادیث بھی حجت اور لائق عمل ہوئیں احادیث کی یہ تیسری قسم ہوئی جس کو عرف محدثین میں "شمائل" کہا جاتا ہے اور مذکورہ کتب صحاح کے علاوہ مستقل تصانیت میں بھی محدثین نے اس تیسری قسم کی احادیث کو مدون اور محفوظ کیا ہے۔ **شکر الله مساعیهم**

۵۔ پانچویں آیت کریمہ میں تمام باہمی نزاعات وخصومات (جھگڑوں) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل وجان سے ماننے اور بغیر ادنیٰ تنگدلی اور ناگواری کے ان فیصلوں کو تسلیم کرنے پر ایمان لانے اور مومن کہلانے کو موقوف قرار دیا ہے خواہ وہ فیصلے اپنے موافق ہوں خواہ مخالف بڑا ہی کٹھن اور مشکل کام ہے بہرحال ایمان اس پر موقوف ہے اس لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ تمام احادیث محاکمہ وفصل خصومات کا قولی ہوں یا فعلی حجت اور واجب العمل ہونا ثابت ہوا۔

۶۔ چھٹی آیت کریمہ سے کتاب اللہ یعنی قرآن کے بعد سنت رسول اللہ یعنی احادیث کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے علماء کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔

۷۔ساتویں آیت کریمہ میں رسول اللہ کی اطاعت (کہا ماننے) کو بعینہ اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ قرآن کے بعد دوسرا درجہ احادیث کا ہے۔

۸۔ آٹھویں آیت کریمہ میں رسول اللہ کی ہر ہدایت ورہنمائی (یعنی ہر حدیث) صراط مستقیم کہا ہے جس پر قائم رہنے کی ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔

۹۔ نویں آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی یعنی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں کو دنیا میں کسی آفت میں مبتلا ہونے یا دردناک عذاب میں گرفتار ہونے سے ڈرایا گیا ہے۔

۱۰۔ دسویں آیت کریمہ میں ازواج مطہرات کو خاص طور پر کاشانہ نبوت میں تلاوت کی جانے والی آیات اللہ اور درون خانہ دانائی کی باتوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے کہ وہی ازواج مطہرات ان آیات واحکام کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں مرد انہی ازواج سے درون خانہ آپ کے اقوال وافعال معلوم کرتے ہیں۔

۱۱۔ گیارھویں آیت کریمہ میں کتاب یعنی قرآن کی طرح حکمت یعنی سنت کے بھی منزل من اللہ (اللہ کی جانب سے نازل شدہ) ہونے کی تصریح فرمادی ہے۔

فائدہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی:

لا أُلفين احدكم متكئا على اريكته ياتيه الامر من امرى مما امرت به ونهيت عنه فيقول: لاندرى ماوجدنا فى كتاب الله اتبعنا (ابوداؤد وترمذی)

میں تم میں سے کسی بھی شخص کو ایسا نہ پاؤں جو اپنی مسند پر تکیہ لگائے (فرعون بنا) بیٹھا ہو اس کے سامنے میری سنتوں میں سے کوئی سنت (حدیثوں میں سے کوئی حدیث) آئے جس میں میں نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو یا کسی کام کے کرنے سے منع کیا ہو۔ تو وہ (مردود) کہہ دے ہم (حدیث ودیث کو) نہیں جانتے ہم تو جو کتاب اللہ (قرآن) میں پائیں گے (اس کو مانیں گے اور) اس کی پیروی کریں گے۔

اس پیشن گوئی کے مطابق ہر زمانہ میں ایسے منکرین حدیث ملحد ہوئے ہیں جو صرف کتاب اللہ (قرآن) کو حجت اور واجب العمل مانتے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے حدیثوں کا انکار کرتے ہیں امام نووی رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی ایسے منکرین حدیث بے دینوں کی کمی نہ تھی اس لئے امام نووی نے معمول کے خلاف اس باب کے ذیل میں قرآن کریم کی مختلف اور متنوع آیات اتنی کثرت سے ذکر کی ہیں یعنی دس مختلف اور متنوع آیتیں ذکر کی ہیں ایک اہم ترین آیت کا ہم نے اضافہ کیا ہے اس لئے کہ منکرین حدیث کے مقابلہ میں حجیت حدیث کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کو پیش کرنا مناظرہ کی اصطلاح میں مصادرہ علی المطلوب کہلاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس چیز کو فریق مخالف مانتا ہی نہیں اس کو اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیل کے طور پر پیش کرنا اور اسکو اپنے دعوے

کا ثبوت پیش کرنے سے عاجز ہونا سمجھا جاتا ہے گویا ہمارے پاس حدیث کے حجت ہونے کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ نے نہ صرف حدیث کے ماننے اور واجب العمل ہونے پر دلائل پیش کئے اور قرآن کی طرح حدیث کا بھی منزل من اللہ ہونا ثابت کیا بلکہ منکرین و مخالفین حدیث کو حدیث کی مخالفت سے ڈرانے کے لئے آیت وعید بھی پیش کی یہ دین کی اساسی ضرورت ہے جس کو انجام دینا ہر مسلمان کا فرض ہے خصوصاً محدث کا تو کام ہی یہ ہے اور اسی کے لئے وہ اپنی زندگی وقف کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جمع کرنے سے پہلے ان کا حجت اور واجب العمل ہونا ثابت کرے۔

در حقیقت منکرین حدیث دین سے گلو خلاصی اور نجات حاصل کرنے کی غرض سے یہ پُر فریب حربہ استعمال کیا کرتے ہیں کہ ہمیں (مسلمان ہونے کے لئے کتاب اللہ (قرآن) کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں حقیقت شناس لوگ جو کچھ بھی قرآن و حدیث کا علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے راقم کی کتاب سنت کا تشریعی مقام قرآن کی روشنی میں یا ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب مکانۃ السنۃ فی التشریع الاسلامی کا ترجمہ اسلام میں سنت کا مقام"

یہ لوگ دراصل بے دین اور زندیق ہیں جو یہ بکواس کرتے ہیں یہ قرآن و حدیث دونوں سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور پھر بھی مسلمان کہلانے پر اصرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان دجالوں کے فریب سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

بے تکے اور لایعنی سوالات کرنے کی ممانعت

وَأما الأحاديث : فالأول : عن أبي هريرةَ رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ ، إِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤالِهِمْ واخْتِلافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تک میں تمہیں چھوڑوں (یعنی تم سے کچھ نہ کہوں) تم بھی اس وقت تک مجھے چھوڑے رہو (یعنی کسی بھی چیز یا کام کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو) اس لئے کہ تم سے پہلی امتوں کو صرف اسی چیز نے ہلاک کیا ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے طرح طرح کے سوالات کثرت سے کیا کرتے تھے (اور ان پر عمل نہیں کرتے تھے) لہٰذا جب میں تم کو کسی چیز (یا کام) سے منع کروں تو تم اس سے دور رہو (اس کے پاس بھی نہ جاؤ) اور جب میں کسی چیز (یا کام) کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس پر عمل کرو۔

تشریح: اس حدیث کے دو جزو ہیں ایک کثرت سوال سے ممانعت' دوسرے منہیات یعنی ممنوعات و محرمات سے کلی طور پر احتراز کرنا یعنی دور رہنا اور پاس بھی نہ جانا اور مامورات یعنی جن کاموں کے کرنے کا حکم دوں (مثلاً

عبادات) جہاں تک تم سے ہو سکے اس پر عمل کرو اس لئے تشریح بھی ہر جزو کی الگ الگ مناسب اور مفید ہے۔

پہلا جزو: نبی دنیا میں بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اپنی امت کو خداوندی احکام بتلائے اور ان پر عمل کرائے وہ دن رات اپنے منصب رسالت و تبلیغ احکام الٰہیہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے میں مصروف رہتا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تک میں تم کو کسی کام کا حکم نہ دوں تم خاموش رہو اور یقین رکھو کہ اگر کوئی حکم خداوندی ہوتا تو میں ضرور اس سے آگاہ کرتا اور اس پر عمل کراتا تم محض اپنی ذہنی خارش اور عقلی چون وچرا کی بنا پر طرح طرح کے امکانی امور واحتمالات سے متعلق سوالات کہ اگر ایسا ہو تو کیا حکم ہے مت کیا کرو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا ہے۔

"مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس کے احمقانہ سوال اور کھود کرید کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام ہو گئی اگر وہ شخص کھود کرید نہ کرتا اور نہ پوچھتا تو حرام نہ ہوتی"

اس حدیث کا مقصد صرف احمقانہ سوالات اور کھود کرید کرنے والوں کا منہ بند کرنا ہے ورنہ شریعت میں جہاں تک ہمارا علم ہے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو کسی شخص کے دریافت کرنے کی وجہ سے حرام ہوئی ہو اگر وہ دریافت نہ کرتا تو حرام نہ ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو بھی حرام یا حلال کیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے بذات خود حرام یا حلال کیا ہے جس کے آپ مامور تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یایها الرسول بلغ مآانزل الیك من ربك وان لم تفعل فمابلغت رسالته والله یعصمك من الناس (سورۃ المائدہ ع ۱۰ آیت ۶۷)

اے رسول!! تم پہنچا دو جو (حکم) تم پر اُتارا گیا ہے تمہارے رب کی جانب سے، پس اگر تم نے (یہ) نہ کیا تو تم نے اپنے رب کی پیغام رسانی نہیں کی اور اللہ لوگوں (کے شر) سے تمہاری حفاظت کرے گا۔

اس کے برعکس آپ نے ایسے سوالات کا جواب دینے سے گریز کیا ہے اور بار بار کے اصرار پر تنبیہ کی ہے اور جواب نہ دینے کی وجہ بھی بیان کی ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا (تقریر کی) اور فرمایا۔

اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم حج کیا کرو تو ایک شخص نے دریافت کیا ہر سال؟ (حج کیا کریں) آپ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہیں دیا) یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا تو تیسری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں (تمہارے سوال کے جواب) میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج فرض ہو جاتا اور یقیناً تم (دور دراز ملکوں سے ہر سال سفر کر کے مکہ نہیں آسکتے تم (ہر سال) حج نہیں کر سکتے اور حکم خداوندی پر عمل کرنے کی پاداش میں پہلی امتوں کی طرح ہلاک ہوتے"

اس کے بعد آپ نے وہی پہلی اُمتوں کا حشر بیان کیا جو اس باب کی پہلی حدیث میں مذکور ہے۔ اس شخص کا سوال تو پھر بھی کسی درجہ میں دریافت طلب ہے اس لئے کہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جیسے پنجوقتہ نماز میں ہر رز وادا کرنا فرض ہیں رمضان کے روزے رکھنا ہر سال فرض ہے شاید ایسے ہی ہر سال حج ادا کرنا بھی فرض ہو آپ نے سکوت کی وجہ بیان کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے عمر میں ایک مرتبہ حج فرض کیا ہے ہر سال نہیں اس سے زیادہ لایعنی اور بیکار سوالات کی مثالیں جن پر آپ کو غصہ بھی آیا ہے آنے والی حدیث میں مذکور ہیں:

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد ۲۳ سال اپنے رب کے حکم کے تحت (جو شروع میں آپ پڑھ چکے ہیں) ضرورت اور حالات کے مطابق احکام الٰہیہ سے آگاہ کرنے اور احکام شرعیہ سے متعلق سوالات کے جوابات دینے میں صرف کیے ہیں تاہم صحابہ کرام مذکورہ بالا آیت کریمہ کے نازل ہونے اور احادیث میں کثرت سوال کی ممانعت کے بعد بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی چیز کے متعلق سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اس لئے ہمیں اچھا معلوم ہوتا تھا کہ دیہاتیوں میں سے کوئی عقلمند آدمی بطور وفد اپنے قبیلہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے سوالات کرے اور ہم سنیں چنانچہ اس کے بعد ضمام بن ثعلبہؓ کا قصہ بیان کیا ہے۔ مسلم ج اول۔

یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک غیر معروف اور نا قابل شناخت انسان کی شکل میں صحابہ کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے ایمان' اسلام احسان وغیرہ سے متعلق صحابہ کے سامنے نہایت اہم اور دقیق سوالات کئے اور آپ نے ان کے نہایت واضح و محکم اور تسلی بخش جوابات دیئے اور ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تم تو سوال کرتے نہیں یہ تم کو دین (کے متعلق سوال کرنے کا طریقہ سکھلانے کے لئے آئے تھے (کہ دین کے متعلق اس طرح سوال کیا کرتے ہیں)

۲۔ حدیث کے دوسرے جزو کی تشریح حدیث کا دوسرا جزو نہایت اہم ہے ہر مسلمان کو ہر حالت میں اس کو پیش نظر رکھنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو جس چیز (یا کام) سے میں تم کو منع کروں اس کو تو بالکل چھوڑ دو (پاس بھی نہ جاؤ) اور جس چیز (یا کام) کا میں حکم دوں اس پر جس قدر تم سے ہو سکے عمل کیا کرو اس سے معلوم ہوا کہ منہیات (یعنی ممنوعات و محرمات) میں ہو سکنے یا نہ ہو سکنے کا کوئی سوال نہیں ان کو تو کلی طور پر ترک کر دو اور مامورات (وہ کام جن کے کرنے کا آپ نے حکم دیا مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ حج وغیرہ عبادات) ان پر جس قدر تم سے ہو سکے عمل کیا کرو۔

مامورات اور منہیات میں فرق کی وجہ

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر ممنوع اور حرام چیزوں یا کاموں کو بالکل ترک نہ کیا تو جو بھی مامور عبادات ادا کی

جائیں گی اور ماموارت پر جتنا بھی عمل کیا جائے گا سب بیکار جائے گا مثلاً ایک شخص ہے جو نہ صرف پنجگانہ فرض نمازیں بلکہ سنتیں اور نوافل بھی تہجد واشراق کی نمازیں بھی پڑھتا ہے مگر اسی کے ساتھ سود لیتا بھی ہے اور دیتا بھی ہے تمام کاروبار سودی کرتا ہے یا یتیموں کا مال بے دریغ کھاتا ہے یا شراب پیتا بھی ہے پلاتا بھی ہے یا رشوت لیتا ہے غرض حرام وحلال کی پرواہ کئے بغیر روپیہ کماتا ہے یا اسمگلنگ کرتا ہے چور بازاری کرتا ہے یا جوا کھیلتا ہے یا ریس (گھوڑدوڑ) میں حصہ لیتا ہے اس کی نمازیں' روزے' صدقہ خیرات' حج وغیرہ غرض کوئی بھی بڑی سے بڑی عبادت وطاعت اس کو حرام خوری کے عذاب سے نہ بچاسکے گی جب تک ان حرام کاموں کو کلی طور پر ترک نہ کرے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد نہ کرے جس کو شریعت میں توبہ کہتے ہیں یہ تمام محرمات وہ گندگیں اور نجاستیں ہیں جن کے باقی رہتے نماز پڑھنا ایسا ہی بیکار ہے جیسے ناپاک کپڑے پہنے یا بغیر وضو یا غسل کے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھے ایسی نماز نماز نہیں بلکہ نماز کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے بالکل یہی صورت محرمات کو کلی طور پر ترک کئے بغیر عبادت کرنے کی ہے جو حرام خوری یا حرام نوشی یا حرام پوشی کے عذاب سے نہیں بچاسکتی حدیث شریف میں آتا ہے۔

۱. کل لحم نبت من سحت فالنار اولی به

جو گوشت مال حرام سے بنا وہ تو جہنم ہی کے لائق ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو خطاب کر کے فرماتے ہیں

۲. یاکعب بن عجرة انه لایربوالحم نبت من سحت الاکانت النار اولی به

اے کعب بن عجرہ! بلاشبہ جو گوشت بھی مال حرام سے بنا وہ جتنا بھی بڑھے گا (جہنم کے لائق ہی ہوگا اور) جہنم کی آگ ہی اس کے لائق ہوگی۔

دعا: اللہ پاک ہر مسلمان کو حرام مال یا کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر آپ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو (جہاد یا حج وعمرہ کے لئے) دور دراز سفر کرتا ہے سر کے بال پراگندہ ہیں جسم غبار آلود ہے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگتا ہے اے پروردگار! اے پروردگار! حالانکہ جو کھایا ہے وہ حرام ہے جو پیا ہے وہ حرام ہے جو پہنے ہوئے ہے وہ حرام ہے جو غذا ملی ہے وہ حرام ہے تو اس کی دعائیں کہاں قبول ہو سکتی ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب تک حرام خوری اور حرام پوشی اور گناہوں اور معصیتوں کو کلی طور پر ترک کر کے اور ان تمام غلاظتوں اور ناپاکیوں سے خود کو پاک وصاف کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت نہ کی جائے گی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز قابل قبول نہ ہوگی اور جہنم کی آگ سے نہیں بچا سکے گی تھوڑی ہو یا بہت صرف فرائض ہوں یا نوافل ومستحبات سمیت' اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کاموں کے کرنے کا میں تمہیں حکم دوں ان پر جتنا تم

سے ہو سکے عمل کرو یعنی تم حرام کاموں یا چیزوں سے اور گناہوں اور نافرمانیوں سے کلی طور پر دور رہ کر جتنا بھی مامورات (عبادات وطاعات) پر عمل کرو گے قابل قبول اور مفید ہوگا تھوڑا ہو یا بہت۔ تقویٰ کے باب میں بیان کیا جاچکا ہے کہ تخلی عن الرذائل کے بغیر تحلی بالفضائل ممکن نہیں یعنی رذیلتوں سے پاک وصاف ہوئے بغیر فضیلتوں سے آراستہ ہونا ممکن نہیں یہی تقویٰ کے معنی ہیں اسی کتاب میں باب تقویٰ کو دوبارہ پڑھ لیجئے تاکہ ہر وقت پیش نظر رہے۔

ہمارا زمانہ اور ہماری حالت

ہمارا زمانہ ایسا خدا شناسی سے دور اور خدا پرستی سے محروم زمانہ ہے کہ بیدینوں کا تو ذکر ہی کیا دیندار لوگوں پر بھی زراندوزی اور زرپرستی اس بری طرح مسلط ہے کہ ہر شخص الا ماشاء اللہ اندھا دھند مال و دولت جمع کرنے بلکہ سمیٹنے میں اس طرح منہمک ہے کہ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا سوال ہی ختم کر دیا ہے مال آنا چاہئے کسی بھی راستہ سے آئے حرام راستہ ہو یا حلال' کچھ پرواہ نہیں۔

ہم جیسے زرپرست لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وتحبون المال حباً جماً (اور تم تو مال سے بے تحاشا محبت کرتے ہو) (سورۃ الفجر آیت ۲۰)

دعا: اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور اس حب مال اور زرپرستی سے نجات دیں اور خدا شناسی وخدا پرستی کی توفیق عطا فرمائیں خصوصاً دیندار عبادت گزار مسلمانوں کو اس آخر زمانہ کے فتنے حب مال وزر سے ضرور نجات دیں تاکہ ان کی عبادتیں اور طاعتیں رائیگاں نہ جائیں اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ ہم تو نہ صرف پنجوقتہ نمازیں بلکہ دن کو چاشت کی اور رات کو تہجد کی نمازیں بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں حج بھی ہم نے کیا ہے اسی لئے ہم ضرور بخشے جائیں گے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے پڑھیئے اور معنی کو سمجھ کر پڑھیے۔

لاحول ولاقوۃ الاباللہ (احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کی) قوت اور (گناہوں سے بچنے کی) طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے (میسر ہوتی) ہے۔

اور دعا مانگئے' پڑھیے نہیں۔ **اللھم لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا**

اے اللہ تو دنیا (اور امور دنیا) کو ہمارا سب سے بڑا فکر نہ بنائیو اور نہ ہمارا انتہائی علم بنائیو اور نہ انتہائی مرغوب چیز بنائیو۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صدق دل اور خلوص سے نکلی ہوئی دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے اور سب سے بڑا فکر آخرت کو بنادیں گے اور منتہائے علم' علم دین کو بنادیں گے اور سب سے زیادہ مرغوب چیز نعیم جنت کو بنادیں گے۔

نوٹ: ایسے علماء دین جو دنیاوی علوم سے ناواقف ہیں پڑھے لکھے لوگوں میں ایک فیصدی بھی مشکل سے ہوں گے باقی ننانوے فیصد ایسے تعلیم یافتہ ہیں جو دین اور امور دین سے بالکل ناواقف یا نیم ملا خطرہ ایمان کے مصداق ہیں نام کو اسلامیات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی ہیں' اصل عربی زبان اور قرآن وحدیث اور فقہ وعقائد وغیر علوم دینیہ

سے بالکل نا آشنا ہیں اردو ترجمے پڑھ کر امتحانات پاس کر لیتے ہیں اصل عربی سے جو قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی زبان ہے بالکل کورے ہوتے ہیں ان ایک فیصدی علماء دین کو انگریزی زبان اور علوم دنیا سے واقف ہونے کی تلقین کی جاتی ہے پروگرام بنائے جاتے ہیں اور ننانوے فیصد نام نہاد تعلیم یافتہ کو نہیں کہا جاتا کہ تم اصلی عربی زبان اور علوم دینیہ حاصل کرو کس قدر افسوس کا مقام ہے۔

وہ سوالات جن پر آپ کو غصہ آیا

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ چیزوں کے متعلق سوالات کئے گئے جو آپ کو ناگوار گزرے جب لوگوں نے آپ سے اس قسم کے بے تکے احمقانہ سوالات کثرت سے کرنے شروع کئے تو آپ ناراض ہوگئے اور غصہ میں لوگوں کو خطاب فرمایا: "جو تمہارا جی چاہے مجھ سے پوچھو میں جواب دوں گا چنانچہ ایک شخص نے سوال کیا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: تیرا باپ حذیفہ ہے' دوسرا شخص اٹھا اور کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: تیرا باپ سالم مولیٰ شیبہ ہے اس کے بعد آپ برابر فرماتے رہے: سوال کرو سوال کرو' سوال کرو اب کیوں نہیں پوچھتے؟

جب لوگوں نے خصوصاً' حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرہ پر غیظ و غضب اور قہر و جلال کے آثار دیکھے تو سب آہستہ آہستہ رونے لگے اور حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر دوزانو بیٹھ کر کہا: "ہم ایسے بیہودہ سوالات کرنے سے توبہ کرتے ہیں آپ بھی معاف فرما دیجئے" تب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اسی پر ذیل کی آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یاایھاالذین امنوا لاتسئلوا عن اشیآء ان تبدلکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القران تبدلکم عفاالله عنھا والله غفور حلیم قدسأ لھاقوم من قبلکم ثم اصبحوابھا کافرین (سورۃ المائدہ آیت ۱۰۱' ۱۰۲)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر نزول قرآن کے زمانہ میں تم دریافت کرو گے تو (ضرور) ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سوالات کو معاف کر دیا ہے اور اللہ تو بہت زیادہ بخشنے والا بردبار ہے بیشک تم سے پہلی قوموں نے اس قسم کی چیزوں کو دریافت کیا پھر ان کے سبب کافر ہوگئے۔

اس باب کی پہلی حدیث اور اس سلسلہ کی دوسری حدیث قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی ہی میں وارد ہوئی ہے۔

ضروری احکام شرعیہ کے متعلق سوالات کرنے کی اجازت

بہر حال سوالات کرنے کی ممانعت اسی قسم کے بے تکے اور لا یعنی سوالات سے متعلق ہے یا احکام الٰہیہ سے متعلق احمقانہ کھود کرید سے متعلق ہے جیسا کہ آپ مذکورہ بالا احادیث میں پڑھ چکے ہیں ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام الٰہیہ سے متعلق ہر ضرورت کے موقع پر سوالات کئے گئے ہیں اور آپ نے بخندہ پیشانی جوابات دیئے ہیں خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

فاسئلو آاھل الذکر ان کنتم لاتعلمون (سورۃ الانبیا آیت ۷)
پس دریافت کر لیا کرو (شرعی احکام) اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔
اور قرآن کریم میں تو سوالات اور جوابات کا ایک مستقل عنوان ہے جس کے تحت مختلف احکامات بیان کئے گئے ہیں مثلاً **یسئلونك عن الاھلة' یسئلونك ماذاینفقون: یسئلونك عن الخمر والمیسر' یسئلونك عن الروح' یسئلونك عن الساعة** وغیرہ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی لئے اونٹنی پر سوار ہو کر مناسک حج ادا کئے ہیں تاکہ ہر شخص آپ کو دور سے دیکھ سکے اور احکام حج دریافت کر سکے اور متعدد لوگوں نے آپ سے احکام حج دریافت کئے ہیں اور آپ نے بتلائے ہیں۔

چنانچہ ایام جاہلیت میں حج کے دنوں میں عمرہ کرنا فجر فجور (بدترین بدکاری) سمجھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ بلکہ رسم کی عملی طور پر بیخ کنی کی غرض سے ان تمام حاجیوں کے جن کے ساتھ ہدی (قربانی کا جانور) نہ تھا حج کے احرام عمرہ سے تبدیل کرا دیئے اور عمرہ کر کے حلال ہو جانے کا حکم دیا بڑی مشکل سے لوگ اس پر آمادہ ہوئے اس پر ایک شخص نے دریافت کیا۔

العامنا ھذاام للابد؟ کیا یہ (حج کے ایام میں عمرہ کرنے کا حکم) صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے؟
آپ نے جواب دیا۔ **دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیمة**
عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔
چنانچہ حج تمتع میں تو حاجی میقات سے عمرہ ہی کا احرام باندھتا ہے اور حج قران میں عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کی وصیت اور بدعتوں سے اجتناب کی تاکید

الثاني : عن أبي نَجيحِ العِرباضِ بن سَارِية رضي الله عنه ، قَالَ : وَعَظَنَا رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوعظَةً بليغَةً وَجلَتْ مِنْهَا القُلُوبُ ، وَذَرفَتْ مِنْهَا العُيُونُ ، فَقُلْنَا : يَا رسولَ اللهِ ، كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأوْصِنَا ، قَالَ : " أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإنْ تَأمَّر عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ ، وَإنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلافاً كَثيراً ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ المَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بالنَّواجِذِ ، وَإيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ ؛ فإنَّ كلَّ بدعة ضَلالَة " رواه أَبُو داود والترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن صحيح " .
"النَّواجِذُ" بالذال المعجمةِ : الأَنيابُ ، وَقيلَ : الأَضْراسُ .

ترجمہ: حضرت ابو نجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وعظ فرمایا جس سے ہمارے دل لرز گئے اور آنکھیں اشک ریز ہو گئیں تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ (وعظ) تو گویا ایک (دنیا سے) رخصت ہونے والے کا سا وعظ ہے لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرمایئے آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور مسلمانوں کے امیر (حکمران) کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر مسلط ہو جائے (تب بھی تم اس کی اطاعت کرنا) اور بلاشبہ تم میں سے جو شخص (میرے بعد) زندہ رہے گا وہ (امت میں) بکثرت اختلاف دیکھے گا تو تم میری سنت (کی پیروی) کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین (کی سنت کی پیروی) کو اپنے اوپر لازم کر لینا اور اس سنت کو دانتوں سے پکڑے رہنا اور تم (دین میں) نئے نئے امور (بدعتوں) سے بے حد بچنا (اور دور رہنا) اس لئے کہ ہر بدعت (دین میں نئی چیز) گمراہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا اور ترمذی میں بھی امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

لفظ کے معنی: نواجذ عربی زبان میں یا عام دانتوں کو یا خاص ڈاڑھوں کو کہتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کے بھی کئی جزو ہیں ا۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مسلمانوں کو تقویٰ اللہ کی وصیت فرماتے ہیں تقویٰ کی حقیقت گذشتہ حدیث کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی عبادات کی قبولیت کو صرف متقین کے اندر منحصر فرماتے ہیں گویا تقویٰ کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں ارشاد ہے۔

انمایتقبل اللہ من المتقین (سورۃ المائدہ آیت ۲۷)

اس کے سوا نہیں کہ اللہ پاک تو صرف متقین کی (عبادتیں) قبول فرماتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون (سورۃ النحل آیت ۱۲۸)

بالتحقیق اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں اور وہ لوگ جو احسان والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کی بے کیف معیت کو تقویٰ اور احسان والے لوگوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے احسان کی حقیقت اسی کتاب کے باب مراقبہ کی حدیث جبرئیل علیہ السلام کے ذیل میں پڑھیئے۔

۲۔ دوسری وصیت: امیر المسلمین کی اطاعت سے متعلق ہے کہ اگرچہ کوئی امیر شریعت کے اصول کے خلاف محض اپنی قبائلی یا افرادی طاقت یا فوجی طاقت کے زور سے تم پر مسلط ہو جائے تب بھی تم اس کی اطاعت کرو بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو خلاف شرع کاموں پر مجبور نہ کرے اس لئے کہ ایسے متغلب (زبردستی امیر) کے خلاف محاذ آرائی خانہ جنگی کے مترادف ہے جو مسلمانوں کے جان و مال کی تباہی کا موجب ہے ہاں اگر وہ شریعت کے قطعی امور کے خلاف کام کرنے پر مسلمانوں کو مجبور کرے تو اس کے خلاف مسلمانوں کو متحد و متفق ہو کر بغاوت کرنا جائز ہے۔

بہر حال امیر المسلمین جیسا بھی ہو اس کی اطاعت نہ کرنا حکم نہ ماننا اپنی اور قوم کی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق امیر المسلمین کی "سول نافرمانی" ناجائز ہے۔

۳۔ تیسری وصیت میں اول آپ امت کے داخلی اختلافات کی پیشنگوئی فرماتے ہیں جس سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ہی امت مسلمہ کو سابقہ پڑا ہے اور آدھی صدی بھی نہ گزری تھی کہ عالم اسلام انہی اختلافات اور باہمی خانہ جنگیوں میں تباہ ہونا شروع ہو گیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی کے خلاف محاذ آرائی اور جنگ جمل جنگ صفین جیسی ہولناک لڑائیاں ہوئیں جن کے نتیجہ میں دوطرفہ ہزاروں صحابہ شہید ہوئے۔

ایسے پُر آشوب اور پر فتن زمانہ میں اللہ کے رسول امت کو اپنی سنت کی پیروی اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی وصیت فرماتے ہیں کہ ایسے افراتفری کے زمانہ میں بھی قطعی طور پر دنیا اور آخرت کی فلاح کا واحد راستہ یہی ہے اس لئے کہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ واجب العمل ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سنت خلفائے راشدین بھی باجماع اہل سنت والجماعت واجب العمل ہے یہی جزو ترجمۃ الباب سے متعلق ہے اور یہی وہ مقصد ہے جس کے تحت امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو باب محافظت سنت کے ذیل میں لائے ہیں۔

اور چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد ہمارے اس خدانا آشنا اور خدا فراموش زمانہ میں بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور دنیا و آخرت کی فلاح کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ ہی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سنت کو بھی دانتوں سے پکڑے رہیں اس لئے کہ انہی حضرات کے سامنے قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہی حضرات کو قرآن کے معانی، حقائق و دقائق اور احکام بتلائے اور سمجھائے جو حدیث کی کتابوں میں بحمد اللہ محفوظ و موجود ہیں اور ہم نظام شریعت کے لئے ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور ہماری اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وکیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم ایت اللہ وفیکم رسولہ (سورۃ النسا آیت ۱۰۱)

اور تم کیسے کافر ہوئے جارہے ہو در آں حالیکہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جارہی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے (اس کا ہر قول و فعل کتب حدیث میں موجود ہے) اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں آمین ثم آمین۔

سنت سے انکار جنت سے انکار کے مترادف ہے

الثَّالثُ : عَنْ أَبي هريرةَ رضي الله عنه : أَنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : "كُلُّ

أُمَّتِي يَدخُلُونَ الجَنَّةَ إلاَّ مَنْ أَبى " . قيلَ : وَمَنْ يَأبى يَا رَسُول الله ؟ قَالَ : " مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبى " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی سوائے اس شخص کے جو (جنت میں داخل ہونے سے ہی) انکار کرے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! جنت میں داخل ہونے سے بھی کوئی شخص انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی (حکم مانا) جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ومآارسلنامن رسول الالیطاع باذن الله (سورۃ النساء آیت ۶۴)

ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے (حکم سے) اس کی اطاعت کی جائے۔

گویا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار کرتا ہے وہ مقصد خداوندی کو چیلنج کرتا ہے کہ دیکھ میں تیرے رسول کی اطاعت سے انکار کرتا ہوں قہر خداوندی ایسے فرعون بے سامان کو کب چھوڑ سکتا ہے اگر کسی مصلحت کے تحت اس دنیا میں اس کی گردن نہ توڑے تو آخرت میں تو اسے ایسا عذاب دے گا کہ لایعذب عذابہ احد (اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی (کسی کو) نہ دے گا۔

واضح رہے کہ عربی زبان میں اباذلت کو قبول کرنے سے انکار کو کہتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والا آپ کی فرمانبرداری کو اپنی توہین سمجھتا ہے اس لئے انکار کرتا ہے اسی طرح جنت میں داخل ہونے کو بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے اسی لئے اس سے بھی انکار کرتا ہے ایسے مغرور و سرکش کی سزا یہی ہے کہ ان پر آگ کے کوڑے برسائے جائیں **فصب علیهم ربك سوط عذاب** (سورۃ الفجر آیت ۱۳) (پس تیرے رب نے ان پر عذاب کے کوڑے برسائے) اسی لئے قرآن کریم کی آیات میں سے نویں آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرنے والوں کو فتنہ یا عذاب الیم سے خبردار کیا گیا ہے نویں حدیث کی تشریح دیکھئے۔

سنت پر ازراہ تکبر و نخوت عمل نہ کرنے والے کی سزا

الرابع : عن أبي مسلم ، وقيل : أبي إياس سَلَمة بن عمرو بنِ الأكوع رضي الله عنه : أنَّ رَجُلاً أكَلَ عِنْدَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بشِمَالِهِ ، فَقَالَ : " كُلْ بيَمِينكَ " قَالَ : لا أَسْتَطيعُ . قَالَ : " لا استَطَعْتَ " مَا مَنَعَهُ إلاَّ الكِبْرُ فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ سے یا بقول بعض حضرت ابوایاس سلمہ بن عمرو بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کے دسترخوان پر) بائیں

ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا "دائیں ہاتھ سے کھاؤ" اس نے کہا میں (دائیں ہاتھ سے) نہیں کھا سکتا آپ نے فرمایا (خدا کرے) تو نہ کھا سکے (یہ بد دعا آپ نے اس لئے دی) کہ صرف اس کے غرور اور تکبر نے اس کو (آپ کی سنت پر عمل کرنے اور آپ کی بات ماننے سے) منع کیا تھا اور نہ وہ اس وقت دائیں ہاتھ سے کھا سکتا تھا) چنانچہ (آپ کی بد دعا کے بعد) اس کو مرتے دم تک) دائیں ہاتھ کو اٹھانا نصیب نہ ہوا (دایاں ہاتھ شل ہو کر رہ گیا)

تشریح: رسول اللہ کی سنت پر عمل کرنے کو اپنی شان کے خلاف اور اپنی توہین سمجھ کر انکار کرنے کا مصداق آپ کے زمانہ میں یہ شخص تھا چنانچہ اس پر ایسی مار پڑی کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا اور مرتے دم تک نہ اٹھا سکا سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم (س: النور آیت ۶۲)

"جو لوگ رسول کے امر (کہنے) کے خلاف کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس مخالفت کی وجہ سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب آجائے۔

ہمارا زمانہ: ہمارے اس خدا ناشناس زمانہ میں تو ایسے سر پھرے سرکش لوگ بے شمار ہیں خاص کر جدید تہذیب (یورپین تہذیب) کے پرستار اگر ان سے کہا جائے "کھانا بیٹھ کر کھانا سنت ہے سنت کا خلاف نہ کرو بیٹھ کر کھاؤ بسم اللہ کہہ کر کھاؤ پلیٹ کو صاف کرو" یا بھرا ہوا ٹھنڈے پانی کا گلاس پھینک دیں گے صرف اس لئے کہ اس میں سے ایک دو گھونٹ کسی مسلمان نے یا ان کے والد بزرگوار نے پی لئے پیالی میں دو گھونٹ چائے یا لیمن وغیرہ کی بوتل میں دو چار گھونٹ ضرور چھوڑ دیں گے لاکھ ان کو سمجھائیے کہ "خلاف سنت ہے ایسا مت کرو" انتہائی متکبرانہ انداز میں اُونھ کہہ کر منہ پھیر لیں گے گردن موڑ لیں گے بڑبڑائیں گے "یہ سب پرانے خیالات اور دقیانوسی تہذیب ہے آج کل اسلامی تہذیب یہ ہے جو ہمیں یورپین قوموں کی خوشہ چینی (بوٹ چاٹنے) سے ملی ہے" انگریز کے بچے بنے ہوئے ہیں پوری نئی تعلیم یافتہ اور تہذیب آموختہ نسل انگریز کی نقالی میں سنن و آداب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کو اپنی شان کے خلاف اور اپنی توہین سمجھ رہی ہے یہ سب اس حدیث اور آیت کریمہ نمبر ۹ کا مصداق ہیں خدا ان پر رحم کرے کسی آفت یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اسی بنا پر امام نووی رحمہ اللہ ان دونوں حدیثوں کو سنن و آداب نبوی کی پابندی کے باب میں لائے ہیں۔

ظاہر کا اختلاف باطن کے اختلاف کا موجب ہوتا ہے

الخامس: عن أبي عبدِ الله النعمان بن بشيرٍ رَضيَ اللهُ عنهما، قَالَ: سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، يقول: "لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو عبداللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زبان مبارک سے سنا آپ فرمارہے تھے تم اپنی (نماز کی) صفوں کو ضرور سیدھا (برابر) کرلو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں (یعنی دلوں) کے درمیان (ایسی ہی) مخالفت ڈال دیں گے (جیسی تمہاری صفوں میں ہے) (بخاری و مسلم)
اور مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز شروع کرنے سے پہلے) ہماری صفوں کو اس طرح برابر کیا کرتے تھے کہ گویا آپ ان صفوں سے تیر کی لکڑیاں سیدھی کررہے ہیں یہاں تک کہ جب آپ نے محسوس کیا کہ ہم (صفوں کو سیدھا کرنا) سمجھ گئے ہیں (تو یہ اہتمام ترک کردیا) پھر ایک دن (نماز پڑھانے کے لئے) باہر تشریف لائے اور (مصلے پر) کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ آپ اللہ اکبر کہیں تو دیکھا کہ ایک شخص کا سینہ آگے کو نکلا ہوا ہے اس لئے کہ وہ صف میں برابر نہیں کھڑا تھا تو آپ نے (بطور تنبیہ) فرمایا اے اللہ کے بندو! یا تم اپنی صفوں کو برابر کرلو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں (یعنی دلوں) کے درمیان مخالفت ڈال دیں گے۔

تشریح: نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا سنت ہے اور پروردگار کے حضور میں خشوع و خضوع کے ساتھ صف بستہ کھڑے ہونا آداب صلوٰۃ میں سے ہے اگرچہ بظاہر یہ صرف ایک ظاہری اور جسمانی عمل ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تمہارے اس ظاہری عمل کا باطنی اثر یہ ہے کہ نماز کا یہ اتحاد و اتفاق مسلمانوں کی تمام تر اسلامی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز بلکہ سنگ بنیاد ہے جو لوگ رب العالمین کے حضور میں باہمی اختلاف کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آسکتے تو یاد رکھو تمہاری قومی اور اجتماعی زندگی باہمی اختلافات اور باہمی مخالفتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی جب تم خدا کے گھر میں خدا کے سامنے باہمی اجتماع کے وقت باہمی اختلافات اور باہمی مخالفت کا مظاہرہ کررہے ہو تو کیسے ممکن ہے کہ تم مسجد سے باہر اس سے باز آسکو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں خدا کا خوف مطلق نہیں پھر تمہارے دلوں میں اسلامی اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق کیسے اور کون پیدا کرسکتا ہے بہر حال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے۔

ہماری نمازیں

ہم تو مسجد کو خدا کا گھر اور نماز میں کھڑے ہونے کو احکم الحاکمین کے حضور میں پیش ہونا سمجھتے ہی نہیں بچپن سے جو عادت پڑی ہوئی ہے اس کے تحت ایک رسمی چیز سمجھ کر حسب عادت مسجد میں چلے جاتے ہیں اور امام کے پیچھے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں نہ ہمیں یہ خبر ہوتی ہے کہ امام کیا پڑھ رہا ہے اور ہم کیا کررہے ہیں بے روح اور بے جان رکوع سجدے کرتے رہتے ہیں صحیح معنی میں کہئے ٹکریں مارتے رہتے ہیں سلام پھیرنے کے بعد دنیا بھر کے افکار و خیالات جیسے لے کر گئے تھے ویسے ہی لئے ہوئے مسجد سے باہر آجاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نماز پڑھ آئے ایسی بے جان اور بے روح نمازیں ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کوئی انقلاب نہیں پیدا کرسکتیں۔

ہماری یہ حالت صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اور نمازوں کے آداب وسنن سے ناواقف اور بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان رسمی اور بے جان نمازوں کو اپنے فضل سے حقیقی اور جان دار نمازیں بنا دے تاکہ ہم الصلوٰۃ معراج المومنین کے روحانی فیوض وبرکات سے بہرہ یاب ہو کر قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کے کیف وسرور کا مزہ چکھ سکیں آمین یارب العالمین۔

سونے کے وقت آگ بجھادیا کرو

السادس : عن أبي موسى رضي الله عنه ، قَالَ : احْتَرقَ بَيْتٌ بالمَدِينَةِ عَلَى أَهْلِهِ مِنَ اللَّيلِ ، فَلَمَّا حُدِّثَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بشَأْنِهِمْ ، قَالَ : " إنَّ هذِهِ النَّارَ عَدُوٌّ لَكُمْ ، فَإذَا نِمْتُمْ ، فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مدینہ میں ایک گھر میں آگ لگی گھر والوں سمیت سب کچھ جل گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ آگ تمہاری دشمن ہے لہٰذا جب تم سویا کرو تو اس کو بجھادیا کرو۔ بخاری ومسلم۔

تشریح: یہ حدیث ان آداب وتعلیمات نبوی میں سے ہے جن کی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت اپنی امت کو تعلیم دی ہے گویا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف احکام الٰہی (مامورات ومنہیات) ہی کی تعلیم نہیں دیتے اور جہنم کی آگ سے ہی نہیں بچاتے ہیں بلکہ دنیاوی فلاح وبہبود کی تعلیم بھی دیتے ہیں تمام دنیا اس پر متفق ہے کہ آگ انسان کی ایسی دشمن ہے کہ چشم زدن میں انسانوں کے جان ومال اور املاک کو پھونک کر رکھ دیتی ہے اس کی ایذارسانی اور مضرت ونقصان رسانی سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اسے جلد از جلد بجھادیا جائے اسی لئے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ملکوں کی حکومتوں نے بڑے بڑے کوہ شکن فائر بریگیڈر (آگ بجھانے والے انجن) اور عملہ کے ہر وقت تیار رہنے کا اہتمام کیا ہوا ہے اطلاع ملتے ہی چند منٹ میں پہنچ کر گھنٹوں یا دنوں میں آگ کو بجھادیتے ہیں مگر آگ لگنے سے بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ان حکیمانہ آداب وتعلیمات نبوت پر عمل کیا جائے اور ضرورت پوری ہونے کے بعد بجھادی جائے تو نہ آگ لگے گی نہ جان ومال کا نقصان ہوگا۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین طبقے

السابع : عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إنَّ مَثَلَ مَا بَعَثَنِي الله بِهِ مِنَ الهُدَى والعِلْمِ كَمَثَلِ غَيثٍ أَصَابَ أَرْضاً فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ ، قَبِلَتِ المَاءَ فَأَنْبَتَتِ الكَلأَ والعُشْبَ الكَثِيرَ ، وَكَانَ مِنْهَا أَجَادِبُ[3] أَمسَكَتِ المَاءَ فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا

مِنْهَا وَسَقُوا وَزَرَعُوا ، وَأَصَابَ طَائِفَةً مِنْهَا أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لا تُمْسِكُ مَاءً وَلاَ تُنْبِتُ كَلأً ، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللهِ وَنَفَعَهُ بِمَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْساً وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . " فَقُهَ " بضم القافِ عَلَى المشهور وقيل بكسرها : أي صار فقيهاً .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہدایت اور علم دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے (اور میں نے اس کو لوگوں تک پہنچایا ہے) اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر خوب (موسلادھار بارش ہوتی ہے تو زمین کے کچھ قطعے ایسے عمدہ اور حاصل خیز ہوتے ہیں کہ بارش کا سارا پانی جذب کر لیتے ہیں اور ان میں ہر طرح کی خشک وتر پیداوار (غلہ پھول اور پھل) اور گھاس چارہ خوب فراوانی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور کچھ ایسے شور نشیبی خطے ہوتے ہیں کہ بارش کے پانی کو اپنے اندر صرف روک لیتے ہیں (اور پانی بڑے بڑے تالابوں اور جھیلوں کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے) جس سے اللہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے لوگ خود بھی پیتے ہیں مویشیوں کو بھی پلاتے ہیں اور کھیتیوں کو بھی سیراب کرتے ہیں اور کچھ قطعے ایسے سنگلاخ چٹیل میدان ہوتے ہیں کہ نہ بارش کے پانی کو روکتے اور جمع کرتے ہیں اور نہ شور ہونے کی وجہ سے ان میں کچھ اگتا ہے۔

پس یہ (پہلی) مثال ہے ان لوگوں کی جو اللہ کے دین میں سمجھ پیدا کرتے ہیں اور جو ہدایت اور علم ان کو میرے ذریعہ پہنچا اس کو خود بھی حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ (آخری) مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے (از راہ تکبر) نہ اس علم وہدایت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ بھیجا اور نہ اس کو قبول کیا۔

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان وانعام ہے کہ اس نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو (حسب وعدہ ہدایت وعلم لے کر اپنے بندوں کے پاس بھیجا لیکن آپ کی ہدایت سے نفع اٹھانے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ علماء عاملین جنہوں نے اس علم وہدایت پر خود بھی عمل کیا اور اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اپنی زندگی کو بھی سرسبز وشاداب بنایا اور دوسروں کی زندگی کو بھی تعلیم وتربیت کے ذریعہ سرسبز وشاداب بنایا بالکل اسی طرح جیسے باران رحمت خداوندی ہے مگر اس بارش سے نفع اٹھانے والے زمین کے خطے اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض خطوں کی زمین نہایت عمدہ اور حاصل خیز ہوتی ہے وہ اس بارش سے خوب پھولتے پھلتے اور سرسبز وشاداب ہوتے ہیں اور خلق خدا کو ان سے جسمانی غذا حاصل ہوتی ہے اور بعض خطوں کی زمین شور اور بنجر ہونے کی وجہ سے خود تو کچھ نہیں اگاتی مگر وہ خطے اس

بارش کو ضائع نہیں ہونے دیتے بلکہ ندی نالوں اور بڑے بڑے تالابوں اور جھیلوں کی شکل میں بارش کے تمام پانی کو جمع کر لیتے ہیں اور لوگ اس پانی کو پیتے پلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں خلق خدا اس پانی سے حسب ضرورت متنفع ہوتی رہتی ہے (یہ وہ علماء اور واعظین ہیں جو خود تو عمل نہیں کرتے مگر دوسروں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتے ہیں) اور کچھ خطے ایسے سنگلاخ اور چٹیل میدان ہوتے ہیں کہ نہ خود اس پانی سے نفع اٹھاتے ہیں نہ ہی پانی کو روکتے اور جمع کرتے ہیں تمام پانی ضائع جاتا ہے یہ وہ مغرور و متکبر اور سرکش لوگ ہوتے ہیں جو بر بنا عناد نہ خود اس علم ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

بہر حال لوگوں کے تین طبقے ہیں ایک علماء عاملین اور دوسرے وہ حاملین علم جو اپنے علم سے خود تو فائدہ نہیں اٹھاتے مگر مسلمانوں کو اپنے علم سے فائدہ ضرور پہنچاتے ہیں تیسرے وہ منکرین و متکبرین جو از راہ عناد نہ خود ایمان لاتے ہیں نہ دوسروں کو ایمان لانے دیتے ہیں۔

یہ علم و ہدایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر قرآن و حدیث کی صورت میں موجود و محفوظ ہے علم اور عمل کے ذریعہ اس کی حفاظت مسلمانوں کا فرض ہے کہ خود بھی عمل کریں دوسروں سے بھی عمل کرائیں اسی لئے امام نوویؒ اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

اُمت کو جہنم میں گرنے سے بچانے والے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

الثامن : عن جابر رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَوْقَدَ نَاراً فَجَعَلَ الجَنَادِبُ والفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيهَا وَهُوَ يَذُبُّهُنَّ عَنْهَا ، وَأَنَا آخذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ ، وَأَنْتُمْ تَفَلَّتُونَ مِنْ يَدَيَّ " رواه مسلم .

"الجنادب" نحو الجراد، والفراش، هذا هو المعروف الذی یقع فی النار "والحجز" جمع حجزة وھی معقد الازار والسراویل.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی تو (روشنی کو دیکھ کر) جھینگر اور پروانے آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو (آگ میں گرنے سے بچاتا اور ہٹاتا ہے) اسی طرح میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے ہوں (اور تمہیں آگ میں گرنے سے بچا رہا ہوں) اور تم میرے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو اور آگ میں گرے پڑتے ہو) مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا۔

الجنادب: ٹڈی اور مچھر کے مثل کیڑا، وہ مشہور کیڑا جو آگ میں گرا کرتا ہے۔ حجز، حجزۃ کی جمع ازار اور شلوار باندھنے کی جگہ۔

تشریح: یہ آگ لذات و خواہشات کی مقناطیسی کشش رکھنے والی حرام کاریوں' نافرمانیوں اور کبیرہ گناہوں کی

آگ ہے جس میں گرنے کے لئے نفس امارہ کے پرستار بے تاب ہیں قابو سے باہر ہوئے جارہے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رات دن ممنوعہ چیزوں اور کاموں سے بلااستثنا دور رہنے کی تاکید فرمارہے ہیں کہ الامانھیکم عنه فاجتنبوا اور ارشاد ہے: ان اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك (تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں (بیٹھا ہوا ہے) لیکن اس مکار نفس کی دعوت پر لبیک کہنے والے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شدید ممانعت کے باوجود پروانوں کی طرح اس آگ میں گرنے کے لئے بے تاب ہیں قابو سے باہر ہوئے جارہے ہیں مکار نفس نے لذتوں اور خواہشات نفسانی کا ایسا سبز باغ دکھایا ہے کہ ہادی رحمت کی تنبیہ حفت النار بالشهوات کے باوجود اس دشمن نفس کا بچھایا ہوا جال ایسا ہم رنگ زمین ہے کہ بے ساختہ اس میں گرفتار ہوئے چلے جارہے ہیں اور کہتے ہیں دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم' بجز ان پاکباز نیکوکار اہل ایمان کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرلی ہے اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے فرماتے ہیں۔

ان النفس لامارة بالسوءِ الاّمارحم ربی (سورۃ یوسف آیت ۵۳)

بلاشبہ نفس تو بے حد برائیوں کا حکم دیتا ہے بجز اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے۔

ایسے پاکیزہ لوگوں کے نفوس' نفوس مطمئنہ کے زمرہ میں آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو خطاب فرماتے ہیں اور بشارت دیتے ہیں۔

یایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

(سورۃ الفجر آیت ۲۷ تا ۳۰)

اے مطمئن نفس تو اپنے رب کی جانب لوٹ آ تو اپنے رب سے راضی تیرا رب تجھ سے راضی پس تو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

یہ اطمینان کا مرتبہ کیسے حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے حصول کا ذریعہ بتلاتے ہیں ارشاد ہے۔

الا بذکر الله تطمئن القلوب (سورۃ الرعد آیت ۲۸) سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل الذکر لاالہ الااللہ سب سے افضل ذکر لاالہ الااللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ذکر کی توفیق دیں اور قلوب مطمئنہ عطا فرمائیں آمین

آداب نبوی کے خلاف شیطان کے داؤ پیچ

(۳) التاسع : عَنْهُ : أنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَعْقِ الأَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ ، وَقَالَ : " إِنَّكُمْ لا تَدْرُونَ فی أَيِّها البَرَكَةُ " رواه مسلم .وفي رواية لَهُ : " إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ

أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا ، فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذىً ، وَلْيَأْكُلْهَا وَلاَ يَدَعْهَا لِلشَّيطَانِ ، وَلا يَمْسَحْ يَدَهُ بِالْمَنْدِيلِ حَتَّى يَلْعَقَ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لاَ يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ " .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کھانے کے وقت) انگلیوں کو چاٹنے اور پلیٹ صاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تم نہیں جانتے کہ (کھانے کے) کون سے جزو میں برکت ہے (اگر تم نے انگلیوں کو نہ چاٹا اور پلیٹ کو صاف نہ کیا اور اس جزو میں برکت ہوئی تو تم برکت سے محروم ہو گئے حالانکہ پیٹ اللہ کی رکھی ہوئی برکت ہی سے بھرتا ہے۔ مسلم

اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کھاتے وقت) جب تم میں سے کسی کا لقمہ (زمین پر) گر جائے تو اس کو چاہئے کہ اس کو اٹھا لے اور جو ناگوار چیز اس پر لگی ہو اس کو دور کر دے اور کھا لے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور ہاتھوں کو جب تک انگلیاں چاٹ نہ لے تولیہ سے نہ پونچھے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کھانے کے کون سے جزو میں برکت ہے (اگر برکت اسی جزو میں ہوئی جو اس نے تولئے سے پونچھو دیا تو وہ برکت سے محروم ہو گیا)

اور مسلم ہی کی ایک روایت میں آیا ہے بلاشبہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے ہر چیز کے وقت اور ہر حالت میں حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی موجود ہوتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو جو ناگوار چیز اس پر لگی ہو اسے دور کر دینا چاہئے پھر لقمہ کو کھا لینا چاہئے شیطان کیلئے نہ چھوڑنا چاہئے۔

تشریح: یہ شیطان خود انسان کا نفس لوامہ (ملامت کرنے والا نفس) یہ جو اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے رزق کی ہم سے توہین کرانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ شان کے خلاف ہے کہ فقیروں کی طرح ہر گری پڑی چیز کو اٹھا کر کھاؤ یا پلیٹوں میں بچا ہوا کھانا کھاؤ انگلیوں میں لگا ہوا کھانا چاٹو لوگ کہیں گے کیسا ندیدہ ہے کہ ایک آدھ لقمہ بھی نہیں چھوڑا اور پلیٹ یا انگلیوں کو چاٹنا تو پرلے درجے کی بد تہذیبی ہے مہذب لوگ تمہارے ساتھ دستر خوان پر بیٹھنا بھی گوارا نہ کریں گے یہ سب مکار نفس لوامہ کا فریب ہے وہ ہمیں اس طرح بہکا کر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کی توہین اور ناشکری کا مرتکب بنانا چاہتا ہے اس کے فریب میں کسی بھی مسلمان کو نہ آنا چاہئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودہ آداب وبلا جھجک عمل کرنا چاہئے اور کھانے میں شریک لوگوں کو بتلانا چاہئے کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے مسلمانوں کا مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہونا چاہئے نہ ہی آج کل کے فرعون صفت نام نہاد مہذب لوگوں میں سرخروئی اسی باب کی چوتھی حدیث کی تشریح کے ذیل میں ہم آج کل کے مہذب لوگوں کی حالت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں اس مقام پر تو صرف اس شیطان سے تعارف کرانا ہے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ آداب وسنن سے باغی اور منحرف بنانے

پر تلا ہوا ہے اسی مقصد کے تحت امام نووی علیہ الرحمہ اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو آداب وسنن نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر عمل کرنے کی خصوصاً اس زمانہ میں توفیق عطا فرمائیں۔

بدعات پر عمل کا شرمناک نتیجہ

العاشر : عن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قَامَ فِينَا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بمَوعِظَةٍ ، فَقَالَ : " يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، إنَّكُمْ مَحْشُورونَ إِلَى الله تَعَالَى حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً ﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴾ [الأنبياء: ١٠٣] ألا وَإنَّ أَوَّلَ الخَلائِقِ يُكْسَى يَومَ القِيَامَةِ إبراهيمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ألا وَإنَّهُ سَيُجَاءُ بِرجالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمالِ ، فَأقُولُ : يَا رَبِّ أصْحَابِي . فَيُقَالُ : إنَّكَ لاَ تَدْرِي مَا أحْدَثُوا بَعْدَكَ . فَأقُولُ كما قَالَ العَبدُ الصَّالِحُ : ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ ﴾ إِلَى قولِهِ : ﴿ العَزِيزُ الحَكِيمُ ﴾ [المائدة : ١١٧ ١١٨] فَيُقَالُ لِي : إنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . " غُرْلاً " : أي غَيرَ مَخْتُونِينَ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان وعظ فرمانے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سب (حشر کے میدان) میں جمع کئے جاؤ گے (اور) اللہ تعالیٰ کے حضور میں ننگے پاؤں' تن برہنہ غیر مختون (پیش ہوگے) اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق: "جیسے ہم نے پہلی مرتبہ مخلوق کو (عدم سے وجود میں لاکر) پیدا کیا ہے ایسے ہی ہم دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ بلاشبہ ہم ایسا ضرور کریں گے" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن لو! سب سے پہلے قیامت کے دن جس کو لباس پہنایا جائے گا (اور خلعت اصطفاء وخلت سے سرفراز کیا جائے گا) وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے (آپ فرماتے ہیں اور) سن لو! میری امت میں سے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا تو ان کو پکڑ کر بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا یہ تو میری امت کے لوگ ہیں؟ (ان کو بائیں جانب کیوں لے جایا جا رہا ہے؟) تو کہا جائے گا "بلاشبہ تم نہیں جانتے کہ انہوں نے تمہارے بعد (دین میں) کیسی کیسی نئ نئ (اعتقادی اور عملی) گمراہیاں پیدا کی ہیں تو میں وہی کہوں گا جو ایک صالح بندے (عیسیٰ السلام) نے کہا تھا۔

وکنت علیهم شهیداً مادمت فیهم فلماتوفیتنی کنت انت الرقیب علیهم وانت علی کل شیء شهیدO ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيمO (سورۃ مائدہ ع ۱۶)

اور میں ان سے باخبر تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی تھا ان کا نگران اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کردے تو تو زبردست حکمتوں والا ہے۔

تو مجھے بتلایا جائے گا جب سے تم ان سے جدا ہوئے ہو یہ لوگ برابر (دین سے) الٹے پاؤں لوٹتے رہے ہیں (یعنی دین سے پھرتے رہے ہیں) بخاری و مسلم امام نووی علیہ الرحمۃ غرلا کے معنی غیر مختون بتلاتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں چند چیزیں محتاج تشریح ہیں:

ا۔ قیامت کے دن تمام انسانوں کے پابرہنہ تن برہنہ اور بغیر ختنہ اٹھائے جانے کی وجہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی کہ دوسری پیدائش بالکل پہلی پیدائش کی طرح طبعی ہوگی انسانی صنعت کا اس میں مطلق دخل نہ ہوگا۔

۲۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنانے کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء میں سب سے پہلے اصطفاء اجتباء اور خلت سے انہی کو سرفراز فرمایا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام انبیاء میں ایسے موحد اعظم ہوئے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف صنم پرستی بلکہ ارواح پرستی کواکب پرستی غرض ہر غیر اللہ کی پرستش کی تردید فرما کر خدا کی وحدانیت کا جھنڈا بلند کیا ہے اسی لئے ان کا خصوصی لقب ابراہیم خلیل اللہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً**

۳۔ علماء محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ہر سنت کے مقابلہ پر بدعت ہے اور احیائے سنت بدعت کی اماتت ہے سنت کی تعریف تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں بدعت کی تعریف اسی حدیث کی روشنی میں یہ ہے۔

بدعت کی تعریف:

ہر وہ نیا عقیدہ یا عمل جو قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو اس کو عبادت اور اجر و ثواب کا موجب سمجھ کر اختیار کیا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا مقام جہنم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

ایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار

تم بچو اور دور رہو (دین میں) نئی نئی باتوں سے اس لئے کہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من احیا سنۃ من سنتی قدامیت بعدی فان لہ اجرھا واجر من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیء ومن ابتدع بدعۃ لایرضاھا اللہ ورسولہ کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا لاینقص من اوزارھم شیء

جس شخص نے میری سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد (عمل نہ کرنے کی وجہ سے) مرگئی تھی اس کو اس سنت کا اجر بھی ملے گا اور اس سنت پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا اس کے بغیر کہ ان عمل کرنے والوں کا کچھ بھی اجر کم کیا جائے اور جس نے کوئی نئی بات اختراع کی جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں کرتے اس پر اس بدعت کا گناہ بھی ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ہوگا اس کے بغیر کہ ان کے گناہوں میں کچھ بھی کمی کی جائے۔

لہٰذا ان احادیث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں جس قدر سنت پر عمل اور اس کی اشاعت عام ہوگی اسی قدر بدعات مٹتی چلی جائیں گی مثلاً جس قدر مسلمانوں میں روزانہ مجالس ذکر قائم و رائج ہوں گی مجالس میلاد وغیرہ آپ سے آپ ختم ہوتی چلی جائیں گی اسی طرح جس قدر سنت کے مطابق ایصال ثواب کے طریقے رائج ہوں گے اسی قدر معین وغیر معین تاریخوں اور دنوں میں نذر و نیاز اور بزرگوں کے ناموں پر فاتحہ خوانی اور عرس، تیجے اور چالیسویں ختم ہوتے چلے جائیں گے اسی تحقیق کی روشنی میں کہا گیا ہے کہ ہر سنت کے مقابلہ پر بدعت ہے اور احیائے سنت بدعات کی اماتت ہے۔

اسلامی آداب

زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حالت مثلاً کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے ملنے ملانے اور لباس پہننے وغیرہ سے متعلق جو طور طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہوں اور وہ کسی دوسری غیر مسلم قوم کا شعار (امتیازی نشان) نہ ہوں وہ سب اسلامی آداب ہیں تاہم مسلمانوں کو حتی الامکان انہی آداب کو اختیار کرنا چاہیے جو احادیث سے ثابت ہیں کسی دوسری غیر مسلم قوم کے شعار (امتیازی نشان) ہرگز اختیار نہ کرنا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من تشبہ بقوم فھو منھم جس نے کسی قوم کے ساتھ (کسی بھی چیز میں) مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔

ہماری حالت

ہم اس زمانہ میں بدعات سے بدرجہا زیادہ غیر قوموں کی نقالی میں سر تاپا مبتلا ہیں لہٰذا جس طرح بدعات سے نجات پانے کے لئے احیا سنت کی بے حد ضرورت ہے اسی طرح غیر اسلامی طور طریقوں سے نجات پانے کے لئے اسلامی آداب کی ترویج و اشاعت کی اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے چنانچہ جس قدر ہماری معاشرت میں آداب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسنون طریقے رائج ہوتے جائیں گے اسی قدر غیر قوموں خصوصاً یورپین قوموں کے طور طریقے ختم ہوتے چلے جائیں گے ایک آداب طعام ہی کو لے لیجئے اگر ہم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان کردہ طریق پر فرش پر بیٹھ کر دستر خوان بچھا کر بسم اللہ کہہ کر کھانا کھانے کو رواج دیں تو میز کرسیوں پر بیٹھ کر جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے ہاتھوں میں گداؤں کی طرح کاسۂ گدائی لئے بغیر پلیٹ ہاتھ میں لے کر ادھر ادھر ڈشوں میں سے کھانا لے کر کھانے کے مروجہ غیر اسلامی طور طریقے آہستہ آہستہ سب چھوٹ جائیں گے اسی پر بقیہ زندگی کے تمام شعبوں کو قیاس کر لیجئے اور اللہ زیادہ سے زیادہ احیا سنت اور اسلامی آداب کی ترویج کی کوشش کیجئے تاکہ ہم خود اور ہماری آئندہ نسلیں مسلمان رہ سکیں ورنہ ہم خود بھی گنہگار ہوں گے اور آنے والی نسلوں کے گناہ بھی ہم پر ہوں گے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں۔

غرض اس حدیث کا حاصل صرف اس ہولناک انجام سے خبردار کرنا ہے جب قیامت کے دن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنی طرف بلائیں گے مگر ہم اپنے خلاف سنت عقائد واعمال کی بنا پر جن کا حال فرشتوں کی زبان سے سن کر فرمائیں گے دور ہوں دور ہوں جہنم میں جائیں گے اور آپ کی شفاعت سے بھی محروم ہوں گے۔ العیاذ باللہ

بلاضرورت اور بے مقصد کام کرنے کی ممانعت

الحادي عشر : عن أبي سعيد عبد الله بن مُغَفَّلٍ رضي الله عنه ، قَالَ : نَهى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الخَذْفِ ، وقالَ : " إنَّهُ لاَ يَقْتُلُ الصَّيْدَ ، ولاَ يَنْكأُ العَدُوَّ ، وإنَّهُ يَفْقَأُ العَيْنَ ، ويَكْسِرُ السِّنَّ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .وفي رواية : أنَّ قَرِيباً لابْنِ مُغَفَّل خَذَفَ فَنَهاهُ ، وَقالَ : إنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهى عَنِ الخَذْفِ ، وَقَالَ : " إنَّها لاَ تَصِيدُ صَيداً " ثُمَّ عادَ ، فَقَالَ : أُحَدِّثُكَ أنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهى عَنْهُ ، ثُمَّ عُدْتَ تَخذفُ !؟ لا أُكَلِّمُكَ أَبَداً .

ترجمہ: حضرت ابو سعید عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بے مقصد ادھر اُدھر) کنکریں پھینکنے سے منع کیا اور فرمایا: یہ کنکریں نہ تو شکار کو مارتی ہیں نہ ہی دشمن کو زخمی کرتی ہیں (ہاں گزرنے والے کی) آنکھ بیشک پھوڑ دیتی ہیں (سامنے کوئی ہو تو اس کے) دانت کو بیشک توڑ دیتی ہیں۔ بخاری و مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابن مغفل صحابیؓ کے ایک رشتہ دار نے (یوں ہی) کنکر پھینکی تو ابن مغفلؓ نے اس کو منع کیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کنکر شکار کو نہیں مارتی (یہ سننے کے باوجود) اس نے پھر کنکر پھینکی تو ابن مغفلؓ نے کہا میں تم سے حدیث بیان کر چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور تم پھر بھی کنکریں پھینکتے ہو (جاؤ) میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا۔

تشریح: اس ممانعت کا مقصد ان تمام بے مقصد حرکات اور کاموں سے منع کرنا ہے جو (نادانستہ طور پر) دوسرے شخص کو ضرر پہنچا سکتے ہیں ورنہ نشانہ درست کرنے کی غرض سے نشانہ بازی خواہ تیر کمان سے ہو خواہ غلہ اور غلیل سے خواہ اس زمانہ میں چھرہ دار بندوق سے نشانہ کی مشق کرنا اور مخصوص جگہ پر تیر یا غلہ یا چھرے مارنا بالکل جائز ہے بلکہ دشمنوں سے لڑنے کی غرض سے اس قسم کی مشقیں نہایت ضروری ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں اس کی ترغیب دی ہے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة کا مصداق آپ نے تیراندازی ہی کو بتلایا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔

ہماری آج کی زندگی میں تو اس قسم کی احمقانہ حرکتوں کے نتیجہ میں بڑے بڑے جھگڑے سماجی نزاعات رونما ہو جاتے ہیں اور ان کے خمیازے بھگتنے پڑتے ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حکیمانہ ممانعت پر عمل کرنا علاوہ عمل بالسنہ کے اجر وثواب کے اس زندگی میں سلامتی اور عافیت کا ذریعہ بھی ہے خود بھی عمل کرنا چاہئے اور دوسروں سے بھی عمل کرانا چاہئے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی یہ غیرت ایمانی ہے کہ حدیث رسول اللہ سن لینے کے باوجود دیدہ ودانستہ اس کے خلاف کرنے والے رشتہ دار سے سلام وکلام ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی توفیق عطا فرمائیں کہ دیدہ دانستہ سنت کا خلاف کرنے والوں سے تعلقات کی پرواہ کئے بغیر سلام وکلام اسی طرح ختم کر دیں اور جتلا دیں کہ ہم تم سے قطع تعلق اس وجہ سے کر رہے ہیں کہ تم دیدہ ودانستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتے ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ بھی اسی غرض سے اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

حجر اسود کی ایک پتھر ہونے کی حیثیت سے احترام کرنے کی تردید اور اہتمام سنت کی ترغیب

وعَن عابس بن رَبيعة ، قَالَ : رَأيْتُ عُمَرَ بن الخطاب رضي الله عنه يُقَبِّلُ الحَجَرَ يَعْني : الأَسْوَدَ وَيقُولُ : إني أَعْلَمُ أَنَّكَ حجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلاَ تَضُرُّ ، وَلَولا أَنِّي رَأَيْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچاتا ہے نہ ضرر اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی نہیں بوسہ دیتا (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس اعلان سے ایک طرف ان دریدہ دہنوں کو دندان شکن جواب دینا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کے حجر اسود کے استلام (چومنے) کو کھلی ہوئی صنم پرستی کا طعنہ دیتے ہیں دوسری طرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع بھی صرف اس لئے کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے چنانچہ قرآن کریم آپ ہی کی زبان سے کہتا ہے۔

ان اتبع الاما یوحی الی (س: الاحقاف آیت ۹)

میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہو۔

ہم قرآن کریم کے حکم کے بموجب آپ کے اتباع کے مامور بھی ہیں اللہ تعالیٰ آپ ہی کی زبان سے فرماتے ہیں

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم (سورۃ آل عمران آیت ۳۱)

آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت بھی کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل خواہ وہ انسانی عقل کے اعتبار سے معقول ہو یا نہ ہو ہمارے خیال میں مستحسن ہو یا نہ ہو ہم خدا کے حکم کے مطابق اس کی پیروی کریں گے در حقیقت ہم حجر اسود کو نہیں چومتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں انہوں نے بذریعہ وحی (خفی ہو یا جلی) ہم کو بتلایا ہے۔

الحجر الاسود یمین اللہ حجر اسود اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ لبیک اللّٰھم لبیک کہنے والے حاجی سے اللہ کے گھر پہنچنے پر اس کا تلبیہ (حاضری) قبول فرماتے ہیں اور ہاتھ ملاتے ہیں (مصافحہ کرتے ہیں) اور بندہ رب العالمین کی اس ذرہ نوازی اور عزت افزائی پر زار و قطار روتا ہے اور خوشی کے آنسو بہاتا ہے کون عقل کا دشمن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اتباع کو صنم پرستی کہتا ہو۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کو چوم رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے اور خوشی کے آنسو بہا رہے تھے حضرت عمر فاروقؓ آپ کے پیچھے کھڑے رو رہے تھے حضرت عمر کو روتے دیکھ کر فرمایا:

یاعمر ھھنا تسکب الدموع اے عمر یہی تو جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ اتباع رسول کا اعلان ایسا ہی ہے جیسے بیت اللہ کے طواف کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔

فلیعبدوا رب ھذا البیت (سورۃ القریش آیت ۳)

پس چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں (نہ کہ) اس گھر کی (یعنی اس گھر کے رب کی عبادت کریں طواف کریں نمازیں پڑھیں اس گھر کی نہیں)

اس لئے کہ بیت اللہ اس پتھروں کی چار گوشہ عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ محدود فضا جو عرش سے فرش تک ایک بقعہ نور کی شکل میں قائم ہے جن کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں وہ دیکھتے بھی ہیں اس فضا کا نام بیت اللہ ہے اسی کی طرف رخ کر کے مسلمان دنیا کے ہر گوشہ میں نمازیں پڑھتے ہیں مشرق میں ہوں یا مغرب میں شمال میں ہوں یا جنوب میں مکہ مکرمہ کی سطح کی بنسبت نشیب میں ہوں یا فراز میں پہاڑوں کے اوپر آباد ہوں یا غاروں میں۔ ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسجد کے صحن میں بنی ہوئی پتھروں کی عمارت تو پہاڑوں کی بلندی کی بنسبت بہت زیادہ نشیب میں واقع ہے مگر نمازیں اسی فضا نور کی طرف رخ کر کے پڑھی جاتیں ہیں جدید سعودی تعمیر حرم کے اندر دوسری اور تیسری منزلوں پر بھی اور زمین دوز تہہ خانوں کے اندر بھی نماز اسی بقعہ نور کی طرف پڑھی جاتی ہے طواف اوپر کی منزلوں پر بھی اسی طرح ہوتے ہیں جیسے حرم کے ہموار فرش پر خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ اس پتھروں کی بنی ہوئی چار گوشہ عمارت کا نام نہیں ہے اور مسلمان نہ اس عمارت کا طواف

کرتے ہیں نہ اس کی طرف نماز پڑھتے ہیں بلکہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ اس فضا اور بقعہ نور کا نام ہے جس کی بلندی رب العالمین کے عرش سے فرش یعنی زمین کی نچلی سطح تک ہے اسی کا طواف کرتے ہیں اسی کی طرف نمازیں پڑھتے ہیں وہی مسلمانوں کا قبلہ ہے اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم: **فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام** پس رخ کر لو تم اپنا مسجد حرام کی جانب اور اسی کے طواف کرنے کا حکم۔

ولیطوفوا بالبیت العتیق (سورۃ الحج آیت ۲۹)

اور چاہئے کہ وہ اس قدیم گھر کے کثرت سے طواف کیا کریں۔

باقی یہ فضا محدود اور بقعہ نور بھی صرف اس وحدہ لاشریک لہ کی عبادت میں ایک گونہ وحدت کی شان (یعنی اتحاد، یکجہتی اور یکسوئی) پیدا کرنے کے لئے ہے ورنہ اس بیت اللہ کا رب جو ہمارا معبود ہے وہ تو جسم و جسمانیات یا کیف و کم اور جہت و سمت سے وراء الوراء ہے وہی سبحانہ تعالیٰ شانہ (پاک ہے وہ اور عقل و فہم کی رسائی سے اس کی شان بلند و برتر ہے) وہی اس بیت (گھر) کا رب ہے وہی ہمارا معبود ہے اسی کے ہم بندے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن چونکہ ہم اس کے بندے عالم اجسام سے تعلق رکھتے ہیں زمین پر رہتے اور بستے ہیں ہم اس کی عبادت میں وحدت کی شان (یکجہتی، یکسوئی بغیر جہت اور سمت کی تعیین کے) نہیں قائم رکھ سکتے اس لئے صرف ہماری ضرورت سے احکم الحاکمین اس بقعہ نور اور فضا محدود کو نماز میں قبلہ اور طواف میں بیت اللہ قرار دے دیا اسی کے حکم کی تعمیل میں ہم بیت اللہ اور خانہ کعبہ کے چاروں طرف نمازیں پڑھتے ہیں اور طواف کرتے ہیں۔

بہر حال ہم مسلمان تو اس رب العالمین وحدہ لاشریک لہ کے فرمانبردار ہیں اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے مامور ہیں۔

فائدہ: عام طور پر مسلمان لاعلمی کی بنا پر عبادات کی حقیقت اور روح سے ناواقف ہیں خصوصاً نماز میں قبلہ اور طواف میں خانہ کعبہ اور اس کی تقبیل (بوسہ دینے) سے اس لئے ہم نے ذرا تفصیل سے اس پر روشنی ڈالنی مناسب سمجھی اور قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ طواف کرتے وقت اور نماز پڑھنے کے وقت اس بیان کو اپنے ذہن میں رکھیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی حقیقت سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سترھواں باب

باب فی وجوب الانقیاد لحکم اللہ وما یقولہ من دعی الی ذلك' وامر بمعروف اونھی عن المنکر

۱۔اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کے فرض ہونے کا بیان

۲۔اور جس کو فرمانبرداری کی دعوت دی جائے اس کو کیا جواب دینا چاہئے

۳۔اور جس کو(شرعاً) بھلائی کی بات بتلائی جائے اور(شرعاً) بری بات سے منع کیا جائے تو اس کو کیا جواب دینا چاہئے۔

قرآن کریم

قال اللہ تعالیٰ: فلاوربك لایؤمنون حتی یحکموك فیماشجر بینھم ثم لایجدوافی انفسھم حرجاًمما قضیت ویسلموا تسلیماً (سورۃ النسا آیت ۶۵)

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو یوں نہیں' تیرے رب کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو منصف مان لیں ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان برپا ہو پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی تیرے فیصلہ سے' اور دل وجان سے بخوشی قبول کرلیں۔

تفسیر اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ ایمان کے معتبر ہونے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ کو اس طرح بطیب خاطر و برضا رغبت قبول کرنا کہ اس فیصلہ سے دل میں ذرہ برابر تنگی اور ناگواری محسوس نہ ہو ضروری ہے خصوصاً باہمی نزاعات کے فیصلوں میں کہ ہر فریق کو آپ کے فیصلہ کو اس طرح برضا ورغبت اور بخوشی قبول کرنا ضروری ہے حالانکہ طبعی طور پر جس فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اس کے دل میں ناگواری ضرور ہوتی ہے گو زبان یا عمل سے ظاہر نہ ہونے دے تب ایمان کامل ہوگا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمانی قوت اتنی قوی اور غالب ہو کہ انسان کی طبیعت اور فطرت ایمان کے تابع اور ایمانی رنگ صبغۃ اللہ سے ہم آہنگ ہو جائے اور بندہ مومن کی مرضی وہی ہو جائے جو مولیٰ کی مرضی ہو بالفاظ دیگر اپنی مرضی کو مولیٰ کی مرضی میں فنا کردے اس مرتبہ پر پہنچ جانے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی فیصلہ مومن کی مرضی کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں اس حالت کو مقام رضا و تسلیم کہتے ہیں قدماء محققین میں سے بعض بزرگ اسی مرتبہ کو ایمان کہتے ہیں اسی لئے وہ بزرگ شیخ تسلیم کے لقب کے ساتھ معروف ہیں اس میں شک نہیں کہ ارتقاء ایمان کا یہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اسی آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے انقیاد (بطیب خاطر اور برضا ورغبت) قبول کرنے کو فرض ثابت کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: انما کان قول المؤمنین اذادعوآ الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئك ھم المفلحون (سورۃ النور آیت ۵۱)

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:اس کے سوا نہیں کہ ایمان والوں کا کہنا جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں گے ان کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر۔اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کا انحصار انہی مومنوں کے اندر فرمایا ہے جو یہ سنتے ہی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بارے میں کوئی حکم فرمانے کے لئے تم کو بلاتے ہیں فوراً سمعنا واطعنا کہہ کر اس دعوت (بلاوے) پر لبیک (ہم حاضر ہیں) کہتے ہیں گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم سننے اور ماننے کے لئے تیار رہتے ہیں یہی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا تقاضا ہے اور اسی سرعت اجابت کی بنا پر ان کو فلاح یافتہ قرار دیا ہے۔

اسی سلسلہ میں ہم دو آیتوں کا اور اضافہ مناسب سمجھتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: یایھاالذین امنوا استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموآ ان اللہ یحول بین المرءِ وقلبہ وانہ الیہ تحشرون (سورۃ الانفال ع ۳ آیت ۲۴)

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:اے ایمان والو! تم (فوراً) جواب دیا کرو (اور لبیک کہا کرو) جب بھی تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں (ابدی) زندگی بخشنے والی ہو اور یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے رسول کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں (اور اس دعوت پر تاخیر یا انحراف کرنے کی بنا پر لبیک کہنے سے محروم کردیتے ہیں اور یہ یاد رکھو کہ تمہیں اسی کے پاس جانا ہے۔

تفسیر۔اس آیت کریمہ میں بھی اسی سرعت اجابت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے اور ساتھ ہی جواب دینے سے غفلت یا بے پروائی کے انجام بد سے ڈرایا ہے چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا وہ نماز پڑھ رہے تھے (سوچا نماز پوری کر کے جواب دوں گا) جب وہ نماز پوری کر کے حاضر ہوئے تو آپ نے اس تاخیر پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس آیت کریمہ میں منازعات کے فیصلہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر ابدی زندگی بخشنے والی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم ہے جیسا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر نماز بیچ میں ہی چھوڑ کر جانا چاہیئے تھا اس لئے کہ آپ کا بلانا کسی نہ کسی حکم الٰہی سے آگاہ کرنے کے لئے تھا اور تنہا نماز ظاہر ہے کہ نفل ہی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم سننا اور ماننا فرض تھا (اس لئے نماز کو چھوڑ دینا ضروری تھا) اس سے معلوم ہوا کہ حکم الٰہی سننے کے لئے بلا تاخیر حاضر ہونا چاہیئے اس لئے تاخیر میں اندیشہ ہے کہ قلب کی حالت تبدیل ہو جائے اور ایمان سے منحرف ہو جائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

ان القلوب بین اصبعی الرحمن یقلبھا کیف یشاءُ

تحقیق (انسانوں کے) دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہتے ہیں (ایک لحمہ میں) اُلٹ دیتے ہیں۔

اسی تقلیب (اُلٹ دینے) کو آیت کریمہ میں یحول (حائل ہونے سے) تعبیر کیا ہے بہر حال آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حکم الٰہی سننے اور ماننے کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے اسی غرض سے ہم نے اس آیت کریمہ کا اضافہ کیا ہے۔

اسی عنوان کے تحت مذکورہ ذیل آیت کریمہ بھی ذکر کرنا مناسب ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذاقضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقدضل ضلٰلاً مبیناً (سورۃ الاحزاب آیت ۳۶)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور کام نہیں کسی مومن مرد کا نہ کسی مومن عورت کا جبکہ فیصلہ کردے اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا کہ ان کو اختیار ہو اپنے کام کے بارے میں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

تفسیر۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی مومن مرد یا مومن عورت کے شخصی اور نجی معاملہ میں بھی کوئی فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے نجی کام میں بھی کوئی اختیار باقی نہیں رہتا وہی اختیار کرنا پڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کر دیا اور اس کے خلاف اپنی رائے سے کام کرنے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور کھلی ہوئی گمراہی قرار دیا ہے چنانچہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو نکاح کا پیغام بھیجا انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے ایک آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے لئے پیغام بھیجا ہے تو انہوں نے اور ان کے بھائی عبداللہ ابن جحش نے یہ سمجھ کر کہ یہ تو ایک شخصی اور نجی معاملہ ہے ہم چاہیں اس رشتہ کو قبول کریں یا چاہے رد کریں ہمیں اختیار ہے انہوں نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طے کردہ رشتے سے انکار کو نافرمانی اور کھلی ہوئی گمراہی قرار دیا گیا تو ایمانی غیرت خاندانی غیرت پر غالب آئی اور دونوں بہن بھائی راضی ہو گئے چنانچہ زینب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق زید بن حارثہ کے نکاح میں آ گئیں حالانکہ یہ نکاح خاندانی عصبیت کے خلاف کھلا چیلنج تھا کیونکہ زینب قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں اور زید بن حارثہ بہر حال ایک آزاد کردہ غلام تھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاندانی بڑائی کے بت کی سرکوبی کی غرض سے ہی زید بن حارثہ حب رسول اللہ کے ساتھ زینب کے نکاح کا فیصلہ کیا تھا اور زینب اور ان کے بھائی کی غیرت ایمانی نے یہ معلوم کر کے کہ اس رشتہ سے انکار کرنا اللہ رسول کی نافرمانی اور کھلی گمراہی ہے خاندانی شرافت وعصبیت کو ایمانی قوت کے زور سے کچل ڈالا اور حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بننے کو دنیا و آخرت کی سرخروئی کا موجب اور سرمایہ فخر سمجھا۔

ان چاروں آیات کریمہ سے جن میں سے دو امام نوویؒ نے پیش کی ہیں اور دو ہم نے یہ ثابت ہو گیا کہ مومن

کا قول اور جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر بلا تاخیر سمعنا واطعنا ہونا چاہئے ورنہ اس سے انکار وانحراف' نافرمانی اور گمراہی ہے اور غفلت و بے پروائی ایمان کے ضعف کی دلیل ہے اور خطرہ کی علامت ہے باب کے تیسرے جزو یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت کے جواب میں کیا کہنا چاہئے امام نووی رحمہ اللہ نے اس کے ثبوت کے متعلق کوئی آیت نہیں پیش کی آیت کریمہ ذیل اس کے مناسب ہے۔

قال الله تعالیٰ: کنتم خیرأمة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم بہترین اُمت ہو جو بھیجی گئی ہے لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے حکم کرتے ہو (شرعاً) بھلی بات کا اور منع کرتے ہو ہر (شرعاً) بری بات سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

تفسیر۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا طغرائے امتیاز اور نشان افتخار ہے اور حسب استطاعت اس پر عمل کرنا اور اس کی دعوت پر لبیک کہنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا سابقہ آیات کے تحت ہر دعوت رسول پر سمعنا واطعنا کہنا فرض ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے احادیث کے سلسلہ میں گذشتہ باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سوال سے ممانعت کے بعد فرمایا ہے جب میں تم کو کسی چیز (یا کام) سے منع کروں تو اس سے دور رہو (پاس بھی نہ جاؤ) اور جس چیز (یا کام کا) میں حکم دوں اس پر جہاں تک ہو سکے عمل کرو اس پر مفصل بحث آپ پڑھ چکے ہیں۔

اور اس میں متعدد احادیث ہیں۔ مثلاً ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جو اس باب کے شروع میں مذکور ہے اور اس کے علاوہ دوسری احادیث۔

لیلۃ المعراج میں اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا عظیم تحفہ اور قبول شدہ دعائیں

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ عَلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿ للهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَو تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ ﴾ الآيةَ [البقرة :۲۸۳] اشْتَدَّ ذلِكَ عَلَى أصْحَابِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأتَوا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَكُوا عَلَى الرُّكَبِ، فَقَالُوا: أيْ رسولَ الله. كُلِّفْنَا مِنَ الأَعْمَالِ مَا نُطِيقُ: الصَّلاةَ والجِهَادَ والصِّيَامَ والصَّدَقَةَ، وَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هذِهِ الآيَةُ وَلا نُطيقُهَا. قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أتُرِيدُونَ أنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ أهْلُ الكتَابَيْنِ[۳] مِنْ قَبْلِكُمْ:

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ؟ بَلْ قُولُوا سَمِعنا وَأَطَعنا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ المَصِيرُ " فَلَمَّا اقْتَرَأَهَا القومُ ، وَذَلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِي إِثرِهَا : ﴿ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللهِ وَمَلائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴾[البقرة : ٢٨٥] فَلَمَّا فَعَلُوا ذلِكَ نَسَخَهَا اللهُ تَعَالَى ، فَأَنزَلَ اللهُ عز وجل : ﴿ لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفساً إلاَّ وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخطَأْنَا ﴾ [البقرة : ٢٨٦] قَالَ : نَعَمْ ﴿ رَبَّنَا

ربنا ولاتحمل علينآ اصرا کماحملته علی الذین من قبلنا(سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶)

اے ہمارے رب! تو ہمارے اوپر ایسا بوجھ (نا قابل عمل احکام) نہ ڈالیو جیسے تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نعم (بہت اچھا یہ بھی منظور ہے)

ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به (سورۃ البقرہ ۲۸۶)

اے ہمارے رب! تو ہم پر ایسی مصیبتیں بھی نہ ڈالیو جن کے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نعم (بہت اچھا یہ دعا بھی قبول ہے)

اور چند دعائیں:

واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶)

اور تو (ہماری کوتاہیوں کو) معاف فرما اور (ہمارے گناہوں کو) بخش دے اور تو ہمارے اوپر رحم فرما تو ہمارا مولیٰ (آقا) ہے پس تو کافر قوموں کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

للہ ما فی السموت ومافی الارض وان تبدوا مافی انفسکم اوتخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفرلمن یشآءُ ویعذب من یشآء واللہ علی کل شیء قدیر (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۴)

اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جو تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اس کو ظاہر کرو چاہے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب ضرور لے گا پھر جس کو چاہے گا بخش دے گا جس کو چاہے عذاب دے گا بے شک اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

تو یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو بہت دشوار محسوس ہوئی (کہ اچھے برے خیالات کا بھی حساب ہوگا اور ان پر عذاب بھی دیا جاسکے گا) تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر گھٹنے ٹیک کر (نہایت عاجزی کے ساتھ) بیٹھے (جیسے ایک مرید اپنے پیر کے سامنے یا ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے بیٹھتا ہے) اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! جن اعمال کا ہمیں مکلف بنایا گیا وہ ہماری قدرت (واختیار) کے تحت داخل تھے مثلاً نماز' روزے' جہاد اور صدقہ (زکوٰۃ) ہم نے ان

پر عمل کیا اور کر رہے ہیں اب آپ پر یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی ہے (جو کہ کچھ تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اس کو ظاہر کرو یا نہ کرو سب کا حساب ہوگا یہ ہماری قدرت و طاقت سے باہر ہے (دل میں تو اچھے برے ہزاروں خیال آتے ہیں انہیں کون روک سکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کے لہجہ میں فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ جیسے تم سے پہلے (دو) کتابوں (تورات وانجیل) والوں نے کہا سمعنا وعصینا (سن لیا اور نہیں مانا) ایسے ہی تم بھی کہو (سن تو لیا مگر عمل نہیں کرسکتے) خبردار! تم ایسا ہرگز مت کہنا بلکہ تم کہو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو سن لیا اور مان لیا (ضرور عمل کریں گے) اور (جو کوتاہی ہوگی اس کی تجھ سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اے ہمارے رب (تو ہمیں بخش دے) اور ہمیں مرنے کے بعد تیرے ہی پاس لوٹنا ہے (تو ضرور ہر نیک و بد کا حساب لے گا) تو صحابہ نے (آپ کی تلقین کے زیر اثر) ان کلمات کو نہایت عاجزی کے ساتھ ادا کیا اور ان کی زبانیں (آپ کی اس پیغمبرانہ تلقین کے زیر اثر (بلا تردد و تذبذب) آمادہ ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد (اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ایمان کی تصدیق بھی فرمادی اور آپ کی معجزانہ تلقین کے زیاثرا صحابہ کی زبان سے نکلے ہوئے عاجزانہ کلمات کو بھی بغرض تحسین انہی کی طرف منسوب کر کے بعینہ نقل فرمایا اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

امن الرسول بمآ انزل الیه من ربه والمؤمنون کل امن بالله وملئکته وکتبه ورسله لا نفرق بین احد من رسله وقالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا والیك المصیر (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵)

ایمان لے آیا رسول بھی اس حکم پر جو اس کے رب کی جانب سے اتارا گیا اور ایمان لانے والے (صحابہ) بھی ان میں سے ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر جو اس کا حکم لاتے ہیں اور اس کی تمام کتابوں پر (تورات ہو یا انجیل) اور اس کے تمام رسولوں پر (موسیٰ ہوں یا عیسیٰ یا محمد) اور کہا: ہم اس کے رسولوں کے درمیان (یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح) فرق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں) اور انہوں نے کہا: اللہ کے ہر حکم کو سن لیا اور دل و جان سے مان لیا (اور اس پر عمل کرنے میں جو کوتاہی ہوگی اس کی ہم) تجھ سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں (تو اسے بخش دیجیو!) اے ہمارے رب اور (ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں) تیرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے اور تو ہمارا حساب ضرور لے گا)

تو جب صحابہ نے (آپ کی تلقین کے زیر اثر) اس پر عمل کیا (اور قدرت ہو یا نہ ہو اس پر عمل کرنے کی آمادگی کا اظہار کیا) تو اللہ تعالیٰ نے (اپنے فضل و کرم سے) اس پہلے حکم کو منسوخ بھی فرمادیا اور اس کے بعد (صحابہ کی دعاؤں کے قبول فرمالینے کا اعلان بھی کردیا چنانچہ حسب ذیل آیت نازل ہوئی:

لایکلف الله نفساً الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶)

اللہ ہر نفس (شخص) کو اسی چیز کا مکلف بناتا ہے جو اس کی وسعت (قدرت) میں ہو (لہٰذا) جو (نیک کام) وہ کرے گا اس کا نفع اسی کو پہنچے گا اور جو برا کام (گناہ) وہ کرے گا اس کا نقصان بھی اسی کو اٹھانا پڑے گا۔

درخواستوں کی منظوری اور دعاؤں کی قبولیت کا اعلان:

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶)

اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا (بلا ارادہ) ہم سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو تو ہم سے اس پر مواخذہ نہ کیجیو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قد فعلت (بہت اچھا یہ درخواست منظور ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نعم (بہت اچھا یہ دعائیں بھی قبول ہیں)

تفسیر: یہ حدیث چند وجوہ سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جن کی تشریح ضروری ہے۔

امت محمدیہ کے ایمان لانے والوں کی یہ انتہائی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی تصدیق ان کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی تصدیق کے ساتھ ساتھ فرمائی گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ایمان کی تصدیق فرماتے ہیں یہ تصدیق ایسی ہی ہے جیسے ان کے اخلاص کی تصدیق آیت کریمہ ذیل میں فرمائی ہے۔

یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً (سورۃ الحشر آیت ۸)

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ) اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں۔

اور آیت کریمہ ذیل میں اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیا۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (سورۃ البینہ آیت ۸)

اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

یہ شرف اور یہ سعادت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ایمان کو صرف اس لئے حاصل ہوئی کہ ان کے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے علی وجہ البصیرۃ ایمان لانے کی شہادت ذیل کی آیات کریمہ میں دی ہے۔

ھذہ سبیلی ادعو آالی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (سورۃ یوسف آیت ۱۰۸)

یہ (اسلام) میرا راستہ ہے اسی کی طرف میں (لوگوں کو) دعوت دیتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ میں بھی اور میرا اتباع کرنے والے بھی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کو مرنے کے وقت (یا آخرت میں) خطاب فرماتے ہیں۔

یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (سورۃ فجر آیت ۲۷ تا ۳۰)

اے مطمئن نفس تو اپنے رب کی طرف واپس آ تو اللہ سے راضی اللہ تجھ سے راضی، پس تو میرے (مخلص) بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ انتہائی شکر وامتنان کے اظہار اور محبت کے ساتھ اپنے ہر شعبہ زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہؓ کی سنت کا ایسا اتباع کرے کہ اس کی زندگی کا شعار (امتیازی نشان) بن جائے کہ ہر دیکھنے والا بے ساختہ کہے کہ یہ محمد رسول اللہ کے پیرو ہیں مگر اتباع کی یہ سعادت بغیر محنت کے حاصل نہیں ہو سکتی مسلم کی حدیث میں خود آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے دل ودماغ میں اس کے باپ سے اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث محبت میں ومن نفسہ (اور اپنی جان سے بھی زیادہ کا اضافہ جبھی آیا ہے) یاد رکھئے! زندگی کے ہر شعبہ میں اتباع سنت کے بغیر محبت کا دعویٰ بے معنی بلکہ استہزاء ہے شب وروز سنت کے خلاف کام کرتے رہیں اور ایک محفل میلاد کر لینے یا نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھ لینے پر محبت رسول اور اتباع سنت رسول کا دعویٰ مضحکہ خیز ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اور ہمیں بھی اس نعمت عظمیٰ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع سنت سے سرفراز فرمائیں۔

۲۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شکایت کرنیوالے صحابہ آپ کی خدمت میں و لا نطیقہ کہنے کے لئے آئے تھے تو آپ نے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کا وتیرہ اختیار کرنے پر سرزنش فرمانے کے بعد ان کو بلاپس وپیش ایمان لانے کی تلقین فرمائی اس کے بعد جو پسندیدہ کلمات ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلے اللہ تعالیٰ نے بعینہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات **وقالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا والیك المصیر**: کو قیامت تک کے لئے اپنی کتاب (قرآن) کا جزو اور ان صحابہ کی فرمانبرداری کی یادگار بنا دیا یہ ان صحابہ کے دلوں اور زبانوں کی کایا پلٹ اور دم کے دم میں یہ انقلاب در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور روحانی قوت نفوذ کا نتیجہ بلکہ معجزہ تھا جیسا کہ واقتر ءہا القوم وذلت بہا السنتہم سے ظاہر ہے لہٰذا امتثال امر اور بے چون وچرا فرمانبرداری کی سعادت کا سہرا بھی امت کے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر ہے امت کی اس عزت افزائی پر امت کو نہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ایسا امت کا خیر خواہ نبی ہمیں دیا بلکہ اس محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع سنت میں اس احسان عظیم کی بنا پر دن دونہ اضافہ اور ترقی ہونی چاہئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اور شائع کرنے والوں کو اور ہر مسلمان کو محبت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان اور آپ کی رحمت کے ایمان کی تصدیق کے ذیل میں: اللہ تعالیٰ نے لا نفرق بین احد من رسلہ کا اضافہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سرزنش کی تائید فرمائی ہے جو آپ نے: **اتریدون ان تقولوا کما قال اهل الکتابین سمعنا وعصینا**۔ چنانچہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی شریعت کے احکام کو نہیں مانتے تھے اور سمعنا وعصینا کہتے تھے اور نصاریٰ یہود کی ضد میں موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی شریعت کے احکام کو نہیں مانتے تھے اور سمعنا وعصینا کہتے تھے اس لئے آپ نے صحابہ کو تلقین فرمائی بل قولوا سمعنا واطعنا اگر یہ تائید منظور نہ ہوتی تو لا نفرق بین احد من رسلہ کا جملہ بے مقصد ہو جاتا۔

۴۔ شکایت کرنے والے صحابہ نے **وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به الله فیغفر لمن یشآء ویعذب من یشآ** کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا کہ نیک و بد اعمال کا جیسے محاسبہ ہوگا ایسے ہی اچھے برے خیالات کا بھی محاسبہ ہوگا خواہ ان خیالات پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے یعنی جیسے گناہ اور نافرمانی کرنے پر مواخذہ (پکڑ) اور عذاب ہوگا ایسے ہی ان کے خیالات پر بھی مواخذہ ہوگا (کہ یہ خیال بھی تمہارے دل میں کیوں آئے) اور ان پر بھی عذاب ہوگا اگرچہ ان پر عمل نہ کیا ہو اعضاء و جوارح (ہاتھ پاؤں) انسان کے بس میں ہیں وہ ان کو گناہوں اور نافرمانیوں سے روک سکتا ہے۔ لیکن خیال انسان کے قابو سے باہر ہے گناہوں اور نافرمانیوں کے خیالات کو بھی اپنے دل میں نہ آنے دے یہ انسان کی طاقت سے باہر ہے مثلاً چوری کرنے ڈاکہ ڈالنے کسی کو ناحق قتل کرنے، شراب پینے، زنا کرنے، کسی پر جھوٹی تہمت لگانے، جھوٹ بولنے، جھوٹی گواہی دینے سے انسان اپنے آپ کو روک سکتا ہے لیکن ان کے خیالات کو بھی دل میں نہ آنے دے یہ انسان کی طاقت سے باہر ہے خود اللہ تعالیٰ نے بغرض ابتلاء و آزمائش ہر انسان کے دل میں بدکاری اور پرہیزگاری دونوں کو ڈالا ہے یعنی آگاہ کیا ہے اور بتلادیا ہے ارشاد ہے:

ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا وتقوھا (سورۃ الشمس آیت ۷، ۸)

اور قسم ہے نفس کی اور اس کو (نیکوکاری و بدکاری کے لئے) تیار کر دینے کی پھر اس کے دل میں ڈال دی اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری (یعنی دونوں سے آگاہ کردیا)

بہر حال اللہ تعالیٰ نے لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت فرما کر وضاحت فرمادی کہ مواخذہ اور عذاب خیالات پر نہ ہوگا بلکہ اعمال پر ہوگا اس کے ساتھ ہی غایت کرم کی بنا پر ربنا لا تؤاخذنآ ان نسینآ او اخطانا کے ذریعہ بھول چوک بھی معاف کردی چنانچہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رفع عن امتی الخطاء والنسیان میری امت سے بھول چوک معاف کردی گئی ہے۔

تنبیہ: باقی قلب کے اعمال جو قلب ہی سے تعلق رکھتے ہیں اعضاء و جوارح سے ان کا کوئی تعلق نہیں جیسے کتمان

حق ٗکتمان شہادت ٗکسی مسلمان سے بغض ٗکینہ ٗحسد دل میں رکھنا ٗنفاق (دل سے ایمان نہ لانا ٗدنیاوی اغراض کی بنا پر محض زبان سے اپنے کو مسلمان کہنا) صرف دکھاوے یا شہرت پسندی وغیرہ اغراض حاصل کرنے کے لئے نمازیں پڑھنا روزے رکھنا ٗصدقات خیرات کرنا ٗحج وعمرہ کرنا (جس کو شریعت کی اصطلاح میں شرک خفی "(چھپا ہوا شرک) کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام ذمائم ومعائب (دل کی برائیاں اور عیوب) ان پر ضرور مواخذہ ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کئے تو عذاب بھی ہوگا چنانچہ کتمان شہادت (گواہی کو چھپانے) کے متعلق تو اسی رکوع سے پہلے آیت کریمہ میں ومن یکتمہا فانہ اثم قلبہ (اور جس نے گواہی کو چھپایا تو اس کا دل گنہگار ہے)

فرمایا ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ دل بھی گناہ کرتا ہے اسی طرح آیت کریمہ ذیل:

فمن کان یرجوا لقآء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولایشرك بعبادة ربہ احداً (سورۃ الکہف آیت ۱۱۰)

اور جو شخص اپنے رب سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

سے معلوم ہوا کہ عبادت میں بھی شرک ہوتا ہے جس کی مثالیں اوپر بیان کی جاچکی ہیں۔

۴۔ سورۃ بقرہ کی ان آیات کریمہ کی عظمت واہمیت اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام درخواستوں کے منظور فرمانے اور دعاؤں کے قبول فرمانے کا اعلان دنیا میں ہی نعم فرما کر نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے کردیا سبحان اللہ قربان جایئے رب جلیل کی اس کریمی کے۔

ان آیات کریمہ کی عظمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ الاسراء (شب معراج) میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے لئے پنجوقتہ نمازوں کے ساتھ ہی سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں بطور تحفہ عنایت فرمائی ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الاسراء کی حدیث میں بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اُمت کے لئے) سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں بطور تحفہ عطا کی گئیں ان آیات کریمہ کی عظمت کی وجہ یہ بھی ہے کہ (دنیا میں) ان متبرک آیات کو لے کر ایک مخصوص فرشتہ بھیجا گیا جو اس سے پیشتر کبھی بھی کسی نبی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

چنانچہ مسلم ہی کی ایک روایت میں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس اثناء میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اوپر سے کسی چیز کے ٹوٹنے چٹخنے کی آواز سنی تو آپ نے سر اوپر آسمان کی طرف اٹھایا تو اس پر جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھلنے کی آواز ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا نیز اس دروازہ سے ایک فرشتہ اُترا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے کبھی کسی نبی کے پاس نہیں آیا آپ اس کو سلام کیجئے تو (جواب سلام کے بعد) اس فرشتہ نے کہا آپ کو (اور آپ کی اُمت کو) دو نوروں کی خوشخبری ہو (مبارک ہو) جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کئے گئے

ایک فاتحۃ الکتاب (سورۃ فاتحہ) ہے اور دوسرے سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں ہیں آپ (اور آپ کی اُمت) ایک کلمہ بھی ان آیتوں میں سے پڑھیں گے (اور مانگیں گے) تو ضرور اس کو دیا جائے گا (قبول کیا جائے گا) اسی حدیث کو دوسری روایت میں ہے جو شخص بھی ان آیتوں کو رات میں پڑھے گا اس کے لئے کافی ہوں گی۔

تنبیہ: اس خصوصیت نورانیت، عظمت اور اہمیت کو سن لینے اور پڑھ لینے کے بعد بڑا ہی محروم القسمت ہے وہ مسلمان جو ان عظیم آیتوں کو پڑھے بغیر سو جائے خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کیجئے اور آج سے ہی ان مبارک آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئیے دو منٹ بھی ان کے پڑھنے میں نہ لگیں گے مگر دل سے پڑھیئے خدا کی طرف متوجہ ہو کر پڑھیئے تو بیڑا پار ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو خود پڑھنے اور دوسروں کو بتلانے کی بھی توفیق عطا فرمائیں کتاب کے لکھنے اور شائع کرنے والوں کو بھی دعائے خیر میں یاد رکھئے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس باب کے عنوان میں تین چیزیں رکھی ہیں وہ تینوں اس حدیث سے ثابت ہیں اسی لئے اس باب میں صرف اس حدیث ہی کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے ذرا غور و فکر سے کام لیجئے آپ بھی سمجھ جائیں گے کہ یہ تینوں چیزیں اس حدیث سے ثابت ہیں۔

اٹھارواں باب

باب فی النہی عن البدع ومحدثات الامور

بدعتوں سے اور (دین میں) نئے نئے امور (کے اختراع کرنے) سے ممانعت کا بیان

قرآن کریم کی آیات اور ان کی تشریح

۱. قال اللہ تعالیٰ: فماذا بعد الحق الا الضلل (سورۃ یونس آیت ۳۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس سچ (کو چھوڑنے) کے بعد گمراہی کے سوا (اور) کیا ہے۔

تفسیر: عربی زبان میں حق کے معنی سچی اور واقعی بات یا چیز کے آتے ہیں امام نووی رحمہ اللہ نے اسی معنی کے اعتبار سے حق کا مصداق سچا اور حقیقی دین اسلام کو قرار دیا ہے جو مجموعہ ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا اس معنی کے پیش نظر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا بھی گمراہی ہے اس لئے کہ جو شخص سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کرتا اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ اس کے بعد جو بھی راستہ اختیار کرے گا وہ یا اپنے نفس کے اغراض وخواہشات کی رہنمائی کے تحت اختیار کرے گا یا اپنے ہم مشرب نفس پرست لوگوں کی رہنمائی کے تحت دونوں صورتوں میں وہ نفس امارہ ہی کی پیروی کرے گا اور نفس امارہ سوائے گمراہی اور کجراہی کے اور کچھ جانتا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان النفس لامارة بالسوءِ (سورۃ یوسف آیت ۵۳)

نفس تو بلاشبہ برے کاموں ہی کا بے حد حکم دینے والا ہے۔

اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ دنیوی اغراض اور لذات وخواہشات کے سبز باغ دکھا کر جائز وناجائز اور سنت وبدعت کے فرق اور امتیاز کو مٹا کر خود بھی اور اپنے پیروؤں کو بھی گناہوں اور خدا رسول کی نافرمانیوں کے جہنم میں لے جاتا ہے لہٰذا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام حق ہے اس کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔ لیکن اگر اس آیت کریمہ کے سیاق وسباق کے پیش نظر پوری آیت پڑھی جائے جو یہ ہے۔

فذالکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون (سورۃ یونس ع ۴ آیت ۳۲)

یہ تمہارا اللہ ہی تمہارا سچا (اور واقعی) رب ہے تو اس سچے رب (کو چھوڑنے اور اس پر ایمان نہ لانے) کے بعد گمراہی کے سوا (اور کیا ہے) پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔

تو اس "حق" کا مصداق رب العالمین کی ذات ہے اور آیت کریمہ رب العالمین کی ربوبیت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔
بہر حال "حق" کا اصل مصداق دین حق ہے اور اس کے دو بنیادی ستون ہیں
(۱) ایک کتاب اللہ (۲) دوسرے سنت رسول اللہ' ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنا گمراہی ہے۔

۲. وقال الله تعالیٰ: مافرطنافی الکتاب من شیء (سورۃ الانعام آیت ۳۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہیں چھوڑی ہم نے اس کتاب (قرآن) میں کوئی چیز (بلکہ ہر چیز کو بیان کر دیا)
تفسیر: یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے امور میں سے ہر چیز کو بیان کر دیا ہے لہٰذا جو امر قول ہو یا فعل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ یعنی قرآن اور حدیث میں نہیں وہ دین نہیں ہے اب جو کوئی بھی ایسے امر کو جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں نہیں اس کو دین کہتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے خبر دار! اس سے بچو اور پاس بھی نہ جاؤ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ بدعت ہر وہ نیا عقیدہ یا عمل ہے جو کتاب و سنت میں نہ ہو واضح ہو کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم کتاب (قرآن) میں موجود ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنه فانتھوا (سورۃ الحشر ع ۱ آیت ۷)

اللہ کا رسول جو (قول یا فعل) تمہارے پاس لائے (یعنی جو تم کو فرمائے یا تمہارے سامنے عمل کرے) اس کو لے لو (قبول کرو اور اس پر عمل کرو) اور جس چیز (قول و عمل) سے تم کو منع کرے اس سے دور رہو (اس کے پاس بھی نہ جاؤ)۔

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آپ پڑھ چکے ہیں آپ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آپ پڑھ چکے ہیں۔

علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الراشدین المھدیین

لازم کر لو تم اپنے اوپر میری سنت کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو۔
اس لئے کہ ان کی سنت بھی در حقیقت آپ کی ہی سنت ہے کیونکہ وہ دین کے بارے میں اپنی طرف سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ کرتے ہیں اسی طرح کبار تابعین۔
کیونکہ مشہور حدیث میں آیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

بہترین عہد میرا عہد ہے پھر ان لوگوں کا عہد جو میرے عہد والوں کے قریب ہیں پھر ان لوگوں کا عہد جو (دوسرے عہد والوں کے) قریب ہیں۔
لہٰذا جو عقیدہ یا عمل نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنت رسول اللہ میں ہو نہ سنت صحابہ کرام و کبار تابعین میں ہو وہ نیا

اختراع کردہ عقیدہ یا عمل ہے اس سے بچو اور اس کے پاس بھی نہ جاؤ کہ وہ بدعت ہے اور گمراہی ہے یہی تین عہد قرون مشہود لہا بالخیر ہیں یعنی وہ عہد جن کے بہترین عہد ہونے کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

۳. قال اللہ تعالی: فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (سورۃ النساء ع ۸ آیت ۵۹)

ترجمہ۔ پس اگر تم میں (اور اولی الامر میں) کسی بھی چیز کے بارے میں نزاع ہو تو اس نزاع کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول سے کراؤ۔

تنبیہ: امام نوویؒ اللہ اور رسول کی تفسیر کتاب و سنت سے کرتے ہیں۔

تفسیر: یعنی جیسے اللہ سے مراد کتاب اللہ ہے ایسے ہی رسول سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور سنت رسول اللہ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام قولی و فعلی یا سکوتی احادیث ہیں لہٰذا جیسے کتاب اللہ حجت اور دلیل ہے ایسے ہی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی حجت اور دلیل ہیں ان دونوں کے علاوہ اور کسی کا بھی قول و فعل شرعی دلیل نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ ہمارے اسلاف اور بزرگان دین ہوں یاد رکھئے ہمارے چاروں آئمہ مجتہدین کوئی ایسی بات نہیں کہتے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت نہ ہو اسی طرح امت کے بڑے بڑے اولیاء کرام سب سنت پر عمل کرنے کی شدید تاکید اور بدعت سے دور رہنے کی سخت تاکید فرماتے ہیں۔

٤. قال اللہ تعالیٰ: وان ھذا صراطي مستقیماً فاتبعوہ ولاتتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (سورۃ الانعام ع ۱۹ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ بیشک یہ (کتاب و سنت پر عمل) میرا راستہ ہے بالکل سیدھا پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ (دوسرے راستے) تم کو اس (سیدھے راستے) سے جدا کر کے الگ الگ فرقوں میں بانٹ دیں گے (اور مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیں گے)

تفسیر۔ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کی تم ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے اندر دعا مانگتے ہو اس راستہ کے علاوہ اور سب نفس پرستوں کے اختراع کردہ راستے ہیں اور بدعت ہیں اگر تم نے ان نئے نئے راستوں کو قبول کر لیا اور ان پر عمل کیا تو تم مختلف فرقوں میں بٹ جاؤ گے اور صراط مستقیم سے ہٹ جاؤ گے اور دور جا پڑو گے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کے تحت پیش گوئی فرمائی ہے اور کہا ہے کہ عنقریب میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں نجات یافتہ صرف ایک فرقہ ہو گا اور وہ وہی فرقہ ہو گا جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں یہی فرقہ ناجیہ وہ فرقہ ہے جس کو عرف میں اہل السنّت والجماعت (سنت اور جماعت صحابہ کو ماننے والے) کہا جاتا ہے باقی تمام فرقوں کو عرف میں اہل الاہوا (نفس کی اغراض و خواہشات کی پیروی کرنے والے) کہا جاتا ہے نیز اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صراط

مستقیم یعنی کتاب و سنت کا راستہ ایک ہی ہے اس کے بالمقابل بدعتوں کے راستے بے شمار ہیں جیسا کہ السبل جمع کے صیغہ سے ظاہر ہے اور یہی مذکورہ بالا حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے حدیث میں بہتر کا عدد محض کثرت بیان کرنے کے لئے ہے شمار بتلانے کے لئے نہیں ہے۔

۵. قال الله تعالیٰ: قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم (سورۃ آل عمران ع ۴ آیت ۳۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے نبی) تم کہہ دو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔

تفسیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی کے معنی آپ کے ہر قول و فعل کی یعنی سنت کی پیروی کے ہیں اور اللہ کی محبت اور گناہوں کی مغفرت (جن سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی بھی انسان محفوظ نہیں ہو سکتا) کا واحد ذریعہ ہے اس کے برعکس سنت کو پس پشت ڈال کر نئی نئی بدعات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا خدا کی ناراضگی کا واحد راستہ ہے جس پر چل کر انسان گمراہیوں کے جہنم میں گر جاتا ہے۔

احادیث

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کی آیات اس باب میں بہت ہیں اور قرآن پڑھنے اور سمجھنے والوں کو معلوم ہیں باقی حدیثیں تو اس سے بھی زیادہ اور مشہور ہیں ہم ان میں سے چند احادیث یہاں بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بدعت کی تعریف اور تشخیص اور اس کا حکم

عن عائشة رضي الله عنها ، قالَتْ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ في أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

وفي رواية لمسلم من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بھی ہمارے اس دین میں کوئی بھی ایسی نئی بات (عقیدہ یا عمل) نکالی (اور اختراع کی) جو دین کی نہیں تو وہ مردود ہے (بخاری و مسلم)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے جس شخص نے کوئی بھی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا عمل نہیں ہے وہ مردود ہے۔

تشریح: یہ حدیث مزید تشریح کی محتاج نہیں بالکل واضح طور پر بدعات کی تشخیص اور ان کی قطعی تردید کرتی ہے۔

بدعت کی جگہ جہنم ہے

وعن جابر رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ

عَيناهُ ، وَعَلا صَوتُهُ ، وَاشْتَدَّ غَضبُهُ ، حَتّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ ، يَقُولُ : " صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ " وَيَقُولُ : " بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ " وَيَقْرِنُ بَيْنَ أُصبُعَيهِ السَّبَّابَةِ وَالوُسْطَى ، وَيَقُولُ : " أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّ خَيْرَ الحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ ، وَخَيرَ الهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ " ثُمَّ يَقُولُ : " أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤمِنٍ مِنْ نَفسِهِ ، مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلأَهْلِهِ ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْناً أَوْ ضَيَاعاً[۳] فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ " رواه مسلم .

وعن العرياض بن سارية رضى الله عنه حديث السابق في باب المحافظة على السنة ۔الخ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپ منبر پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا آنکھیں لال ہو جاتیں آواز بلند ہو جاتی اور غصہ بے حد بڑھ جاتا یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوتا جیسے آپ (غافل لوگوں کو) دشمن (کے حملے) سے خبردار کر رہے ہیں اور فرماتے:

صبح کو تم پر حملہ ہوا یا شام کو اور فرماتے: بیشک میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (آگے پیچھے) بھیجا گیا ہوں اور اپنی کلمہ کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھلاتے (کہ میری بعثت اور قیامت کے درمیان اتنا ذرا سا فاصلہ ہے تم کس خواب غفلت میں گہری نیند سو رہے ہو اب آئی قیامت اور اب آئی) اور فرماتے: امابعد پس بیشک بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت ہے اور بدترین امور (عقائد واعمال) وہ ہیں جو نئے ایجاد کیے گئے ہیں اور ہر بدعت (نیا عقیدہ یا عمل) گمراہی ہے اور ہر گمراہی (کی جگہ) جہنم میں ہے۔

پھر (اس کے بعد) فرماتے: ہر مومن کی جان سے اس کی بنسبت میں قریب ہوں (یعنی مجھے اس کے جان ومال پر اس سے زیادہ اختیار ہے لہٰذا) جس مسلمان مرنے والے) نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل یعنی وارثوں کا ہے اور جس نے کوئی قرض چھوڑا یا ضائع ہونے والے (بال بچے) چھوڑے (جن کا کوئی سرپرست نہیں) وہ میرے حوالے ہیں (ان کی کفالت میں کروں گا) اور وہ قرض مجھ پر ہے (میں ادا کروں گا)

تشریح: اس حدیث کے تین جزو ہیں ایک ان دنیا کے دھندوں میں گرفتار آخرت سے غافل لوگوں کو قرب قیامت سے خبردار کرنا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں آپ کے بعد بس قیامت ہی آئے گی اور اس کے آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں ہے اب آئی اور تب آئی اور دو انگلیوں سے اس آگے پیچھے آنے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

دوسرے جزو میں دین کے دو بنیادی ستونوں کا بیان ہے ایک یہ کہ قرآن کریم بہترین کتاب ہے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وسنت بہترین سیرت وسنت

ہے جو امور (عقائد واعمال) ان دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں وہی امور دین ہیں وہی عبادات ہیں انہیں پر اجر وثواب ملتا ہے اور جو امور عقائد واعمال ان دونوں سے ثابت نہ ہوں وہ نئی ایجاد ہیں اور گناہ وعذاب کا موجب ہیں انہی کا نام بدعت ہے اور سراسر گمراہی (جن کی جگہ جہنم میں ہے) یہی دوسرا جزو عنوان باب کو ثابت کرتا ہے اور اسی جزو کے لئے امام نووی علیہ الرحمۃ اس پوری حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

حدیث کے تیسرے حصہ میں مومنین کے جان ومال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت عامہ کا بیان ہے کہ خود اہل ایمان کو اپنے نفسوں پر وہ اختیار حاصل نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی فرمایا ہے ارشاد ہے۔

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم (سورۃ الاحزاب آیت ۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے نفسوں پر خود ان سے زیادہ قریب اور با اختیار ہیں۔

چنانچہ اسی ولایت عامہ کی بنا پر آپ اعلان فرماتے ہیں کہ جو مسلمان مرنے کے بعد اپنے ذمہ قرض چھوڑ گیا وہ بھی میں (بیت المال سے) ادا کروں گا اور جس کے بال بچوں کا کوئی سرپرست نہیں ان کی کفالت بھی میں (بیت المال سے) کروں گا۔

گذشتہ حدیث کا حوالہ

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو باب المحافظۃ علی السنۃ کے ذیل میں آچکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم دور رہو اور پاس بھی نہ جاؤ (دین میں) نئی نئی باتوں (عقائد واعمال) کے اس لئے کہ ہر بدعت (نیا ایجاد کردہ عقیدہ یا عمل) گمراہی ہے۔

اس حدیث کی تشریح بھی گزر چکی ہے دوبارہ دیکھ لیجئے۔

عبرتناک جائزہ

کلام اللہ کی ان آیات کریمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ذرا غور کیجئے اور جائزہ لیجئے کہ جن رسوم وبدعات میں ہم عام طور پر گرفتار ہیں اور عبادت سمجھ کر ان کو کرتے اور موجب اجر ثواب سمجھتے ہیں ان کا نہ صرف قرون خیر بلکہ اسلام کے تمام ادوار میں کہیں پتہ نشان ہے۔ کیا صحابہ کرام نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یا اہل بیت کی وفات پر یا صحابہؓ نے خلفائے راشدین کی وفات پر یا ایک دوسرے کی وفات پر تیجہ چالیسواں یا سالانہ عرس کیا تھا یا آپ کی تاریخ ولادت پر یا اہل بیت میں سے کسی کی تاریخ ولادت پر یا صحابہؓ میں سے کسی کی بھی تاریخ ولادت پر محفل میلاد منعقد کی تھی اور عمدہ ولذیذ کھانوں کی دیگیں پکوائی تھیں اور بے دریغ فضول خرچیاں کی تھیں؟ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ کے صحابہ کبارؓ یا تابعین نے کبھی دستر خوان پر کھانا رکھ کر فاتحہ پڑھی تھی؟ یا

آپ نے اور کسی بھی عہد کے مسلمانوں نے فرض نمازوں کے بعد دوسری دعا اور بیک آواز زور زور سے درود شریف پڑھا تھا؟ پاکستان بننے اور کراچی آنے سے پہلے اسلام کے تیرہ سو سالہ عہد میں کسی نے بھی اذان کے بعد اذان کی طرح بلند آواز سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کسی بھی زمانہ میں کسی بھی موذن نے کہا ہے؟ یا عشرہ محرم میں تعزیہ داری جو بت پرستی کی حد کو پہنچ چکی ہے یا یہ سیاہ اور سبز لباس اور دوپٹے کسی نے بھی پہنے تھے؟ اور یہ لکھنؤ کے شاعروں کے گھڑے ہوئے مرثیے اور ان پر ماتم اور سینہ کوبی کسی نے کی تھی؟ کہیں بھی یہ سب کچھ نہیں ہوتا جو ہندوستان و پاکستان میں ہوتا ہے حتیٰ کہ ایران کی حکومت نے جس کا مذہب تشیع ہے ان تمام لغویات کو حکماً ممنوع قرار دے دیا ہے یا رجب کے مہینہ میں بی بی فاطمہ کے نام کے کونڈے عہد اول کے مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کئے ہیں۔

اُنیسواں باب

باب فی من سن سنة حسنة أو سيئة

اس شخص کا بیان جس نے کسی اچھے طریقہ کی بناڈالی یا بُرے طریقہ کی بناڈالی

آیات قرآن کریم اور ان کی تفاسیر

قال الله تعالىٰ: والذين يقولون ربناهب لنا من ازواجنا وذريتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماماً (سورۃ الفرقان آیت ۷۴)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک بیویاں اور اولاد عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

تفسیر۔ پرہیزگاروں کا امام اور پیشوا بنانے کی دعا کے معنی یہ ہیں کہ تو خود ہمیں بھی پرہیزگار بنا اور پرہیزگاری کے طریقے اور راستے قائم اور جاری کرنے کی توفیق بھی عطا فرما تاکہ ہماری ذریت (اولاد) بھی اور دوسرے مسلمان بھی ان طریقوں پر چل کر پرہیزگار بن سکیں یہاں تک کہ ہم پرہیزگاروں کے امام اور پیشوا بن جائیں گویا دو چیزوں کی دعا ہے کہ ایک خود پرہیزگار بننے کی اور دوسرے اولاد کے لئے پرہیزگاری کے طریقے جاری کرنے کی اور یہ دونوں عمل دعا کرنے والوں کے بھی عمل ہیں اسی لئے وہ ان راستوں پر چلنے والوں کے ثواب میں بھی شریک ہوتے ہیں جیسا کہ آگے حدیث آرہی ہے الدال علی الخیر کفاعلہ (نیک کاموں کا راستہ بتلانے والا (اجر و ثواب میں) ان نیکوکاروں کی مانند ہے)

قال الله تعالىٰ: وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا (سورۃ السجدۃ آیت ۲۴)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (علماء بنی اسرائیل) کو امام (پیشوا) بنایا وہ ہمارے حکم سے (لوگوں) کی رہنمائی کرتے ہیں۔

تفسیر۔اس آیت کریمہ میں تصریح فرمادی کہ امام وہی تھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رہنمائی کرے خواہ قولاً خواہ فعلاً لہٰذا کسی اچھے طریقہ کو جاری کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

یہ سنت حسنہ اور اس کے جاری کرنے والوں کا بیان ہوا

سنت سیئہ اور اس کے جاری کرنے والوں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون (سورۃ توبہ آیت ۱۲)

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جنگ کرو ان کفر کے پیشواؤں (مشرکین و کفار عرب) سے بیشک ان کی قسمیں (اور عہد و پیان) کچھ نہیں تاکہ یہ باز آجائیں۔

آیت کریمہ میں مشرکین مکہ اور کفار عرب کو صرف اس لئے آئمہ کے لفظ سے تعبیر کیا کہ وہ خود بھی کفر پر اڑے ہوئے تھے اور دوسروں کو بھی کفر و شرک کے راستے بتلاتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے:

وقالوا: لاتسمعو الھذا القران والغوافیہ لعلکم تغلبون (سورۃ حم السجدہ آیت ۲۶)

اوران (مشرکوں اور کافروں) نے کہا اس قرآن کو مت سنو اور (اس کے پڑھنے کے وقت) شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔

اس قسم کی کفر و شرک کی قولاً و فعلاً رہنمائی کا ذکر بہت سی قرآن کریم کی آیات میں آیا ہے جیسے سابقہ آیات میں ائمہ ہدایت اور سنت حسنہ کا ذکر ہے اسی طرح اس آیت کریمہ میں ائمہ ضلالت اور ان کی سنت سیئہ کا ذکر فرمایا ہے۔

نوٹ: عربی زبان میں اس راستہ کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص جاری کرے اور اس کے بعد اس راستہ پر دوسرے لوگ چلیں یہ راستہ اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی ہو سکتا ہے اس پر چلنے والوں کی فلاح و بہبود کا سہرا یا تباہی و بربادی کی ذمہ داری اسی شخص پر عائد ہوتی ہے جس نے اسکی بنا ڈالی اور جاری کیا اور یہ سنت اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے وہی اس کا بانی اور جاری کنندہ کہلاتا ہے یہی وہ سنت ہے جس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں ایک حسنہ دوسری سیئہ باقی شریعت کی اصطلاح میں جس کو سنت کہا جاتا ہے اور کتاب کے ساتھ اس کا ذکر آتا ہے جس کا بیان اس سے پہلے باب میں گزرا ہے وہ سنت تو حسنہ ہی حسنہ ہے وہ سیئہ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس سے مراد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جو ہمیشہ وحی جلی یا وحی خفی پر مبنی ہوتی ہے یا صحابہ کرامؓ یا ائمہ دین کی سنت ہے یہ سنت بھی چونکہ کتاب اللہ پر یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہوتی ہے اس لئے وہ بھی سیئہ نہیں ہو سکتی اس فرق کو ضرور یاد رکھئے بہر حال امام نووی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی دو آیتوں سے عنوان باب کو ثابت کیا ہے مگر ان دونوں آیتوں سے صرف سنت حسنہ کا ثبوت ہوتا ہے تیسری آیت کریمہ کا اضافہ سنت سیئہ کے لئے مناسب معلوم ہوا اس لئے تیسری آیت کا بھی ذکر کر دیا گیا۔

کسی اچھے طریقہ کی بنیاد ڈالنے والے مردان راہ خدا کی ہمت افزائی

عن أبي عمرو جرير بن عبد الله رضي الله عنه ، قَالَ : كنا في صَدْر النَّهَار عِنْدَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءهُ قوم عُرَاةٌ مُجتَابي النمار أوْ العَبَاء ، مُتَقَلِّدِي السُّيُوف، عَامَّتُهُمْ من مضر بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ ، فَتَمعَّرَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لما رَأى بهمْ مِنَ الفَاقَة ، فَدَخلَ ثُمَّ خرجَ ، فَأمَرَ بلالاً فَأذَّنَ وَأقَامَ ، فصلَّى ثُمَّ خطبَ ، فَقَالَ :"﴿يَا أيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ إلَى آخر الآية : ﴿إنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾ والآية الأُخرَى التي في آخر الحَشْرِ : ﴿ يَا أيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ تَصدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِينَارِهِ، مِنْ دِرهمِهِ، مِنْ ثَوبِهِ ، مِنْ صَاعِ بُرِّهِ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ حَتَّى قَالَ وَلَوْ بشقِّ تَمرَةٍ " فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الأنْصَار بصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهُ تعجزُ عنهَا، بَلْ قَدْ عَجَزَتْ، ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتَّى رَأيْتُ كَومَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ ، حَتَّى رَأيْتُ وَجْهَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَأنَّهُ مُذْهَبَةٌ. فَقَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ سَنَّ في الإسلامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أجْرُهَا، وَأجْرُ مَنْ عَمِلَ بهَا بَعْدَهُ،مِنْ غَيرِ أنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورهِمْ شَيءٌ،وَمَنْ سَنَّ في الإسْلامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيهِ وِزْرُهَا ، وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بهَا مِنْ بَعْدِهِ ، مِنْ غَيرِ أنْ يَنْقُصَ مِنْ أوْزَارهِمْ شَيءٌ " رواه مسلم. قَولُهُ : " مُجْتَابِي النِّمَار " هُوَ بالجيم وبعد الألِف باءٌ مُوَحَّدَةٌ ، والنِّمَار جَمْعُ نَمِرَةٍ وَهِيَ كِسَاءٌ مِنْ صُوفٍ مُخَطَّطٌ . وَمَعْنَى " مُجْتَابِيهَا " ، أي : لاَبسيهَا قَدْ خَرَقُوهَا في رُؤُوسِهِم . وَ" الجَوْبُ " القَطْعُ ، وِمِنْهُ قَولُهُ تعالى : ﴿ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ﴾ أي نَحتُوهُ وَقَطَعُوهُ . وَقَولُهُ : " تَمعَّرَ " هُوَ بالعين المهملة : أيْ تَغَيَّرَ . وَقَولُهُ : " رَأيْتُ كَوْمَينِ " بفتح الكافِ وَضَمِّهَا : أي صُبْرَتَيْنِ . وَقَولُهُ : " كَأنَّهُ مُذْهَبَةٌ " هُوَ بالذال المُعْجَمَةِ وفتح الهاء والباء الموحَّدةِ قالَهُ القَاضي عِيَاضٌ وَغَيرُهُ وَصَحَّفَهُ بَعْضُهُمْ ، فَقَالَ : " مُدْهُنَةٌ " بدَال مهملة وَضَمِّ الهاء وبالنون وكذا ضبطه الحميدي[۳] . والصحيح المشهور هُوَ الأول . والمراد بِهِ عَلَى الوجهين : الصفاءُ والاستنارة .

ترجمہ: حضرت ابو عمرو جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں۔ ہم (ایک دن) دن کے اول حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس تن برہنہ گلے میں کمبل ڈالے گردنوں میں تلواریں لٹکائے ہوئے لوگوں کی ایک جماعت آئی ان میں بیشتر بلکہ تمام تر مضر قبیلہ کے لوگ تھے (اور کفار سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہو کر آئے تھے کہ آپ ان کے لئے زاد راہ اور سامان جنگ کا بندوبست کر دیں تو وہ محاذ جنگ پر جائیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ان کی فاقہ زدگی، خستہ حالی، بے سر و سامانی کو دیکھ کر متغیر ہو گیا رنج و ملال کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ

گھر میں تشریف لے گئے (کہ ان کے لئے کچھ لائیں مگر گھر میں کچھ نہ پاکر) پھر واپس تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو (ظہر کی) اذان دینے کا حکم دیا چنانچہ بلالؓ نے اذان دی (کچھ دیر کے بعد) اقامت ہوئی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر (سنتوں سے فارغ ہو کر) خطبہ دیا اور آپ نے سورۃ نساء کی یہ آیت پڑھی:

یایھاالناس اتقواربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھمارجالاً کثیراًونسآءً واتقوااللہ الذی تسآءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (سورۃ النساء آیت ۱)

اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور (خبردار رہا کرو) قرابت والوں سے بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگران ہیں۔

اس کے بعد سورۃ فرقان کی یہ آیت پڑھی۔

یایھا الذین امنو اتقوا اللہ ولتنظر نفس ماقدمت لغدو اتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون

(سورۃ الحشر آیت ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دیکھے اس نے کل (قیامت کے دن) کے لئے کیا پہلے سے تیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب (اچھی طرح) باخبر ہیں۔

تو کسی آدمی نے اپنے دیناروں میں سے دینار صدقہ میں دیا درہم والے نے اپنے درہموں میں سے درہم دیا کپڑے والے نے کپڑا دیا گیہوں والے نے ایک صاع گیہوں دیئے کھجور والے نے ایک صاع کھجور دیئے آپ نے فرمایا: اگرچہ کسی نے کھجور کا ایک ٹکڑا دیا (یاد رکھو سب سے اللہ اچھی طرح باخبر ہے کہ کس نے کیا دیا)

تو (یہ سن کر) انصار میں سے ایک شخص اٹھا اور ایک تھیلی لایا (جو اتنی وزنی تھی کہ) قریب تھا کہ اس کے ہاتھ اس کے اٹھانے سے عاجز ہو جائیں بلکہ عاجز ہو گئے پھر تو لوگ پے در پے صدقات دینے لگے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ دو ڈھیر لگ گئے خوردنی اشیاء اور کپڑوں وغیرہ کے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک (فرط مسرت سے) دیکھنے لگا گویا بالکل سنہری ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے اسلام میں کسی اچھی سنت کی بناڈالی اور جاری کی اس کو اس سنت کے جاری کرنے کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے بعد جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ان سب کا ثواب بھی ملے گا بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جس نے اسلام میں کوئی برا راستہ جاری کیا تو اس شخص پر اس برا راستہ جاری کرنے کا گناہ بھی ہوگا اور اس کے بعد جو لوگ اس برے راستہ پر چلے ان کا گناہ بھی ہوگا اس کے بغیر کہ ان عمل کرنے والے کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے"

(گویا اس سنت کا سہرا تھیلی پیش کرنے والے صحابی کے سر ہے اسی کو دیکھ کر دوسروں کے ہاتھ کھلے اور ذرا دیر میں دو ڈھیر لگ گئے)

امام نووی علیہ الرحمۃ حدیث کے بعض الفاظ کو ضبط کرتے ہیں اور معنی بیان کرتے ہیں۔ مجتابی النمار مجتابی جیم کے ساتھ اور الف کے بعد ایک نقطہ والی ب ہے النمار نمرہ کی جمع ہے اون کے دھاری دار کمبل کو کہتے ہیں اور مجتابی النمار مرکب کے معنی یہ ہیں کہ کمبل کو بیچ سے پھاڑ کر کفن کی طرح گلے میں ڈالا ہوا تھا مجتابی' جوب سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں قرآن کریم میں آیا ہے وثمود الذین جابوا الصخر بالواد (اور وہ قوم ثمود جنہوں نے وادی احقاف میں پہاڑوں کی بڑی بڑی چٹانوں کو کاٹ کر زمین دوز قلعے بنائے تھے تمعر عین کے ساتھ یعنی متغیر ہو گیا رنج وملال کے آثار نظر آنے لگے کوماوین کوما بالفتح وبالضم کا تثنیہ ہے یعنی بڑے بڑے ڈھیر مذہبۃ ذہب بمعنے سونا سے ماخوذ ہے بمعنی سنہری قاضی عیاض وغیرہ نے اسی طرح ضبط کیا ہے بعض شارحین نے تصحیف (غلطی) کی ہے اور مدہنۃ دال کے ساتھ دہن بمعنے تیل سے ماخوذ پڑھا ہے امام حمیدی نے بھی اسی طرح ضبط کیا ہے لیکن صحیح اور مشہور مذہبۃ ہی ہے۔

تشریح: اگرچہ مذکورہ بالا حدیث میں من سن سنتہ حسنتہ الخ ایک واقعہ سے متعلق آیا ہے مگر درحقیقت یہ ایک ضابطہ ار قاعدہ کلیہ ہے جس کے تحت مذکورہ واقعہ بھی آتا ہے اسی لئے اس موقع پر آپ نے یہ فرمایا جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے اس ضابطہ کی تحقیق وتشریح آیات کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

بُرے طریقے کی بنیاد ڈالنے والے مجرم کا حشر

وعن ابن مسعود رضي الله عنه: أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَيْسَ مِنْ نَفْس تُقْتَلُ ظُلْماً إلاَّ كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الأَوْلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا، لأَنَّهُ كَانَ أوَّلَ مَنْ سَنَّ القَتلَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جو شخص بھی ناحق قتل کیا جائے گا اس کا عذاب (قاتل کی طرح) آدم کے بیٹے قابیل پر بھی ہوگا اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل ناحق کی بنیاد ڈالی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: گویا دنیا میں قیامت تک جتنے بھی قتل ناحق ہوں گے ان کے قاتلوں پر عذاب کے علاوہ قابیل پر بھی عذاب ہوگا اس لئے کہ اس نے ہی حقیقی بھائی ہابیل کو ناحق قتل کر کے اس سنت سیئہ اور رسم بد کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم میں مذکور قتل ناحق کے اس سب سے پہلے واقعہ سے اس ضابطہ کا استنباط فرما رہے ہیں۔

بیسواں باب
باب فی الدلالۃ علی خیر والدعاء الی ھدی أو ضلالۃ
اچھے کام کی رہنمائی اور ہدایت کی دعوت دینے
یا برے کام اور گمراہی کی دعوت دینے کا بیان
قرآن کریم کی آیات اور ان کی تفاسیر

ا۔ قال اللہ تعالیٰ: ادع الی ربك انك لعلی ھدی مستقیم (سورۃ الحج رکوع ۹)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیتے ہیں اور تو بلا (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاشبہ تو (یقیناً) ہدایت کی سیدھی راہ پر (قائم) ہے۔

تفسیر۔ رب منبع ہر خیر وخوبی ہے اس کی طرف دعوت دینے اور بلانے کے معنی ہر خیر وخوبی کی طرف دعوت دینا اور بلانا خاص کر جبکہ اللہ تعالیٰ نے تصدیق فرمادی کہ بلاشبہ تو ہدایت اور سیدھی راہ پر قائم ہے اللہ کے رسول نے اس حکم کی تعمیل کس طرح کی قرآن عظیم بتلاتا ہے۔

ففروآ الی اللہ انی لکم منہ نذیر مبین (سورۃ الذاریات ع ۳ آیت ۵۰)

پس تم (دنیا ومافیہا سے) بھاگو اللہ کی طرف (اسی کے سایہ رحمت میں دنیا ومافیہا کے فتنوں سے پناہ ملے گی) میں تمہیں اس کی جانب سے واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔

اور اگر یہ نہیں کرسکتے تو کم از کم: **ولا تجعلوا مع اللہ الھاً اخرانی لکم منہ نذیر مبین** (سورۃ الذاریات آیت ۵۱)

اور اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے کو معبود مت بناؤ بیشک میں اس کی جانب سے تم کو واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں (کہ وہ کفر وشرک کو ہر گز نہیں بخشے گا)

پہلی آیت کریمہ میں تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں ادنیٰ درجہ کا ذکر ہے دونوں آیتیں اسی ترتیب سے آگے پیچھے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ: ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجاد لھم بالتی ھی احسن ان ربك ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین (سورۃ النحل ع ۱۰ آیت ۱۲۵)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ اور بلا اپنے رب کی راہ (توحید) کی

جانب دانائی اور دلنشیں وعظ کے ذریعہ اور (معاندوں کو) الزام دو اس طریق سے جو بہتر ہو بے شک وہ (تیرا رب) خوب اچھی طرح جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کے راستہ سے بھٹک چکے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

اس حکم پر اللہ کے رسول نے کس طرح عمل کیا؟ قرآن کریم بتلاتا ہے۔

۱. انمآاعظکم بواحدة ان تقوموالله مثنی وفرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنة ان هوالانذیرلکم بین یدی عذاب شدید. (سورۃ سبا آیت ۴۶)

اس کے سوا نہیں کہ میں تم کو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو اور ایک ایک (یعنی اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر) کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو تمہارے رفیق (نبی) کو سودیٰ تو نہیں ہے؟ وہ تو صرف ایک شدید عذاب (کا وقت آنے) سے پہلے تم کو خبردار کرنے والا ہے۔

۲. ارأیتم ان اهلکنی الله ومن معی اورحمنافمن یجیرالکافرین من عذاب الیم (سورۃ الملک آیت ۲۸)

ذرا مجھے بتلاؤ اگر مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ان کو اللہ ہلا کر دے یا ہم پر رحم فرمائے (اس کی مرضی) تو منکروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ (یعنی میری فکر مت کرو اپنی خبر لو)

اور اسی قسم کی مثالیں بکثرت قرآن عظیم میں موجود ہیں۔

۳. قال الله تعالیٰ: وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا الله

(سورۃ المائدہ ع ۱ آیت ۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ایک دوسرے کی مدد کیا کرو نکوئی اور پرہیزگاری پر اور ایک دوسرے کی مدد ہرگز نہ کیا کرو گناہ اور ظلم پر اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔

تفسیر۔ تعاون کے معنی ہیں ایک دوسرے کی مدد کرنا یہ بھی عمل دعوت اور بلاوا ہے۔ آیت کریمہ میں بر و تقویٰ پر اس بلاوا دینے کا حکم فرمایا ہے یعنی تمہیں ہمیشہ داعی الی الخیر ہونا چاہئے اور گناہ و ظلم پر دعوت اور بلاوا دینے سے منع فرمایا ہے یعنی تمہیں داعی الی الشر ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

٤. قال الله تعالیٰ: ولتکن منکم أُمة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکرواولئك هم المفلحون (سورۃ ال عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو (لوگوں کو) خیر کی طرف دعوت دے (یعنی بھلائی کی باتیں بتلائے) اور بری باتوں سے منع کرے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

تفسیر۔ اس آیت کریمہ میں قولاً دعوت الی الخیر کا حکم فرمایا ہے اور دعوت الی الشر سے منع فرمایا ہے بہرحال ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں کو دعوت اور بلاوے کا حکم مذکور ہے اسی بنا پر امام نووی رحمۃ اللہ ان دونوں آیتوں کو اس باب کے تحت لائے ہیں۔

جس طرح نیکی کی طرف دعوت دینے والا عمل کرنے والوں کے ثواب میں شریک ہے اسی طرح بدی کی طرف دعوت دینے والا عمل کرنے والے کے عذاب میں شریک ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جس نے ہدایت کی جانب (لوگوں کو) دعوت دی اس کو ان تمام لوگوں کے ثواب کے مانند ثواب ملے گا جنھوں نے اس کی پیروی کی اس ثواب دینے سے ان پیروی کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی جانب (لوگوں کو) دعوت دی اور بلایا اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے مانند گناہ اور عذاب ہوگا جنھوں نے اس کی پیروی کی اس عذاب سے پیروی کرنے والوں کے گناہ اور عذاب میں مطلق کمی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: پہلی حدیث میں صرف دعوت الی الخیر کا حکم مذکور تھا اس حدیث میں دعوت الی الخیر اور دعوت الی الشر دونوں کا حکم مذکور ہے اسی لئے امام نوویؒ پہلی حدیث کے بعد اس حدیث کو لائے ہیں۔

اسلامی جہاد (کافروں سے لڑائی) کا مقصد ایک کافر بھی اگر بغیر لڑے بھڑے مسلمان ہو جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ مال غنیمت سے بہتر ہے

حضرت ابو العباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں (ایک دن) فرمایا: میں کل (اسلامی) جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر (خیبر) فتح ہوگا یہ (خوشخبری) سن کر تمام لوگوں نے سخت اضطراب اور چہ میگوئیوں میں رات گزاری (کہ دیکھئے کس خوش نصیب کو جھنڈا ملتا ہے) جب صبح ہوئی تو (امیدوار) صحابہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر شخص امید کرتا تھا کہ جھنڈا اس کو دیا جائے گا تو آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالبؓ کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: وہ بیمار ہیں ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں (اسی لئے وہ آئے نہیں) آپ نے فرمایا: ان کے پاس (کسی کو) بھیجو (بلا لائے) تو حضرت علی کو (ہاتھ پکڑ کر) لایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی تو وہ ایسے اچھے ہو گئے جیسے ان کی آنکھوں میں درد تھا ہی نہیں، پھر ان کو جھنڈا دیا تو (اس پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا میں ان سے برابر جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا تم اسی وقت (مجاہدوں کو ساتھ لے کر) روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں جا اترو۔ جنگ کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اور اسلام کی رو سے جو اللہ کے حقوق ان پر واجب ہیں ان

سے آگاہ کرو پس (اے علی) خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک آدمی کو بھی تمہارے ذریعہ ہدایت فرما دی تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹنیوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

امام نووی رحمۃ اللہ مشکل الفاظ کے معنی اور تلفظ بتلاتے ہیں یدوکون کے معنی ہیں غور کرتے رہے اور آپس میں باتیں کرتے رہے علی رسلک 'رسل زبر اور زیر دونوں کے ساتھ آتا ہے لیکن زبر کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔

تشریح: اہل خیبر کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی شرعی قاعدہ کے اعتبار سے ان کو دعوت دینے کی ضرورت نہ تھی اس کے باوجود رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت علی کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم دینا صرف یہ بتلانے کے لئے تھا کہ اگر بغیر لڑے بھڑے تمہاری دعوت پر ایک شخص بھی اسلام قبول کر لے تو یہ تمہاری انتہائی سعادت ہے اور سرخ اونٹنیوں سے (جو عرب میں بہت قیمتی مال سمجھا جاتا تھا) بدرجہا زیادہ قیمتی سرمایہ ہے علاوہ ازیں چونکہ حضرت علی انتہائی جنگجو اور کفار سے جنگ کرنے کے لئے بے چین تھے آپ کو یقین تھا کہ یہ جاتے ہی جنگ شروع کر دیں گے اور خون کی ندیاں بہا دیں گے اس لئے ان کو یہ بتلانے کے لئے کہ اسلام کا مقصد صرف خونریزی نہیں ہے بلکہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنا ہے اگر بغیر لڑے بھرے ہی وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو سبحان اللہ ہاں اگر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہی نہیں اور کفر پر اڑے رہیں تو بدرجہ مجبوری ایسے سرکشوں سے نمٹنے کا واحد راستہ جنگ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی زمین کفر و شرک کے فتنے سے پاک ہو جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله**

اور ان (کافروں) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (کفر و شرک) باقی نہ رہے اور اطاعت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔

یہی اسلامی جہاد کا مقصد ہے (یعنی اسلامی احکام (مان لیں) اس کی دلیل یہ ہے کہ غیر مسلم اسلامی ملک میں جزیہ دے کر رہ سکتے ہیں۔

کسی بھی نیک کام کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرنا خود نہ کر سکے تو سفارش کرنا بھی کار خیر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کے ایک نوجوان نے عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ میں سامان جنگ مہیا کر سکوں تو آپ نے فرمایا: تم فلاں شخص کے پاس جاؤ اس نے سامان جنگ تیار کیا تھا مگر وہ بیمار ہو گیا (اس لئے نہیں جارہا) تو وہ نوجوان اس شخص کے پاس آیا اور کہا: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تمہیں سلام کہا اور فرمایا ہے تم نے جو سامان جہاد کے لئے تیار کیا تھا وہ مجھے دے دو (میں جہاد میں

جارہا ہوں اور میرے پاس سامان جنگ مطلق نہیں ہے) تو اس شخص نے اپنی بیوی کا نام لے کر کہا: اے فلانی جو سامان میں نے لڑائی کے لئے تیار کیا تھا وہ سب کا سب ان کو دے دے اس میں سے کوئی چیز بھی مت رکھیو اس لئے جو چیز بھی تو نے اس میں سے روکی (اور نہ دی) تو خدا کی قسم اس میں تیرے لئے کوئی خیر و برکت نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل تمام قیمتی سامان دے دینے کی تاکید کے ساتھ اس اہمیت کا اظہار ہوتا ہے جو صحابہ کرامؓ آپ کے حکم کی تعمیل میں کیا کرتے تھے (عورتیں طبعاً بخیل ہوتی ہیں قیمتی سامان دینے میں بخل سے کام لیتی اور زیادہ قیمتی چیز روک لیا کرتی ہیں اس لئے بیوی کو خطاب کر کے کہتا ہے اگر تو نے کوئی ذرا سی چیز روکی اور نہ دی تو یاد رکھ اس میں خیر و برکت مطلق نہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بے سروسامانی غازی کی سفارش کرنا اور اس کو معذور مجاہد کے پاس بھیجنا یقیناً دعوت الی الخیر کا مصداق ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو بھی کار خیر کے لئے اسی طرح دعوت دینا دعوت الی الخیر کا مصداق ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں اسی پر قیاس کر کے کہا جاسکتا ہے کہ کسی برے کام کے لئے کہنا دعوت الی الشر ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھیں اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

ہر دو ابواب میں فرق

انیسویں اور بیسویں باب میں بظاہر فرق نہیں محسوس ہوتا اور بلاضرورت تکرار کا شبہ ہوتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں ابواب میں نمایاں فرق ہے پہلا باب ان لوگوں سے متعلق ہے جو کسی نئے اچھے یا برے کام کی بناڈالیں اور اس کو جاری کریں اور لوگ بغیر کہے اس اچھے یا برے راستہ پر چلنا شروع کر دیں اور دوسرا باب ان لوگوں سے متعلق ہے جو بذات خود قصداً ہدایت یا گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور بلائیں جیسا کہ احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

الحمد للہ خیر الصالحین کی جلد اول مکمل ہوئی۔